درویشانِ احمدیت

...... جلد سوم ......

☆

:- حفاظت سماوی :-

یعنی

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام

اور

آپ کے متبعین کی معجزانہ حفاظت کے واقعات

ازقلم

فضل الٰہی انوری

درویشان احمدیت

﴾جلد سوم﴿

۔: حفاظت سماوی :۔

یعنی

حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام

اور

آپ کے متبعین کی معجزانہ حفاظت کے واقعات

از قلم

فضل الٰہی انوری

نام کتاب: **درویشان احمدیت**،جلد سوم
مؤلف: فضل الٰہی انوری
طبع اول: سال ۲۰۰۷ء
تعداد: ایک ہزار

اس وقت تک طبع ہونے والی کتب:

درویشان احمدیت ،جلد اول: (حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کے الہام: ”یَنصُرُکَ رِجَالٌ نُوحِی اِلَیھِم مِنَ السَّمَاءِ“ کے رُوح پرور نظارے

درویشان احمدیت،جلد دوم: (حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کی پیشگوئی:”میرے فرقہ کے لوگ اس قدر علم اور معرفت میں کمال حاصل کریں گے کہ اپنی سچائی کے نور اور اپنے علم اور معرفت کے رو سے سب کا منہ بند کر دینگے“ کی عملی تعبیر میں ہونے والے ایمان افروز واقعات۔

مجوزہ زیر تالیف سلسلہ کتب ھٰذا:

درویشان احمدیت،جلدچہارم (نصرت غیبیہ، یعنی افراد جماعت کے حق میں رونما ہونے والے مالی نصرت و دیگر تائیدات الٰہیہ کے اعجازی نمونے)

درویشان احمدیت،جلد پنجم (اخبار سماویہ، یعنی حضرت بانیٔ سلسلہؑ اور آپ کے متبعین کو ملنے والی آسمانی اخبار و بشارات

درویشان احمدیت ،جلد ششم (قبولیت دعا کے اعجازی نمونے)

درویشان احمدیت ،جلد ھفتم (غیرت الٰہی کے عبرتناک نمونے)

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

☆

الحمد لِلّٰہ ،ثُمَّ اَلحَمدُ لِلّٰہ کہ

اس سے قبل **درویشان احمدیت** ،جلداول، نیز جلد دوم طبع ہو کر احباب جماعت کے اندر مقبول عام کی سند حاصل کر چکی ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مقدمة الکتاب

کارخانۂ عالم اس طور پر جاری وساری ہے کہ جہاں خدا تعالیٰ کی عام سنت کے مطابق دنیا میں حوادث آتے ہیں اور آسمانی یا زمینی آفات کا نزول ہوتا ہے جنکی زد میں آکر سینکڑوں، لاکھوں لوگ موت کا شکار ہو جاتے ہیں، وہاں خدا تعالیٰ کی ایک خاص تقدیر بھی کام کرتی نظر آتی ہے جس کے تحت خدا تعالیٰ کے نیک وکار بندے ایسے غیر معمولی رنگ میں بچالئے جاتے ہیں کہ دنیا حیران رہ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ تقدیر خاص طور اُس وقت اپنی پوری قوت سے ظاہر ہوتی ہے جب انبیاء کرام اور ان کے متبعین کو دکھ دیا جاتا ہے اور دشمنانِ حق اپنی مادی قوت اور عددی برتری کے بل بوتے پر انہیں مٹا دینے کا زعم لے کر میدان میں اتر پڑتے ہیں۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب ان کے دشمنوں نے آگ میں ڈالا، تا انہیں ہلاک کر دیں تو آگ جس کی صفت جلانے کی ہے، اسے خدا تعالیٰ کی طرف سے حکم ملا کہ اے آگ تو ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیم کو سلامت رکھ۔ اس پر وہی آگ جو اپنے اندر پڑنے والی ہر چیز کو جلا کر راکھ بنا دیتی ہے، حضرت ابراہیمؑ کے لئے گل وگلزار بن گئی۔ اسی طرح خدا کا نبی، حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کے ساتھ ملک مصر سے نکل کر ایسے مقام پر پہنچا، جہاں آگے سمندر تھا اور پیچھے سے فرعونی لشکر ان کو ہلاک کرنے کیلئے آرہا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا کہ اپنا عصا پانی میں مار، جس پر پانی دو ٹکڑوں میں بٹ گیا اور اسکے درمیان میں سے حضرت موسیٰؑ اور آپکے ساتھی گذر کر پار ہو گئے۔ مگر جب فرعون اور اس کا لشکر گذرنے لگے تو وہی پانی پھر ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر بن گیا اور وہ سب کے سب اس میں غرق ہو گئے۔ یہ واقعات اگرچہ عقل اور قانون قدرت کے خلاف معلوم ہوتے ہیں، مگر دنیا کی تاریخ شاہد ہے کہ ایسا عملاً واقع ہوا، اُس وقت کے لوگوں کی نگاہوں کے سامنے ہوا اور وہ اِن جملہ واقعات کے چشم دید گواہ بن گئے۔

پھر یہی صورت خدا کے بندے حضرت عیسیٰؑ کو پیش آئی۔ دشمن نے آپ کو صلیب پر مارنے کی پوری کوشش کی تا کہ وہ لوگوں کے نزدیک لعنتی شمار ہوں، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ایسے اسباب پیدا فرما دئے کہ آپ صلیب پر لٹکائے جانے کے باوجود سلامت رہے۔ آپ پر ایک قسم کی

بیہوشی طاری ہوگئی جس سے سمجھ لیا گیا کہ آپ وفات پا چکے ہیں، حالانکہ آپ زندہ تھے۔اس حالت میں آپ کے دو ہمدرد اور بارسوخ حواریوں نے آپ کا جسم لے کر بظاہر تدفین کی خاطر ایک ایسے مقام پر رکھا جہاں آپ دوبارہ ہوش میں آ گئے۔ پھر انہی قابل اعتماد حواریوں کے علاج معالجہ سے آپ پوری طرح صحتیاب ہونے کے بعد موقعہ ملنے پر ملک (فلسطین) چھوڑ کر مشرق کی طرف سفر کر گئے اور آخر کار کشمیر پہنچ کر اور اپنا خداداد مشن پورا کر کے اس دنیا سے رخصت ہوئے۔[۱]

اللہ تعالیٰ کی خاص قدرت کے اس قسم کے نظارے حضرت سید المرسلین محمد مصطفیٰ ﷺ کی زندگی میں بھی کئی بار دیکھنے میں آئے۔آپکو کئی بار ایسے خطرات لاحق ہوئے کہ جن سے بچ نکلنے کے بظاہر بہت کم امکانات نظر آتے تھے۔مگر اللہ تعالیٰ نے ہر بار آپ کی غیر معمولی رنگ میں نصرت فرمائی اور دشمن اپنی انتہائی کوشش کے باوجود آپ کی زندگی پر ہاتھ نہ ڈال سکا۔حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام نے ایسے پانچ مواقع کا خاص طور پر ذکر فرمایا ہے جن میں آپ کا محفوظ رہنا اللہ تعالیٰ کی معجزانہ قدرت کا نشان تھا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

”یاد رہے کہ پانچ موقعے آنحضرت ﷺ کیلئے نہایت نازک پیش آئے تھے جن میں جان کا بچنا محالات سے معلوم ہوتا تھا۔ اگر آنجناب درحقیقت خدا کے سچے رسول نہ

---

[۱] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بجسد عنصری رفع الی السماء (یعنی ان کے جسمانی طور پر آسمان کی طرف اٹھائے جانے) کے عقیدہ کے برخلاف جو علم حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا گیا، اور جو قرآن کریم اور زمانۂ حاضرہ کے عرب علماء کی تحقیق سے بھی پوری طرح مطابقت رکھتا ہے، اس کے مطابق انہیں صلیب پر لٹکایا تو گیا تھا، مگر صلیبی موت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں بچا لیا، اور وہ صلیب پر سے زندہ اتارے جانے اور ایک لمبی عمر پانے کے بعد طبعی موت فوت ہوئے۔

آپ کی اس تحقیق پر اب تو مغرب کے محققین، نیز عرب علماءٗ بھی پوری سنجیدگی سے غور کرنے لگ گئے ہیں۔ چنانچہ حال کی تحقیق نے اس امر کو خارج از امکان قرار نہیں دیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر سے زندہ مگر بیہوشی کی حالت میں اتارے گئے اور پھر زخم اچھے ہونے پر آپ مشرق کی طرف ہجرت کر گئے۔ یہ کہ سرینگر (کشمیر)، محلّہ خانیار، میں موجود یوز آسف کے نام سے کسی بزرگ کی قبر، جس کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ اس میں دو ہزار قبل مغرب سے آنیوالا کوئی بزرگ انسان دفن ہے، قرائن قویہ کے رو سے حضرت مسیح کی قبر ہے۔ بعینہٖ یہی تحقیق حضرت بانی سلسلہ علیہ السلام کی ہے۔

ہوتے تو ضرور ہلاک کیئے جاتے۔ایک تو وہ موقعہ تھا جب کفار قریش نے آنحضرت ﷺ کے گھر کا محاصرہ کیا اور قسمیں کھالی تھیں کہ آج ہم ضرور قتل کرینگے۔۲) دوسرا وہ موقعہ تھا جب کہ کافر لوگ اس غار پر مع ایک گروہ کثیر کے پہنچ گئے تھے، جس میں آنحضرت ﷺ مع حضرت ابو بکر کے چھپے ہوئے تھے۔۳) تیسرا وہ نازک موقعہ تھا جب کہ اُحد کی لڑائی میں آنحضرت ﷺ اکیلے رہ گئے تھے اور کافروں نے آپ کے گرد محاصرہ کر لیا تھا اور آپ پر بہت سی تلواریں چلائیں مگر کوئی کارگر نہ ہوئی۔ یہ ایک معجزہ تھا۔۴) چوتھا وہ موقع تھا جب کہ ایک یہودیہ نے آنجناب کو گوشت میں زہر دے دی تھی اور وہ زہر بہت تیز اور مہلک تھی اور بہت وزن اس کا دیا گیا تھا۔(۵) پانچویں، وہ نہایت خطرناک موقعہ تھا جب کہ خسرو پرویز، شاہ فارس، نے آنحضرت ﷺ کے قتل کیلئے مصمم ارادہ کیا تھا اور گرفتار کرنے کے لئے اپنے سپاہی روانہ کئے تھے۔ پس صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ان تمام پرخطر موقعوں سے نجات پانا اور ان تمام دشمنوں پر آخر کار غالب ہو جانا ایک بہت بڑی دلیل اس بات پر ہے کہ درحقیقت آپ صادق تھے اور خدا آپ کے ساتھ تھا"

(چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد ۲۳ ص: ۲۶۳)

آنحضرت ﷺ کو پیش آمدہ ان واقعات کی سلسلہ عالیہ احمدیہ کے علماء میں سے ایک فاضل دوست۔مکرم مولوی عبدالوہاب احمد صاحب شاہد۔نے ایک ایسے اچھوتے اور دلفریب انداز میں تصویر کشی کی ہے کہ خاکسار نے اپنے اس تمہیدی نوٹ میں اسے شامل کرنا ضروری سمجھا ہے۔معزز قارئین اسے پڑھ کر یقیناً بہت محظوظ ہونگے۔وہ تحریر فرماتے ہیں:

"محسن انسانیت، وجہ تخلیق کائنات اور **لَو لَاکَ لَمَا خَلَقتُ الافلاکَ** ' کے مصداق حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر بھیس بدل بدل کر موت نے حملے کیئے۔کبھی ایک یہودی عورت کے ہاتھ سے زہر کی پڑیا کی صورت میں اور کبھی سفر طائف کے خونی ڈرامے کی صورت میں حملہ آور ہوئی مگر ناکام ہوئی۔ پھر جنگ اُحد کے موقعہ پر موت نے فتح کے نعرے لگائے مگر شرمندگی اور ناکامی کے طمانچے کھائے۔اس سے قبل مکہ

میں اس نے ہر قسم کے ظلم وستم کی راہ سے جو حملے کئے تھے، انہیں بھی ہر بار اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، یہانتک کہ جب کفار مکہ اسے بار بار ناکام دیکھ کر سٹ پٹا اُٹھے، تو انہوں نے دارالندوہ میں جمع ہو کر اسے ایک اَور قسم کا لباس پہنانے کا فیصلہ کیا اور وہ یہ تھا کہ نوجوانوں کے بھیس میں وہ رات محمد ﷺ کے مکان کا محاصرہ کر لے اور صبح ہونے سے پہلے پہلے یکدم حملہ کر کے آپ کا کام تمام کر دے مگر ہوا یہ کہ فجر کے وقت جب کفار مکہ اس کارنامہ کی خبر سننے کیلئے شادیانے بجانے کی تیاریاں کر رہے تھے تو موت سر پیٹتی ہوئی حاضر ہوئی اور ’ہائے میں اندھی ہوگئی‘۔ ’میں ہار گئی‘۔ ’میں محمد ﷺ کی زندگی نہ لے سکی‘، کہتی ہوئی اور اپنی اس ناکامی کی سبکی دور کرنے کے لئے غیظ وغضب کی جھاگ منہ میں لئے پھر سرپٹ بھاگی اور لگی آنحضور کا پیچھا کرنے۔ پہلے غار ثور پر پہنچی مگر منہ کی کھائی اور ناکام ونامراد ہو کر لوٹ آئی۔ بار بار کی اس شکست اور انعام کے لالچ نے اسے پھر بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا اور سراقہ کے روپ میں گھوڑے پر چڑھ دوڑی۔ اب کے اس نے آنحضور کے قریب پہنچ کر اپنی فتح کا نعرہ لگایا ہی تھا کہ چاروں شانے چت گر پڑی۔ اس بار زمین نے اسے اپنے شکنجے میں ایسا جکڑ لیا کہ وہ آگے نہ بڑھ سکی اور وہیں دم توڑ کر رہ گئی۔ غرض مقابلہ کے اس دنگل میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی قوت قدسیہ کے سامنے اس کی کوئی پیش نہ گئی۔ وہ بار بار ہاری اور محمد رسول اللہ ﷺ بار بار جیتے اور آخر فتح کا تاج پہنے اس دنیا سے رخصت ہوئے‘‘

غرض انسانی تدبیروں اور آسمانی تقدیروں کے باہمی تصادم کا یہ سلسلہ روز ازل سے جاری و ساری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ چنانچہ متن کتاب کے اندر لائے گئے جملہ واقعات ایک طرف قدرت خداوندی کا منہ بولتا ثبوت ہیں اور دوسری طرف اس حقیقت کو روز روشن کی طرح آشکار کر رہے ہیں کہ اسلام کے اس بطل جلیل (حضرت بانئ سلسلہؑ) اور اس کی قائم کردہ جماعت کو مٹانا آسان کام نہیں، کیونکہ وہ ایک قادر وتوانا اور سمیع وبصیر خدا کی حفاظت میں ہے۔

والسلام خاکسار فضل الٰہی انوری مورخہ یکم ستمبر ۲۰۰۶

.....باب اول.....

حضرت بانیٔ سلسلہؑ پر بننے والے مقدمات

اور

معجزانہ رنگ میں آپ کی آسمانی حفاظت

☆

کلام الامام

''آج مجھے خیال آیا کہ شاید یَأْتِی عَلَیکَ زَمَنٌ کَمَثَلِ زَمَنِ مُوسیٰ والاالہام اور محاصرہ والی حدیث اسی طرح پوری ہو کہ مقدمات کثرت سے کر دیں، جیسے حضرت موسیٰ سامنے نیؔل سے اور پیچھے لشکر فرعون سے محصور ہو گئے تھے ،اور ایسی خوفناک صورتیں پیدا ہوں کہ بعض کمزور طبیعت والے چلاّ ئیں کہ ہم پکڑے گئے۔ اس لئے خدا نے ایسے کمزوروں کو پہلے سے تسلّی دے دی کہ یہ مضبوط اور قوی دل ہو جاویں۔'براہین احمدیہ' میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے کہ ایک وقت ناخنوں تک زور لگائیں گے،اُس وقت خدا تیرے ساتھ ہوگا،وَاللّٰہُ یَعصِمُکَ مِنَ النَّاسِ''

(ملفوظات جلد ۵،صفحہ ۲۷)

☆ ☆ ☆

''افسوس کہ میرے مخالفوں کو باوجود اس قدر متواتر نامرادیوں کے میری نسبت کسی وقت محسوس نہ ہوا کہ اس شخص کے ساتھ ایک ہاتھ ہے جو ان کے ہر حملے سے اسکو بچاتا ہے اور نہ صرف بچایا بلکہ پہلے سے خبر دیدی کہ وہ بچائیگا''

(حقیقۃ الوحی ،روحانی خزائن،جلد ۲۲،ص ۱۲۵)

☆

حضرت بانی سلسلہؑ پر بننے والا

پہلا فوجداری مقدمہ

ایک معاندِ اسلام کا دام تزویر۔ اور۔ آپکی معجزانہ بریت

یہ وہ سب سے پہلا مقدمہ ہے جو ایک دیسی عیسائی مسمی رلیارام (جو ہندوؤں سے عیسائی ہوا تھا اور جو وکیل بھی تھا) نے آپ پر اس وقت قائم کیا، جب آپ ابھی ماموریت کے مقام پر فائز نہیں ہوئے تھے۔ جو کیس اس نے آپ پر بنایا، اسکی سزا اُس وقت کے مروجہ انگریزی قانون کے مطابق پانچ صد روپیہ جرمانہ یا چھ ماہ تک قید ہو سکتی تھی۔ مگر قبل اس کے کہ اس مقدمہ کی آپکو اطلاع ہوتی، علیم وقدیر خدا نے آپ کو ایک رؤیا کے ذریعہ بتلا دیا کہ رلیارام آپکو کوئی ضرر پہنچانے کی کوشش کرے گا، لیکن اللہ تعالیٰ آپ کو اس ضرر سے محفوظ رکھے گا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں، میں نے دیکھا کہ

"رلیارام نے ایک سانپ میرے کاٹنے کیلئے بھیجا ہے اور میں نے اسے مچھلی کی طرح تل کر واپس بھیج دیا ہے"

یہ مقدمہ کیا تھا اور پھر کس شکل میں اپنے منطقی انجام کو پہنچا، اس بارے میں حضورؑ فرماتے ہیں:

"اس عاجز نے اسلام کی تائید میں آریوں کے مقابل پر ایک عیسائی کے مطبع میں، جس کا نام رلیارام تھا اور وہ وکیل بھی تھا اور امرتسر میں رہتا تھا اور اس کا ایک اخبار بھی نکلتا تھا، ایک مضمون بغرض طبع ہونے کے ایک پیکٹ کی صورت میں، جس کی دونوں طرفیں کھلی تھیں، بھیجا۔ اور اس پیکٹ میں ایک خط بھی رکھ دیا۔ چونکہ خط میں ایسے الفاظ تھے، جن میں اسلام کی تائید اور دوسرے مذاہب کے بطلان کی طرف اشارہ تھا اور مضمون کے چھاپ دینے کیلئے بھی تاکید تھی، اس لئے وہ عیسائی مخالفت مذہب کی وجہ سے افروختہ ہوا۔ اور اتفاقاً اس کو دشمنانہ حملہ کے لئے یہ موقع ملا کہ کسی علیحدہ خط کا پیکٹ میں رکھنا قانوناً ایک جرم تھا، جسکی اس عاجز کو کچھ بھی اطلاع نہ تھی اور ایسے جرم کی سزا میں قوانین ڈاک کے رو سے پانسو روپیہ جرمانہ یا چھ ماہ تک قید ہے۔ سو اس نے مخبر بن کر افسران ڈاک سے اِس عاجز پر مقدمہ دائر کرا دیا"

اب یہ مقدمہ افسران ڈاک کی طرف سے ایک ایسی بنا پر بنایا گیا تھا، جو اس وقت کے مروجہ قانون کے مطابق قابل تعزیر تھی۔ اور اگر چہ حضرت بانیٔ سلسلہؑ کو اس کا کچھ علم نہ تھا، پھر بھی یہ ایک جرم تھا۔ چنانچہ حضور فرماتے ہیں:

''غرض مَیں اس جرم میں صدر ضلع گورداسپور طلب کیا گیا اور جن جن وکلاء سے مقدمہ کیلئے مشورہ کیا گیا، انہوں نے یہی مشورہ دیا کہ بجز دروغگوئی کے اور کوئی راہ نہیں اور یہ صلاح دی کہ اس طرح اظہار دیدو کہ ہم نے پیکٹ میں خط نہیں ڈالا، رلیارام نے خود ڈال دیا ہوگا۔ اور نیز بطور تسلی دہی کے کہا کہ ایسا بیان کرنے سے شہادت پر فیصلہ ہو جائیگا۔ اور دو چار جھوٹے گواہ دے کر بریت ہو جائیگی، ورنہ صورت مقدمہ سخت مشکل ہے''

مگر حضور فرماتے ہیں کہ میں نے ان سب کو جواب دیا کہ میں کسی حالت میں راستی کو نہیں چھوڑنا چاہتا۔ جو ہوگا، دیکھا جائیگا۔ اب مقدمہ کی تفصیل ملاحظہ ہو۔ حضور فرماتے ہیں:

''تب اسی دن یا دوسرے دن مجھے ایک انگریز کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ اور میرے مقابل پر ڈاکخانجات کا افسر بحیثیت سرکاری مدعی ہونے کے حاضر ہوا۔ اس وقت حاکم عدالت نے اپنے ہاتھ سے میرا اظہار لکھا اور سب سے پہلے مجھ سے یہی سوال کیا کہ کیا یہ خط تم نے اپنے پیکٹ میں رکھ دیا تھا اور یہ خط اور یہ پیکٹ تمہارا ہے؟ تب میں نے بلا توقف جواب دیا کہ یہ میرا ہی خط ہے اور میرا ہی پیکٹ ہے۔ اور میں نے اس خط کو پیکٹ کے اندر رکھ کر روانہ کیا تھا۔ مگر میں نے گورنمنٹ کی نقصان رسانی محصول کیلئے بدنیتی سے یہ کام نہیں کیا، بلکہ میں نے اس خط کو اس مضمون سے کچھ علیحدہ نہیں سمجھا اور نہ اس میں کوئی نج کی بات تھی''

آپ کے یوں سچ بولنے کا اس انگریز حاکم عدالت پر کیا اثر ہوا اور پھر کس طرح خدا تعالیٰ نے ڈاکخانہ کے افسر اعلیٰ اور اس طرح اس کے عیسائی مخبر کی معاندانہ کاروائی کو باطل کر کے رکھ دیا، یہ ایک ایمان افروز داستان ہے، جس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے حضورؑ رقمطراز ہیں:

''اس بات کو سنتے ہی خدا تعالیٰ نے اس انگریز کے دل کو میری طرف پھیر دیا۔ اور میرے مقابل پر افسر ڈاکخانجات نے بہت شور مچایا اور لنبی لنبی (لمبی لمبی) تقریریں انگریزی میں

کیس جن کو میں نہیں سمجھتا تھا۔ مگر اس قدر میں سمجھتا تھا کہ ہر ایک تقریر کے بعد زبان انگریزی میں وہ حاکم نو، نو (No-No) کر کے اس کی باتوں کو رڈ کر دیتا تھا۔ انجام کار جب وہ افسر مدعی اپنے تمام وجوہ پیش کر چکا اور اپنے تمام بخارات نکال چکا، تو حاکم نے فیصلہ لکھنے کی طرف توجہ کی اور شاید سطر یا ڈیڑھ سطر لکھ کر مجھ کو کہا کہ اچھا آپ کیلئے رخصت۔ یہ سن کر میں عدالت کے کمرہ سے باہر ہوا۔ اور اپنے محسن حقیقی کا شکر بجالایا، جس نے ایک افسر انگریز کے مقابل پر مجھ کو ہی فتح بخشی''

آگے فرماتے ہیں:

''اور میں خوب جانتا ہوں کہ اسوقت صدق کی برکت سے خدا تعالیٰ نے اس بلا سے مجھ کو نجات دی۔ میں نے اس سے پہلے یہ خواب بھی دیکھی تھی کہ ایک شخص نے میری ٹوپی اتارنے کیلئے ہاتھ مارا۔ میں نے کہا، کیا کرنے لگا ہے۔ تب اس نے ٹوپی کو میرے سر پر ہی رہنے دیا اور کہا خیر ہے خیر ہے''

(''آئینۂ کمالاتِ اسلام''، روحانی خزائن، جلد ۵، صفحہ ۲۹۷ تا ۲۹۹)

☆ ☆ ☆

حضرت بانیٔ سلسلہؑ پر بننے والا

دوسرا فوجداری مقدمہ

ایک عیسائی مشنری ڈاکٹر مارٹن کلارک کا دام تذویر

اورانجام کاراسکی ذلت اوررسوائی

حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کو ۲۹ جولائی ۱۸۹۷ء کو نیم کشفی رنگ میں کسی آنے والے حادثہ کے بارے میں ایک ایسا انکشاف ہوا جو اپنی ذات میں نرالا اور محیر العقول تھا۔ چنانچہ آپ نے دیکھا کہ

''ایک صاعقہ مغرب کی طرف سے میرے مکان کی طرف چلی آتی ہے جو بے آواز اور بے ضرر ایک روشن ستارہ کی مانند آہستہ حرکت کرتی ہوئی میرے مکان کی طرف متوجہ ہوئی ہے اور جب قریب پہنچی، تو میری آنکھوں نے صرف ایک چھوٹا سا ستارہ دیکھا جس کو میرا دل صاعقہ سمجھتا تھا۔ پھر الہام ہوا:

مَا ھٰذا اِلّا تَھدِیدُ الحُکّام ''

(نزول المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ ص: ۵۷۵)

آپ کو اس کی یہ تفہیم ہوئی کہ آپ کے خلاف کوئی شخص مقدمہ کھڑا کرنے والا ہے۔ یہ کہ وہ کیا مقدمہ ہوگا، کس کی طرف سے بنایا جائیگا، کب بنایا جائیگا، ان تفصیلات کا آپ کو کچھ علم نہ دیا گیا۔ اور نہ یہ بتایا گیا کہ اسکی نوعیت یا اسکے محرکات کیا ہونگے۔ البتہ اس آسمانی اطلاع کا الہامی حصہّ جو عربی میں تھا اور جس کے معنی یہ تھے کہ 'یہ صرف حکام کی طرف سے ایک تہدید ہوگی اور بس'، اس سے آپ نے اس قدر اندازہ ضرور فرما لیا کہ وہ حکام کی باز پرس تک پہنچ کر ختم ہو جائیگا۔ اس کے بعد آپ کو اس سلسلہ میں بعض اور انکشافات بھی ہوئے جن سے مجمل طور پر آپ کو اس مقدمہ کے بعض اور عواقب کے بارے میں کچھ علم دیا گیا۔ مثلاً

ایک الہام آپ کو یہ ہوا: قَدِ ابتُلِیَ المُؤمِنُون

(یعنی مومن ابتلا میں پڑ گئے)

یہ الفاظ بتا رہے تھے کہ اس مقدمہ کی وجہ سے آپ کی جماعت کے بعض لوگوں پر ابتلا آئیگا۔

دوسرا الہام یہ ہوا:

لَیَعلَمَنَّ اللّٰہُ المُجَاھِدِینَ مِنکُم وَ لَیَعلَمَنَّ الکَاذِبِین

یعنی

'تا خدا تمہیں جتلا دے کہ تم میں سے کون ہے جو اس کے مامور کی راہ میں صدق دل سے کوشش کرتا ہے اور وہ کون ہے جو اپنے دعویٰ بیعت میں جھوٹا ہے'

یعنی بتایا گیا کہ اس ابتلا کے نتیجے میں کھرے اور کھوٹے کے درمیان ایک امتیاز پیدا ہو جائیگا۔

پھر ایک الہام بزبان فارسی ہوا:

صادق آں باشد کہ ایام بلا ☆ مے گذارد بامحبت باوفا

یعنی

'خدا کی نظر میں صادق وہ شخص ہے جو کسی مصیبت کے وقت محبت اور وفا کا مظاہرہ کرتا ہے'

پھر ایک طویل الہام عربی میں اِن الفاظ میں آپ کو ہوا:

اِنّ الّذِی فَرَضَ عَلَیکَ القُرآنَ لَرَادّکَ اِلٰی مَعَادٍ ، اِنّی مَعَ الافوَاجِ آتِیکَ بَغتَۃً. یَا ئِیکَ نُصرَتِی. اِنِیّ اَنَا الرّحمٰنُ ذُوالمَجدِ وَ العُلٰی

اس کا تشریحی ترجمہ آپ نے یوں فرمایا:

'وہ قادر خدا جس نے تیرے سپرد خدمتِ قرآن کی ہے، پھر تجھے واپس یعنی انجام بخیرو عافیت کی طرف لائیگا۔ میں اپنے فرشتوں کیساتھ ناگہانی طور پر تیری مدد کرونگا۔ میری مدد تجھے پہنچے گی۔ میں ہی ہوں جو بزرگی اور بلندی سے مخصوص ہے یعنی میرا ہی بول بالا رہیگا'

پھر ایک الہام اردو میں آپ کو ہوا، جس کے الفاظ یہ تھے:

''مخالفوں میں پھوٹ اور ایک متنافس کی ذلت اور اہانت اور ملامتِ خلق''

پھر یکے بعد دیگرے آپکو دو اور الہام ہوئے:

(الف) اِبرَاءٌ (یعنی بے قصور ٹھہرانا) (ب) فِیہِ شَیئیٌ (یعنی بریت میں کوئی چیز ہوگی)

یہ پے در پے آسمانی اطلاعات ایک طرف تو آپکو یہ بتلا رہی تھیں کہ مقدمہ کی صورت میں پیدا ہونے والا یہ ابتلا، جس کی خبر دی جا رہی ہے، اس میں آپ کیلئے اور آپکی جماعت کیلئے کوئی بہت بڑی تکلیف مقدر ہے۔ دوسری طرف یہ کہ اگرچہ شروع شروع میں اسکی گھن گرج بہت ہوگی، گویا جیسے آسمان سے بجلی گرتی

ہے، تاہم انجام کار اس کا زور ٹوٹ کر اس کی کیفیت ایسی رہ جائیگی، جیسے ایک ٹمٹماتا ہوا ستارہ۔ پھر بریت اور نصرت وغیرہ کے الفاظ بھی تسکین اور اطمینان کا باعث بن رہے تھے۔ تاہم آپ کو اس بات کا کوئی ادنیٰ سا تصور بھی نہ تھا کہ یہ مقدمہ ایک ایسے مذہب کے پیروکاروں کی طرف سے بنایا جانے والا ہے، جو دن رات محبت کے گیت گاتے تھکتے نہیں، بلکہ جو دنیا کو یہ تعلیم دیتے ہیں کہ اپنے دشمنوں سے بھی محبت کرو، اور اگر تمہارے دہنے گال پر کوئی تھپڑ مارے تو اپنا بایاں گال بھی اسکے آگے کر دو۔ اسی طرح آپکو یہ بھی علم نہ تھا کہ وہ متنافس شخص کون ہے، جس کیلئے اس مقدمہ میں ذلّت، اہانت اور ملامت مقدّر کی گئی ہے۔ البتہ آپ اپنی روحانی بصیرت سے ملائکہ کی فوجوں کے ساتھ آنے کے الہامی الفاظ سے اس قدر ضرور سمجھ رہے تھے کہ مخالف طرف سے بڑے بڑے منصوبے کئے گئے ہیں۔ جیسا کے آپ بیان فرماتے ہیں:

"خدا تعالیٰ کا جوش نفسانی نہیں ہوتا ہے۔ جب تک مقابل کی طرف سے جوشِ انتقام کی حد نہ ہو جاوے، خدا تعالیٰ کی انتقامی قوت جوش میں نہیں آتی"

(اخبار الحکم، مورخہ ۷ اجولائی ۱۹۰۱ء)

تاہم چونکہ عام طور پر الہامات کے اندر بریت، فتح اور نصرت کے الٰہی وعدے موجود تھے، اس لئے باوجود اسکے کہ الہامات کے اندر کسی خطرناک مقدمہ کے واضح اشارات پائے جاتے تھے، آپ بظاہر مطمئن ہو کر اور اللہ تعالیٰ کی تائیدات اور نصرت کے وعدوں پر بھروسہ کرتے ہوئے، ان خدائی اخبار کے حقیقت بننے کا انتظار کرنے لگے۔ پھر یہ ابتلاء کیسے بالکل اچانک اور غیر متوقع طور پر آیا، ایک دلچسپ مگر دلدوز حقیقت ہے، جسکی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ ان الہامات کے نزول کے قریباً تین ماہ بعد امرتسر کے عیسائی مشن کے ایک مشنری پادری، ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک [۱] نے آپ پر یہ الزام لگا کر مقدمہ کھڑا کر دیا کہ

"مرزا غلام احمد قادیانی نے عبدالحمید نامی ایک شخص کو سکھا پڑھا کر اس غرض سے امرتسر بھجوایا کہ وہ عیسائیوں کے اس مشنری ڈاکٹر، ہنری مارٹن کلارک، کو موقع پا کر قتل کر دے"

---

[۱] امرتسر کے عیسائی مشن کا یہ مشنری ڈاکٹر وہی تھا جو ۱۸۹۳ء میں امرتسر کے مقام پر منعقد ہونے والے مشہور مباحثہ "جنگ مقدس" کا محرک اعظم تھا۔ یہ مباحثہ حضرت بانی سلسلہؑ اور پادری عبداللہ آتھم کے مابین ۱۵ دنوں تک ہوتا رہا۔

یہ مقدمہ کس قسم کی کذب بیانیوں، افترا پردازیوں اور حیلہ سازیوں سے کام لیکر تیار کیا گیا اور پھر کن کن نازک مراحل میں سے گذر کر ایک بھیانک شکل اختیار کر گیا، دشمن کو اپنی مکاری اور جعل سازی کو سچ کا روپ دھارنے کیلئے کیسے کیسے پاپڑ بیلنے پڑے اور اس کے مقابل پر اللہ تعالیٰ نے حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کی حفاظت اور تائید ونصرت کے کیسے کیسے حیرت انگیز نشان دکھلائے، ایک دلچسپ، ایمان افروز اور حیرت انگیزیوں بھری ایک دلآویز داستان ہے، جو تاریخ کے اوراق پر رقم ہو کر حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کی صداقت پر چار چاند روشن کر رہی اور آپکے منجانب اللہ ہونے کی گواہی دے رہی ہے۔ اب اس کی مختصر تفصیل جیسا کہ سلسلہ کی کتب اخبارات اور رسائل سے اخذ کی گئی ہے، ذیل میں بیان کی جاتی ہے:

یہ مقدمہ جو امرتسر کی ضلعی عدالت میں داخل کرایا گیا، امرتسر کے انگریز ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے اس کے سلطانی گواہ، عبدالحمید، کا سرسری بیان لینے کے بعد اسے اس قدر سنگین سمجھا کہ اسنے حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کے نام ضلعی عدالت گورداسپور کی معرفت وارنٹ گرفتاری جاری کر کے یہ حکم ارسال کیا کہ آپؑ کو باقاعدہ گرفتار کر کے ہتھکڑیوں سمیت امرتسر بھجوایا جائے [۱]۔ اس طرح پر الہامی لفظ 'صاعقہ' کی عملی تعبیر معرض وجود میں آنے کی طرح پیدا ہوگئی۔ دوسری طرف اس کے ساتھ ہی نشاناتِ الٰہیہ کے نزول کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔

☆

اس سلسلے کا پہلا نشان تو یوں ظاہر ہوا کہ وہ وارنٹ گرفتاری جو امرتسر کی ضلعی عدالت کی طرف سے جاری کیا گیا تھا، گورداسپور کی ضلعی عدالت میں پہنچنے سے پہلے ہی ایسا غائب ہوا کہ آج تک اسکا کوئی سراغ

....

۱؎ انگریز مجسٹریٹ مسٹر اے۔ ای۔ مارٹینو، نے وارنٹ گرفتاری کی وجوہات بیان کرتے ہوئے لکھا کہ 'عبدالحمید اور ڈاکٹر کلارک کے بیانات ظاہر کرتے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے عبدالحمید کو ترغیب دی کہ وہ ڈاکٹر مارٹن کلارک ساکن امرتسر کو قتل کر دے۔ اس بات کے یقین کرنے کیلئے کافی وجہ ہے کہ مرزا غلام احمد مذکور نقض امن کا مرتکب ہوگا یا کوئی قابل گرفت فعل کریگا جو باعث نقض امن اس ضلع کا ہو۔ چنانچہ اس بات کی خواہش کی گئی ہے (یہ خواہش خود ڈاکٹر کلارک اور اس کے وکلاء کی طرف سے کی گئی تھی) کہ اس سے حفظ امن کی ضمانت لی جائے۔ واقعات اس قسم کے ہیں کہ گرفتاری کیلئے وارنٹ جاری کرنا زیر دفعہ ۱۱۴ ضابطہ فوجداری ضروری معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا میں اس کی گرفتاری کیلئے وارنٹ جاری کرتا ہوں اور اس کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ آکر بیان کرے کہ کیوں زیر دفعہ ۱۰۷ ضابطہ فوجداری، اس سے حفظ امن کیلئے ایک سال کے واسطے بیس ہزار روپیہ کا مچلکہ اور بیس ہزار روپے کی دو الگ الگ ضمانتیں نہ لی جائیں۔ (خلاصہ وجوہات بسلسلہ اجراء وارنٹ)

نہیں مل سکا۔ اسے آسمان کھا گیا یا زمین ہضم کر گئی، کسی کو کچھ علم نہیں۔ اِدھر آپ کے مخالفین، کیا عیسائی اور کیا مسلمان، امرتسر کے ریلوے سٹیشن پر یہ تماشا دیکھنے کیلئے روزانہ جمع ہو جاتے، کہ کس طرح مرزا غلام احمد (یعنی حضرت بانیٔ سلسلہؑ) ہتھکڑیوں میں گرفتار، گاڑی پر سے اترتے ہیں۔ تاہم ان کی یہ حسرت پوری نہ ہونی تھی نہ ہوئی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ حکم گرفتاری جاری کرنے اور گورداسپور بھجوانے کے جلد بعد ہی امرتسر کے ضلعی مجسٹریٹ کو یہ احساس ہو گیا کہ وہ قانوناً دوسرے ضلع کے کسی شخص کے نام یوں وارنٹ جاری کرنے کا مجاز نہیں۔ چنانچہ اس نے گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر کو تار بھیجا کہ وارنٹ گرفتاری کالعدم سمجھا جائے اور یہ کہ وہ مقدمہ کی مسل، اس کے پاس بغرض کاروائی بھجوا رہا ہے۔

دوسرا نشان یہ ظاہر ہوا کہ جب گورداسپور کے صاحب مجسٹریٹ (کپتان ایم، ڈبلیو، ڈگلس، ڈپٹی کمشنر، ضلع گورداسپور[۱]) کے پاس مسل مقدمہ پہنچی، تو اس نے اس کا سرسری مطالعہ کرنے کے بعد وارنٹ گرفتاری کی بجائے حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے نام رسمی قسم کا سمن جاری کر دیا کہ آپ فلاں تاریخ (۱۰ اگست ۱۸۹۷ء) کو بٹالہ میں صاحب موصوف کی عدالت میں حاضر ہوں یا اپنے وکیل کے ذریعے مقدمہ کی پیروی کریں۔ اس میں الٰہی تصرف کا ہاتھ اس طرح بھی کام کرتا نظر آتا ہے کہ جب ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک (یعنی مدعی) کو پتہ چلا کہ مسل مقدمہ گورداسپور کی ضلعی عدالت میں بھجوا دی گئی ہے، تو اس نے وہاں پہنچ کر اپنا اثر و رسوخ استعمال کرنا شروع کر دیا اور مجسٹریٹ متعلقہ (کپتان ڈگلس) سے مل کر اسے مقدمہ کی سنگینی کا احساس دلانے کی کوشش کی۔ مگر اسکی وہاں کچھ پیش نہ گئی۔ اس بارے میں حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد، ایم۔ اے، کی وہ گفتگو پڑھنے کے قابل ہے جو آپ کی کرنل ڈگلس صاحب سے اُس وقت ہوئی، جب آپ بطور امام مسجد لندن انگلستان میں مقیم تھے[۲]۔ چنانچہ آپ کے اس بیان کے مطابق کرنل صاحب موصوف نے آپ کو بتایا کہ:

''مقدمہ کی فائل کے امرتسر سے گورداسپور میں منتقل ہو جانے پر ڈاکٹر کلارک مجھ سے ملے اور کہنے لگے کہ آپ اس مقدمہ کو اپنے ہاتھ میں لے کر فوری کارروائی عمل میں لاویں کیونکہ میں بیمار ہوں

---

[۱] ان کا پورا نام کپتان مانٹیگو، ولیم، ڈگلس (Montigo William Duglas) تھا۔

[۲] یہ اس وقت کی بات ہے جب کپتان صاحب موصوف کرنل کے عہدہ پر ترقی پانے اور جزائر انڈیمان میں کچھ عرصہ بطور گورنر کام کرنے کے بعد ریٹائر ہو کر انگلستان پہنچ چکے تھے۔ اُس وقت تک لندن میں سلسلہ کا مشن قائم ہو چکا تھا۔

اور رخصت پر جانا چاہتا ہوں اور مجھے ڈر ہے کہ میرے بعد میرے گواہ کو ورغلایا جائیگا۔ میں نے اسے جواب دیا کہ اول تو یہ مقدمہ قابلِ دخلِ اندازئ پولیس ہے۔ اس لئے اسے پہلے پولیس کے پاس جانا چاہئے۔ دوسرے، اس قدر شہادت جو آپ کے پاس ہے، اسکے ہوتے ہوئے میرے لئے (مرزا) غلام احمد (صاحب) کو کسی جرم کا مرتکب قرار دینا ناممکن ہے تاوقتیکہ پوری چھان بین نہ ہو جائے۔ البتہ میں یہ کر سکتا ہوں کہ انہیں (مرزا صاحب کو) بلا کر ان سے حفظِ امن کی ضمانت لے لوں۔ چنانچہ اسی کے مطابق مَیں نے زیرِ قاعدہ نمبر ۱۰۷، ان کے نام ۱۸۹۷-۸-۱۰ کو عدالت میں حاضر ہونے کا نوٹس جاری کر دیا ہے"

(خلاصہ بیان از 'Life of Ahmad' مصنفہ عبدالرحیم درد[۱]۔ حصہ اول ص ۴۰۴)

اللہ تعالیٰ کا **تیسرا** تائیدی نشان یہ ظاہر ہوا کہ حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی جس دن صاحب ڈپٹی کمشنر، کپتان ڈگلس، کی عدالت میں پہلی پیشی تھی، تو کمرۂ عدالت میں آپکو باوجود ملزم ہونے کے کرسی پیش کی گئی جبکہ آپکے شدید مخالف مولوی محمد حسین بٹالوی کو جو عیسائیوں کی طرف سے بطور گواہ پیش ہوا تھا، باوجود طلب کرنے کے کرسی نہ ملی۔ (اس تصرف الٰہی کی تفصیل اگلے صفحات میں بیان کی گئی ہے)

اب جو مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی تو تصرفات الٰہیہ کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوا، جسے پڑھ کر دل خدا کی حمد سے بھر جاتا اور اس کے ترانے گانے لگتا ہے۔ اسکی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے:

---

[۱] حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب دردؔ اُس وفد کے ہمراہ تھے، جو حضرت امام جماعت احمدیہ (حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب، خلیفۃ المسیح الثانی) کی سرکردگی میں ۱۹۲۴ء میں لندن پہنچا تھا۔ اُسی سال مسجد فضل لندن کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ پھر اسکے تعمیر ہو جانے پر آپ اسکے پہلے امام بنے۔ دوسری بار آپ ۱۹۳۳ء تا ۱۹۳۸ء انگلستان میں رہے۔ اِسی دور میں ۱۹۳۶ء میں آپکی کرنل ڈگلس سے ملاقات ہوئی۔ آپنے اوپر بیان کردہ گفتگو کے علاوہ کرنل صاحب موصوف کی زبانی مندرجہ ذیل روایت بھی بیان فرمائی، یعنی یہ کہ کرنل صاحب نے فرمایا:

"وہ نظارہ اب بھی کبھی کبھی میری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے جبکہ مرزا صاحب میری عدالت میں پیش ہوئے تھے۔ میں نے پہلی پیشی میں ہی انہیں دیکھ کر بھانپ لیا تھا کہ یہ شخص جھوٹ نہیں بول سکتا'

(مولانا درد صاحب کے بعد جب مکرم مولانا جلال الدین صاحب شمس کو بطور امام مسجد لندن بھجوایا گیا، تو انہوں نے بھی کرنل ڈگلس صاحب کو اس مقدمہ کے بارے میں اپنے خیالات کے اظہار کا موقع بہم پہنچایا)

جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے، اس مقدمہ کی بنیاد ایک مسلمان نوجوان مسمی عبدالحمید کا وہ بیان تھا جو اس نے پہلے ڈاکٹر مارٹن کلارک کے پاس امرتسر میں پہنچ کر لکھوایا۔ یہی بیان اس نے امرتسر کے مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا۔ پھر یہی بیان اس نے بٹالہ میں کپتان ڈگلس کے روبرو دہرایا[۱]۔ اس کا خلاصہ یہ تھا:

(حضرت بانیٔ سلسلہؑ) نے مجھے اس غرض سے امرتسر بھجوایا کہ میں موقع ملنے پر ڈاکٹر مارٹن کلارک کو قتل کر دوں.....ڈاکٹر مارٹن کلارک کو دیکھنے اور ان سے باتیں کرنے کے بعد میں نے انہیں قتل کرنے کا ارادہ ترک کر دیا.....مَیں عرصہ دو تین ماہ قادیان میں مرزا صاحب کا مرید بن کر ٹھہرا ہوں۔ اس دوران میں ان کے پاؤں دبایا کرتا تھا....وہ مجھے ایک دن اپنے مکان کے ایک الگ کمرے میں لے گئے اور مجھے یہ کام کرنے کیلئے کہا۔ اس دن کے بعد وہ مجھے بہت محبت سے پیش آنے لگے.....قتل کیلئے کہا تھا کہ میں جونہی ڈاکٹر کلارک کو کسی موقع پر اکیلا پاؤں، ایک بھاری پتھر مار کر انہیں قتل کر دوں'

اپنے بعد کے بیانات میں اس نے مندرجہ ذیل تفاصیل کا اضافہ کیا:

'مرزا صاحب نے مجھے یہ بھی کہا تھا کہ جب تم ایک عیسائی کو قتل کرو گے تو تمہیں بہت ثواب ملے گا.....یہ بھی کہا کہ اب تم چار پانچ روز مزدوری کر لو تا کہ لوگ کہیں کہ یہ محنت مزدوری کرنے آیا ہے۔ اس مزدوری کی اجرت ۱۲؍آنے بھی مجھے مرزا صاحب نے دی تھی.......یہ بھی کہا تھا کہ جب تو جانے لگے، تو ہمیں گالیاں دیکر جانا تا کہ لوگ کسی قسم کا شبہ نہ کر سکیں ....یہاں آنے کے بعد میں نے ایک خط مولوی نورالدین صاحب[۲] کو لکھا تھا کہ میں

---

[۱] اصل کیس ضلعی عدالت گورداسپور میں تھا۔ ڈپٹی کمشنر موصوف نے اس کی پہلی سماعت بٹالہ میں رکھی، جو اسی ضلع کی ایک تحصیل ہے، اور قادیان اسی تحصیل کے اندر واقع ہے۔

[۲] حضرت حکیم مولانا نورالدین صاحبؓ، حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے معتمد مریدوں میں سے تھے۔ آپ قادیان آنے سے قبل کئی سال تک ریاست جموں و کشمیر میں بطور شاہی حکیم طبی خدمات بجالاتے رہے۔ حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی وفات کے بعد آپ کو آپکا پہلا جانشین ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کا دورِ خلافت ۱۹۰۸ء تا ۱۹۱۴ء ایک ایسا جلالی دور ہے، جس میں جماعت کو بعض ابتلاؤں میں سے گزرنا پڑا، مگر ان کے باوجود جماعت بڑی مضبوطی کے ساتھ اپنی جڑوں پر قائم رہی۔ آپ کا اصل وطن بھیرہ (ضلع شاہ پور، حال سرگودھا) تھا۔ یہی بھیرہ اس عاجز راقم الحروف کا بھی مولد و مسکن ہے۔ چونکہ آپ کا نام بھی عبدالحمید کے بیانات میں آیا تھا، اس لئے اس موقع پر آپ کو بھی گواہی کیلئے طلب کیا گیا تھا۔

عیسائی ہونے لگا ہوں۔اس خط سے میرا مقصد یہ تھا کہ ان کو میرے مقام رہائش کا علم ہو جائے.....مرزا صاحب نے امرتسر کے اپنے ایک مرید، قطب الدین، کا مجھے پتہ دیا تھا کہ پہلے اسکے پاس جانا تا کہ وہ مجھے ڈاکٹر مارٹن کلارک صاحب کا پتہ وغیرہ بتادے اور مارنے کیلئے پتھر مہیا کرے.....جب میں نے اپنا پہلا بیان (مراد، امرتسر کے عیسائی مشن میں لکھوایا جانے والا بیان) دیا تھا، تو ڈاکٹر صاحب (مراد، ڈاکٹر مارٹن کلارک) کے علاوہ تین اور دیسی پادری، مسمی عبدالرحیم، بھگت رام اور وارث دین، بھی وہاں موجود تھے‘

(خلاصہ بیان سرکاری بعدالت بٹالہ وگورداسپور)

مقدمہ کے اس سلطانی گواہ یعنی عبدالحمید کا یہ بیان تو جیسا بھی تھا، اس کے مالہ و ماعلیہ پر جس رنگ میں حاشیہ آرائی ڈاکٹر مارٹن کلارک (مدعی) نے اپنے اظہار میں کی اور جس انداز میں اس نے ’اقدام قتل‘ کے پس منظر پر روشنی ڈالی، اس نے جلتی پر تیل ڈالنے کا خوب کام کیا۔اس کے نتیجے میں مقدمہ کی نوعیت پہلے سے بھی زیادہ سنگین ہوگئی۔ چنانچہ اس نے عدالت کو بتایا کہ

’۱۸۹۳ء میں جو مناظرہ مسٹر عبداللہ آتھم اور مرزا صاحب (مراد حضرت بانیٔ سلسلہؑ) کے مابین ہوا تھا، اس کا موجد میں ہی تھا.....عبداللہ آتھم کی موت کی پیشگوئی جو مرزا صاحب نے کی تھی، وہ اپنی میعاد کے اندر پوری نہ ہوئی یعنی وہ مقررہ میعاد کے بعد مرا، تاہم اس کے بعد سے مرزا صاحب کی پیشگوئیوں کا سب سے بڑا نشانہ میں ہی ہوں......مسٹر عبداللہ آتھم کی جان پر چار بار حملے کئے گئے۔ایکبار ایک سانپ (کوبرا) ایک برتن میں بند کر کے اسکے مکان پر چھوڑا گیا۔دوبار ان کی طرف بندوق چلائی گئی اور ایک مرتبہ ان کے سونے کا دروازہ توڑا گیا[ا]......میرے پاس اس بات کے یقین کرنے کی کہ میری جان لینے کی بھی کوشش کی جائیگی، خاص وجہ اس لئے بھی تھی کہ میں تین ماہ کی رخصت پر گیا ہوا تھا، میری واپسی کا مرزا صاحب کو فوراً علم ہوگیا.....لیکھر ام کے

[ا]..

[ا] ان مزعومہ حملوں کی حقیقت پر سے حضرت بانیٔ سلسلہؑ نے اپنی کتاب ’’انجام آتھم‘‘، میں پردہ اٹھایا ہے۔آپ کے نزدیک اگر یہ بیان واقعی عبداللہ آتھم کا تھا، تو ان کی حقیقت کشفی نظاروں کے سوا کچھ نہ تھی، جو خدا تعالیٰ نے اسے دکھائے کیونکہ اگر درحقیقت اس پر اس قسم کا کوئی حملہ کیا گیا ہوتا، تو وہ عدالت کی طرف رجوع کرتا۔ پھر اس کا ۱۵ ماہ (اسکے بارے میں کی گئی پیشگوئی کی میعاد) تک بالکل خاموش رہنا اور میعاد گذرنے کے بعد ان حملوں کا ذکر کرنا بتاتا ہے کہ خود اس کے نزدیک ان کا کوئی حقیقی وجود نہ تھا۔آپ نے اس موضوع پر اپنی کتاب ’’کتاب البریہ‘‘ میں بھی کافی روشنی ڈالی ہے۔

قاتل کے حالات عبدالحمید کے حالات سے ملتے ہیں۔ لیکھرام کے قاتل نے کہا تھا کہ میں پہلے ہندو تھا، پھر مسلمان ہو گیا، اب پھر ہندو ہونا چاہتا ہوں۔ عبدالحمید بھی کہتا ہے کہ میں پہلے ہندو تھا، پھر مسلمان ہوا، اب عیسائی ہونا چاہتا ہوں[ا]..... مرزا صاحب مجھے اپنے اشتہارات بھیجتے رہتے ہیں۔ گذشتہ تین ماہ سے نہیں بھیجے، جس کا مدعا یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں سمجھوں، وہ میری طرف سے غافل ہیں..... میں حیران تھا کہ یہ شخص (عبدالحمید) خاص میرے پاس کیوں آیا ہے حالانکہ بٹالہ اور گورداسپور میں بھی مشن موجود ہیں..... اس شخص میں تین باتیں خاص طور پر قابل توجہ پائی جاتی ہیں: اوّل، وہ مرزا صاحب کے حق میں بہت ہی برا بکتا تھا۔ دوم، وہ بپتسمہ لینے یعنی عیسائی ہونے کا بے حد خواہشمند تھا۔ سوم، وہ بلا وجہ اور بلا طلبی ہماری کوٹھی پر آ کر گشت کرتا اور ملاقات چاہتا تھا..... یہ شخص پہلے گجرات مشن میں تھا۔ وہاں سے بدکاری کے باعث نکالا گیا۔ ہم نے جرائم کے ارتکاب سے متعلق قانونی اصولوں کا مطالعہ کیا ہے۔ اسکے بموجب جو شخص بدکاری پر آمادہ ہو، اس کو قتل پر آمادہ کرنا آسان ہوتا ہے۔ نیز ایسے نوجوان حورانِ بہشت کی تمنا میں قتل کرنے پر آمادہ کئے جاسکتے ہیں..... عبدالحمید سات سال تک قادیان میں مرزا صاحب کے پاس بطور طالب علم رہا ہے (حالانکہ عبدالحمید اپنے اقبالی بیان کے مطابق زیادہ سے زیادہ دو ہفتے قادیان میں رہا تھا۔ ناقل)..... یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس نوجوان کے پیچھے دو آدمی اَور بھی پھرتے تھے، جنکا مدعا یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ بعد میں اسے قتل کر دیں تا کہ ہمارے قاتل کا پتہ نہ چل سکے۔ ہمارا قیاس ہے کہ لیکھرام کا قاتل بھی اسی طرح مارا گیا تھا..... جس جگہ عبدالحمید بعض اَور لوگوں کے ساتھ رکھا گیا تھا، وہاں ایک زندہ سانپ پکڑا گیا تھا۔ عبدالحمید نے بڑی منّت اور زاری کی تھی کہ وہ یہ سانپ ہمارے پاس لائے۔ حالانکہ ہم نے کبھی ایسی کوئی خواہش ظاہر نہ کی تھی..... عبدالحمید شکل وصورت سے بھی قاتل معلوم ہوتا تھا۔ اس کی رگوں میں ایک خاص قسم کی حرکت دکھائی دیتی تھی، آشوب والی آنکھیں تھیں، جو اقبال کر لینے کے بعد حالت نہیں رہی'

(خلاصہ بیان سرکاری ڈاکٹر مارٹن کلارک۔ مورخہ ۹ و ۱۲ / اگست ۱۸۹۷ء)

[ا] عبدالحمید نے یہ جھوٹ بولا تھا کہ وہ پہلے ہندو تھا۔ وہ شروع سے ہی مسلمان تھا اور حضرت مولوی برہان الدین صاحب جہلمیؓ کا بھتیجا تھا، مگر غلط کاریوں میں پڑ گیا۔ اس غلط بیانی کی وجہ اس نے اپنے ایک بعد کے اقبالی بیان میں بتائی۔

ان بیانات کے مقابل پر حضرت بانیٔ سلسلہؑ کا بیان بہت مختصر تھا:

"ہم نے ڈاکٹر مارٹن کلارک کی موت کی کوئی پیشگوئی نہیں کی۔ صرف عبداللہ آتھم کے متعلق ایک شرطیہ پیشگوئی کی تھی کہ اگر وہ حق کی طرف رجوع نہ کریگا تو پندرہ ماہ کے اندر مرجائیگا۔ یہ پیشگوئی اس کی اپنی درخواست پر کی گئی تھی۔ لیکھرام کی موت کی پیشگوئی بھی کی تھی۔ کوئی حملہ آتھم کے اوپر نہیں کیا گیا۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ نالش کرتا۔ عبدالحمید کی میرے ساتھ کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ اسکی نسبت مجھے معلوم ہوا کہ وہ اچھے چال چلن کا نہیں لہٰذا اسے قادیان سے نکال دیا گیا تھا۔ میں نے اسے سفر کے لئے کوئی رقم نہیں دی۔ عبداللہ آتھم کی وہ دستخطی تحریر ہمارے پاس موجود ہے جس میں اس نے نشان یا معجزہ کا مطالبہ کیا تھا"

(بیان حضرت بانیٔ سلسلہؑ، مورخہ ۱۰/اگست ۱۸۹۷ء بمقام بٹالہ)

ہر دو جانب سے گواہان کے بیانات بھی قلمبند ہوئے۔ ڈاکٹر مارٹن کلارک کی طرف سے انہی کے دو ملازمین، عبدالرحیم عیسائی اور پریم داس عیسائی، نے گواہی دی اور کہا کہ عبدالحمید جب آیا تھا تو شروع میں اپنی وضع قطع سے واقعی خونی معلوم ہوتا تھا اور یہ کہ ڈاکٹر صاحب کے پوچھنے پر اس نے سچ سچ بتا دیا کہ اسے ان کو مارنے کے واسطے بھیجا گیا تھا۔ مؤخر الذکر گواہ نے یہ بھی کہا کہ اُسے دو شخص ملے تھے جو عبدالحمید کی بابت پوچھتے تھے۔ دونوں سفید پوش آدمی تھے۔

حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی جانب سے حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحبؓ اور شیخ رحمت اللہ صاحبؓ کی شہادتیں بھی قلمبند ہوئیں۔

اس عجیب وغریب مگر بظاہر سنگین مقدمے کا ایک دلچسپ پہلو یہ تھا کہ اس میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی جو ایک مسلمان تھے اور حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے شدید مخالفین میں سے تھے، عیسائیوں کی طرف سے گواہ بن کر پیش ہوئے۔ اور اس نازک موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے جلتی پر تیل ڈالنے کی پوری پوری کوشش کی۔ چنانچہ انہوں نے عدالت کو بتایا کہ

'یہ (یعنی حضرت مرزا صاحب) ایک فتنہ انگیز آدمی ہے۔ مذہبی معاملات میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان اسنے پھوٹ پیدا کر رکھی ہے (انہیں بھول گیا کہ عیسائی مشنوں کی گمراہ کن

مساعی کے نتیجے میں خود ہزار ہا مسلمان گھرانوں کے اندر افتراق پیدا ہو چکا تھا اور ہزاروں کی تعداد میں کلمہ گو مسلمان عیسائیت کی آغوش میں جا چکے تھے۔ناقل).....لیکھرام کے قاتل کی نشاندہی کرنے کے بھی وہی ذمہ وار ہیں.....ان کی تعلیم یہ ہے کہ جو لوگ ان کیخلاف ہیں، ان کے مریدان کو کاٹ ڈالیں (عدالت کے دریافت کرنے پر کہ اس سے ان کی کیا مراد ہے، انہوں نے بتایا کہ وہ یعنی ان کے مرید انہیں ۔مخالفین کو۔ کاٹنے والا سمجھیں).....میں مرزا صاحب کو مسلمان نہیں سمجھتا.....لیکھرام مرزا صاحب کی سازش سے قتل ہوا (اگر اس بات کا انہیں پختہ یقین تھا، تو قسم کھا کر انہوں نے دس ہزار روپیہ کا انعام کیوں حاصل نہ کیا۔ناقل)[ا]۔مکرّر کہا کہ میں انہیں قاتل نہیں سمجھتا مگر ان کی تحریروں کی رو سے انہیں اس قتل کا ذمہ وار ضرور سمجھتا ہوں (اگر مثلاً لیکھرام کی حضرت مرزا صاحب کے بارے میں کی گئی تین سالہ پیشگوئی پوری ہو جاتی تو اسکی ذمہ واری کس پر ہوتی۔ناقل) کلارک صاحب کے مرنے سے بھی مرزا صاحب فائدہ اٹھاتے.....'

(خلاصہ بیان عدالتی مورخہ ۱۰ اگست ۱۸۹۷ء)

تاہم یہ بھی ایک عجیب تصرف الٰہی ہے کہ فاضل عدالت نے انکی شہادت کو انکی حضرت بانی سلسلہؑ سے ذاتی عداوت کی بنا پر رد کر دیا۔

اس مقدمہ کا دوسرا عجیب پہلو یہ تھا کہ آریوں نے بھی اس مقدمہ میں اپنی عداوت کا کھلم کھلا ثبوت دیا اور اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لیکھرام کی پُر اسرار (مگر حضرت بانی سلسلہؑ کی پیشگوئی کے حتمی نتیجے میں واقع ہونے والی) موت کا بدلہ لینے کیلئے ایک آریہ وکیل، لالہ رام بھجدت، کو عیسائیوں کی بلا معاوضہ وکالت کی غرض سے پیش کیا۔اس وکیل نے عیسائیوں کیساتھ مل کر اس مقدمہ کو اور بھی زیادہ بھیانک شکل دینے، نیز اسے ہر امکانی شک وشبہ سے پاک کرنے کی خاطر کیسی کیسی شاطرانہ چالیں چلیں، ان کا ذکر آگے آرہا ہے۔

☆

[ا] یہ اس انعام کی طرف اشارہ ہے جو حضرت بانی سلسلہؑ نے ہر اس شخص کیلئے مقرر فرمایا، جو یہ قسم کھالے کہ لیکھرام کا قتل آپ کی سازش سے ہوا ہے۔بدقسمتی سے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی بھی اس انعام کی خاطر قسم کھانے کیلئے تیار ہو گئے تھے۔مگر پھر کسی وجہ سے ان پر خوف طاری ہو گیا اور وہ پیچھے ہٹ گئے۔

اس ضمن میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے اپنے تقویٰ اور طہارت کی بھی ایک جھلک پیش کر دی جائے۔اس کے راوی ایک مسلمان معزز دوست راجہ غلام حیدر صاحب ہیں، جو بطور ریڈر کمرۂ عدالت میں حاکم عدالت کے پاس والی کرسی پر موجود تھے۔وہ بیان کرتے ہیں کہ

''لنچ کے بعد جب مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب دوبارہ جرح کیلئے عدالت میں پیش ہوئے تو مولوی فضل دین صاحب وکیل (ایک غیر احمدی وکیل جنہیں حضرت بانی سلسلہؑ نے اپنے مقدمہ کی پیروی کیلئے مقرر کیا ہوا تھا۔ناقل) نے ان سے سوال کیا کہ' آپ آج ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب کی کوٹھی پر ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے'؟،تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔جس پر میں بیساختہ چونک پڑا[ا]۔ڈپٹی کمشنر صاحب نے مجھ سے اس چونکنے کی وجہ پوچھی ،تو میں نے ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب کی طرف اشارہ کیا۔صاحب بہادر نے ڈاکٹر کلارک سے دریافت کیا تو انہوں نے صاف اقرار کیا کہ' ہاں۔میرے پاس بیٹھے ہوئے،اس مقدمہ کی گفتگو کر رہے تھے'۔مولوی فضل دین صاحب وکیل نے دوسرا سوال یہ کیا کہ' کیا آپ ان دنوں امرتسر سے بٹالہ تک ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک کے ہمسفر تھے اور آپ کا ٹکٹ بھی ڈاکٹر صاحب نے خریدا تھا'؟ تو مولوی صاحب صاف منکر ہو گئے۔بعض وقت انسان اپنے خیالات کا اظہار بلند آواز سے کر گذرتا ہے۔یہی حال میرا بھی ہوا۔میرے منہ سے بیساختہ نکلا کہ یہ تو بالکل جھوٹ ہے۔تب ڈاکٹر مارٹن کلارک صاحب سے ڈپٹی کمشنر صاحب نے پھر پوچھا،تو انہوں نے اقرار کیا کہ' ہاں مولوی صاحب میرے ہمسفر تھے اور ان کا ٹکٹ بھی میں نے ہی خریدا تھا'۔اس پر ڈپٹی کمشنر صاحب حیران رہ گئے''

(بحوالہ مقدمہ' کتاب البریہ' ،مرتبہ از مولانا جلال الدین صاحب شمس۔ص ۱۵)

[ا] اس بے ساختہ چونک پڑنے کی وجہ خود راجہ صاحب موصوف نے یہ بتائی کہ ان کو ذاتی طور پر اس کا علم تھا، کیونکہ جس دن مقدمہ کی سماعت ہونی تھی، اسکی صبح کو وہ اپنے دوستوں (جن میں مولوی فضل دین وکیل بھی تھے) کے ہمراہ چہل قدمی کرتے ہوئے جب بٹالہ کے عیسائی مشن واقع انارکلی کے پاس سے ان کا گذر ہوا،تو اس وقت انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ وہاں ڈاکٹر مارٹن کلارک کے پاس مولوی محمد حسین بٹالوی بھی بیٹھے ہوئے ہیں،اور وہ دونوں آپس میں گفتگو کر رہے ہیں۔

دراصل بات یوں ہوئی کہ جیسا کہ راجہ غلام حیدر صاحب نے بعد میں بتایا کہ وہ جس روز اپنے گھر راولپنڈی سے بٹالہ آتے ہوئے امرتسر کے ریلوے سٹیشن پر پہنچے تھے، تو اتفاق سے یہ وہی دن تھا، جب ڈاکٹر مارٹن کلارک اپنے وکیل کے ہمراہ بٹالہ جارہے تھے۔ چنانچہ وہ اسی سیکنڈ کلاس ڈبے میں بیٹھ گئے، جس میں راجہ صاحب موصوف بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ان کے ساتھ مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب بٹالوی بھی تھے، اوران کا ٹکٹ بھی انہوں نے (ڈاکٹر مارٹن کلارک نے) خریدا تھا۔

یہ مقدمہ جوتعزیرات ہند کے ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۰۷ کے تحت درج کیا گیا تھا اور جسے عیسائیوں، ہندوؤں اور مسلمان علماءِ سوء کی پوری حمایت حاصل تھی، ایک سنگین جرم کی نشاندہی کررہا تھا۔ اسے وہ جملہ شواہد اور قرائنِ قویہ میسّر تھے جو ایک فوجداری مقدمہ کے حتمی اثبات کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ اِدھر مدعی متاثرہ طبقے کا ایک نامی مذہبی لیڈر تھا اور خود عدالت کا سربراہ۔ کپتان ڈگلس۔ مذہباً عیسائی ہونے کی وجہ سے مدعی کے ساتھ پوری ہمدردی رکھتا تھا۔ علاوہ ازیں ایک زبردست قرینہ جو تمام دیگر قرائن کو تقویت دینے کا موجب بنا، یہ تھا کہ عبدالحمید کے بارے میں یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی تھی کہ اس نے امرتسر پہنچنے پر اپنی شخصیت کو مخفی رکھنے کی کوشش کی تھی۔ یعنی اس نے اپنا نام بجائے عبدالحمید کے عبدالمجید بتایا تھا۔ دوسرے یہ کہا تھا کہ میں پہلے ہندو تھا اور پھر مسلمان ہوا۔ اور یہ دونوں باتیں تحقیق سے غلط ثابت ہوچکی تھیں۔ ڈاکٹر مارٹن کلارک نے بھی اِنہیں دو باتوں کو عبدالحمید کی شخصیت مشکوک ہونے کی بنیاد قرار دیتے ہوئے استغاثہ کو ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔ ان حالات میں فریق مخالف کو اپنی کامیابی کا پورا یقین تھا اور وہ اپنے زعم باطل میں حضرت بانیٔ سلسلہؑ کو اس ''جرم'' کی سخت سے سخت سزا دلوانے کے سہانے خواب دیکھ رہا تھا۔

مگر اللہ تعالیٰ جو اپنے مامور کو پہلے ہی بشارات دے چکا تھا کہ اس کی مدد ناگہانی طور پر آئیگی اور انجام کار آپکی فتح ہوگی، اس نے ایسا کرشمہ دکھایا، جو ایک نرالی حیثیت کا حامل تھا، جس کی عدلیہ کی تاریخ میں آج تک کوئی مثال نہیں ملتی اور جس نے مقدمہ کی کایا پلٹ کررکھ دی۔ دشمن تو یہ خیال کررہا تھا کہ آج اس کی مراد برآئی۔ اور شواہد ناطقہ قطعیہ کی روشنی میں حاکم عدالت کے نزدیک بھی اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ وہ حضرت بانیٔ سلسلہؑ کو اقدام قتل یا قتل کی سازش میں ملوث ہونے کا مجرم قرار دیکر قانونی تقاضے پورا کرتا۔ مگر خدائی تدبیر کے سامنے وہ بھی بے بس ہوگیا۔ ہوا یہ کہ جب صاحب موصوف یعنی حاکم عدالت، کپتان ڈگلس۔ حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے بیان پر معمولی سی جرح کرنے کے بعد آپ کو رخصت کرچکا، شہادات

قلمبند ہو چکیں اور کچہری برخاست ہوگئی، تو اس کا دل مطمئن نہ ہوا۔ اس نے ایک طرف حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے سادہ اور مختصر بیان میں صداقت کی جھلک محسوس کی، دوسری طرف عبدالحمید کا بیان لیتے وقت اس نے خاص طور پر محسوس کیا کہ اس کی شہادت کا انداز اطمینان بخش نہیں۔ وہ اس سے اس نتیجے پر پہنچا کہ یا تو وہ حقیقت کو چھپا رہا ہے اور یا اسے اس سے بہت زیادہ علم ہے جو وہ اب تک بتا چکا ہے۔ چنانچہ اس نے موقع پر موجود انگریز ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس، مسٹر لیمار چنڈ، کو بلایا اور کہا کہ میں عبدالحمید کے بیان سے مطمئن نہیں ہوں، تم اسے بلا کر خود بیان لو۔ اس پر اس نے ڈپٹی انسپکٹر پولیس، محمد بخش، کو ہدایت کی کہ وہ عبدالحمید کو، جو ابھی تک عیسائیوں کی تحویل میں تھا اور وہی اسے اپنے ساتھ لاتے اور لیجاتے تھے، جا کر لے آئے۔ محمد بخش انسپکٹر نے اسکی فوری تعمیل کی، جس کے بعد وہ سارے راز ہائے سربستہ کھلے جنہیں مخفی رکھنے کی اب تک فریق مخالف سرتوڑ کوشش کر رہا تھا اور جن کے کھل جانے سے طلسم باطل کی وہ عمارت، جو خدا کے ایک برگزیدہ بندے کو رسوا کرنیکی غرض سے عیسائیوں، ہندوؤں اور بعض بدقسمت مسلمانوں کی متحدہ کوششوں سے تعمیر کی گئی تھی، دھڑام سے زمین پر آرہی۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مسٹر لیمار چنڈ، ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس، نے عبدالحمید کو الگ بلوا کر کہا کہ وہ اپنا بیان ایک بار پھر لکھوائے۔ اس پر پہلے تو اس نے وہی فرسودہ کہانی دوہرانی شروع کر دی جو وہ اب تک اپنے گذشتہ بیانات میں بتاتا چلا آرہا تھا۔ لیکن جب مسٹر لیمار چنڈ نے اسے جھڑک کر کہا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ سچ سچ بتاؤ، اصل واقعہ کیا ہے اور ساتھ ہی اسے یہ یقین دلایا کہ اب تجھے انار کلی (بٹالہ میں عیسائی مشن کا ہیڈ کوارٹر، جہاں دن رات عبدالحمید عیسائیوں کی تحویل میں رہ رہا تھا) واپس نہیں بھیجا جائے گا بلکہ ہم تجھے اپنے ساتھ گورداسپور لے جائینگے، تو وہ مسٹر لیمار چنڈ کے قدموں پر گر پڑا اور زار و قطار رونے اور کہنے لگا کہ صاحب! سچی بات یہ ہے کہ مجھے نہ مرزا صاحب (حضرت بانیٔ سلسلہؑ) اور نہ کسی اَور نے ڈاکٹر صاحب (ڈاکٹر مارٹن کلارک) کے قتل کے لئے بھیجا ہے۔ یہ سب سازش عبدالرحیم، وارث دین اور پریمداس (امرتسر کے سکاچ مشن کے عیسائی ملازمین جو ڈاکٹر مارٹن کلارک کے ساتھ رہ رہے تھے) کی ہے۔ وہی مجھے سکھاتے تھے کہ یوں کہنا اور یوں نہ کہنا، اس طرح تم بچ جاؤ گے۔ یہ کہ انہوں نے میرے فوٹو بھی اتارے تھے اور وہ کہتے تھے کہ تمہاری تصویر ڈاکٹر صاحب کے پاس ہے۔ میں بار بار کہتا کہ میں صرف عیسائی ہونے کیلئے آیا ہوں مگر وہ کہتے کہ تُو ڈاکٹر صاحب کو قتل کرنے کیلئے آیا ہے، یوں کہو گے تو بچ جاؤ گے، ورنہ قید ہو جاؤ گے۔ چنانچہ ان کی بار بار کی دھمکیوں سے میں وہی کچھ کہنے کیلئے تیار

ہو گیا جو وہ مجھ سے کہلوانا چاہتے تھے۔

عبدالحمید کے اس نئے بیان سے ایسے ایسے سنسنی خیز انکشافات ہوئے کہ حیرت ہوتی ہے کہ مسیحیت کے یہ علمبردار، جو دن رات اپنے یسوع مسیح کی معصومیت کا ڈھنڈھورا پیٹتے تھکتے نہیں، اسلام دشمنی میں یہاں تک بڑھ گئے تھے کہ انہوں نے جھوٹ کی نجاست پر منہ مارنے تک سے گریز نہ کیا۔ ان انکشافات کے مطابق (جو عدالت متعلقہ کے ریکارڈ میں محفوظ ہو چکے ہیں) اب عبدالحمید نے جو بیان دیا وہ یہ تھا کہ:

''میں امرتسر میں سب سے پہلے ہال دروازہ میں ایک عیسائی مناد، نوردین، کے پاس گیا۔ میں ملازمت کی تلاش میں تھا۔ نوردین نے پہلے مجھے پادری گرے (امرتسر میں عیسائی امریکن مشن کا پادری) کے پاس چٹھی دیکر بھجوایا۔ مگر وہ کہنے لگے کہ اپنا خرچ خود اٹھاؤ تو عیسائی کرینگے۔ میں واپس آ گیا۔ اس پر نوردین نے مجھے ڈاکٹر مارٹن کلارک کے پاس بھجوا دیا اور کہا کہ وہ روٹی بھی دینگے اور عیسائی بھی کر لینگے۔ میں نے اس وقت پہلی بار ڈاکٹر صاحب کا نام سنا.....میں قطب الدین کے پاس نہیں گیا۔ نہ ہی میں انہیں جانتا ہوں۔ یہ نام مجھے وارث دین عیسائی نے بتایا تھا اور اسی نے اسکی رہائش وغیرہ کا پتہ بتایا تھا۔ مجھے اس کا نام یاد نہ رہتا تھا، تو پریمداس عیسائی نے یہ نام پنسل کے ساتھ میرے ہاتھ کی ہتھیلی پر لکھ دیا تھا تا میں بھول جانے پر دیکھ لوں.....جب ڈاکٹر صاحب (مراد ڈاکٹر مارٹن کلارک) نے میرا پہلا اقبالی بیان لیا تھا تو عبدالرحیم عیسائی میرے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے مرزا صاحب (مراد حضرت مرزا صاحب) کی طرف منسوب کرتے ہوئے یہ لکھوایا تھا کہ انہوں نے مجھے کہا کہ 'تو ڈاکٹر صاحب کو کوئی نقصان پہنچا دے'، تو عبدالرحیم عیسائی نے مجھے کان میں کہا کہ '' 'مار ڈال' کے الفاظ لکھوا''۔ اس پر میں نے پہلا بیان پھاڑ کر دوسرا بیان لکھوایا تھا۔ پتھر سے مارنے والی بات بھی انہی لوگوں نے مجھے سکھائی تھی.....میں پہلے گجرات کے سکاچ مشن میں تھا۔ وہاں سے مجھے بوجہ بدچلنی نکال دیا گیا۔ اسی لئے امرتسر آ کر میں نے اپنا ہندو سے مسلمان ہونا ظاہر کیا اور اپنا نام بھی عبدالحمید کی بجائے عبدالمجید ظاہر کیا، تا میرا پہلا حال معلوم نہ ہو جائے.....مولوی نورالدین صاحب کو جو چٹھی میں نے امرتسر پہنچ کر لکھی، اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ ان کے مجھے قادیان سے نکال دینے پر میں اب عیسائی ہونے لگا ہوں۔ مگر پریمداس اور عبدالرحیم نے مجھے کہا کہ اس چٹھی کے بارے میں یہ کہنا کہ اس

لئے لکھی تھی تا قادیان والوں کو میرے ٹھکانے کا پتہ چل جائے..... میں نے مرزا صاحب کو کوئی گالی نہیں دی۔ صرف ان کے دو آدمیوں کے مجھے نصیحت کرنے پر میرا اُن سے تکرار ہو گیا تھا۔ یہ بھی مجھے پریمداس، عبدالرحیم اور وارث دین نے سکھایا تھا کہ تو کہنا کہ میں مرزا صاحب کو گالیاں دیکر آیا تھا...... قطب الدین کا نام لینے کا مشورہ مجھے آریہ وکیل لالہ بھجدت نے دیا تھا (ان کا ذکر پیچھے گذر چکا ہے کہ وہ آریوں کی طرف سے مقدمہ کی مفت پیروی کرنیکی غرض سے بھجوائے گئے تھے۔ ناقل)۔ وہ کہتے تھے کہ عدالت تسلیم نہ کریگی کہ مارنے کیلئے تم اکیلے آئے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ تم کوئی پرندہ نہیں ہو کہ مار کر اُڑ جاتے۔ اس پر وارث دین وغیرہ نے قطب الدین کا نام و پتہ مجھے لکھ دیا تھا (ان بیچاروں کو جھوٹ کو سچ میں ڈھالنے کیلئے کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑے۔ ناقل) میں مرزا صاحب کو نہ مٹھیاں بھرتا تھا نہ کبھی ان کے مکان پر گیا۔ صرف ایک دفعہ انہیں مسجد میں دیکھا تھا۔ صرف یہ لوگ مجھے ایسا بیان دینے کیلئے کہتے رہے۔ اور جب تھانیدار صاحب (مراد، ڈپٹی انسپکٹر پولیس، محمد بخش۔ ناقل) مجھے بلانے کیلئے آئے تھے، تب بھی ان لوگوں نے مجھے ڈرایا کہ خبردار! اپنا پہلا بیان نہ بدلنا۔ میں نے اپنے پہلے بیان بھی صرف ان لوگوں کے ڈر سے دئے تھے۔ یہ لوگ مجھے باہر سے تالا لگا کر بند رکھتے تھے اور ظاہر یہ کرتے تھے کہ ہم یہ اس لئے کر رہے ہیں کہ مرزا صاحب کا کوئی آدمی آکر تجھے مار نہ ڈالے"

(خلاصہ بیان عبدالحمید بمقام گورداسپور، مورخہ ۲۰ راگست ۱۸۹۷ء)

اب اصل حقیقت کھل چکی تھی اور عیسائیوں کے دجل وفریب کا بھانڈا چوراہے میں پھوٹ چکا تھا۔ چنانچہ عبدالحمید کے اس دوسرے اقبالی بیان کے بعد ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک (مستغیث) کا از سرِ نو اظہار لیا گیا۔ کھسیانی بلی کھمبا نوچے۔ اس نے اب مندرجہ ذیل مضحکہ خیز موقف اختیار کیا:

"عبدالحمید کے اس دوسرے بیان کی نسبت میں کچھ نہیں جانتا۔ اس کے اقبال کے وقت (یعنی جب وہ اپنا سب سے پہلا اقبالی بیان لکھوا رہا تھا۔ ناقل) عبدالرحیم ذرا فاصلے پر بیٹھا ہوا تھا اور اس (عبدالحمید) کے کان میں بات نہیں کر سکتا تھا، نہ ہی وہ اس دوران کچھ بولا ہے۔ لفظ 'مار ڈالنا' اس نے خود لکھا تھا۔ ہم نے اس کے مسٹر گرے (امریکن مشن کا پادری۔ ناقل) کے پاس جانے کی نسبت بعد میں سنا۔ ہمیں یاد نہیں کہ آیا رام بھجدت وکیل ہم نے مقرر کیا تھا یا وہ از خود آیا تھا......

جب لڑکا (مراد عبدالحمید) آیا تھا، تو عبدالرحیم وغیرہ کو خوف پیدا ہوا کہ وہ ہمیں مارنے کیلئے آیا ہے
وکیل (مراد، آریہ وکیل لالہ رام بھجدت) کا سفر خرچ اور فیس ہم نے ادا نہیں کی''

یہ بیان جس قدر کچا۔ بودا اور غیر ذمہ دارانہ تھا، اِس کے لفظ لفظ سے مترشح ہو رہا ہے۔ بہر حال اب مقدمے کی کایا پلٹ چکی تھی۔ اور ڈاکٹر مارٹن کلارک کیلئے اپنی نازک پوزیشن کو دیکھتے ہوئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ مقدمے سے اپنا ہر قسم کا تعلق قطع کر لے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا، جیسا کہ عدالت کے آخری حکم میں مندرجہ اس کے ذیل کے الفاظ بتا رہے ہیں:

Dr. Clark states he wishes to resign his post of prosecutor

یعنی

''ڈاکٹر کلارک کہتے ہیں کہ میں بطور مستغیث اس مقدمے سے کلیۃً دستبردار ہوتا ہوں''

(بحوالہ ''کتاب البریۃ''، روحانی خزائن جلد ۱۳ ص...)

یوں مقدمہ کی حقیقت کھل جانے پر حاکم عدالت، کپتان ڈگلس، نے جو فیصلہ لکھا، وہ جہاں عدالتی عدل وانصاف کے عظیم شاہکار کے طور پر تاریخ کے اوراق پر رہتی دنیا تک محفوظ رہیگا، وہاں وہ حاکم عدالت کی بصیرت، ذہانت اور بیدار مغزی کی بھی ایک بہترین مثال کی حیثیت سے یاد کیا جاتا رہیگا۔ چنانچہ اس نے عبدالحمید کے پہلے دونوں بیانات کو رد کرنے کی وجوہات بیان کرتے ہوئے لکھا:

''ہم نے خود اسکے اس بیان کو جیسا کہ ہے، نہایت ہی بعید العقل خیال کیا۔ (علاوہ ازیں) اس کے اس بیان میں جو اس نے امرتسر میں لکھایا بمقابلہ اُس بیان کے جو میرے سامنے لکھوایا، اختلافات ہیں اور ہم اسکی وضع قطع سے (بھی) جبکہ وہ شہادت دے رہا تھا، مطمئن نہیں ہوئے تھے۔ علاوہ اس کے ہم نے یہ معلوم کیا کہ جتنی دیر تک (وہ) بٹالہ میں مشن کے ملازموں کی نگرانی میں رہا، اتنا ہی اس کی شہادت مفصّل اور طویل ہوتی گئی۔ اس کے پہلے بیان میں جو اس نے ۱۲ تاریخ کو میرے سامنے لکھوایا، بہت سی باتیں تھیں جو اس بیان میں نہیں، جو اسنے اوّل، ڈاکٹر کلارک کے سامنے دیا، یا جب اس کا اظہار ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ امرتسر نے لیا۔ اور جب اس نے دوبارہ ہمارے سامنے ۱۳/ اگست کو اظہار دیا تو اس نے

بہت سی باتیں زائد بڑھا دیں۔اس سے یہ نتیجہ پیدا ہوا کہ یا تو کوئی شخص یا اشخاص اس کو پڑھاتے ہیں یا یہ کہ اس کو اس سے زیادہ علم ہے جتنا کہ وہ ابتک ظاہر کر چکا ہے''

اور پھر عبدالحمید کے آخری بیان کو درست تسلیم کرنے کی مندرجہ ذیل عقل کو اپیل کرنے والی وجوہات بیان کرتے ہوئے اس نے لکھا:

''نوجوان کی ہیئت کذائی اور اس کے طور واطوار سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ درحقیقت کسی سخت ذہنی اذیّت اور مصیبت میں گرفتار ہے۔عبدالرحیم۔وارث دین اور پریم داس،اس سے مسلسل جھوٹ بلواتے رہے اور اسے اس قدر ڈرایا اور دھمکایا کہ وہ خودکشی کیلئے تیار ہو گیا تھا.....اس کے نوردین عیسائی کے توسط سے مسٹر گرےؔ کے پاس پہنچنے کی تصدیق خود ڈاکٹر گرےؔ (امرتسر میں امریکن عیسائی مشن کا پادری۔ناقل) کی چٹھی اور نوردین عیسائی کی شہادت سے ہوتی ہے،جس سے پتہ لگتا ہے کہ وہ ڈاکٹر کلارک کے پاس محض اتفاقاً آیا تھا۔اگر مثلاً ڈاکٹر گرےؔ اسکے کھانے پینے اور مکان دینے کا وعدہ کر لیتے تو یہ نوجوان وہیں رہ جاتا۔اس سے یہ نتیجہ نکالنا کچھ مشکل نہیں کہ اس کا ڈاکٹر کلارک کے پاس جانا محض اتفاقی امر تھا نہ کہ ارادۃً''

اسی بیدار مغزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حاکم موصوف آگے لکھتا ہے:

''عبدالحمید ایک کمزور دل کا نوجوان ہے۔اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ ایسا نازک کام جانبازی اور ذمہ واری سے سرانجام دیتا.....علاوہ ازیں یہ بات ثابت شدہ ہے کہ مرزا صاحب نے اس نوجوان کو زیادہ سے زیادہ دو ہفتہ دیکھا ہے۔یہ عرصہ ایسی واقفیت پیدا کرنے کیلئے ناکافی ہے جسکی بنا پر اعتماد کیسا تھ اس پر ایسے نازک کام کی ذمہ واری ڈالی جا سکتی۔اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ عبدالحمید نے قتل کرنے کی جو تدبیر اپنے پہلے بیانات میں بیان کی،نہایت بھونڈی اور احمقانہ تھی۔بالخصوص اس صورت میں کہ مرزا صاحب کو اس نوجوان کا قادیان میں آنا خود تسلیم ہے اور اگر ڈاکٹر کلارک پر کوئی واردات ہوتی،تو اس کی زد مرزا صاحب پر پڑ سکتی تھی''

آخرالامر یہ بات کہ عبدالحمید اپنے بیان میں قتل کے ارادہ کا اظہار کرنے کے باوجود پھر بھی تفصیلات

بتانے سے رکا رہا اور انہیں صرف اُس وقت بیان کیا، جب وہ وارث دین، پریمداس اور عبدالرحیم کی تحویل میں تھا، اس سے استدلال کرتے ہوئے حاکم موصوف نے لکھا:

''یہ حقیقت اس امر کو قرین قیاس بنادیتی ہے کہ اسکی پہلی کہانی کے ذمہ وار یہی تینوں اشخاص ہیں۔ان کا کسی قدر متعلق ہونا صرف اس صورت میں قرین قیاس ہوتا، اگر استغاثہ ثابت ہو جاتا۔ جہاں تک ڈاکٹر مارٹن کا تعلق ہے، مرزا صاحب کہتے ہیں کہ انہوں نے ان کی موت کی نسبت کبھی کوئی پیشگوئی نہیں کی اور جس قدر مطبوعہ شہادات پیش کی گئی ہیں، ان میں کوئی ایسا امر نہیں جس سے مرزا صاحب کے بیان کی تردید ہوتی ہو.........غرض ہم کوئی وجہ نہیں دیکھتے کہ غلام احمد (حضرت بانیٔ سلسلہؑ) سے حفظِ امن کے لئے ضمانت لی جائے یا یہ کہ مقدمہ پولیس کے سپرد کیا جائے۔لھٰذا وہ بری کئے جاتے ہیں''

(ملخص فیصلہ از کپتان ایم۔ڈگلس، ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ، گورداسپور۔مورخہ ۲۳راگست ۱۸۹۷ء)

جن الفاظ میں عدالتی طور پر حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کی بریت کا اعلان کیا گیا، انہیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی قدرت اور رحمت پر نثار ہونے کو جی چاہتا ہے، کیونکہ یہ بعینہٖ وہی الفاظ تھے جن میں آپ کو اپنے اوپر لگنے والے اس الزام سے بریت کی آسمانی اطلاع دی گئی تھی۔یعنی پیش از وقت 'اِبراء' کا مژدہ سنایا گیا تھا (ملاحظہ ہو آپ کو ہونے والا الہام بر صفحہ ۱۳)۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر آپ کا ۲۰ سال پہلے کا وہ الہام بھی پورا ہوا، جس میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت دی گئی تھی کہ لوگ آپ پر کوئی سنگین الزام لگائیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ آپکی اس سے بریت کے سامان پیدا فرمائیگا۔اس الہام کے الفاظ یہ تھے:

فَبَرَّأَهُ اللّٰہُ مِمَّا قَالُوا وَ کَانَ عِندَ اللّٰہِ وَجِیھاً

(بحوالہ مکتوبات احمدیہ، جلد اول، صفحہ ۲۳)

یہ آپ کا ۱۸۸۳ء کا الہام ہے، جو ''براہین احمدیہ''، روحانی خزائن، جلد اول، کے صفحہ ۶۱۵ پر درج ہے اور جسکے معنی ہیں، 'خدا اسے اس الزام سے جو اس پر لگایا جائیگا، بری کر دیگا کیونکہ وہ اللہ کے نزدیک وجیہ ہے'۔ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام خود بھی فرماتے ہیں:

''سو یہ خدا تعالیٰ کا ایک بھاری نشان ہے کہ باوجودیکہ قوموں نے میرے ذلیل کرنے کیلئے اتفاق کر لیا تھا۔مسلمانوں کی طرف سے مولوی محمد حسین صاحب تھے۔ ہندوؤں کی طرف

سے لالہ رام بھجدت وکیل تھے اور عیسائیوں کی طرف سے ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب مع اپنی تمام جماعت آئے اور جنگ احزاب کی طرح ان قوموں نے بالاتفاق میرے پر چڑھائی کی تھی، لیکن خدا تعالیٰ نے سب کو ذلیل کیا اور مجھے بری کیا اور عبدالحمید کے منہ سے اِس طرح سچ نکلوایا، جس طرح یوسف کے مقابلہ میں زلیخا کے منہ سے سچ نکل گیا تھا، اور یا جس طرح حضرت موسیٰؑ کے مقابلہ میں اُس مفتری عورت کے منہ سے سچ نکل گیا تھا، تا وہ بات پوری ہو جس کی طرف اِس الہامی پیشگوئی میں اشارہ تھا:

بَرّأہُ اللّٰہُ مِمّا قَالُوا ''

(نزول المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸۔ ص ۵۷۸)

اللہ تعالیٰ کی شان اور اسکی قادرانہ تجلّی کا یہ کرشمہ ہے کہ اس نے نہ صرف یہ کہ آپکی بریت کے جملہ اسباب مہیا فرمائے، بلکہ مقدمہ میں پیش آنے والی ہر امکانی ذلّت سے بھی آپکو محفوظ رکھا۔ پیچھے بتایا گیا ہے کہ امرتسر کی عدالت، جہاں یہ مقدمہ پہلے پہل درج کرایا گیا تھا، سے حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے نام وارنٹ گرفتاری جاری کیا گیا تھا اور مخالف فریق اس پر اتنا خوش تھا کہ ان کے لوگ روزانہ دو وقت ریلوے سٹیشن پر جا کر دیکھتے کہ کب اور کیسے آپ کو ہتھکڑیوں سمیت گرفتار کر کے لایا جاتا ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے ایسا معجزہ دکھایا کہ انکی یہ ساری جھوٹی خوشیاں پامال کر کے رکھ دیں۔ وہ وارنٹ گرفتاری کیسے اور کہاں غائب ہوا، یہ ایک سرِّ الٰہی ہے، جس کی کنہ و کیفیت کسی فرد بشر کو معلوم نہیں۔ تاہم یہ ایک تقدیر الٰہی تھی، جس پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت بانیٔ سلسلہؑ فرماتے ہیں:

''یہ تصرف غیبی کس قدر ایک طالب حق کے ایمان کو بڑھاتا ہے کہ باوجودیکہ امرتسر سے ایسا وارنٹ جاری ہوا۔ مگر خدا تعالیٰ نے جیسا کہ مندرجہ بالا الہامات میں اس کا وعدہ تھا، اس وارنٹ سے عجیب طور پر محفوظ رکھا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اگر حکم کے مطابق یہ وارنٹ عدالت سے جاری ہو جاتا، تو قبل اس کے کہ ۷/اگست ۱۸۹۷ء کا حکم، انتقال مثل کیلئے نفاذ پاتا، وارنٹ کی تعمیل ہو جاتی.....اور گرفتاری کی ذلّت اور مصیبت ہمیں پیش آ جاتی۔ لیکن خدا تعالیٰ کی قدرت ایسی ہوئی جس کا ابتک ہمیں بھید معلوم نہیں کہ وہ وارنٹ باوجود چھ دن گذر جانے کے عدالت مجسٹریٹ گورداسپور میں پہنچ نہ سکا۔ یہانتک کہ تار پہنچنے پر صاحب ضلع

تعجب میں پڑے کہ یہ کیسا وارنٹ ہے جس کے روکنے کیلئے تار آئی۔ غرض کچھ بھی پتہ نہیں لگتا کہ وہ وارنٹ جاری ہو کر پھر کہاں گیا"

پھر آسمان سے ملنے والی فتح و نصرت کی بشارات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

"اب جب ایک نظر سے انسان ان الہاموں کو دیکھے جن کو ابھی ہم لکھ آئے ہیں، جن میں رحمت اور نصرت کا وعدہ ہے اور دوسری طرف اس بات کو سوچے کہ کیونکر عدالت امرتسر کا پہلا وار ہی خالی گیا، تو بیشک اس کو اس بات پر یقین آ جائیگا کہ یہ خدا تعالیٰ کا تصرف تھا تا وہ اپنے الہامی وعدہ کے موافق اپنے بندہ کو ذلّت سے محفوظ رکھے۔ کیونکہ گرفتار ہو کر عدالت میں پیش کیا جانا اور ہتھکڑی کیساتھ حکام کے سامنے حاضر ہونا بھی ایک ذلّت ہے جس سے دشمنوں کو خوشی پہنچتی ہے"

(تریاق القلوب، روحانی خزائن جلد ۱۵ ص ۳۴۴۔۴۵)

دوسرا عجیب اتفاق یہ ہوا کہ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے، جب مقدمہ امرتسر سے منتقل ہو کر گورداسپور چلا گیا، تو وہاں کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے بجائے وارنٹ کے ایک عام قسم کا سمن جاری کر دیا۔ اب فریق مخالف کو یہ تو پتہ چل گیا کہ مقدمہ گورداسپور منتقل ہو گیا ہے، مگر انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہاں سے وارنٹ کی جگہ سمن جاری ہوا ہے۔ چنانچہ پیشی کے دن جو بٹالہ میں تھی، مخالفین جن میں سرفہرست مولوی محمد حسین بٹالوی تھے، یہی تماشا دیکھنے اور اپنے دوستوں کو دکھانے کی غرض سے احاطۂ عدالت میں پہنچے ہوئے تھے۔ لیکن خدا نے ان کی یہ جھوٹی خوشی بھی پوری نہ ہونے دی اور یوں اللہ تعالیٰ نے اپنے مامور کو ہر ذلت اور رسوائی سے محفوظ رکھ کر اپنی قادرانہ تجلّی کا نشان دکھایا۔

........☆........

اب خدائی بشارات کے مطابق عدالت کی طرف سے حضرت بانی سلسلہؑ کی بریت کا اعلان تو ہو گیا اور ایسا ہوا کہ دوست اور دشمن سب ہی اپنی اپنی جگہ دنگ رہ گئے۔ گویا ایک بہت عظیم الشان نشان تھا، جو ظاہر ہوا۔ تاہم عدالت نے اپنے اس فیصلے کے ساتھ آپکے بارے میں مندرجہ ذیل ریمارکس بھی دئے:

"لیکن ہم اس موقع پر مرزا غلام احمد کو بذریعہ تحریری نوٹس کے، جسکو انہوں نے خود پڑھ لیا اور اسپر دستخط کر دئے ہیں، باضابطہ طور پر متنبہ کرتے ہیں کہ اُن مطبوعہ دستاویزات سے جو

شہادت میں پیش ہوئی ہیں [ا]، یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسنے اشتعال اور غصہ دلانے والے رسالے شائع کئے ہیں، جن سے ان لوگوں کی ایذا متصور ہے، جن کے مذہبی خیالات اس کے مذہبی خیالات سے مختلف ہیں۔ جو اثر انکی باتوں سے انکے بے علم مریدوں پر ہوگا، اسکی ذمہ واری انہی پر ہوگی اور ہم انہیں متنبہ کرتے ہیں کہ جبتک وہ زیادہ تر میانہ روی کو اختیار نہ کرینگے، وہ قانون کے رو سے بچ نہیں سکتے، بلکہ اسکی زد کے اندر آجاتے ہیں''

یہ ایک قسم کا تہدیدی نوٹس تھا جس پر آپ کے باقاعدہ دستخط کرائے گئے۔ لیکن خدا تعالیٰ کی عجیب شان ہے کہ یہی نوٹس دوسری طرف آپ کی صداقت اور آپکے منجانب اللہ ہونے کا ایک زبردست نشان بن گیا۔ کیونکہ جیسا کہ اس مضمون کے شروع میں بتایا گیا ہے، سب سے پہلا الہام جو اس مقدمہ کے بارے میں ہونے والی رؤیا کے وقت آپ کو ہوا تھا اور جسکے الفاظ یہ تھے:

مَا ھٰذا اِلّا تھدیدُ الحُکام،

ایسی ہی تہدید کے پیش آنیکی خبر دے رہا تھا۔ گویا خدا تعالیٰ نے اُسی وقت کہ جب ابھی اس مقدمہ کی داغ بیل بھی نہ پڑی تھی، آپ کو بتا دیا اور اطمینان دلا دیا تھا کہ مقدمہ تو بنے گا، اس کی گھن گرج بھی بہت ہوگی لیکن فکر نہ کرنا، اسکی تان حکام کی ایک تہدید پر آکر ٹوٹ جائیگی۔ اور پھر بعینہٖ ایسا ہی ہوا۔ یہ اتنا بڑا نشان الٰہی تھا کہ اسے دیکھ کر مومنوں کے دل بجائے کسی قسم کا غم کرنے کے خوشیوں سے معمور ہو گئے۔

ظاہری اعتبار سے عدالت کو اس قسم کا نوٹس جاری کرنے کی ضرورت ڈاکٹر مارٹن کلارک (مدعی) کے یک طرفہ بیان کی وجہ سے پیش آئی کیونکہ اس سے عدالت پر یہ تأثر پیدا ہو چکا تھا کہ گویا صرف آپ (حضرت بانیٔ سلسلہؑ) کی طرف سے ہی عیسائیوں کے بارے میں سخت الفاظ استعمال ہوتے رہے ہیں، ورنہ حقیقت یہ تھی کہ مخالفینِ اسلام نے ان سے بہت زیادہ دلآزار اور اشتعال انگیز الفاظ آپ کی نسبت اور آپ کے آقا و مولا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق استعمال کئے تھے اور ایک لمبے عرصہ سے استعمال کرتے

[ا] ان مطبوعہ دستاویزات سے مراد حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی وہ تحریرات تھیں، جن میں آپ نے آریہ اور عیسائی مخالفین کے اسلام اور حضرت بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں نہایت دلآزار اور سب وشتم سے بھری ہوئی تحریرات کے جواب میں بعض سخت الفاظ استعمال فرمائے تھے اور جنہیں فریق مخالف نے استغاثہ کی تائید میں پیش کیا تھا۔ آپ نے عدالت کی توجہ اس طرف مبذول بھی کرائی لیکن چونکہ عدالت کا وقت ختم ہو چکا تھا اور فیصلہ سنایا جا چکا تھا، اس لئے حکام نے اس وقت اس کا کوئی نوٹس نہ لیا۔

چلے آرہے تھے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

''یہ بات میں تسلیم کرتا ہوں کہ مخالفوں کے مقابل پر تحریری مباحثات میں کسی قدر میرے الفاظ میں سختی استعمال میں آئی تھی۔ لیکن وہ ابتدائی سختی نہیں ہے بلکہ وہ تمام تحریریں نہایت سخت حملوں کے جواب میں لکھی گئی ہیں۔ مخالفوں کے الفاظ ایسے سخت اور دشنام دہی کے رنگ میں تھے، جن کے مقابل پر کسی قدر سختی (قرین) مصلحت تھی''

لیکن چونکہ عدالت اس وقت مقدمہ ختم کر چکی تھی، اس لئے آپ اپنا بیان مکمل طور پر پیش نہ کر سکے۔ تاہم بعد میں آپنے ایک فہرست ایسی تمام تحریرات پر مشتمل عدالت میں جمع کرادی، جو مخالفین اسلام، خاص طور پر عیسائیوں کی شائع کردہ کتب میں موجود تھیں۔ اِن تحریرات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے ان کے بارے میں استعمال کئے ہوئے سخت الفاظ آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں۔ اسی حقیقت الامر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

''میں نے اُسی وقت صاحب مجسٹریٹ ضلع کو یہ کہا تھا کہ میری طرف سے کوئی سختی ابتدائی طور پر نہیں ہوئی، بلکہ پادری صاحبوں کی طرف سے سختی ہوئی ہے اور میں نے یہ بھی کہا کہ اِسوقت کئی بستے ایسے عیسائی کتابوں کے میرے پاس موجود ہیں، جن میں عیسائی صاحبوں نے نہایت زیادتی کی ہے، لیکن چونکہ صاحب مجسٹریٹ ضلع اس وقت مقدمہ ختم کر چکے تھے اس لئے میرے جواب کا وقت نہیں رہا تھا''

بعد میں آپنے البتہ ''کتاب البریہ'' کے نام سے ایک رسالہ تحریر فرما کر اس میں مقدمہ کی تفصیلات کا ذکر کرنے کے علاوہ ایسے تمام دلآزار اور دلفگار کلمات کی فہرست شائع فرمادی، جو عیسائی پادری اور آریہ لوگ مدت سے اسلام، حضرت بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم، آپؐ کے صحابہ اور آپکی ازواج مطہرات کی شان میں شائع کرتے چلے آرہے تھے۔ اور پھر حکومت وقت کو توجہ دلاتے ہوئے ساتھ ہی یہ بھی تحریر فرمایا کہ

''یہ گورنمنٹ کا فرض ہے کہ عام طور پر ایک سخت قانون جاری کر کے ہر ایک مذہبی گروہ کو سخت الفاظ کے استعمال سے ممانعت کر دے تا کہ کسی قوم کے پیشوا اور کتاب کی توہین نہ ہو......ایسے قانون سے ملک میں بہت امن پھیل جائیگا اور مفسد طبع فتنہ انگیز لوگوں کے منہ بند ہو جائینگے اور تمام مذہبی بحثیں علمی رنگ میں آجائیں گی......اور جو شخص اس ہدایت کی خلاف ورزی کرے، اس

کے لئے کوئی سزا مقرر ہو۔ بے شک بغیر اس تدبیر کے مذہبی فتنوں کا زہریلا بیج بکلی دور نہیں ہو سکتا‘‘

(بحوالہ کتاب البریہ، روحانی خزائن جلد۱۳، ص۲۱۱ تا ۲۱۳)

..........☆..........

آخر پر حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کا وہ تبصرہ بھی پڑھنے کے لائق ہے، جو آپ نے اس مقدمہ کی سنگینی اور دعویٰ کے ہر لحاظ سے کامیاب طور پیش ہونے کے باوجود، معجزانہ طور پر اپنے بری ہونے کے بارے میں فرمایا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

’’یہ مقدمہ کپتان ڈگلس ڈپٹی کمشنر گورداسپور کے اجلاس میں تھا، جو شاید اب شملہ میں ہیں۔ ان کے روبرو مقدمہ پورے طور پر مرتب ہو گیا اور تمام شہادتیں میرے خلاف بڑے زور شور سے دی گئیں۔ ایسی حالت اور صورت میں کوئی قانون دان اہل الرائے بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ میں بری ہو سکتا ہوں۔ تقاضائے وقت اور صورتیں ایسی واقع ہو چکی تھیں کہ مجھے سیشن سپرد کر دیا جاتا اور وہاں سے پھانسی کا حکم ملتا، یا عبور دریائے شور کی سزا دی جاتی۔ مگر خدا تعالیٰ نے جیسے مقدمہ سے پہلے مجھے اطلاع دی تھی، اسی طرح یہ بھی قبل از وقت ظاہر کر دیا تھا کہ میں اس میں بری ہونگا۔ چنانچہ یہ پیشگوئی میری جماعت کے ایک گروہ کثیر کو معلوم تھی۔ غرض جب مقدمہ اس مرحلہ پر پہنچا اور دشمنوں اور مخالفوں کا خیال ہو گیا کہ اب مجھے مجسٹریٹ سیشن سپرد کر دیگا، اس موقع پر اس نے کپتان پولیس سے کہا، میرے دل میں یہ بات آتی ہے کہ یہ مقدمہ بناوٹی ہے۔ میرا دل اس کو نہیں مانتا کہ فی الواقعہ ایسی کوشش کی گئی ہو، اور انہوں نے ڈاکٹر کلارک کے قتل کیلئے آدمی بھیجا ہو۔ آپ اس کی پھر تفتیش کریں‘‘

آگے فرماتے ہیں:

’’غرض جب مقدمہ دوبارہ تفتیش کیلئے کپتان لیمارچنڈ کے سپرد کیا گیا تو کپتان صاحب نے عبدالحمید کو بلایا اور اسکو کہا کہ تو سچ سچ بیان کر..... اس پر اس نے اصلیت کھول دی اور صاف اقرار کیا کہ مجھے دھمکا کر یہ بیان کرایا گیا تھا، مجھے ہرگز ہرگز مرزا صاحب نے قتل کیلئے نہیں بھیجا۔ کپتان اس بیان کو سن کر بہت خوش ہوا اور اس نے ڈپٹی کمشنر کو تار دیا کہ ہم

نے مقدمہ نکال لیا ہے۔ چنانچہ پھر گورداسپور کے مقام پر یہ مقدمہ پیش ہوا اور وہاں کپتان لیمار چنڈ کو حلف دیا گیا اور اس نے حلفی بیان لکھوایا۔ میں دیکھتا تھا کہ ڈپٹی کمشنر اصلیت کے کھل جانے پر بڑا خوش تھا اور ان عیسائیوں پر اسے سخت غصہ تھا، جنہوں نے میرے خلاف جھوٹی گواہیاں دی تھیں۔ اسنے مجھے کہا کہ آپ ان عیسائیوں پر مقدمہ کرسکتے ہیں، مگر چونکہ میں مقدمہ بازی سے متنفر ہوں، میں نے یہی کہا کہ میں مقدمہ کرنا نہیں چاہتا، میرا مقدمہ آسمان پر دائر ہے۔ اس پر اُسی وقت ڈگلس صاحب نے فیصلہ لکھا۔ ایک مجمع کثیر اس دن جمع ہو گیا ہوا تھا۔ اس نے فیصلہ سناتے وقت مجھے کہا کہ آپکو مبارک ہو۔ آپ بری ہوئے''

(''لیکچر لدھیانہ''، روحانی خزائن، جلد ۲۰، ص ۲۶۹)

یہاں راقم الحروف ناظرین کے سامنے وہ دلچسپ اور حقیقت افروز تقابلی جائزہ پیش کرنا چاہتا ہے، جو مقدمہ مذکورہ بالا کے دونوں فریقوں کے طرز عمل اور کردار کے نتیجے میں پیدا ہونے والی دو متضاد تصویروں کو دیکھنے سے سامنے آتا ہے اور جو دو مذہبی شخصیتوں کے اپنے اپنے اخلاقی اور روحانی مقام کا پتہ دیتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جہاں ایک فریق کے تعصب، عناد اور شقاوت قلبی کا یہ حال تھا کہ اس نے ہر قسم کے جھوٹ، دجل وفریب اور مکاری سے کام لیتے ہوئے مدّ مقابل کو موت کے شکنجے میں دھکیلنے کی پوری کوشش کی، وہاں دوسرے فریق یعنی حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی عالی ظرفی، رواداری نیز آپ کے توکل علی اللہ کا ارفع مقام ملاحظہ ہو کہ فریق مخالف کی قطعی طور پر ثابت شدہ اور عدالتی نقطۂ نگاہ سے تسلیم شدہ مجرمانہ کاروائی کے باوجود جب حاکم عدالت آپکو کہتا ہے کہ اگر تم چاہو تو فریق مخالف پر مقدمہ کرسکتے ہو، تو آپ جواب دیتے ہیں کہ میرا مقدمہ آسمان پر ہے، مجھے اپنے مدمقابل کو دنیاوی عدالتوں میں گھسیٹنے کی ضرورت نہیں۔ کیا خدا کے بندوں کے سوا دنیا میں کسی اور شخص کے بارے میں بھی ایسی کوئی مثال دیکھنے میں آتی ہے؟

یہ مضمون ختم کرنے سے پہلے یہ بتانا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اس مقدمے کے سلسلے میں ہونے والے الہامات میں سے وہ الہام جو ایک متنافس شخص کے بارے میں تھا کہ اس کی ذلّت اور رسوائی ہوگی اور وہ لوگوں کی ملامت کا نشانہ بنے گا، کس شان اور آب وتاب کے ساتھ پورا ہوا۔ پھر اس کے پورا ہونے سے نہ صرف یہ کہ اس کے چشمۂ غیبی سے نکلے ہوئے ہونے کی شہادت ملتی ہے بلکہ خود حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی صداقت اور عظمت کو بھی چار چاند لگ جاتے ہیں۔ پیچھے بتایا گیا ہے کہ اس مقدمہ کو زیادہ سے زیادہ بھیانک اور مکروہ شکل دینے کیلئے جہاں دشمنانِ اسلام ہر قسم کے مکر وفریب سے کام لے رہے تھے،

وہاں اہل حدیث کے اس سرغنہ، مولوی محمد حسین بٹالوی، نے بھی جلتی پر تیل ڈالنے کی غرض سے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہوئے اپنی شقاوت قلبی اور ناخدا ترسی کا ثبوت دیا۔ جیسا کہ حضرت بانی سلسلہؑ نے ''کتاب البریہ'' میں تفصیل سے بتایا ہے، آپکا یہ شدید مخالف عیسائیوں کا تائیدی گواہ بن کر عدالت میں آیا اور اپنی شہادت میں آپکے خلاف ہر قسم کا زہر اگلنے کی پوری کوشش کرتا رہا، تاہم حاکم عدالت نے اسکی گواہی کو مدعیٰ علیہ (حضرت بانی سلسلہؑ) کے ساتھ اسکی عداوت پر محمول کرتے ہوئے رد کر دیا۔ اگر صرف اتنی ہی بات ہوتی تو یہ بھی اپنی ذات میں ایک زندہ نشان تھا کہ مسلمانوں کا مذہبی لیڈر جو ایک کلمہ گو مسلمان کے خلاف اُن لوگوں کا حمائتی بن کر آیا تھا، جن کی قلمیں اور زبانیں دن رات حضرت بانی اسلام ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے اور بیباکی کے کلمات استعمال کرتے تھکتی نہ تھیں، اس کی گواہی کی یہ قدر و قیمت سمجھی گئی کہ عدالت نے اسے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا۔ اور اس طرح پر اس کی ساری شوخی اللہ تعالیٰ نے خاک میں ملا دی۔ تاہم خدا کے نزدیک اسے اس سے بھی زیادہ ذلّت اور رسوائی کا منہ دیکھنا تھا۔

پہلی بات تو یہ ہوئی کہ انہیں ایک بہت بڑی نفسیاتی شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ اس طرح کہ وہ اپنے بیمار ذہن میں حضرت بانی سلسلہؑ کی ذلّت کی ایک موہوم تصویر لئے وہاں پہنچے تھے۔ مگر جو انہوں نے اور ان کے دوستوں نے دیکھا، وہ اس کے بالکل برعکس تھا۔ جیسا کہ حضرت بانی سلسلہؑ فرماتے ہیں:

''یہ مقدمہ جو میرے پر بنایا گیا تھا، اس میں محمد حسین بٹالوی بڑا حریص تھا کہ کسی طرح عیسائیوں کو کامیابی ہو۔ وہ خیال کرتا تھا کہ مجھے شکار مارنے کیلئے ایک موقع ملا ہے اور اس کو یقین تھا کہ یہ وار اس کا خالی نہ جائیگا۔ اسی وجہ سے وہ کلارک کا گواہ بن کر آیا تھا۔ اور اس غلط خبر سے وہ بہت خوش تھا کہ اس عاجز پر وارنٹ گرفتاری جاری ہو گیا ہے..... وہ اس خیال پر کہ عنقریب یہ عاجز صاحب ضلع کی کچہری میں گرفتار ہو کر آئیگا، بڑے ناز سے کچہری میں تشریف لائے اور صیاد کی طرح اِدھر اُدھر دیکھتے تھے کہ تا میری گرفتاری اور ہتکڑی کا نظارہ دیکھیں اور اپنے یاروں کو دکھائیں۔ اتنے میں، مَیں قریب نَو بجے کے بٹالہ میں، جہاں صاحب ڈپٹی کمشنر بہ تقریبِ دورہ فروکش تھے، پہنچ گیا۔ اور جب میں صاحب ڈپٹی کمشنر کی کچہری میں گیا تو پہلے سے میرے لئے کرسی بچھائی گئی تھی۔ جب میں حاضر ہوا تو صاحب ضلع نے بڑے تلطّف اور مہربانی سے اشارہ کیا کہ تا میں کرسی پر بیٹھ جاؤں۔ تب محمد حسین

بٹالوی اور کئی سو آدمی جو میری گرفتاری اور ذلّت دیکھنے کیلئے آئے تھے، ایک حیرت کی حالت میں رہ گئے کہ یہ دن تو اس شخص کی ذلت اور بے عزتی کا سمجھا گیا تھا، مگر یہ تو بڑی شفقت اور مہربانی کے ساتھ کرسی پر بٹھایا گیا۔ میں اُسوقت خیال کرتا تھا کہ میرے مخالفوں کو یہ عذاب کچھ تھوڑا نہیں کہ وہ اپنی امیدوں کے مخالف عدالت میں میری عزت دیکھ رہے ہیں'' [ا]

دوسری ذلّت خود انہیں اپنے وجود میں اٹھانی پڑی، اور وہ بھی ایسے شخص کی موجودگی میں، جسکی ذلّت کا تماشا دیکھنے اور اپنے دوستوں کو دکھانے کیلئے وہ وہاں پہنچے تھے۔ اسکی تفصیل جس طرح حضرت بانیٔ سلسلہؑ نے اپنی کتاب ''کتاب البریہ'' میں بیان فرمائی ہے، وہ پڑھنے کے قابل ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''لیکن خدا تعالیٰ کا ارادہ تھا کہ اس سے بھی زیادہ ان کو رسوا کرے۔ سو ایسا اتفاق ہوا کہ.....
جب وہ گواہی کے لئے اندر بلایا گیا تو جیسا کہ خشک ملّا جاہ طلب اور خود نما ہوتے ہیں، آتے ہی بڑی شوخی سے اس نے صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر سے کرسی طلب کی۔ صاحب موصوف نے فرمایا کہ تجھے عدالت میں کرسی نہیں ملتی، اس لئے ہم کرسی نہیں دے سکتے۔ پھر اس نے دوبارہ کرسی کی لالچ میں بیخود ہو کر عرض کی کہ مجھے کرسی ملتی ہے اور میرے باپ رحیم بخش کو بھی ملتی تھی۔ صاحب بہادر نے فرمایا کہ تُو جھوٹا ہے، نہ تجھے کرسی ملتی ہے نہ تیرے باپ رحیم بخش کو ملتی تھی۔ ہمارے پاس تمہاری کرسی کیلئے کوئی تحریر نہیں۔ تب محمد حسین نے کہا

[ا] یہ کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اس دن فی الواقعہ بڑے بڑے دعاوی لے کر کچہری میں پہنچے تھے، اسکی تصدیق حضرت مولوی محمد حسین صاحب صحابی کے والد محترم، میاں محمد بخش صاحبؓ، کے بیان سے ہوتی ہے۔ آپ بٹالہ کے رہنے والے تھے، اور احمدی ہونے سے پہلے ہمیشہ مولوی محمد حسین بٹالوی کی امامت میں جمعہ کی نماز ادا کرتے تھے۔ آپ کا بیان ہے کہ جس دن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بٹالہ میں پیشی تھی، مولوی محمد حسین بٹالوی تماشا دیکھنے کیلئے بٹالہ جا چکے تھے۔ لہٰذا نماز جمعہ کیلئے نہ آئے، تاہم انکے نائب مولوی امام الدین صاحب نے انکے پیدا کئے گئے تأثر کا اظہار یوں کیا کہ کہا:

'آج شیر کے منہ میں بکرا آنے والا ہے، اگر وہ جان سے نہ مارا گیا، تو کم از کم زخمی ضرور ہو جائیگا'۔

اسی تأثر کے تحت آپ (یعنی میاں محمد بخش صاحب) بھی کندھے پر چادر رکھ کر کچہری میں پہنچ گئے۔ مگر آپ نے جو کچھ وہاں دیکھا اور محسوس کیا، وہ آپ کی کایا پلٹنے کیلئے کافی تھا۔ وہ کس طرح ایک غیر احمدی کے طور پر وہاں گئے تھے، مگر احمدی ہو کر واپس لَوٹے، اس کا ذکر حضرت مولوی محمد حسین صاحبؓ نے اپنی خودنوشت سوانح ''میری یادیں'' میں کیا ہے۔

کہ میرے پاس چٹھیات ہیں، لاٹ صاحب مجھے کرسی دیتے ہیں۔ یہ جھوٹی بات سن کر صاحب بہادر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ 'بک بک مت کر۔ پیچھے ہٹ جا اور سیدھا کھڑا ہو جا' ''[۱]

یہ اس شخص کا حال ہوا، جو مامور من اللہ کی مخالفت کا جوش اور اس کی ذلت کی تمنا لے کر عدالت میں پہنچا تھا۔ اس کی یہ حالت دیکھنے کے بعد حضور علیہ السلام آگے فرماتے ہیں:

''اُس وقت مجھے بھی محمد حسین پر رحم آیا کیونکہ اس کی موت کی سی حالت ہوگئی تھی۔ اگر بدن کاٹو تو شاید ایک قطرہ لہو کا نہ ہو، اور وہ ذلّت پہنچی کہ مجھے تمام عمر میں اسکی نظیر یاد نہیں۔ پس بیچارہ غریب، خاموش اور ترساں اور لرزاں ہو کر پیچھے ہٹ گیا اور سیدھا کھڑا ہو گیا اور پہلے میز کی طرف جھکا ہوا تھا۔ تب فی الفور مجھے خدا تعالیٰ کا یہ الہام یاد آیا کہ اِنّی مُھِینٌ من اَرَادَ اِھَانَتَکَ ، یعنی 'میں اس کو ذلیل کرونگا جو تیری ذلت چاہتا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کے منہ کی باتیں ہیں۔ مبارک وہ جو اُن پر غور کرتے ہیں''

---

[۱] راجہ غلام حیدر صاحب، جن کا ذکر اوپر کے صفحات میں بطور ریڈر، ڈپٹی کمشنر گورداسپور، آچکا ہے، ان کی اس ذلت کا آنکھوں دیکھا حال بھی بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

''شیخ رحمت اللہ صاحب کی شہادت ..... کے بعد مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی شہادت کیلئے کمرۂ عدالت میں داخل ہوئے اور دائیں بائیں دیکھا تو کوئی کرسی فالتو پڑی ہوئی نظر نہ آئی۔ مولوی صاحب کے منہ سے پہلا لفظ جو نکلا وہ یہ تھا کہ 'حضور کرسی'۔ ڈپٹی کمشنر نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ 'کیا مولوی صاحب کو حکام کے سامنے کرسی ملتی ہے'؟ میں نے کرسی نشینوں کی فہرست صاحب کے سامنے پیش کردی اور کہا کہ اس میں مولوی محمد حسین صاحب یا ان کے والد بزرگوار کا نام تو درج نہیں۔ اس پر صاحب ڈپٹی کمشنر نے مولوی صاحب کو کہا کہ 'آپ کوئی سرکاری طور پر کرسی نشین نہیں ہیں۔ آپ سیدھے کھڑے ہو جائیں اور شہادت دیں'۔ تب مولوی صاحب نے کہا کہ 'میں جب کبھی لاٹ صاحب کے حضور میں جاتا ہوں تو مجھے کرسی پر بٹھایا جاتا ہے۔ میں اہل حدیث کا سرغنہ ہوں'۔ تب صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر نے گرم الفاظ میں ڈانٹا اور کہا 'جج کے طور پر اگر لاٹ صاحب نے تم کو کرسی پر بٹھایا تو اس کے یہ معنی نہیں کہ عدالت میں بھی تمہیں کرسی دی جائے' ''

یہ سب کچھ جیسا کہ پیچھے بتایا گیا ہے، مامور من اللہ کو پہلے سے دی گئی آسمانی خبر ''ایک متنافس کی ذلت اوراہانت'' کی تعبیر کے عین مطابق ہورہا تھا۔تاہم اس آسمانی خبر کا ''اور ملامتِ خلق'' والا حصہ ابھی باقی تھا۔وہ کس طرح پورا ہوا، یہ بھی ایک دلچسپ داستان ہے،جس کی روئداد یوں ہے کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی جب کچہری کے اندر پہنچنے والی ذلّت کو اپنے دامن میں سمیٹے، کمرۂ عدالت سے باہر نکلے تو الہامی کلمات 'ملامت خلق' ان کے استقبال کے لئے موجود تھے۔پھر کیا ہوا،اسکی تفصیل بھی جیسا کہ حضورؑ نے اپنی اسی کتاب کے اندر بیان فرمائی ہے،حسب ذیل ہے:

''اور پھر اندر سے جھڑکیاں کھا کر باہر آیا، جہاں اردلی کھڑے ہوتے ہیں اور اندر کے معاملہ کی پردہ پوشی کیلئے ایک کرسی پر جو باہر کے کمرہ میں تھی، بیٹھ گیا اور اردلیوں کو معلوم تھا کہ اس شخص کو کرسی نہیں ملی بلکہ کرسی کی درخواست پر اسنے جھڑکیاں کھائیں۔اس لئے انہوں نے کرسی پر سے اس کو جھڑک کر اٹھا دیا۔پھر اس طرف سے پولیس کے کمرہ کی طرف آیا اور اتفاقاً ایک اَور کرسی باہر کے کمرہ میں بچھی ہوئی تھی، اس پر بیٹھ گیا۔تب کپتان صاحب کی اسپر نظر جا پڑی اور اسی وقت کنسٹیبل کی معرفت جھڑکی کیساتھ کرسی پر سے اٹھایا گیا۔اسوقت غالباً ہزار آدمی کے قریب یا اس سے بھی زیادہ اسکی ذلّت کو دیکھتے ہونگے۔لوگوں نے یقین کرلیا کہ جھوٹے مقدمہ میں اس نے پادری کی گواہی دی ہے،اس لئے یہ سزا ملی......پھر جب وہاں سے بھی بڑی ذلّت کیساتھ اٹھائے گئے،تو آپ ایک شخص کی چادر لیکر زمین پر بچھا کر بیٹھے،مگر اس شخص نے آپ کو مورد قہر الٰہی سمجھ کر نیچے سے چادر کھینچ لی اور کہا 'کیا تو ایک مذہبی مقدمہ میں جو بناوٹی ہے، پادریوں کی گواہی دیتا ہے اور میری چادر پر بیٹھتا ہے، میں اپنی چادر پلید کرانی نہیں چاہتا''

دیکھنے والی یہ بات ہے کہ مسلمانوں کا یہ سرغنہ جس نے حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی مخالفت کی قسم کھا رکھی تھی اور جو اسلامی غیرت کے جملہ تقاضوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے عیسائیوں کی اسلیئے پشت پناہی کررہا تھا کہ وہ حضرت بانیٔ سلسلہؑ کو ذلّت پہنچا کر اپنے انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کرے، اس کا پے در پے یوں عبرت انگیز ذلتوں کا شکار ہونا کوئی معمولی بات نہ تھی، بلکہ خدائے غیور کا یہ ایک زبردست نشان تھا جو ظاہر ہوا۔ چنانچہ حضرت بانیٔ سلسلہؑ نے اپنے مخالفین کو اس سے عبرت حاصل کرنے کا درس دیتے ہوئے مندرجہ ذیل

الفاظ میں اس پر روشنی ڈالی ہے:

''میری حاضری کا دن محمد حسین بٹالوی کے لئے گویا عید کا دن تھا اور وہ اپنے دل میں اُس روز میری ذلّت اور بے عزتی کے بہت سے تصورات باندھے ہوئے تھا اور گویا اس وقت میری ذلّت مشہور کرنے کے بارے میں اپنے دل میں 'اشاعۃ السنۃ' (مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی ادارت میں نکلنے والا ان کا ایک رسالہ۔ناقل) کے کئی اوراق لکھ رہا تھا کہ خدا نے وہ ذلّت اٹھا کر اسی کے سر پر ماری اور میرے روبرو اور میرے دوستوں کے روبرو کرسی مانگنے پر صاحب ڈپٹی کمشنر نے ایسی سخت تین جھڑکیاں اس کو دیں کہ اس کو مار گئیں۔ خدا کی قدرت دیکھو کہ میری ذلت دیکھنے آیا تھا اور اپنی ذلت اس کو پیش آئی''[۱]

(''کتاب البریہ''، روحانی خزائن، جلد ۱۳، صفحہ ۳۲)

یہ قصہ اس قدر تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہ تھی، اگر یہ ظاہر کرنا مقصود نہ ہوتا کہ خدا تعالیٰ کا وہ کلام جو ایک متنافس شخص کی ذلت اور رسوائی سے متعلق تھا، کس عظمتِ شان سے پورا ہوا۔ تاہم یہ سوال کہ مولوی محمد حسین بٹالوی کی جو اِس قدر ذلّت اور توہین ہوئی، تو اس میں کونسی الٰہی حکمت پوشیدہ تھی، اس اعتبار سے جب اس سارے قصے کا جائزہ لیا جائے، تو مندرجہ ذیل حقائق سامنے آتے ہیں:۔

مولوی محمد حسین بٹالوی وہ شخص تھے، جنہوں نے خدا کے مامور کی مخالفت میں آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا۔اور آپ کی مخالفت اور ایذا رسانی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔پھر یہی وہ تھے، جنہوں نے ببانگ دہل یہ اعلان کیا تھا کہ مَیں نے ہی اس شخص (حضرت بانیٔ سلسلہؑ) کو اوپر اٹھایا ہے اور مَیں ہی اسے نیچے گراؤں گا۔اسی طرح یہی وہ صاحب تھے، جنہوں نے دن رات ایک کر

---

[۱] یہ واقعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے بھی بیان فرمایا ہے۔اس میں مزید یہ آیا ہے کہ وہ کپڑا یا چادر بٹالہ کے رہنے والے ایک شخص میاں محمد بخش صاحب کی تھی۔ وہ مولوی محمد حسین بٹالوی کے معتقدین میں شامل تھے، مگر ان کی دینی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ مسلمان ہوکر عیسائیوں کی گواہی دینے والے کو اپنی چادر پر بیٹھنے دیں۔ان کی اسلام کیلئے یہی غیرت انہیں احمدیت کی طرف لے آئی (پچھلے فٹ نوٹ میں بٹالہ کے جس دوست کا ذکر ہے کہ 'وہ اپنی چادر لیکر عدالت میں پہنچ گئے'، وہ یہی دوست تھے اور یہی وہ چادر تھی جسکا متن میں ذکر ہے)۔احمدی ہوجانیکے بعد آپ مستقل طور پر قادیان آگئے۔یوں ان کے صاحبزادے، حضرت مولوی محمد حسین صاحب المعروف سبز پگڑی والےؓ، احمدیت کو گود میں پل کر جوان ہوئے۔

کے سارے ہندوستان کا دورہ کیا اور علماءِ اسلام سے مل مل کر وہ رسوائے عام فتویٰ تیار کیا، جس نے ملک بھر میں حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے خلاف مخالفت کی آگ بھڑکا دی۔ چونکہ خدا تعالیٰ کی سنت کے موافق خدا کے ماموروں کی مخالفت کرنے والے خود مجرم ہوتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ کَذٰلِکَ جَعَلنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوّاً مِنَ المُجرِمِین (سورۃ الفرقان :۳۲)

یعنی ہم ہر نبی کے لئے مجرم لوگوں کو ان کا دشمن بنا دیتے ہیں۔ اس لئے خدا اس طریق سے ان کے تقویٰ اور طہارت کا پردہ چاک کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے جیسا کہ پیچھے بتایا گیا ہے، مجسٹریٹ کے سامنے دو بار صریح غلط بیانی کی۔ اور یوں جھوٹ کی نجاست پر منہ مار کر اپنے تقویٰ اور طہارت کو مٹی میں ملایا، جس سے دوستوں اور غیروں پر ان کی دینداری اور پاکدامنی کی قلعی کھل گئی۔ دوسرے، وہ خدا تعالیٰ کے مامور کی ذلّت چاہنے پر الہام اِنّی مُھِینٌ مَن اَرَادَ اِھَانَتَکَ کے مطابق خدا کے غضب کا مورد بھی بن چکے تھے لٰہذا خدا نے ایسی تقریب پیدا فرمائی کہ انہیں عدالت کے اندر اور باہر شرمناک ذلت سے دوچار ہونا پڑا۔ اِنہی دو حکمتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت بانیٔ سلسلہؑ فرماتے ہیں:

''اس جگہ طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس حالت میں محمد حسین کا بیان ایسا فضول اور ذلیل اور پایۂ اعتبار سے ساقط سمجھا گیا، تو خدا تعالیٰ کی طرف سے کیا حکمت تھی کہ پادریوں کی طرف سے عدالت میں گواہی دینے آیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بظاہر اس میں دو حکمتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اوّل یہ کہ تا لوگوں کو اس شخص کی تقویٰ اور دینداری اور اسلام کا حال معلوم ہو کہ ایسے جھوٹے اور قابل شرم مقدمہ میں جو عیسائیوں نے محض مذہبی جوش سے اٹھایا تھا، اس نے اپنے تئیں گواہ بنایا اور عمداً محض شرارت سے میرے پھانسی دلانے کی تدبیر سوچی۔

دوسری یہ حکمت تھی کہ یہ شخص عدالت میں جائے اور کرسی ملنے کا سوال کرے اور عدالت سے اس کو جھڑکیاں ملیں اور اس طرح پر صادق کی ذلّت ڈھونڈھنے کی سزا میں اپنی ذلّت دیکھے'' [۱]

---

[۱] مکرم راجہ غلام حیدر صاحب، جن کا ذکر اوپر آیا ہے کہ وہ عدالتی کاروائی کے دوران بطور ریڈر کمرۂ عدالت میں موجود تھے، نے مولوی صاحب موصوف کی اس ذلت کا بھی آنکھوں دیکھا حال بیان کیا ہے۔ جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

''مولوی محمد حسین صاحب شہادت کے بعد کمرۂ عدالت سے باہر نکلے تو برآمدہ میں (باقی اگلے صفحہ کے فٹ نوٹ میں)

یہ تو حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کے الہام زیر بحث کے دوسرے حصے کی تعبیر میں تھا۔ جہاں تک اسی الہام کے پہلے حصہ کا تعلق ہے، یعنی جہاں ''مخالفوں میں پھوٹ'' کے الفاظ آئے ہیں، تو وہ اس طرح حقیقت بنا کہ جیسا کہ پیچھے بتایا گیا ہے، مخالفوں کا سب سے بڑا ساتھی، جس کی جھوٹی رپورٹ پر یہ سارا ڈرامہ رچایا گیا تھا، یعنی عبدالحمید، وہ ان سے ڈرامائی انداز میں اور بالکل غیر متوقع طور پر الگ ہو گیا یعنی اس نے وہ سارا راز اِفشاء کر دیا، جو مخالفوں نے اب تک چھپایا ہوا تھا اور جسکے اِفشاء ہونے پر ان کی ساری جھوٹی امیدوں اور خوشیوں پر پانی پھر گیا، اوران کا وہ سارا تانا بانا بھی ریت کی دیوار کی مانند زمین پر آرہا، جو وہ بڑی عیاری اور مکاری کیساتھ اب تک بُنتے چلے آرہے تھے۔ اسی طرح نوردین عیسائی اور پادری گرے، جو طبعاً اپنے ہم اعتقاد طبقہ سے ہمدردی رکھتے تھے، وہ بھی ان سے الگ ہو گئے اور انہوں نے عدالت کے دریافت کرنے پر ساری بات سچ سچ بتا دی، جس سے مقدمہ کی حقیقت سمجھنے میں بہت مدد ملی۔

(نزول المسیح، روحانی خزائن، جلد ۱۸ ص۔ ۵۷۷)

اس مقدمہ کا ایک اَور دلچسپ پہلو یہ ہے کہ اس واقعہ بریت کے ڈیڑھ سال بعد، عبدالحمید (یعنی مقدمے کا بڑا مخبر) دوبارہ گرفتار کیا گیا اور اسکے دوبارہ بیانات لئے گئے، مگر ہر بار اس نے یہی بیان دیا کہ میرا پہلا بیان جو عیسائیوں کے ایما پر میں نے دیا تھا، جھوٹا تھا۔ اس طرح پر اللہ تعالیٰ نے حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی مکمل بریئت فرما کر آپ کی صداقت کو چار چاند لگا دئے۔ نیز اس طرح آپ کا وہ الہام بھی پورا ہوا، جس میں آپکو **بَلَجت آیاتی** کا مژدہ سنایا گیا تھا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

''اس سلسلۂ الہامات میں ایک یہ پیشگوئی کی گئی تھی کہ **بَلَجت آیاتی**، یعنی میرے نشان ظاہر ہونگے اوران کے ثبوت زیادہ سے زیادہ ظاہر ہونگے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس واقعہ سے قریباً ڈیڑھ سال بعد عبدالحمید ملزم کو پھر گرفتار کیا گیا اور کتنی مدت زیر حراست رکھ کر اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ ماضیہ)

ایک آرام کرسی پڑی تھی، اس پر بیٹھ گئے۔ مگر کانسٹبل نے وہاں سے انہیں اٹھا دیا کہ کپتان صاحب پولیس کا حکم نہیں ہے۔ پھر مولوی صاحب موصوف ایک بچھے ہوئے کپڑے پر جا بیٹھے۔ جن کا کپڑا تھا، انہوں نے یہ کہہ کر کپڑا کھینچ لیا کہ مسلمانوں کا سرغنہ کہلا کر اور پھر اس طرح صریح جھوٹ بولنا، بس ہمارے کپڑے کو ناپاک نہ کیجئے۔ تب مولوی نورالدین (مراد حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ۔ ناقل) نے اٹھ کر مولوی محمد حسین صاحب کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ آپ یہاں بیٹھ جائیں، ہر ایک چیز کی حد ہونی چاہئے''

سے پھر اظہار [۱] لئے گئے مگر اس نے یہی گواہی دی کہ میرا پہلا بیان جھوٹا تھا جو عیسائیوں کے سکھلانے پر میں نے کہا تھا۔ پس اس طرح خدا نے میری بریّت کو مکمل کر دیا۔ اس الہام کے یہ معنی تھے کہ میری بریّت کیلئے خدا کی طرف سے نشان ظاہر ہونگے۔ سو ایسا ہی ظہور میں آیا"

(نزول المسیح، روحانی خزائن، جلد ۱۸، ص: ۵۷۶)

☆☆☆

[۱] یہ اظہار ۱۲؍ستمبر ۱۸۹۹ء کو پٹھانکوٹ کی عدالت میں ضلع مجسٹریٹ، مسٹر جے۔ آر۔ ڈریمنڈ، کے روبرو ہوا تھا۔

حضرت بانیٔ سلسلہؑ پر بننے والا
تیسرا فوجداری مقدمہ
(مولوی کرمدین کا دعویٰ 'ازالہ حیثیت عرفی')

ابھی ڈاکٹر مارٹن کلارک والے مقدمہ پر بمشکل چار سال کا عرصہ ہی گذرنے پایا تھا کہ حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کو مواصلاتی نظام سماوی کے ذریعے اطلاع ملی کہ کوئی شخص آپ کی عزت پر حملہ کرنے والا اور آپ کو رنج اور تکلیف پہنچانے والا ہے، مگر یہ کہ انجام کار وہ خود اس تکلیف کا نشانہ بن جائیگا۔ آپ کو اس سلسلہ میں متعدد نظارے دکھلائے گئے، جو سب کے سب ایک ہی مضمون پر دلالت کرتے تھے، یعنی یہ کہ پھر کوئی مقدمہ کی صورت پیدا ہونے والی ہے، جس میں فریق مخالف بہت ہی جوش خروش کا مظاہرہ کریگا، اور اسکی حمایت میں زبردست کوششیں کی جائیں گی، تاہم بالآخر وہ ناکام اور نامراد رہیگا۔ چنانچہ جس جس طرح یہ الہامات اور غیبی نظارے آپ پر منکشف ہوتے گئے، آپ انہیں اپنے اخبارات اور رسائل میں شائع فرماتے چلے گئے۔

اس سلسلہ کا سب سے پہلا الہام آپکو جولائی ۱۹۰۱ء میں ہوا۔ اس کے الفاظ یہ تھے:

اِنّی مَعَ الاَفوَاجِ اٰتِیکَ بَغتَۃً

یعنی

'میں اپنی فوجوں کے ساتھ اچانک آؤنگا'

اسکی تعبیر میں آپ نے تحریر فرمایا:

''تین دن ہوئے مجھے الہام ہوا تھا ..... میں حیران ہوں یہ الہام مجھے بہت مرتبہ ہوا ہے اور عموماً مقدمات میں ہوا ہے۔ افواج کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ مقابل میں بھی بڑے بڑے منصوبے کئے گئے ہیں اور ایک جماعت ہے، کیونکہ خدا تعالیٰ کا جوش نفسانی نہیں ہوتا ہے۔ اس کے تو انتقام کیساتھ بھی رحمانیت کا جوش ہوتا ہے۔ پس جب وہ افواج کے ساتھ آتا ہے، تو اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ مقابل میں بھی فوجیں ہیں۔ جبتک مقابل کی طرف سے جوشِ انتقام کی حد نہ ہو جاوے، خدا تعالیٰ کی انتقامی قوت جوش میں نہیں آتی''

یہ الہام آپ نے ۷ا جولائی ۱۹۰۱ء کی اخبار 'الحکم' میں شائع فرما دیا۔

اس الہام سے جیسا کہ آپ نے اس کی تعبیر فرمائی، یہ اندازہ تو ضرور ہوتا تھا کہ پھر کوئی مقدمہ آپ کے خلاف اٹھنے والا ہے۔ مگر یہ کہ وہ کیا، کب اور کیونکر ہوگا اور کس کی جانب سے بنایا جائے گا، اس بارے میں آپکو ابھی کچھ علم نہ تھا۔

اس کے بعد ۱۷ رنومبر ۱۹۰۱ء کو آپ کو ایک ایسا نظارہ دکھایا گیا، جس کے اندر آپ کے خلاف کسی فوجداری کاروائی کے عمل میں آنے کے اشارات پائے جاتے تھے۔ تاہم ان اشارات میں آپ کو قادر مطلق خدا نے واضح طور پر بریت کی خبر بھی بہم پہنچا دی۔ یہ نظارہ اور اس کے ساتھ ملنے والی بریئت کی خبر کے بارے میں آپ تحریر فرماتے ہیں:

''رات..... میں نے دیکھا کہ ایک سپاہی وارنٹ لیکر آیا ہے اور میرے ہاتھ پر ایک رسی سی لپیٹی ہے، تو میں اسے کہہ رہا ہوں کہ یہ کیا ہے، مجھے تو اس سے لذت اور سرور آ رہا ہے۔ یہ لذت ایسی ہے کہ میں اسے بیان نہیں کر سکتا۔ پھر اس اثنا میں میرے ہاتھ میں معاً ایک پروانہ دیا گیا ہے۔ کسی نے کہا کہ یہ اعلیٰ عدالت سے آیا ہے۔ وہ پروانہ بہت خوشنما لکھا ہوا تھا اور میرے بھائی مرزا غلام قادر صاحب کا لکھا ہوا تھا۔ میں نے اس پروانہ کو جب پڑھا تو اس میں لکھا ہوا تھا:

'عدالت عالیہ نے اسے بری کر دیا ہے' ''

یہ رؤیا بھی آپنے اخبار 'الحکم' مورخہ ۳۰ نومبر ۱۹۰۱ء میں شائع فرما دی۔

پھر نومبر ۱۹۰۲ء کو آپ نے ایک اور نظارہ دیکھا، جو بتاتا تھا کہ کوئی شخص آپ کی عزت پر حملہ کریگا اور یہ بھی کہ حملہ کرنے والا دوبار حملہ کریگا۔ اس کے ساتھ بعض اَور تفاصیل بھی تھیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

''ایک مقام پر میں کھڑا ہوں، تو ایک شخص آ کر چیل کی طرح جھپٹا مار کر میرے سر سے ٹوپی لے گیا۔ پھر دوسری بار حملہ کر کے آیا کہ میرا عمامہ لے جاوے، مگر میں اپنے دل میں مطمئن ہوں کہ یہ نہیں لے جا سکتا۔ اتنے میں ایک نحیف الوجود شخص نے اسے پکڑ لیا مگر میرا قلب شہادت دیتا تھا کہ یہ شخص دل کا صاف نہیں ہے۔ اتنے میں ایک اور شخص آ گیا جو قادیان کا رہنے والا تھا۔ اس نے بھی اسے پکڑ لیا۔ میں جانتا تھا کہ مؤخر الذکر ایک مومن متقی ہے۔

پھر اسے عدالت میں لے گئے، تو حاکم نے اسے جاتے ہی ۴ یا ۶ یا ۹ ماہ کی قید کا حکم دے دیا''

یہ رؤیا بھی آپ نے اخبار 'البدر' مورخہ ۲۸ نومبر ۱۹۰۲ء میں شائع فرمادی۔

اس کے ایک ماہ بعد یعنی دسمبر ۱۹۰۲ء میں آپ نے ایک تیسرا نظارہ دیکھا جو پہلے دونوں نظاروں سے زیادہ خوفناک اور زیادہ تفاصیل پر مشتمل تھا۔ تاہم انجام کار اس میں بھی نصرت الٰہی اور سلامتی کی خبر دی گئی تھی۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

''کیا دیکھتا ہوں کہ ایک جگہ پر میں ہوں اور وہ کوچہ سربستہ معلوم ہوتا ہے کہ تین بھینسے آئے ہیں۔ ایک ان میں سے میری طرف آیا تو میں نے اسے مار کر ہٹا دیا۔ پھر دوسرا آیا تو اسے بھی ہٹا دیا۔ پھر تیسرا آیا اور وہ ایسا پُر زور معلوم ہوتا تھا کہ میں نے خیال کیا کہ اب اس سے مفرّ نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کی قدرت کہ مجھے اندیشہ ہوا، تو اس نے اپنا منہ ایک طرف پھیر لیا۔ میں اس وقت یہ غنیمت سمجھا کہ اس کے ساتھ رگڑ کر نکل جاؤں۔ میں وہاں سے بھاگا اور بھاگتے ہوئے خیال آیا کہ وہ بھی میرے پیچھے بھاگے گا۔ مگر میں نے پھر نہ دیکھا۔ اس وقت خواب میں خدا تعالیٰ کی طرف سے میرے دل میں مندرجہ ذیل دعا القاء کی گئی:

رَبِّ كُلُّ شَيْءٍ خَادِمُكَ ، رَبِّ فَاحْفَظْنِي وَانْصُرْنِي وَارْحَمْنِي

اور میرے دل میں ڈالا گیا کہ یہ اسم اعظم ہے اور یہ وہ کلمات ہیں کہ جو اسے پڑھیگا، ہر ایک آفت سے اسے نجات ہوگی''

آپ نے اس رؤیاء کی تعبیر میں فرمایا:

''اس واقعے کے دیکھنے کے ساتھ ہی مجھ کو تفہیم ہوئی کہ کوئی دشمن مقدمہ برپا کریگا اور اسکے تین وکیل ہونگے''

اسی رؤیا کو آپ نے الفاظ کے کسی قدر اختلاف کے ساتھ ایک اَور مقام پر بھی بیان فرمایا ہے۔ چونکہ ان میں بعض اہم تفصیلات کا اضافہ ہے، لہٰذا اسے بھی یہاں درج کیا جارہا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''میں نے دیکھا کہ میں ایک کوچہ میں ہوں جو آگے سے بند ہے اور بہت تنگ کوچہ ہے کہ بمشکل ایک آدمی اس میں سے گذر سکتا ہے۔ میں بند کوچہ کے آخری حصہ میں جسکے آگے کوئی راہ نہ تھا، دیوار کیساتھ کھڑا ہو گیا۔ اور جو واپس جانے کی راہ تھی اسکی طرف جب نظر اٹھا کر

دیکھا، تو کیا دیکھتا ہوں کہ تین قوی ہیکل سنڈھے وہاں کھڑے ہیں، جو خونی ہیں اور گذرنے کی راہ بند کر رکھی ہے۔ ایک ان میں سے میری طرف حملہ کر کے دوڑا۔ اس کو میں نے ہاتھ سے ہٹا دیا۔ پھر دوسرا حملہ آور ہوا اور اسکو بھی میں نے ہاتھ سے ہٹا دیا۔ پھر تیسرا اِس شدّت اور جوش سے آیا کہ اسے دیکھ کر یقین ہوتا تھا کہ اب خیر نہیں لیکن جب میرے قریب آیا، تو دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا اور میں اسکے ساتھ رگڑ کر اسکے پاس سے گذر گیا''

(بحوالہ حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن، جلد ۲۲ ص ۳۹۴ تا ۳۹۵)

آپ نے یہ رؤیا بھی اسی تفصیل اور الٰہی تفہیم کیساتھ اخبار الحکم مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۰۲ء اور اخبار البدر مورخہ ۱۲ دسمبر ۱۹۰۲ء میں شائع فرمادی۔

اسی عرصہ کے قریب قریب آپکو ایک اَور الہام ہوا جس کے الفاظ یہ تھے:

يُرِيدُونَ اَن يُّطفِئُوا نُورَكَ وَ يَتَخَطَّفُوا عِرضَكَ وَ اِنِّي مَعَكَ وَ مَعَ اَهلِكَ

یعنی

'دشمن لوگ ارادہ کرینگے کہ تیرے نور کو بجھا دیں اور تیری آبرو ریزی کریں مگر میں تیرے ساتھ ہوں اور ان کے ساتھ جو تیرے ساتھ ہیں'

یہ الہام بھی اخبار 'بدر'، ۷ نومبر ۱۹۰۲ء کی اشاعت میں شائع کر دیا گیا۔

یہ جملہ نظارے اور الہامات اپنی ان تفاصیل اور الٰہی مفاہیم کیساتھ بڑے واضح طور پر کسی خطرناک مقدمہ کی نشاندہی کر رہے تھے۔ نیز بتا رہے تھے کہ اگرچہ یہ مقدمہ سخت قسم کا اور خوفناک ہوگا مگر آپ اسکے ضرر سے کلیۃً محفوظ رہینگے اور سلامتی اور عزت کے ساتھ بری کئے جائینگے۔ تاہم چونکہ ابھی تک کوئی شخص سامنے نہ آیا تھا اور نہ آپکو ایسے شخص کے بارے میں کوئی ادنیٰ تصور ہی تھا کہ وہ کون ہوگا، لھٰذا آپ انتظار کرنے لگے کہ ان اخبار سماوی کا ظہور کب اور کس شکل میں ہوتا ہے۔

اب خدا کی قدرت دیکھئے کہ اس آخری رؤیا پر ابھی ایک ماہ بھی نہ گذرنے پایا تھا کہ ضلع جہلم کے ایک شخص، مولوی کرم دین، ساکن بھیں، ضلع جہلم، نے جہلم کی عدالت میں آپکے خلاف ازالۂ حیثیت عرفی کا ایک فوجداری مقدمہ دائر کر دیا۔ اس مقدمہ میں آپکے علاوہ آپکے دو رفقاء، حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحبؓ، ایڈیٹر اخبار الحکم، اور حضرت عبداللہ صاحب کشمیریؓ، پرنٹر اخبار، کو بھی ملوث کیا

گیا تھا۔مقدمے کی بنا اس نے یہ بنائی کہ

’مرزا غلام احمد قادیانی نے میرے بہنوئی ، مولوی محمد حسن المتوفی کے متعلق اپنی کتاب ’نزول المسیح ‘اور’الحکم‘ اخبار میں نازیبا الفاظ استعمال کئے ہیں جو میرے بہنوئی کی سخت توہین کا موجب ہوئے ہیں‘

(خلاصہ)

چنانچہ عدالت مذکورہ کی جانب سے حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام اور دوسرے دونوں اصحاب کے نام ۱۷رجنوری ۱۹۰۳ء کو جہلم حاضر ہو کر مقدمہ کی پیروی کرنے کے سمن جاری ہو گئے۔

قبل اس کے کہ اس مقدمہ کی تفصیلات بیان کی جائیں، یہ بتانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ مولوی کرم دین ساکن بھیں کون تھا اور اسے یہ مقدمہ دائر کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟اس کے بارے میں یہاں اس قدر بتانا کافی ہوگا کہ جب حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام نے پیر مہر علی شاہ آف گولڑہ (ضلع راولپنڈی) کو اپنے مقابلہ میں سورۃ الفاتحہ کی عربی زبان میں تفسیر لکھنے کا چیلنج دیتے ہوئے کتاب ’’اعجاز المسیح‘‘ تصنیف فرمائی اور اعلام الٰہی کے مطابق یہ دعویٰ فرمایا کہ جو بھی اسکا جواب لکھنے کی جسارت کریگا، وہ ناکام ونامراد رہے گا،تو شاہی مسجد لاہور کے مدرسہ نعمانیہ کا ایک مدرس،مولوی محمد حسین فیضی ،(ساکن بھیں، ضلع جہلم) اٹھا اور اس نے اس کتاب کا ردّ لکھنے کا اعلان کر دیا۔لیکن ابھی اس نے حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی کتاب کے حواشی پر اپنی علمی موشگافیوں کے کچھ جوہر دکھائے ہی تھے اور ایک مقام پر **لعنة الله علی الکاذبین** کے الفاظ بھی لکھ دئے کہ وہ خدا تعالیٰ کی قہری تقدیر کا نشانہ بن کر ہلاک ہو گیا۔آپ کو جب اس بات کا علم ہوا،تو آپ نے اس کی موت کو خدا تعالیٰ کا نشان قرار دیتے ہوئے تحریر فرمایا کہ اس کی لعنت مانگنے کی دعا خود اس کے اپنے اوپر پڑ گئی۔یہ کلمات آپ نے اپنی ان دنوں تالیف کی جانے والی کتاب ’’نزول المسیح‘‘ کے اندر درج فرما دئے۔یہی کلمات اس کے نسبتی بھائی،مولوی کرم دین، نے اپنے بہنوئی،مولوی محمد حسن فیضی، کی ہتک عزت کی بنیاد بناتے ہوئے آپکے خلاف ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ دائر کر دیا۔

اس مقدمہ کی خبر کا مشہور ہونا تھا کہ اخبارات میں شور پڑ گیا۔مخالفوں نے خوشی کے نعرے بلند کرنے شروع کر دئے۔بالخصوص آریہ اخبارات نے تو آسمان سر پر اٹھا لیا اور جلتی پر تیل ڈالنے کی غرض سے

حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کے خلاف ہر قسم کا زہر اگلنے اور حکومت کو اکسانے کی مہم شروع کر دی۔ انہوں نے اس بارے میں ہر چھوٹی بڑی خبر پر حاشیہ آرائی کر کے رائی کا پہاڑ بنانے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔

مثال کے طور پر لاہور کے ایک ہندو اخبار نے لکھا:

''مرزا قادیانی پر نالش ہے۔ ان کا طرز تحریر بھی جہاں تک پڑھا ہے، ملک کیلئے کسی طرح مفید نہیں، بلکہ بہت دلوں کو دکھ دینے والا ہے۔ اگر عدالت نالش کو سچا سمجھے، تو مناسب ہے کہ عبرت انگیز سزا دیوے تا کہ ملک ایسے شخصوں سے جس قدر پاک رہے، ملک اور گورنمنٹ کیلئے مفید ہے''

(بحوالہ 'الحکم' ۳۱ جنوری ۱۹۰۳ و تاریخ احمدیت، حصہ سوم، ص ۲۷۲)

اِدھر دشمنان حق خوشی کے نعرے لگا رہے تھے اور اُدھر حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے الہامات اور رؤیا ہائے صالحہ کے ذریعہ پہلے ہی بشارات دے دی تھیں کہ مَیں تمہارے ساتھ ہوں اور یہ کہ مَیں خود ہی تمہاری فتح اور بریت کے سامان بہم پہنچاؤں گا (یہ جملہ الہامات اور رؤیاء اس مضمون کی شروع میں دی جا چکی ہیں اور یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ یہ الہامات جوں جوں آپ کو ہوتے گئے، آپ ان کو اخبارات میں شائع فرماتے چلے گئے)۔ گویا مقدمہ کی خبر ملنے سے قبل ہی آپ اپنی فتح ونصرت کا اعلان فرما چکے تھے اور دنیا کو بتا چکے تھے کہ مقدمات خواہ کیسے ہی سنگین ہوگا، دشمن کا منہ ہی کالا ہوگا اور آپ کو اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے موافق بری فرمائے گا۔ نیز یہ بھی کہ جیسا کہ آپ کے الہامات بتا رہے تھے، نہ صرف یہ کہ دشمن ناکام ونامراد رہے گا، بلکہ اپنی تیار کردہ ایذا رسانی کا خود ہی نشانہ بن جائے گا۔

یہ اتنا بڑا دعویٰ تھا کہ کوئی شخص خواہ کتنا ہی عقلمند یا دولت مند کیوں نہ ہو اور کتنا ہی اپنے آپکو حق بجانب کیوں نہ سمجھتا ہو، ڈنکے کی چوٹ نہیں کہہ سکتا کہ وہ ضرور کامیاب ہوگا۔ کیونکہ بعض اوقات وکیل کی ذرا سی لغزش یا جج کی تلون مزاجی سے مقدمے کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ مگر خدا کے مامور کی تو بات ہی اَور تھی۔ ظاہری حالات تو یہ تھے کہ ملک کا اکثر طبقہ آپکا مخالف بلکہ آپکے خون کا پیاسا تھا۔ خود عدالتوں کے منصف صاحبان یا تو عیسائی انگریز تھے یا غیر مسلم ہندو آریہ جن سے انصاف کی توقع بہت کم تھی۔ اور اگر کوئی مسلمان جج تھا بھی تو وہ اہلِ اسلام کے ان گروہوں میں سے تھا، جو مذہبی اعتقاد میں آپؑ سے اختلاف رکھتے تھے۔ ظاہر ہے ان میں سے کسی سے بھی آپکو ہمدردی کی توقع نہیں ہوسکتی تھی۔ رہا قانون کا معاملہ، تو اگر شواہد مکمل ہوں اور استغاثہ ثابت ہو، تو نرم سے نرم مزاج رکھنے والا جج بھی قانونی تقاضے پورے کرنے

پر مجبور ہو جاتا ہے۔اس صورت میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ سب کچھ خدائی بشارات کی بنا پر نہ تھا، تو آپؑ کس برتے پر اپنی فتح اور کامیابی کے اتنے بڑے دعوے فرما رہے تھے۔پس یقیناً اِن دعاوی کے پیچھے اُس خدا کی قدرت کا ہاتھ تھا، جو آپکی پشت پناہی پر کھڑا آپکو ہر قسم کا سہارا دے رہا تھا۔چنانچہ اسی خدائے مہربان کی تائید اور بھروسے پر آپؑ ۱۵ جنوری ۱۹۰۳ء کو اپنے چند رفقاء کی معیت میں قادیان سے جہلم کیلئے بذریعہ ریل روانہ ہوئے۔ایک رات لاہور میں قیام فرمایا اور اگلے روز پھر ریل گاڑی پر سوار ہو کر اگلے سفر پر روانہ ہو گئے۔

اب خدا تعالیٰ کی قدرت دیکھیئے کہ جس رات آپؑ نے لاہور میں قیام فرمایا، اسی رات آپؑ کو خدا کی طرف سے ایک اَور بشارت ملی، جسکے الفاظ یہ تھے:

اُرِیکَ بَرَکَاتٍ مِن کُلِّ طَرَفٍ

(یعنی میں تجھے ہر پہلو سے برکتیں دکھاؤں گا)

(اخبار 'الحکم'، مورخہ ۳۱ رجنوری ۱۹۰۳ء، بحوالہ تذکرۃ، ص ۴۶۵)

یہ الٰہی بشارت جو آپ نے لاہور سے روانگی سے قبل اپنے رفقاءِ سفر کو بھی بتادی، اپنی ذات میں نرالی اور ظاہری حالات کے اعتبار سے ناقابل فہم تھی۔لیکن وہ خدا جس کے قبضۂ قدرت میں ہر شے ہے، اس نے اپنی قدرت اور رحمت کا ایسا عظیم الشان جلوہ دکھایا کہ دوست اور دشمن حیران رہ گئے۔بات یہ ہے کہ آپؑ کا دعویٰ، مسیح موعود ہونے کا تھا جو ایک طرف جمہور مسلمانوں کے عقیدہ کہ مسیح ناصری علیہ السلام زندہ ہیں اور وہی امت مسلمہ کی اصلاح کیلئے آسمان سے نازل ہونگے، کے بالکل برعکس پڑا ہوا تھا، اور وہ اسی وجہ سے آپؑ پر کفر کے فتوے لگائے گئے تھے۔تو دوسری طرف عیسائیوں اور ہندوؤں کو آپؑ سے اس لئے عناد تھا کہ آپؑ ان کے مذہب کو مُردہ اور ان کی کتابوں کو گمراہ کن اور روحانیت سے خالی قرار دیکر صرف اسلام کو سچا مذہب قرار دے رہے تھے۔اس لئے کیا مسلمان، کیا عیسائی اور کیا ہندو، سب ہی آپکی جان کے دشمن ہو رہے تھے۔اس کے مقابل پر آپکے ماننے والوں کی تعداد اتنی قلیل تھی کہ آٹے میں نمک کے برابر بھی نہ تھی۔خود آپ ایک ایسی گمنام بستی سے تعلق رکھتے تھے، جسے کوئی جانتا تک نہ تھا۔رہا آپؑ کا خاندان، تو اسکی جتنی بھی وجاہت تھی، وہ آپکے دعوے سے قبل ہی ختم ہو چکی تھی اور جو آپکے جدی رشتہ دار زندہ تھے، وہ بوجہ اسکے کہ اسلام سے بیزار ہو چکے تھے، خود آپ سے بھی بیزار تھے، بلکہ آپکی جان کے دشمن بن چکے تھے۔غرض جس جہت سے بھی دیکھا جائے، آپؑ کسی ایسی شخصیت کے مالک نہ تھے کہ لوگوں کو آپکی

ذات سے کوئی دلچسپی ہوتی، سوائے اس کے کہ آپؑ کا دعویٰ خدا کا مامور ہونے کا تھا۔لیکن یہ منصب بجائے خود آپکی مخالفت اور آپسے منافرت کا باعث بن چکا تھا۔ پھر جہاں آپؑ جا رہے تھے، ایک ملزم کی حیثیت سے جا رہے تھے، نہ کہ کوئی انعام یا اعزاز حاصل کرنے کی غرض سے۔ ظاہر ہے، ان حالات میں اخبارات کا آپؑ کے بارے میں کچھ لکھنے کا مقصد آپؑ کی شہرت کرنا نہیں تھا، بلکہ آپکی تنقیص اور تذلیل کرنے کے سوا کچھ نہ تھا۔ ان جملہ حالات کے علی الرغم، اوّل تو آپکو ایسی بشارت کا ملنا ہی ایک مافوق العادت خبر تھی۔ دوسرے اس کا حقیقت بننا ایک امر محال تھا۔لیکن جس حیرت انگیز رنگ میں اس بشارت کا عملی ظہور ہوا، وہ اپنی جگہ ایک شاندار حقیقت بلکہ ایک عظیم الشان معجزہ سے کم نہیں۔اب دیکھتے ہیں کہ یہ آسمانی خبر کس طرح عملاً ظہور میں آئی۔

سب سے پہلے ہم اس والہانہ جوش وخروش کا آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے ہیں جس کا مظاہرہ مخلوقِ خدا نے آپکی گاڑی کے وزیرآباد پہنچنے پر کیا۔ چنانچہ آپکے ایک مرید، حضرت مولوی عبدالواحد خان صاحب سیالکوٹی، جواُس وقت موقع پر موجود تھے، بیان کرتے ہیں:

"وزیرآباد میں ..... حضور علیہ السلام کی ٹرین ہمارے سامنے دوسرے پلیٹ فارم پر کھڑی تھی۔ ......لوگ کثرت سے حضور کی زیارت کیلئے چلے آ رہے تھے ..... پلیٹ فارم پر ٹکٹ ٹکٹ کا شور مچ رہا تھا......اسٹیشن ماسٹر صاحب تشریف لائے اور بکنگ کلرک پر ناراض ہوتے ہوئے بولے: 'ٹکٹ بند کرو۔ گیٹ کھول دو۔ لوگوں کو جانے دو۔ ہجوم میں مرزا صاحب کی زیارت کا جوش ہے۔ کھڑکی جلدی بند کردو۔ خطرہ ہے کہ لوگ کھڑکی نہ توڑ دیں'۔ گیٹ کے قریب ایک ادھیڑ عمر کی ہندو عورت کو کہتے سنا: 'بڑی دنیا درشن واسطے آئی اے، پرماتما دا اوتار ہے، نیڑے نہیں جاسکدی، دُوروں ہی دیکھ لواں گی'۔ حضور علیہ السلام کی زیارت کا لوگوں میں اس قدر جوش تھا کہ ہجوم نے ٹرین روک لی اور اسٹیشن ماسٹر نے بھی گاڑی لیٹ کردی"

(بحوالہ 'تاریخ احمدیت'۔ جلد سوم، ص ۲۷۵)

آپ (مولوی عبدالواحد خان صاحب) کے بیان کے مطابق یہی کیفیت جہلم تک کے تمام سفر کے دوران دیکھنے میں آئی۔ تمام بڑے بڑے سٹیشنوں پر لوگوں کے ہجوم کے ہجوم آپکی زیارت کیلئے موجود

تھے۔تاہم اس دلربا منظر کی تصویر کشی، جو خود حضورؑ نے فرمائی، وہ بھی اس قابل ہے کہ آپؑ کے اپنے الفاظ میں درج کردی جائے۔حضور تحریر فرماتے ہیں:

”راستہ میں لاہور سے آگے گوجرانوالہ اور وزیر آباد اور گجرات وغیرہ اسٹیشنوں پر اس قدر لوگ ملاقات کیلئے آئے کہ اسٹیشنوں پر انتظام رکھنا مشکل ہو گیا۔ٹکٹ پلیٹ فارم ختم ہو جانے کی وجہ سے لوگ بلاٹکٹ پلیٹ فارم پر چلے گئے اور بعض مقامات پر گاڑی کو کثرت ہجوم کی وجہ سے زیادہ دیر تک ٹھہرایا گیا اور نہایت نرمی سے زائروں کو ملازمین ریل نے گاڑی سے علیحدہ کیا۔بعض جگہ کچھ دور تک لوگ گاڑی کو پکڑے ہوئے ساتھ چلے گئے ۔خوف تھا کہ کوئی آدمی مر نہ جاوے“

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد۲۲،ص:۲۶۴)

آپ کے جہلم پہنچنے تک مشتاقان زیارت کا یہ جم غفیر اپنی کمیت اور کیفیت کی جملہ حدود کو پھلانگ کر ایک بحر بیکراں کی صورت اختیار کر گیا۔چنانچہ ابھی گاڑی سٹیشن پر پہنچنے بھی نہ پائی تھی کہ پلیٹ فارم پر موجود خلق خدا کا یہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر مجسم نگاہیں بن کر گاڑی کی طرف دیکھنے لگ گیا۔چنانچہ جونہی گاڑی رکی، حفاظت پر متعین افسر، جناب غلام حیدر تحصیلدار جہلم، نے حضرت بانیٔ سلسلہؑ سے درخواست کی کہ حضور چند منٹ کیلئے گاڑی کے دروازے میں کھڑے ہو جائیں، تا لوگ اپنے شوقِ نظارہ کی تسکین کر لیں۔آپ نے یہ درخواست منظور فرمالی۔اور زائرین آپ کے منور چہرہ کو دیکھ دیکھ کر آپؑ پر عقیدت کے پھول نچھاور کرنے لگے۔

اسکے بعد جب حضورؑ فرودگاہ (بنگلہ سردار ہری سنگھ، رئیس جہلم) کی طرف روانہ ہوئے، تو یہ سیلِ رواں بھی آپکے ساتھ ساتھ ہولیا۔جوں جوں حضور کی سواری شہر سے قریب ہوتی جارہی تھی، لوگوں کے ہجوم میں اضافہ ہوتا جارہا تھا، یہاں تک کہ بنگلہ تک پہنچتے پر اس نے ایک اَور بحر بیکراں کی سی صورت اختیار کر لی۔لوگوں کے جوش وخروش کا یہ عالم دیکھ کر حضور تھوڑی دیر کیلئے کمرہ سے نکل کے چھت پر تشریف لے آئے اور آرام کرسی پر رونق افروز ہو کر ہزاروں مشتاقان دید کو شوق نظارہ بخشنے لگے۔جہلم میں آپکے واحد رفیق، حضرت مولوی برہان الدین صاحب جہلمیؓ، کی خوشیوں کا آج کوئی ٹھکانا نہ تھا۔اُن دنوں مخالف علماء نے آپکے بارے میں یہ مشہور کر رکھا تھا کہ (معاذاللہ) آپ جذام کی بیماری میں مبتلا ہیں۔حضرت مولوی صاحب نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے حضور کی آستینیں اُوپر اُٹھا دیں اور بلند آواز سے پکار کر کہا

کہ لوگو! دشمن کس قدر جھوٹا ہے، دیکھو، اِس مقدس انسان کے ہاتھ یا پاؤں پر ہے کہیں کوئی بیماری کا نشان؟

پھر اگلے روز جب آپؑ کچہری تشریف لیجانے والے تھے، تو اس وقت بھی ہجوم خلق کا یہی حال تھا۔ جونہی حضور باہر تشریف لے آئے، ایک جم غفیر آپکے ساتھ ہولیا۔ یہ کیفیت جاری رہی، یہاں تک کہ آپکی سواری عدالت میں پہنچ گئی۔ اور جب آپؑ کمرۂ عدالت میں کرسی پر تشریف فرما ہوئے، تو لوگ بڑی بیتابی کے ساتھ کاروائی شروع ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ کثرتِ ہجوم کا یہ حال تھا کہ عدالت کے اندر اور باہر سب کمروں میں لوگ ہی لوگ نظر آتے تھے۔ غرض اس دن اللہ تعالیٰ اپنی عجیب شان دکھلا رہا تھا کہ باوجودیکہ آپ ایک ملزم کی حیثیت سے عدالت میں طلب کئے گئے تھے اور خود شہر جہلم مخالفوں سے بھرا ہوا تھا، لوگ آپ پر پروانوں کی طرح گر رہے تھے۔

اب مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی، جس کی مختصر رپورٹ یہ ہے کہ سب سے پہلے آپ کے وکلاء نے سوال اٹھایا کہ آیا قانون کے رو سے مولوی کرم دین جو متوفی کے نسبتی بھائی ہیں، یہ دعویٰ کرنے کا استحقاق رکھتے ہیں اور کیا متوفی کی بیوہ، اولاد، اور باپ کی موجودگی میں برادر نسبتی، متوفی کی طرف سے ازالۂ حیثیت عرفی کا مدعی بن سکتا ہے؟ اگر بن سکتا ہے تو اسکی کوئی نظیر پیش کی جائے۔ ان (وکلاء) کے دلائل کی بنیاد یہ تھی کہ اسلام نے بہنوئی کی وفات پر اسکے ترکہ میں برادرِ نسبتی کا کوئی حصہ نہیں رکھا اور نہ ہی ملکی رواج میں اسکا کوئی حق تسلیم کیا گیا ہے۔ اس کے جواب میں مستغیث کے وکلاء نے بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے، مگر ان سے کچھ بن نہ پڑا، سوائے اس کے کہ انکی طرف سے یہ کہاوتی مقولہ پیش کیا گیا کہ

'ساری خدائی ایک طرف   جورُو کا بھائی ایک طرف'

مگر جونہی وکلاءِ استغاثہ نے یہ شعر پڑھا، حاضرین عدالت، جن میں شاید ہی کوئی حضرت بانیٔ سلسلہؑ کا مرید ہوگا، نے ایک زبردست قسم کا فرمائشی قہقہہ بلند کیا، جسے دیکھ کر وکلاءِ استغاثہ اپنا سا منہ لیکر رہ گئے۔ بہرحال مجسٹریٹ نے فریقین کے دلائل سننے کے بعد ۱۹ جنوری ۱۹۰۳ء کا دن فیصلہ سنانے کیلئے مقرر کر دیا۔ اُس دن صرف وکلاء نے ہی پیش ہونا تھا۔

عدالتی کاروائی کے اختتام پر جب حضرت بانیٔ سلسلہؑ اپنی قیامگاہ کی طرف واپس جانے کیلئے روانہ ہوئے، تو پھر پہلے کی طرح برکاتِ سماوی کا نزول شروع ہوگیا۔ ایک ہجوم تھا کہ بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔ تاہم آسمانی برکات کے نزول کا یہ سلسلہ اُس وقت اپنے عروج کو پہنچ گیا، جب آپؑ اپنی فرودگاہ پر واپس تشریف لے آئے۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ وہاں سینکڑوں سعید روحیں، کیا مرد اور کیا عورتیں، اس انتظار میں جمع

تھیں کہ مامور من اللہ کی غلامی میں داخل ہو کر ہمیشہ کیلئے اپنی عاقبت سنوار لیں۔ چنانچہ جلد ہی وہ روح پرور اور دلگداز منظر بھی پیدا ہو گیا۔ لوگ تھے کہ ایک دوسرے پر سبقت لینے کیلئے دیوانہ وار آگے بڑھنے لگے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اُس دن تیرہ صد افراد، جن میں دوصد صرف عورتیں تھیں، آپؑ کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔

جہلم سے واپسی کے دوران سٹیشنوں پر پھر وہی سابقہ کیفیت دیکھنے میں آئی۔ جونہی گاڑی کسی سٹیشن پر پہنچتی، لوگ پہلے کی طرح دیوانہ وار ایک دوسرے کے اُوپر گرنے لگتے۔ برکات سماویہ کا یہ نزول یقیناً آپؑ کی عنداللہ مقبولیت کا جلی اعلان تھا۔ اس کی خود خدا تعالیٰ نے تصدیق فرمائی، یعنی آپ کو الہاماً فرمایا:

آثَرَکَ اللّٰہُ عَلیٰ کُلِّ شَیءٍ

یعنی ''اللہ نے تجھے ہر شے پر ترجیح دی ہے''

یہ الہامی خوشخبری آپؑ کو اس وقت ملی، جب آپؑ اپنے اِس مبارک سفر سے واپس لوٹ رہے تھے۔ یہ آسمانی شہادت دراصل وہ خراج تحسین تھا، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو اس سفر کی کامیابی پر مبارکبادی کے رنگ میں ملا۔ یہ مقدس قافلہ بالآخر ہزاروں برکتوں سے مالا مال ہو کر اور اللہ تعالیٰ کی غیر معمولی تائید و نصرت کے نظارے دیکھتا ہوا بخیر و عافیت قادیان پہنچ گیا۔

آخر پر حضورؑ کا وہ اپنا روح پرور تبصرہ درج کیا جاتا ہے، جو آپؑ نے ان جملہ افضال الٰہیہ پر فرمایا، جو اُرِیکَ بَرَکَاتٍ مِن کُلِّ طَرفٍ کے الفاظ میں ملنے والی بشارت سماوی کی عملی تعبیر کے طور پر اس تاریخ ساز سفر کے دوران آپ پر نازل ہوئے۔ آپ فرماتے ہیں:

''اور یہ پیشگوئی اس طرح پوری ہوئی کہ جب میں جہلم کے قریب پہنچا، تو تخمیناً دس ہزار سے زیادہ آدمی ہوگا کہ میری ملاقات کیلئے آیا اور تمام سڑک پر آدمی تھے اور ایسے انکسار کی حالت میں تھے کہ گویا سجدے کرتے تھے اور پھر ضلع کچہری کے اردگرد اس قدر لوگوں کا ہجوم تھا کہ حکام حیرت میں پڑ گئے۔ گیارہ سو آدمیوں نے بیعت کی اور قریباً دوسو کے عورت بیعت کر کے اس سلسلہ میں داخل ہوئی اور کرم دین کا مقدمہ جو میرے پر تھا، خارج ہو گیا۔ اور بہت سے لوگوں نے ارادت اور انکسار سے نذرانے دیئے اور تحفے پیش کئے اور اس طرح ہم ہر ایک طرف سے برکتوں سے مالا مال ہو کر قادیان میں واپس آئے''

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن، جلد ۲۲، ص: ۲۶۴ حاشیہ)

اب جیسا کہ حضرت بانیٔ سلسلہؑ نے اُوپر فرمایا ہے، خود وہ مقدمہ بھی جو اِن ساری برکتوں کا موجب بنا تھا، آپکے حق میں ختم ہوا۔ یعنی مجسٹریٹ نے مولوی کرم دین کا استغاثہ خارج کر کے آپ کو بری قرار دے دیا۔ اِس عدالتی فیصلے پر مولوی کرم دین نے سیشن جج کی عدالت میں نگرانی کی درخواست دائر کی، مگر وہ بھی خارج ہوگئی۔ اور یوں آپؑ کو اس سلسلے میں ملنے والی اخبار سماویہ کا ایک حصہ پورا ہو کر آپکے لئے خدائی تائید ونصرت کا ایک زندہ نشان بن گیا۔

☆ ☆ ☆

حضرت بانیٔ سلسلہؑ پر بننے والا چوتھا فوجداری مقدمہ

(مولوی کرم دین کا دوسرا مقدمہ ازالۂ حیثیت عرفی)

مولوی کرم دین والے پہلے مقدمہ میں اگرچہ اللہ تعالیٰ اپنے مامور کو بچانے والی بشارات کے مطابق اپنی غیر معمولی شان کے نظارے دکھا چکا تھا اور اس طرح پر آپ پر نازل ہونے والے الہامات کا ایک حصہ معجزانہ رنگ میں پورا ہو چکا تھا، تاہم ان پیشگوئیوں کے ایک بہت بڑے حصے کا پورا ہونا ابھی باقی تھا۔ اس کی ابتداء بھی مولوی کرم دین نے خود ہی کی، اور وہ اس طرح کہ حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کو جہلم والے مقدمہ سے کامیابی کے ساتھ فارغ ہو کر واپس آئے ہوئے ابھی بمشکل کچھ دن ہی گذرے تھے کہ آپ کو مولوی کرم دین کی طرف سے اٹھائے جانے والے ایک اَور مقدمہ کی اطلاع ملی۔ اِس بار اُس نے اپنے مقدمہ کی بنیاد یہ بنائی کہ حضرت بانیٔ سلسلہؑ نے اپنی کتاب ''مواہب الرحمٰن'' میں اسکے بارے میں ''کذّاب'' اور ''لئیم'' کے کلمات استعمال فرمائے ہیں، جو اس کی ازالۂ حیثیت عرفی کا موجب بنے ہیں۔ چنانچہ اس نے استغاثہ کی وجوہات بیان کرتے ہوئے لکھا کہ:

> **''میں اعوان قوم کا ممتاز فرد ہوں۔ اسلامی انجمنوں کے سالانہ جلسوں میں مجھے مدعو کیا جاتا ہے سرکاری جلسوں میں بھی مجھے بلایا جاتا ہے۔ میں چار مسجدوں کا امام ہوں۔ انگریز افسران سے ملاقاتوں کے وقت مجھے کرسی ملتی ہے۔ شاہ انگلستان کی تاجپوشی کے وقت دہلی میں بھی مجھے بلایا گیا تھا۔ اور بہ نظر اس عزت کے جو پبلک میں مجھے حاصل ہے، کلمات متعلقہ (کذّاب، لئیم وغیرہ) میری ہتک کا موجب ہوئے ہیں''** (خلاصہ)

حضرت بانیٔ سلسلہؑ کو مولوی کرم دین کی نسبت یہ کلمات استعمال کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی، اس کی روئداد بیسویں صدی کی پہلی دہائی کے ابتدائی کئی سالوں پر پھیلی ہوئی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپؑ کو اپنے آقا و مطاع، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی برکت سے فہم قرآن کی جو دولت نصیب ہوئی تھی، اس کی اعجازی شان کے اظہار کے طور پر آپ نے اسے اپنے ہمعصر علماءِ اہل اسلام کے سامنے پیش کرتے ہوئے جب یہ اعلان فرمایا کہ

> **''خدا تعالیٰ کے تائیدی نشانوں میں سے ایک یہ نشان بھی مجھے دیا گیا ہے کہ میں فصیح بلیغ**

عربی میں قرآن شریف کی کسی سورۃ کی تفسیر لکھ سکتا ہوں اور مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے علم دیا گیا ہے کہ میرے مقابل اور بالمواجہ بیٹھ کر کوئی دوسرا شخص خواہ وہ مولوی ہو یا کوئی فقیر گدی نشین، ایسی تفسیر نہیں لکھ سکیگا''

(نزول المسیح ، روحانی خزائن، جلد ۱۸،ص: ۴۳۱ حاشیہ)

تو گولڑہ ضلع راولپنڈی، کے ایک سجادہ نشین، پیر مہر علی شاہ، نے اپنے مریدوں کے اندر سستی شہرت حاصل کرنے، نیز علماء وقت میں اپنے نمبر بڑھانے کی غرض سے حضرت بانی سلسلہؑ کی تکذیب میں ایک کتاب لکھ کر ساتھ ہی اپنی قرآن دانی اور عربی دانی کا دعویٰ بھی کر دیا۔ بلکہ یہ بھی لکھا کہ انہیں عنداللہ ایک روحانی مقام حاصل ہے۔ اس کتاب کا شائع ہونا تھا کہ پنجاب بھر میں اور بالخصوص سرحدی پٹھانوں کے اندر حضرت بانی سلسلہؑ کے خلاف ایک زبردست اشتعال پیدا ہو گیا، جس کے نتیجہ میں آپ کی مخالفت میں ایک نئی آگ بھڑک اٹھی۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر آپ نے دیگر علماءِ اسلام کو چھوڑ کر صرف پیر مہر علی شاہ کو اپنی توجہ کا مرکز بنا لیا اور انہیں اپنے مقابل پر آ کر عربی زبان میں تفسیر نویسی کی دعوت دی، اس سلسلے میں آپ نے ان کے سامنے مندرجہ ذیل تجاویز پیش کیں:

''لاہور میں جو صدر مقام پنجاب ہے، صادق اور کاذب کے پرکھنے کیلئے ایک جلسہ قرار دیا جائے اور اس طرح پر مجھ سے مباحثہ کریں کہ قرعہ اندازی کے طور پر قرآن شریف کی کوئی سورۃ نکالیں اور اس میں سے چالیس آیات یا ساری سورۃ (اگر چالیس آیت سے زیادہ نہ ہو) لیکر فریقین یعنی یہ عاجز اور پیر مہر علی شاہ صاحب، اوّل یہ دعا کریں کہ یا الٰہی، ہم دونوں میں سے جو شخص تیرے نزدیک راستی پر ہے، اس کو تُو اس جلسہ میں لکھنے کے لئے اپنی طرف سے ایک روحانی قوت عطا فرما اور روح القدس سے اسکی مدد کر۔ اور جو شخص ہم دونوں فریق میں سے تیری مرضی کے مخالف اور تیرے نزدیک صادق نہیں ہے، اس سے یہ توفیق چھین لے اور اس کی زبان کو فصیح عربی اور معارف قرآنی کے بیان سے روک لے، تا لوگ معلوم کر لیں کہ تُو کس کے ساتھ ہے اور کون تیرے فضل اور روح القدس کی تائید سے محروم ہے''

اس چیلنج کو ٹالنے کے لئے پیر مہر علی شاہ نے کیا کیا پینترے بدلے اور کن کن حیلوں اور بہانوں سے راہِ فرار اختیار کرنے کی کوشش کی، ایک لمبی کہانی ہے، جس کا درج کرنا موجب طوالت ہوگا۔ تاہم اس قدر

بتا دینا کافی ہے کہ وہ (پیر مہر علی شاہ) لاہور آئے تو سہی ،مگر حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے بار بار بلانے کے باوجود بالمواجہ تفسیر لکھنے کیلئے تیار نہ ہوئے ۔اور پھر جیسے آئے تھے، ویسے واپس بھی چلے گئے۔اس پر آپ نے ان کے سامنے ان کی قرآن دانی کا امتحان کرنے کی غرض سے اب مندرجہ ذیل سہل طریق رکھا۔فرمایا:

"اگر در حقیقت پیر مہر علی شاہ صاحب علم معارف قرآن اور زبان عربی کی ادب اور فصاحت اور بلاغت میں یگانۂ روزگار ہیں ،تو یقین ہے کہ اب تک وہ طاقتیں ان میں موجود ہونگی کیونکہ لاہور آنے پر ابھی کچھ بہت زمانہ نہیں گذرا۔اس لئے میں یہ تجویز کرتا ہوں کہ میں اسی جگہ بجائے خود،سورۃ فاتحہ کی عربی فصیح میں تفسیر لکھ کر اس سے اپنے دعویٰ کو ثابت کروں اوراس کے متعلق معارف اور حقائق سورۃ ممدوحہ کے بھی بیان کروں اور حضرت پیر صاحب میرے مخالف آسمان سے آنیوالے مسیح اور خونی مہدی کا ثبوت اس سے ثابت کریں اور جس طرح چاہیں سورۃ فاتحہ سے استنباط کر کے میرے مخالف عربی فصیح بلیغ میں براہین قاطعہ اور معارف ساطعہ تحریر فرماویں"

آپ نے اس کے لئے ستر (۷۰) دن کی میعاد مقرر فرمائی ،یعنی یہ کہ دونوں طرف سے تفسیریں تیار ہو کر ستر (۷۰) دنوں کے اندر اندر شائع ہو جانی چاہئیں ۔نیز فرمایا:

"تب اہل علم لوگ خود مقابلہ اور موازنہ کر لیں گے اور اگر اہل علم میں سے تین کس جو ادیب اور اہل زبان ہوں اور فریقین سے کچھ تعلق نہ رکھتے ہوں، قسم کھا کر کہہ دیں کہ پیر صاحب کی کتاب کیا بلاغت اور فصاحت کے رُو سے اور کیا معارف قرآنی کے رُو سے فائق ہے،تو میں عہد صحیح شرعی کرتا ہوں کہ پانسو روپیہ نقد بلا توقف پیر صاحب کی نذر کرونگا"

(اشتہار بعنوان "پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی"، مجموعہ اشتہارات ،جلد۳،ص ۳۷۰)

........☆........

پیر مہر علی شاہ صاحب نے تفسیر نہیں لکھنی تھی نہ لکھی ۔مگر حضرت بانیٔ سلسلہؑ نے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کیساتھ سورۃ الفاتحہ کی عربی زبان میں جو تفسیر لکھنی شروع کی اور جسے مدت معینہ یعنی ستر (۷۰) دنوں کے اندر "اعجاز المسیح" کے نام سے شائع فرما دیا،اس میں آپ نے علاوہ ان حقائق و معارف کے بیان کرنے کے، جو آپکے فہم قرآن اور بلاغت بیان پر دلالت کرتے تھے، یہ جلالی اعلان بھی فرمایا:

"و اِنّی اُرِیتُ مُبَشِّرۃً فی لَیلۃِ الثَّلثَاءِ اِذ دَعَوتُ اللّٰہَ اَن یَّجعَلَہٗ مُعجزَۃً لِلعُلَمَاءِ وَدَعوتُ اَن لّا یَقدِرَ علیٰ مِثلِہٖ اَحدٌ مِّنَ الاُدبَاءِ وَلا یُعطٰی لَھُم قُدرَۃٌ عَلَی الانشَاءِ فَاُجِیبَ دُعَائِی فِی تِلکَ اللَّیلَۃِ المُبَارَکَۃِ مِن حَضرَۃِ الکِبرِیَاءِ وَ بَشَّرَنِی رَبّی وَ قَالَ مَنَعَہٗ مَانِعٌ مِنَ السَّمَاءِ فَفَھِمتُ اَنَّہٗ یُشِیرُ اِلٰی اَنّ العِدَا لَایَقدِرُونَ عَلَیہِ وَ لا یَأتُونَ بِمِثلِہٖ وَلا کَصِفَتِہٖ"

یعنی

'جب میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ اس (کتاب) کو علماء کیلئے ایک معجزہ بنائے اور یہ بھی دعا کی کہ کسی کو اسکی مانند تفسیر لکھنے کی قدرت حاصل نہ ہو سکے، تو مجھے اس مبارک رات، جو سہ شنبہ یعنی منگل کی رات تھی، رؤیا میں دکھایا گیا اور اللہ نے مجھے بشارت دی کہ 'آسمان سے ایک روکنے والے نے اسے روک دیا ہے'، جس کا مفہوم میں یہ سمجھا کہ دشمن اسکی نظیر لانے سے قاصر رہیگا'

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر آپنے اللہ تعالیٰ سے علم پا کر اس کتاب کے سرورق پر بطور تحدی یہ جلالی پیشگوئی بھی فرمائی کہ

مَن قَامَ لِلجَوابِ وَ تَنَمَّرَ فَسوفَ یَریٰ اَنَّہٗ تَندَّمَ وَ تَذَمَّرَ

یعنی

'جو شخص بھی اس کتاب کا جواب لکھنے کیلئے تیار ہوگا اور شوخی دکھائیگا تو وہ جلد ہی ندامت، حسرت اور نامرادی کا شکار ہو جائے گا'

(نزول المسیح، روحانی خزائن، جلد ۱۸، ص: ۵۷۱)

چنانچہ اس پیشگوئی کے مطابق نہ پیر مہر علی شاہ گولڑوی کو اور نہ علما ہند میں سے کسی اَور کو اس جیسی تفسیر لکھنے کی توفیق ملی۔ نہ انہیں یہ توفیق حاصل ہوئی کہ وہ اُن دلائل ساطعہ کا جواب دے سکیں، جو آپ نے اپنے دعویٰ کی تائید میں اس کے اندر بیان فرمائے تھے۔ تاہم ایک مولوی محمد حسن فیضی، موضع بھیں، تحصیل چکوال، ضلع جہلم، کا رہنے والا، جو اُن ایام میں مدرسہ نعمانیہ، واقع شاہی مسجد لاہور، میں بطور مدرس کام کرتا تھا، اُٹھا اور عوام میں شائع کیا کہ وہ اس کا جواب لکھنے والا ہے، مگر خدا کی جلالی قدرت کا تماشا دیکھیں کہ ابھی اس نے اس کتاب (اعجاز المسیح) کے حواشی پر کچھ نوٹ ہی لکھے تھے۔ اور ایک جگہ اس نے

لعنة اللّٰہ علَی الکاذِبین

کے الفاظ بھی لکھ دیئے کہ خدا کے غضب کی لاٹھی اس پر چل گئی۔اور وہ ایک یا دو ہفتوں کے اندر اندر ناگہانی طور پر کسی نامعلوم بیماری کا شکار ہو کر اس دنیا سے کوچ کر گیا۔

اب پیر مہر علی شاہ گولڑوی کی سنیں کہ انہیں کیا سوجھی۔وہ جیسا کہ بتایا گیا ہے، حضرت بانی سلسلہؑ کی مقرر کردہ میعاد کے اندر تو کچھ لکھ نہ سکے۔البتہ انہوں نے مولوی محمد حسن فیضی المتوفیٰ کے لکھے ہوئے نوٹس اس کے والد سے منگوا کر اور ان پر تھوڑا بہت اضافہ کر کے، ڈیڑھ سال بعد انہیں اپنی طرف سے ایک کتاب کے طور پر۔اور وہ بھی اردو زبان میں۔شائع کر دیا۔اس طرح سے ایک قسم کے سرقہ سے تیار کردہ یہ کتاب، جس کا نام انہوں نے ’’سیف چشتیائی‘‘ رکھا، اس کا ایک نسخہ انہوں نے حضرت بانی سلسلہؑ کو بذریعہ ڈاک ارسال کر دیا۔آپؑ وہ کتاب دیکھ کر پہلے تو اس بات پر حیران ہوئے کہ وہ بجائے عربی کے اردو زبان میں ہے۔دوسرے، اسے پڑھنے پر آپکو معلوم ہوا کہ اس میں تفسیر کی قسم کی کوئی چیز نہیں۔بلکہ اگر اس میں کچھ تھا، تو آپکی کتاب ’’اعجاز المسیح‘‘ کی بعض انتہائی فصیح و بلیغ عبارات کی صرفی نحوی ’غلطیاں‘ نکالی گئی ہوئی تھیں۔یا پھر یہ لکھا ہوا تھا کہ فلاں جملہ یا عبارت حریری اور ہمدانی وغیرہ کتب سے چرائی گئی ہے۔لیکن آپ کے بیان کردہ وہ حقائق اور معارف، جو حضرت بانی سلسلہؑ کی تفسیر کی اعجازی شان کو ظاہر کر رہے تھے، ان کے بارے میں اس کتاب کے اندر ایک جملہ بھی نہ تھا۔

حضرت بانی سلسلہؑ نے ان بیہودہ اعتراضات کا جو پیر صاحب کی اپنی کم علمی اور کم مائیگی پر دلالت کر رہے تھے، اپنی ایک ان دنوں تصنیف ہونے والی کتاب بعنوان ’’نزول المسیح‘‘ میں کافی وشافی جواب دیا۔اس سے اہل علم طبقہ پر پیر صاحب کی عربی دانی کی قلعی اچھی طرح کھل گئی۔مگر خدا تعالیٰ کے نزدیک ابھی پیر صاحب کیلئے اس سے زیادہ ذلت دیکھنی مقدر تھی۔اور وہ یوں ہوا کہ حضرت بانی سلسلہؑ کو اس امر کا حتمی ثبوت مل گیا کہ جو کچھ پیر صاحب نے اپنی کتاب ’سیف چشتیائی‘‘ میں لکھا ہے، وہ بھی ان کا اپنا نہیں بلکہ وہ مولوی محمد حسن فیضی سکنہ بھیں کے (کتاب ’اعجاز المسیح‘ کے حواشی پر) لکھے ہوئے ان نوٹوں کی نقل ہے، جو انہوں نے وہاں سے لیکر اپنی کتاب کے اندر استعمال کئے ہیں۔

یہ بھید کیونکر کھلا، یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے۔ہوا یہ کہ موضع بھیں کا رہنے والا ایک شخص، شہاب الدین نامی، ایک دن اپنے گھر بیٹھا پیر مہر علی شاہ کی کتاب ’سیف چشتیائی‘ کا مطالعہ کر رہا تھا کہ کوئی آدمی مولوی محمد حسن متوفی کے گھر کا پتہ پوچھتا ہوا آیا۔استفسار پر معلوم ہوا کہ پیر مہر علی شاہ گولڑوی نے اسے دو

کتابیں دیکر بھیجا ہے کہ وہ انہیں محمد حسن متوفی کے والد کو واپس کر دے۔ دیکھنے پر معلوم ہوا کہ ان میں سے ایک حضرت بانی سلسلہؑ کی وہ کتاب 'اعجاز المسیح' تھی، جس کے حواشی پر مولوی محمد حسن نے اپنی وفات سے قبل نوٹس لکھے تھے۔ جب شہاب الدین نے ان عبارتوں کا کتاب 'سیف چشتیائی' سے موازنہ کیا، تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ بالکل ہو بہو وہی عبارتیں ہیں، جو کتاب 'اعجاز المسیح' کے حواشی پر مولوی محمد حسن کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں۔ اس پر شہاب الدین نے اسی وقت ایک بڑا جوشیلا خط گولڑوی صاحب کے نام لکھا کہ آپ نے تو اپنی ساری کتاب مولوی محمد حسین فیضی کے نوٹوں سے تیار کی ہے۔ وغیرہ

پیر صاحب نے جو اس طرح اپنا راز کھلتے دیکھا، تو ایک طرف انہوں نے محمد حسن فیضی کے والد کو خط لکھا اور کہا کہ وہ شہاب الدین سے ہوشیار رہے اور اسے وہ کتاب آئندہ دیکھنے کیلئے نہ دے۔ دوسرے اس (محمد حسن فیضی) کے نسبتی بھائی مولوی کرم دین کو ایک کارڈ بھیجا، جس میں پیر صاحب نے یہ اعتراف تو کیا کہ انہوں نے محمد حسن فیضی مرحوم کے نوٹوں سے اپنی کتاب ''سیف چشتیائی'' کی رونق بڑھائی ہے۔ لیکن ساتھ ہی انہوں نے یہ خلافِ واقعہ بات بھی لکھ دی کہ انہوں نے محمد حسین متوفی سے اس کی زندگی میں اسکی اجازت لے لی تھی۔ کرم دین چونکہ شہاب الدین کا دوست تھا، اس نے پیر صاحب والے خط کے مضمون سے شہاب الدین کو بھی آگاہ کر دیا اور پھر بذریعہ خط ان تمام حقائق کی اطلاع حضرت بانی سلسلہؑ کو کر دی۔ پھر کوشش کر کے محمد حسن فیضی کے والد سے 'اعجاز المسیح' کا وہ نسخہ بھی حاصل کر لیا، جس پر محمد حسن متوفی کے ہاتھوں کے نوٹس لکھے ہوئے تھے اور اسے حضرت بانی سلسلہؑ کو بھجوا دیا۔

حضرت بانی سلسلہ علیہ السلام نے یہ ساری روئداد بھی اپنی اسی کتاب ''نزول المسیح'' میں درج فرما دی۔ اور پھر تحریر فرمایا کہ دیکھو، جس شخص نے میرے مقابل پر اپنی قرآن دانی اور عربی دانی کی بڑ ماری تھی، اسکی قابلیت کا سارا دارومدار ایک متوفّی کا مال ہے، جسے اس نے اپنی طرف منسوب کر کے ایک قسم کے سرقہ کا ارتکاب کیا ہے۔ اسی طرح ایڈیٹر 'الحکم' نے بھی اخبار ۱۷ رستمبر ۱۹۰۲ء کی اشاعت میں ان خطوط کی نقول شائع کر دیں، جس سے عوام الناس پر پیر صاحب کی دیانت و امانت اور ان کے مزعومہ علمی تفوق کی ساری حقیقت عیاں ہوگئی۔

پیر صاحب نے اس راز کے فاش ہو جانے پر غالباً مولوی کرم دین کو مجبور کیا، یا اس نے اپنے طور پر ہی پیر صاحب کی اس بدنامی کا ازالہ کرنے کی خاطر ایک ایسا بھونڈا طریق اختیار کیا، جو ہر قسم کے ضابطۂ اخلاق، حق پرستی اور خدا ترسی کے جملہ تقاضوں کے سراسر منافی تھا۔ یعنی اخبار ''سراج الحق'' کے ۶ اور ۱۳،

اکتوبر ۱۹۰۲ء کے شماروں میں اس مضمون کا اعلان شائع کرا دیا کہ وہ خط جو اس نے پیر مہر علی صاحب کا لکھا ہوا ظاہر کر کے حضرت بانی سلسلہؑ کو بھجوایا تھا، وہ دراصل پیر صاحب کا نہیں بلکہ اس کے اپنے ہاتھوں کا لکھا ہوا تھا۔ نہ ہی کتاب ''اعجاز المسیح'' کے اندر حاشیوں پر لکھے ہوئے نوٹس محمد حسن المتوفیٰ کے لکھے ہوئے ہیں، بلکہ وہ عبارتیں اس نے خود کسی بچے سے اس کتاب کے اوپر لکھوا کر یہ جعلی کاروائی اِس لئے کی کہ تا اس طریق پر وہ مرزا صاحب کی ملہمیت کا امتحان کر سکے۔

☆

حضرت بانی سلسلہؑ کو جب کرمدین کے اس سراسر جھوٹے اور دروغ پر مبنی افسانے کا علم ہوا، تو آپ کو بہت رنج پہنچا۔ آپ اُس وقت اپنی ایک عربی کتاب ''مواھب الرحمٰن'' تالیف فرما رہے تھے۔ چنانچہ آپ نے اسے 'کذاب' اور 'لئیم' کے خطابات دیتے ہوئے اپنی ایک سال پہلے کی بعض رؤیاء کے حوالے سے تحریر فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ کوئی شخص اپنی نفسانی اغراض کی تسکین کیلئے میری عزت سے کھیلنے اور مجھے عوام میں بدنام کرنے کی کوشش کرے گا، مگر یہ کہ اسکی ساری کوشش بیکار جائے گی۔ مجھے اس کے نتیجے میں پہلے سے بھی بڑھ کر عزت حاصل ہوگی اور اسے سوائے رسوائی اور ناکامی کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ آپ کی پوری عبارت کا متن حسب ذیل تھا:

''وَ مِن اٰیاتی مَا اَنبأنِی العَلِیمُ الحَکِیمُ فِی رَجُلٍ لَئِیمٍ وَ بُھتَانِہِ العَظِیمِ وَ اَوحیٰ اِلَیّ اَنّہ یُرِیدُ اَن یّتخطّفَ عِرضَک ثُمّ یجعَلَ نفسَہٗ غَرضَک وَ اَرَانِی فِیہِ رُؤیَا ثَلٰثَ مَرّاۃٍ وَ اَرَانِی اَنّ العَدُوّ اَعَدّ لِذٰلک ثَلٰثۃَ حُمَاۃٍ لِتَوھِینٍ وَ اِعنَاتٍ وَ رَئیتُ کَاَنّی اُحضِرتُ مَحَاکَمَۃً کَالمَأخُوذِین وَ رَئیتُ اَنّ اٰخِرَ اَمرِی نَجَاۃٌ بِفَضلِ رَبّ العٰلمِین وَلَو بَعدَ حِینٍ وَ بُشّرتُ اَنّ البَلاءَ یُرَدُّ عَلٰی عَدُوّی الکَذّابِ المُھِین.....ثُمّ قَعدتُ کَالمُنتَظِرِین .وَ مَا مَرّ عَلیٰ مَا رَئیتُ اِلّا سَنَۃٌ فَاِذَا ظَھَرَ قَدَرُ اللّٰہِ عَلیٰ یَدِ عَدُوٍ مُبِینٍ اِسمُہٗ کَرَمُ الدِّین'' [۱]

اور آخر پر تحریر فرمایا:

''و قد ظَھَرَ بعضُ انبائِہٖ تَعَالیٰ مِن اَجزاءِ ھٰذِہِ القَضِیّۃِ فَیظھَرُ بقِیُّھَا کَمَا

وَعَدَ مِن غَیرِ الشّکِّ وَالشّبھَۃِ“

یعنی

’اسکی معاندانہ کاروائی سے پیشگوئی کا ایک حصہ تو پورا ہو گیا ہے اور جو باقی ہے، وہ بھی بلا شک وشبہ پورا ہو گا‘

(مواھب الرحمٰن، روحانی خزائن، جلد ۱۹، ص: ۳۵۰)

ظاہر ہے کہ اس آخری جملہ سے مراد آپ کو اپنے خدا کی طرف سے ملنے والی وہ بشارات تھیں، جن میں آپ کو بتایا گیا تھا کہ بالآخر آپ کامیاب ہونگے اور آپکا دشمن اپنی ہی پیدا کردہ بلا کا نشانہ بن جائے گا۔ گویا فرمایا کہ جس طرح اس مقدمہ کے کھڑا ہونے سے متعلق آپ کو پہلے سے دی ہوئی آسمانی اخبار پوری ہوئی ہیں، اسی طرح ان کا وہ حصہ بھی پورا ہو کر رہیگا، جو آپ کے اس میں فتح ونصرت کیساتھ بری ہونے سے متعلق ہے، انشاء اللہ تعالیٰ۔

اب یہ کتاب (مواھب الرحمٰن) جنوری ۱۹۰۳ء میں شائع ہوگئی۔ اُدھر جب مولوی کرم دین کو ایک طرف اپنے سابقہ مقدمہ میں زک اٹھانی پڑی، دوسری طرف اسنے حضرت بانئ سلسلہ کے اسکے بارے میں کذاب اور لئیم کے خطابات دیکھے، تو اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ چنانچہ اسنے اپنی آتش انتقام کو ٹھنڈا کرنے، بالفاظ دیگر اپنے زعم باطل میں خدا کے مامور کو نیچا دکھانے کی غرض سے، تمام اخلاقی قدروں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے وہ کچھ کیا، جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ چنانچہ حضرت بانئ سلسلہ علیہ

[۱] اس عربی عبارت کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

’اور منجملہ میرے نشانوں کے ایک یہ ہے کہ خدائے علیم وحکیم نے ایک لئیم شخص کی نسبت اور اس کے بہتان عظیم کی نسبت مجھے اپنی وحی سے اطلاع دی ہے کہ یہ شخص میری عزت دور کرنے کیلئے حملہ کریگا اور انجام کار میرا نشانہ آپ بن جائیگا۔ اور خدا نے تین خوابوں میں یہ حقیقت میرے پر ظاہر کی اور خواب میں میرے پر ظاہر کیا کہ یہ دشمن تین حمایت کرنے والے اپنی کامیابی کیلئے مقرر کریگا تا کہ کسی طرح اہانت کرے۔ اور رنج پہنچاوے اور مجھے خواب میں دکھایا گیا کہ گویا میں کسی عدالت میں گرفتاروں کی طرح حاضر کیا گیا ہوں اور مجھے دکھایا گیا کہ انجام ان حالات کا میری نجات ہے، اگرچہ کچھ مدت کے بعد ہو۔ اور مجھے بشارت دی گئی کہ دشمن کذاب مہین پر بلا رد کی جائیگی...... پھر میں انتظار کرتا رہا کہ کب پیشگوئی کی باتیں ظہور میں آئیں گی۔ پس جب ایک برس گزرا، تو یہ مقدر باتیں کرم دین کے ہاتھ سے ظہور میں آگئیں“

السلام کے خلاف اس کے دوسرے مقدمہ کی بنیاد وہی خطابات تھے، جن کا ذکر اس کتاب میں آیا ہے۔

☆

جیسا کہ کتاب (مواہب الرحمٰن) کی مذکورہ بالا عبارت سے پتہ لگتا ہے، حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کو اپنے ربّ کی طرف سے کامیابی کی بشارات مل چکی تھیں اور انہی کے پیش نظر آپنے بڑے وثوق اور یقین کے ساتھ تحریر فرمایا تھا کہ انجام کار آپکی بریت ہوگی اور دشمن ذلیل اور خوار ہوگا۔ یہ اتنا بڑا دعویٰ تھا کہ کوئی شخص خواہ کتنا ہی عقلمند یا دولت مند کیوں نہ ہو اور کتنا ہی اپنے آپکو حق بجانب کیوں نہ سمجھتا ہو، ڈنکے کی چوٹ نہیں کہہ سکتا کہ وہ ضرور کامیاب ہوگا۔ کیونکہ بعض اوقات وکیل کی ذراسی لغزش سے یا جج کی تلون مزاجی سے مقدمے کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ مگر خدا کے ماموری تو بات ہی اَور تھی۔ اس صورت میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ سب کچھ خدائی بشارات کی بنا پر نہ تھا، تو آپ کس برتے پر اپنی فتح اور کامیابی کے اتنے بڑے بڑے دعوے فرما رہے تھے۔ پس یقیناً ان کے پیچھے خدا کی قدرت کا قوی ہاتھ تھا، جو آپکی پشت پناہی پر کھڑا آپکو ہر قسم کا سہارا دے رہا تھا۔ چنانچہ جیسا کہ اس مقدمے کی تفصیلات سے پتہ چلے گا، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے ایسے ایسے جلوے دکھائے کہ دوست اور دشمن سب حیران رہ گئے۔

مولوی کرم دین نے حضرت بانیٔ سلسلہؑ پر ازالۂ حیثیت عرفی کا مقدمہ دائر کر کے دراصل اس ذلت اور رسوائی کی طرح خود اپنے ہاتھوں سے ڈالی، جو قضا و قدر میں اس کیلئے لکھی جا چکی تھی۔ دوسری جانب چونکہ وہ اخبار ’سراج الاخبار‘ میں اپنی جعل سازی کا خود اقرار کر چکا تھا اور اس اعتبار سے اس کے اپنے مضامین اُس کے جھوٹ کا منہ بولتا ثبوت تھے، لہٰذا دروغگوئی پر مبنی دوسری کاروائی اس نے یہ سرانجام دی کہ اپنی عرضی دعویٰ میں ان مضامین کا مصنف ہونے سے انکار کر دیا، یعنی یہ مضحکہ خیز موقف اختیار کیا کہ یہ کاروائی (یعنی ان مضمونوں کا اخبارات میں شائع کروانا) بھی مرزا صاحب اور انکے مریدوں کا کام ہے، جنہوں نے اسے پبلک میں بدنام کرنے کی غرض سے یہ جعلی کاروائی اس کی طرف منسوب کر کے کی ہے۔

جب حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کو اس مقدمہ کی اطلاع ہوئی، تو آپ نے فرمایا:

”اب یہ ان لوگوں کی طرف سے ابتدا ہے۔ کیا معلوم کہ خدا تعالیٰ ان کے مقابلہ میں کیا کیا تدابیر اختیار کریگا۔ یہ استغاثہ ہم پر نہیں، اللہ تعالیٰ پر ہی معلوم ہوتا ہے کہ لوگ مقدمات کر کے تھکانا چاہتے ہیں“

(اخبار الحکم، قادیان، مورخہ ۱۴ فروری ۱۹۰۳ء)

یہ مقدمہ مولوی کرم دین ساکن بھیں نے ۲۸ جنوری ۱۹۰۳ء کو حسب سابق جہلم کی عدالت میں داخل کرایا۔ خدا تعالیٰ کی عجیب قدرت ہے کہ حضرت بانئ سلسلہ علیہ السلام کو ابھی اس مقدمہ کی اطلاع نہیں پہنچی تھی کہ آپ کو اپنے آقائے آسمانی کی طرف سے بتایا گیا کہ جس بہت بڑے ابتلاء کے پیدا ہونے کی خبریں آپ کو اب تک دی جارہی تھیں، اب وہ اپنی پوری شرح وبسط کے ساتھ ظاہر ہونے والا ہے۔ جیسا کہ آپ کو پہلے کشفاً مندرجہ ذیل عبارت دکھائی گئی:

تَفصِیلُ ما صَنَعَ اللّٰهُ فِی هٰذَا ا لبَأسِ بَعدَ مَا اَ شعتُهٗ فِی النَّاس

اسکے بعد یہی کلمات آپکی زبان پر جاری ہو گئے۔ ان کا مطلب تھا کہ اب ان امور کی تفصیل بتائی جائے گی، جو خدا تعالیٰ نے اس سے قبل آپکو مجملاً بتائے تھے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقدمہ کے متعلق جو قبل از وقت پیشگوئی کے رنگ میں بتلایا گیا تھا، اب اسکی تفصیلات ظاہر ہونگی۔

(اخبار البدر، قادیان مورخہ ۲۳ و ۳۰ جنوری ۱۹۰۳ء

واخبار الحکم، قادیان، مورخہ ۳۱ جنوری ۱۹۰۳ء)

یہ کشف اور الہام دونوں آپ کو ۲۴ ر جنوری ۱۹۰۳ء کو ہوئے، یعنی مقدمہ کے عدالت میں داخل کرائے جانے سے چار دن قبل۔ گویا ابھی دشمن اپنے حملے کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ خدائے ذوالعرش نے اپنے مامور کو آسمان سے یہ اطلاع دے دی کہ اس سے قبل پیشگوئیوں کے رنگ میں جو کچھ آپ کو مجملاً بتایا جاتا رہا ہے، اب اس کے واقعاتی رنگ میں منصۂ شہود پر آنے کا وقت آ گیا ہے

پھر جس دن یہ مقدمہ جہلم کی عدالت میں داخل کرایا گیا، اسی دن یعنی ۲۸ ر جنوری ۱۹۰۳ء کو حضرت بانئ سلسلہؑ کو ایک اَور الہام ہوا:

"اِنّ اللّٰہَ مَعَ عِبَادِہٖ یُواسِیکَ"

یعنی

'اللہ اپنے بندوں کے ساتھ ہے۔ وہ تیرے اس غم میں تیری غمخواری کریگا'

گویا، ادھر دشمن نے تیر چلایا، اُدھر خدا نے ایک بہت ہی ہمدرد اور مہربان دوست کی طرح آپؑ کو تسلی بخش دی کہ کچھ تکلیف پہنچنے والی ہے، تاہم فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں تیرے ساتھ ہوں۔

اسی دن ایک تیسرا الہام پہلے سے بھی زیادہ پُرشوکت الفاظ میں آپ کو یہ ہوا:

سَاُ کرِمُکَ اِکراماً عَجَباً

یعنی

'میں نہایت عجیب و غریب طریقے سے تجھے اعزاز بخشوں گا'

یہ الہام اِس لحاظ سے بہت تسلی آمیز اور حوصلہ افزا تھا کہ اس میں جہاں آپ کو بتایا گیا کہ اس بار پھر آپکی عزت پر حملہ کیا جائیگا (یہ معانی اکرام اور اعزاز بخشے جانے والے الفاظ سے پیدا ہو رہے تھے)، وہاں ساتھ ہی یہ خوشخبری بھی بہم پہنچائی گئی تھی کہ اگر چہ دشمن ذلت پہنچانے کی پوری کوشش کریگا، مگر اللہ تعالیٰ معجزانہ رنگ میں آپ کی عزت کے سامان پیدا فرمائیگا۔ گویا صرف دشمن کی ناکامی اور نامرادی کی ہی خبر نہیں پہنچائی گئی تھی، بلکہ آپ کو یہ بھی بتایا گیا تھا کہ اس کے نتیجے میں آپ کو پہلے سے بھی زیادہ عزت اور اکرام حاصل ہوگا۔

یہ ہر دو الہامات بھی 'البدر' ۳۰ جنوری ۱۹۰۳ء اور 'الحکم' ۳۱ جنوری ۱۹۰۳ء میں شائع کرا دئے گئے۔

........☆........

دجل و تلبیس کے مکروہ تاروں سے تیار کیا گیا یہ منصوبہ جو مولوی کرم دین ساکن بھیں نے غالباً اپنی سابقہ خفت کو مٹانے کی غرض سے آپ کے خلاف تیار کیا تھا، کس طرح آپ کی عزت اور اُس کیلئے پہلے سے بھی زیادہ ذلت اور رسوائی کا موجب بنا، یہ خدا تعالیٰ کی عظمتوں اور اس کے جلال کی ایک ایسی منہ بولتی داستان ہے، جسے پڑھ کر روح وجد میں آجاتی اور دل آستانۂ الوہیت پر سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کے حق میں تائیداتِ سماویہ کے ایسے ایسے نظارے دیکھنے میں آئے اور ایسے عجیب و غریب طور پر آسمان سے آپکی حفاظت کے سامان نازل ہوئے، کہ انہیں دیکھ کر دوست اور دشمن حیران رہ گئے۔ پھر آج سے ٹھیک سو سال پہلے کے تاریخی صفحات پر بکھری ہوئی اِس داستان کے پڑھنے سے اُس وقت کے دشمنان اسلام کی اخلاقی اقدار کا بھی پتہ لگتا ہے کہ انہوں نے ہر قسم کے ضابطۂ اخلاق سے عاری ہو کر کس کس بھونڈے انداز میں خدا کے مامور کو شر پہنچانے کی سر توڑ کوششیں کیں، مگر کس طرح وہ خدائی تقدیر کیساتھ ٹکرا کر ایک ایک کر کے پاش پاش ہوتی چلی گئیں۔ دوسری طرف اسکے نتیجے میں حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی صداقت اور آپکے منجانب اللہ ہونے کے حق میں شاہراہِ حیات پر ایسے ایسے سنگہائے میل نصب ہوئے کہ رہتی دنیا تک وہ بھٹکی ہوئی مخلوقِ خدا کے لئے ہدایت اور رہنمائی کا سامان مہیا کرتے رہینگے۔ اب ذیل میں اس بے بنیاد مقدمے کی روئداد درج کی جاتی ہے۔

یہ مقدمہ جو ابتداءً جہلم کی عدالت میں درج کرایا گیا، ۲۹ جون ۱۹۰۳ء کو منتقل ہو کر گورداسپور کی

عدالت میں آ گیا۔ اللہ تعالیٰ کی عجیب شان ہے کہ جونہی یہ مقدمہ گورداسپور میں پہنچا، آپ کو الہام ہوا:

اِنّ اللّٰہ مَعَ الّذینَ اتّقَوا والّذینَ ھُم مُحسِنُون

فِیہِ اٰیاتٌ لِلسّائِلِین

یعنی

اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور جو احسان کرنے والے ہیں۔ اس میں پوچھنے والوں کے لئے بہت سے نشان ہونگے

اس الہام کے بارے میں آپ فرماتے ہیں:

''رات کے وقت جو ۲۸ جون ۱۹۰۳ء کے دن کے بعد کی رات تھی، یعنی وہ رات جس کے بعد پیر کا دن تھا اور ۲۹ جون ۱۹۰۳ء تھی، میرے خیال پر یہ کشش غالب ہوئی کہ یہ مقدمات جو کرم الدین کی طرف سے میرے پر ہیں یا میری جماعت کے لوگوں کی طرف سے کرم الدین پر ہیں [۱]، ان کا انجام کیا ہوگا۔ سو اس غلبۂ کشش کے وقت میری حالت وحی الٰہی کی طرف منتقل کی گئی اور خدا کا یہ کلام میرے پر نازل ہوا''

اس الہام کی آپ کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تفہیم ہوئی، اس کے متعلق فرمایا:

---

[۱] جماعت کی طرف سے مولوی کرم دین پر بنائے جانے والے جن مقدمات کا حضور یہاں ذکر فرما رہے ہیں، وہ دو مقدمات تھے، جو حکیم فضل دین صاحب مالک مطبع ضیاء الاسلام، قادیان، کی طرف سے کرمدین پر دائر کئے گئے تھے۔ ان میں سے ایک تو یہ تھا کہ کرمدین نے اپنے ان خطوط کا، جو اس نے حکیم صاحب موصوف کو لکھے تھے اور جو انہوں نے (حکیم فضل الدین صاحب نے) اخبار الحکم میں شائع کر دئے تھے، انکار کر کے انہیں جعلی اور جھوٹا قرار دیا تھا اور اس طرح پر گویا اس نے مالک اخبار پر جعل سازی کا الزام لگایا تھا۔ چنانچہ زیر دفعہ ۴۲۰ اس کے خلاف ایک مقدمہ یہ دائر کیا گیا تھا۔

دوسرا مقدمہ، جو اس پر دائر کیا گیا تھا، یہ تھا کہ کرمدین نے مطبع ضیاء الاسلام، قادیان، میں حضرت بانی سلسلہؑ کی ایک زیر طبع کتاب ''نزول المسیح'' کے بعض اوراق کسی طرح حاصل کر کے انہیں عدالت میں پیش کیا تھا۔ زیر طبع کتاب مالک مطبع کی ملکیت ہوتی ہے اور جب تک وہ طبع ہو کر شائع نہ ہو جائے، مالک مطبع کی اجازت کے بغیر اسے حاصل کرنا یا اس کے کسی حصہ کو اپنے ذاتی اغراض کیلئے استعمال کرنا قانوناً جرم ہوتا ہے۔ اس طرح اس نے گویا ایک طرح کا سرقہ کا ارتکاب کیا تھا۔ چنانچہ یہ دوسرا مقدمہ اس پر مالک مطبع، حکیم فضل دین صاحب، کی طرف سے اس بنا پر زیر دفعہ ۴۱۱ دائر کیا گیا تھا۔

''اس کے معنی یہ مجھے سمجھائے گئے کہ ان دونوں فریقوں میں سے خدا اس کے ساتھ ہوگا اور اس کو فتح اور نصرت نصیب کرے گا کہ جو پرہیزگار ہیں، یعنی جھوٹ نہیں بولتے، ظلم نہیں کرتے، تہمت نہیں لگاتے اور دغا اور فریب اور خیانت سے ناحق خدا کے بندوں کو نہیں ستاتے اور ہر ایک بدی سے بچتے اور راستبازی اور انصاف کو اختیار کرتے ہیں۔ اور خدا سے ڈر کر اس کے بندوں کے ساتھ ہمدردی اور خیرخواہی اور نیکی کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ اور بنی نوع انسان کے وہ سچے خیر خواہ ہیں۔ ان میں درندگی اور ظلم اور بدی کا جوش نہیں بلکہ عام طور پر ہر ایک کے ساتھ وہ نیکی کرنے کیلئے تیار ہیں''

اور الہام کے آخری حصہ یعنی 'فِیہِ اٰیاتٌ لِلسَّائِلِین' کے بارے میں ہونے والی تفہیم الٰہی کی روشنی میں اس کے مندرجہ ذیل معنی بیان فرمائے:

''تب وہ لوگ جو پوچھا کرتے ہیں، جو ان دونوں گروہوں میں سے حق پر کون ہے، ان کے لئے نہ ایک نشان بلکہ کئی نشان ظاہر ہونگے''

یہ الہام بھی ان جملہ تشریحات کیساتھ اخبار الحکم، مورخہ ۳۰/جون ۱۹۰۳ء اور اخبار البدر، مورخہ ۳/جولائی ۱۹۰۳ء میں شائع کر دیا گیا۔

اس کے قریباً ڈیڑھ ماہ بعد آپ کو ایک اَور الہام ہوا، جس کے الفاظ یہ تھے:

سَاُ کرِمُکَ بَعدَ تَوھِینِکَ

یعنی

'تیری توہین کے بعد میں تجھے دوبارہ عزت بخشوں گا'

(اخبار الحکم، مورخہ ۱۷/اگست ۱۹۰۳ء اور اخبار البدر، مورخہ ۲۸/جولائی ۱۹۰۳ء)

یہ الہام جیسا کہ اس کے الفاظ سے ظاہر ہے، جہاں ایک خوشخبری پر مشتمل تھا، وہاں یہ بھی بتا رہا تھا کہ اس مقدمہ میں آپ کیلئے کسی قدر توہین کے اسباب بھی مقدر ہیں، اگرچہ انجام کار آپ کو عزت بخشی جانے کی واضح بشارت بھی اس میں موجود تھی۔

یہ مقدمہ ایک متعصب اور کٹر آریہ ہندو مجسٹریٹ، لالہ چندو لال، کے سپرد ہوا۔ اس کا تعصب اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ اس نے اپنے پیشہ سے خیانت کرتے ہوئے مقامی آریوں سے ملکر آپ کے خلاف ساز

بازکرنی شروع کردی۔ وہ خفیہ طور پر ان کی مجالس میں شریک ہوتا، جہاں یہ منصوبے بنائے جاتے کہ کس طرح آپکو اس مقدمہ میں زیادہ سے زیادہ تکلیف پہنچائی جائے۔ چنانچہ اس نے اپنی بدطینتی کا پہلا ثبوت اس طرح بہم پہنچایا کہ اس نے حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی عدالت میں اصالتہً حاضری سے مستثنیٰ کئے جانیکی درخواست کو رڈ کرتے ہوئے حضور کا ہر سماعت میں حاضر ہونا لازمی قرار دیا۔

دوسرا تعصب کا مظاہرہ اس نے یہ کیا کہ اس نے آپؑ کی طرف سے پیش کیا جانے والا ایک تحریری بیان، جس کی وہ پہلے اجازت دے چکا تھا، اسے شامل مسل کرنے سے انکار کردیا۔

تیسرے، اس نے محض تکلیف دینے اور تنگ کرنے کی خاطر تھوڑے تھوڑے وقفوں سے سماعت کی تاریخیں مقرر کرنی شروع کردیں، جس سے آپکو آرام کا بہت کم وقت ملنے کے علاوہ آپکے کام میں بھی بہت حرج واقع ہونے لگا۔

مجسٹریٹ کے اس مخالفانہ بلکہ متعصّبانہ رویّے کی بنا پر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ضلع گورداسپور کے پاس انتقال مقدمہ کی درخواست کی گئی، مگر وہ ردّ کردی گئی۔ اس پر چیف کورٹ کی طرف رجوع کیا گیا اور حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی طرف سے مسٹر آرئیل بیرسٹر نے وجوہاتِ انتقال مقدمہ پیش کیں مگر چیف کورٹ نے بھی دلائل کو ناکافی قرار دیتے ہوئے درخواست مستردّ کردی۔ اس طرح پر مقدمہ بدستور لالہ چندولال مجسٹریٹ کے پاس ہی رہا۔

اس دوران آریوں نے لالہ چندولال سے ملکر ایک مکروہ منصوبہ تیار کیا۔ انہوں نے اس سے کہا کہ یہ شخص (حضرت مرزا صاحب) ہمارے لیڈر لیکھرام کا قاتل ہے۔ اور اب وہ تمہارے ہاتھ کا شکار ہے اور ساری قوم کی نظر تم پر ہے۔ لالہ چندولال نے بھی ان سے وعدہ کرلیا کہ وہ آئندہ آنیوالی پہلی ہی پیشی میں عدالتی کاروائی عمل میں لے آئیگا، جس سے اسکی مراد یہ تھی کہ مجسٹریٹ کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ شروع میں یا دوران مقدمہ جب چاہے، ملزم کو بغیر ضمانت قبول کئے گرفتار کرکے حوالات میں دے دے۔ گویا وہ اس اختیار کو عمل میں لاکر آپ کو رسوا کرنے کی کوشش کریگا۔ مگر اس بیچارے کو کیا علم تھا کہ وہ اس طرح خود شیروں کی کچھار میں ہاتھ ڈال رہا ہے (اسکی تفصیل آگے آ رہی ہے)۔

آریوں کی اس سازش کا علم ایک ایسے شخص کی زبانی ہوا، جس کا نام منشی محمد حسین تھا اور وہ گورداسپور کی عدالت میں محرر یا پیش کار تھا۔ اور بوجہ سلسلے کا مخالف ہونے کے وہ آریوں سے ملتا اور ان کی خفیہ مجالس میں شریک ہوتا رہتا تھا۔ اس موقع پر بھی کہ جب آریہ لوگ یہ ناپاک سازش کررہے تھے، وہ وہاں موجود تھا۔ مگر

جب آریوں نے وہ منصوبہ بنایا، جس کا اوپر ذکر آیا ہے، تو مسلمان ہونے کے ناطے اس کی غیرت نے برداشت نہ کیا کہ اس راز کو اپنے تک محدود رکھے۔ چنانچہ اسنے وہ سارا ماجرا حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے ایک مرید، حضرت محمد اسمٰعیل خان صاحبؓ، کو سنا دیا، جنہوں نے آگے اس کا ذکر حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحبؓ سے، جو ۱۴ مارچ ۱۹۰۴ء کی پیشی کیلئے تیاری کے سلسلے میں گورداسپور پہنچے ہوئے تھے، کردیا۔

جب اس کی اطلاع حضرت بانیٔ سلسلہؑ کو ملی، تو آپ یہ تمام روئداد خاموشی سے سنتے رہے۔ مگر جونہی سید سرور شاہ صاحبؓ، لفظ 'شکار' پر پہنچے، تو آپ جو اس وقت لیٹے ہوئے تھے، یکدم اٹھ کر بیٹھ گئے۔ آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور آپ فرمانے لگے:

''میں اس کا شکار ہوں؟ میں شکار نہیں ہوں۔ میں شیر ہوں اور شیر بھی خدا کا شیر۔ وہ خدا کے شیر پر ہاتھ ڈال کر تو دیکھے!''

حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحبؓ کا بیان ہے کہ یہ الفاظ کہتے ہوئے آپ کی آواز اتنی بلند ہو گئی کہ کمرے کے باہر بھی سنائی دے رہی تھی...... حضور نے یہ الفاظ ''خدا کا شیر'' کئی بار دہرائے اور اس وقت آپکی آنکھیں جو ہمیشہ جھکی ہوئی اور بند رہتی تھیں، واقعی شیر کی آنکھوں کی مانند چمکنے لگ گئیں۔ چہرہ اس قدر سرخ ہو گیا کہ دیکھا نہ جاتا تھا۔ پھر جب یہ کیفیت جاتی رہی، تو آپ نے فرمایا:

'میں کیا کروں۔ میں نے تو خدا کے سامنے پیش کیا ہے کہ میں تیرے دین کی خاطر اپنے ہاتھ اور پاؤں میں لوہا پہننے کو تیار ہوں، مگر وہ کہتا ہے کہ نہیں، میں تجھے ذلت سے بچاؤنگا اور عزت کیساتھ بری کروں گا'

(خلاصہ از سیرۃ المہدی، ص: ۹۳ تا ۹۸)

کیا توکل اور ایمان ہے خدا کے مامور کا اپنے ربّ پر کہ عدالت کا جج آپ کے خلاف منصوبے بنا رہا ہے اور وہ با اختیار ہوتے ہوئے آپکو نقصان پہنچا بھی سکتا ہے، مگر آپ ہیں کہ پورے اعتماد اور یقین سے فرماتے ہیں کہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا! کیا خدا کے فرستادوں کے سوا دنیا میں کوئی اَور ہے، جو ایسا کہہ سکے؟

اب اِدھر دشمن یہ ناپاک منصوبے کر رہا تھا، اُدھر اللہ تعالیٰ نے اپنے مامور کو امکانی ذلت سے بچانے کی

یہ تدبیر فرمائی کہ جونہی آپ اس مجلس سے فارغ ہوئے، آپ کو اچانک خون کی قے آ گئی۔ اس پر فوراً ہی ایک انگریز ڈاکٹر، ایس۔ پی۔ مور، جو مقامی ہسپتال میں سول سرجن، تھے، کو بلایا گیا۔ اسنے معائنہ کرنے کے بعد کہا کہ اس عمر میں خون کی قے آنا خطرناک ہے۔ اور سرٹیفکیٹ دیا کہ آپ ایک ماہ کیلئے کچہری میں پیش ہونے کے قابل نہیں۔ اسکے بعد حضور تو پیشی سے قبل ہی قادیان روانہ ہو گئے اور وکلاء عدالت کا سامنا کرنے کی تیاری کرنے لگ گئے۔

جب ۱۴ مارچ کی پیشی کا دن آیا اور مجسٹریٹ کے سامنے وہ ڈاکٹری سرٹیفکیٹ پیش کیا گیا، تو وہ اسے دیکھتے ہی آگ بگولہ ہو گیا اور اس قدر رسٹ پٹایا کہ عدالتی کاروائی کو اگلے دن پر ملتوی کرتے ہوئے اس نے سول سرجن کو یہ شہادت دینے کیلئے طلب کیا کہ کیا مرزا صاحب (حضرت بانی سلسلہؑ) فی الواقعہ اس حد تک بیمار ہیں کہ مقدمہ کی پیروی کیلئے حاضر نہیں ہو سکتے۔ اور باوجود اس کے کہ آپ کے وکیل خواجہ کمال الدین صاحب نے اسے توجہ بھی دلائی کہ ایسی شہادت کیلئے سول سرجن کو طلب کرنا ''ایکٹ شہادت'' کے رو سے بالکل غیر متعلق ہے، وہ اس قدر بگڑا ہوا تھا کہ اپنی بات پر مصر رہا۔ اِدھر ڈاکٹر انگریز تھا اور سول سرجن تھا۔ چنانچہ جب ۱۵ / مارچ کو کیپٹن ڈاکٹر مور نے آ کر بڑے زور سے اپنے سرٹیفکیٹ کی تصدیق کی، تو مجسٹریٹ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ عدالتی قواعد کے رو سے بھی مجسٹریٹ کو کوئی حق نہ پہنچتا تھا کہ اس کے پیش کردہ سرٹیفکیٹ کو چیلنج کرے۔ چنانچہ سوائے بڑبڑانے کے وہ اَور کچھ نہ کر سکا۔ ڈاکٹر نے بھی بڑے اعتماد سے گواہی دی کہ اس کا سرٹیفکیٹ درست ہے اور عدالت اسے چیلنج کرنے یا ردّ کرنے کی مجاز نہیں۔ چنانچہ مجسٹریٹ کیلئے اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ مقدمہ ملتوی کر دیتا۔ لھذا اس نے سماعت کی اگلی تاریخ، ۱۰ / اپریل مقرر کر کے عدالت برخاست کر دی۔

اگلی پیشی سے قبل سول سرجن حضور علیہ السلام کو دیکھنے کے لئے قادیان تشریف لائے اور آپ کا معائنہ کرنے کے بعد آپکی عمومی حالت کے پیش نظر آپکو چھ ہفتہ مزید آرام کرنے کی ہدایت کی اور اتنے عرصہ کیلئے سفر کے ناقابل ہونے کا سرٹیفکیٹ دے دیا۔

اِدھر خدا تعالیٰ جو اپنے مامور کو ہر ذلت سے بچانے کی بشارتیں دے چکا تھا، اس نے بھی اپنا جلالی ہاتھ دکھانا شروع کر دیا۔ چنانچہ جلد ہی ایسے اسباب پیدا ہو گئے کہ وہی مجسٹریٹ جو آریوں کے ساتھ آپکی عزت پر ہاتھ ڈالنے کے عہد و پیمان کر چکا تھا، خود خدائی گرفت میں آ گیا اور پھر ایسی ذلت اور نکبت کا شکار ہوا کہ اسے اپنے مکروہ منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کی توفیق ہی نہ ملی۔ اس کی تقریب خدا تعالیٰ نے اس طرح

پیدا کی کہ گورداسپور جیل میں کسی مجرم کو پھانسی لگنی تھی۔ ڈپٹی کمشنر ضلع کی طرف سے لالہ چندولال کی ڈیوٹی لگائی گئی کہ وہ حسب قواعد موقع پر موجود ہوں۔ لالہ چندولال نے ڈپٹی کمشنر کو لکھا کہ میں بہت رقیق القلب ہوں، کسی مجرم کو پھانسی لگتے نہیں دیکھ سکتا، اس لئے مجھے اس ڈیوٹی سے مستثنٰی کیا جائے۔ ڈپٹی کمشنر نے وہ ڈیوٹی تو کسی اَور مجسٹریٹ کے سپرد کر دی اور حکومت کو رپورٹ بھجوادی کہ یہ شخص (لالہ چندولال) اس قابل نہیں کہ اسے فوجداری اختیارات تفویض کئے جائیں۔ چنانچہ لالہ چندولال اکسٹرا اسسٹنٹ کے عہدے سے معزول ہوکر 'منصفی' (یعنی عام جج) کے عہدے پر واپس لوٹا دیئے گئے۔ اور ساتھ ہی انہیں ضلع گورداسپور سے تبدیل کر کے ملتان بھجوادیا گیا۔ اس طرح پر وہ تمام منصوبے، جو دشمنانِ حق خدا کے مامور کی ایذارسانی کی غرض سے بنا رہے تھے، دھرے کے دھرے رہ گئے۔

لالہ چندولال کی یوں تنزلی اور تبدیلی ایک اَور اعتبار سے بھی حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی صداقت کا نشان بن گئی۔ وہ اس طرح کہ ایام مقدمہ میں جب ایک دفعہ بعض غیر از جماعت معززین نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ چندولال کا ارادہ آپ کو قید کرنے کا معلوم ہوتا ہے، تو آپ دری پر لیٹے ہوئے تھے، اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا:

''میں تو چندولال کو عدالت کی کرسی پر نہیں دیکھتا'' [ا]

(بحوالہ اخبار الحکم، مورخہ ۱۴ جولائی ۱۹۰۴ء)

اب لالہ چندولال کی جگہ ایک اَور ہندو مجسٹریٹ، مہتہ آتمارام، مقرر ہوا۔ مگر وہ پہلے مجسٹریٹ سے بھی زیادہ متعصب اور متشدد ثابت ہوا۔ اس نے آتے ہی اوچھے ہتھیار استعمال کرنے شروع کر دیئے۔ مثلاً پہلے مجسٹریٹ کے وقت حضور کو کمرۂ عدالت میں کرسی ملتی تھی۔ اس نے نہ صرف کرسی دینے سے انکار کر دیا بلکہ بعض اوقات شدید پیاس کے باوجود بھی اس نے آپکو پانی پینے کی اجازت نہ دی۔ پھر سماعت کی تاریخیں مقرر کرنے میں اس نے بھی اپنے پیشرو والا حربہ استعمال کیا اور اتنی قریب قریب کی تاریخیں دینی شروع کر دیں کہ حضرت بانیٔ سلسلہؑ کو بالآخر وسط اگست ۱۹۰۴ء سے لیکر تا اختتام مقدمہ، گورداسپور میں ہی قیام کرنا پڑا۔ علاوہ ازیں آتمارام نے جنبہ داری اور عداوت کا ایک افسوسناک مظاہرہ اس طرح کیا کہ اس نے

[ا] لالہ چندولال کو خداتعالیٰ کے مامور سے یہ خداواسطے کا بیر بہت مہنگا پڑا۔ نہ صرف یہ کہ وہ اپنے عہدے سے موقوف کر کے تنزل کا شکار ہوا، یعنی اسے بطور مجسٹریٹ معزول کر منصفی کے عہدے پر ملتان بھجوادیا گیا، بلکہ جیسا کہ بعد میں پتہ چلا، وہ اس صدمے کی تاب نہ لا کر پاگل ہوگیا اور بالآخر اسی حالت میں راہئی ملک عدم ہوا۔

حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے حق میں جانے والی ایک فیصلہ کن شہادت کوطلب کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ شہادت پیر مہر علی شاہ گولڑوی کی تھی، جسکی مستغیث کرم دین کے ساتھ خط وکتابت رہی تھی اور محمد حسن متوفی کے نوٹوں اور پیر صاحب کے خط بنام کرم دین (جسکی اخبار الحکم نے نقل شائع کی تھی) کے بارے میں ان کا بیان فیصلہ کن ہوسکتا تھا۔ اس طرح پراس نے عدل وانصاف کا بھی خون کیا۔

اب یہ مقدمہ اتنی سنگین صورت اختیار کر چکا تھا کہ بعض نیک دل مسلمان شرفاء نے اپنی طرف سے چاہا کہ فریقین میں کسی طرح مصالحت کرادی جائے تاکہ مقدمہ جہاں ہے، وہیں ختم ہوجائے۔ ان مصالحت کنندگان میں منشی غلام حیدر خان صاحب تحصیلدار پنڈ دادنخان (ضلع جہلم) اور شیخ خدا بخش صاحب ڈسٹرکٹ جج، گورداسپور، کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ان کوششوں کا جواب حضرت بانیٔ سلسلہؑ نے مؤمنانہ فراست اور حقیقت پسندانہ جرأت کے ساتھ یہ دیا کہ فرمایا مولوی کرم دین صاحب نے سراسر کذب بیانی سے کام لیتے ہوئے نہ صرف اپنے خطوط اور مضامین کا انکار کیا ہے، بلکہ خود مجھ پر بھی بذریعہ اخبار ''سراج الاخبار' جعلسازی کا الزام عائد کیا ہے۔ تاہم اگر وہ صرف یہ کریں کہ عدالت میں یہ اقرار کر دیں کہ ہردو خطوط جو اس نے مجھے لکھے اور ہر دو مضامین جو اخبار سراج الاخبار میں شائع ہوئے، انہی کے ہیں، تو میں مصالحت کرنے کیلئے تیار ہوں اور اس طرح مجھ پر جعلسازی کا الزام بھی دور ہو جائیگا۔ لیکن مولوی کرم دین یہ بیان دینے کیلئے تیار نہ ہوا۔ اس پر دوسری تجویز آپ نے اس کے سامنے یہ رکھی کہ اگر وہ عدالت میں یہ بیان نہیں دینا چاہتے تو مؤکد بعذاب قسم کھالیں کہ خطوط اور مضامین محولہ بالا میرے نہیں۔ دوسری طرف میں قسم کھاتا ہوں کہ میں نے کذّاب اور لئیم کے الفاظ ان کی نسبت اس یقین کی بنا پر لکھے تھے کہ وہ خطوط اور مضامین ان کے ہیں اور جھوٹے پر خدا کی لعنت ہو۔ مگر مولوی کرم دین یہ قسم کھانے پر بھی راضی نہ ہوا۔ چنانچہ مقدمہ جاری رہا۔

یہ مقدمہ ایک طویل مدت تک چلتا رہا۔ مجسٹریٹ تاریخوں پر تاریخیں دیتا چلا گیا اور بالآخر اس نے ۸/اکتوبر ۱۹۰۵ء کا دن فیصلہ سنانے کیلئے مقرر کیا۔ جب یہ دن آیا، تو حضرت بانیٔ سلسلہؑ اور آپکے رفقاء عدالت سے باہر اس انتظار میں تھے کہ کب اندر سے آواز پڑتی ہے۔ اس دوران ایک عجیب ماجرا ہوا۔ آپ اپنے رفقاء کے ساتھ درختوں کے نیچے ٹہل رہے تھے کہ اچانک ٹہلتے ٹہلتے رک گئے اور حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''مولوی صاحب! کیا دیکھتا ہوں کہ میرا رومال گر گیا ہے اور پھر ٹٹو لنے پر مل گیا ہے''

پھر تھوڑی دیر ٹھہر کر فرمایا:

''معلوم ہوتا ہے کچھ جرمانہ ہوگا، مگر معاف ہو جائیگا''

ابھی آپ نے اتنا ہی فرمایا تھا کہ اندر سے عدالت میں حاضر ہونے کی آواز پڑ گئی۔ اور پھر بعینہٖ وہی ہوا جو آپ نے کشفاً دیکھا تھا۔ یعنی مجسٹریٹ نے حضرت بانیٔ سلسلہؑ کو قصوروار ٹھہراتے ہوئے آپؑ پر سات سو روپے جرمانہ کر دیا۔ یہ جرمانہ کی رقم اسی وقت ادا کر دی گئی[۱]

جرمانہ کی ادائیگی کا قصہ اور اس موقع پر آتما رام کی بوکھلاہٹ کا بیان بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ اس کی مختصر روئداد یہ ہے کہ جونہی اس نے فیصلہ سنایا، حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے وکیل، خواجہ کمال الدین صاحب، نے مبلغ سات سو (۷۰۰) روپے کے نوٹ گن کر عدالت کی میز پر رکھ دئے۔ دیکھنے والے بتاتے ہیں کہ جونہی یہ نوٹ میز پر رکھے گئے، آتما رام کا رنگ فق ہو گیا اور وہ کھسیانوں کی طرح نوٹوں کو الٹنے پلٹنے لگ گیا۔ اچانک اسکی نظر ایک ایسی چیز پر پڑی، جسے دیکھ کر اسکی آنکھیں چمک اٹھیں۔ بات یہ تھی کہ اس زمانہ میں کرنسی نوٹوں پر الگ الگ علاقوں کے نام لکھے ہوتے تھے مثلاً لاہور۔ کلکتہ۔ کراچی وغیرہ۔ اور دوکاندار عموماً اپنے ہی علاقہ کے نوٹ قبول کرتے تھے۔ مگر سرکاری طور پر ایسی کوئی پابندی نہ تھی۔ اب ان نوٹوں پر جو عدالت میں پیش کئے گئے، کراچی اور مدراس لکھا تھا۔ جونہی آتما رام نے یہ دیکھا، وہ بول اٹھا: 'یہ نوٹ قابل قبول نہیں'۔ خواجہ صاحب اسکی نیت بھانپ گئے۔ چنانچہ انہوں نے کہا۔ 'اچھا، آپ لکھ دیں کہ سات سو روپے کے کرنسی نوٹ پیش کئے گئے، مگر کراچی اور مدراس لکھا ہونے کے باعث عدالت نے قبول نہیں کئے'۔ اِدھر آتما رام کو بھی احساس ہو گیا کہ اس کا یہ حربہ کارگر نہیں ہوسکیگا، کیونکہ حکومت اپنی عملداری کی حدود میں اپنے نوٹوں کا انکار نہ کرسکتی تھی۔ چنانچہ چاروناچار اسے وہ نوٹ قبول کرنے پڑے۔

(بحوالہ 'الحکم'، قادیان، مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۰۵ء

نیز ''تاریخ احمدیت''، حصہ سوم، ص: ۳۱۰)

....

[۱] اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۵۰۰ روپے حضرت بانیٔ سلسلہؑ پر اور ۲۰۰ روپے حضرت حکیم فضل دین صاحبؓ، مالک ضیاء الاسلام پریس، پر عائد کئے گئے۔ چونکہ مجسٹریٹ کی نیت اچھی نہیں دکھائی دے رہی تھی، لہٰذا یہ رقم حفظ ماتقدم کے طور پر آپکے مخلص رفیق، حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ، رئیس مالیر کوٹلہ، نے ایک دن پہلے ہی گورداسپور بھجوادی تھی۔

دراصل جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے، آتمارام کی نیت تو پہلے دن سے ہی خراب تھی۔ اب جو فیصلے کا دن آیا، تو اس کی تمام شرارت اور کمینگی اچھل کر باہر آ گئی۔ چنانچہ، فیصلہ سنانے کیلئے اسنے دن وہ مقرر کیا، جو ہفتے کا آخری دن تھا۔ اگلا دن بوجہ اتوار ہونے کے چھٹی کا دن تھا۔ دوسرے، وقت ایسا مقرر کیا کہ برخاست عدالت میں بہت تھوڑا وقت باقی رہ جائے۔ اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ غیر متوقع جرمانہ کی عدم ادائیگی کی صورت میں وہ حضرت بانیٔ سلسلہؑ کو کم از کم دو راتیں اور ایک دن قید میں رکھ سکیگا۔ اسکی اس بدنیتی کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ فیصلہ کے دن اس نے پولیس کا اچھا خاصہ انتظام کر رکھا تھا اور کمرۂ عدالت میں اندر اور باہر سپاہی متعین کرر کھے تھے۔ مگر آتمارام کی یہ ساری تدبیریں خاک میں مل گئیں۔

حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام تو فیصلہ ہونے اور جرمانہ کی ادائیگی کے فوراً بعد واپس قادیان تشریف لے آئے۔ اُدھر مولوی کرم دین بھی خوش خوش اپنے گھر کو لوٹا۔ مگر اسکی یہ عارضی خوشی زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی، کیونکہ فیصلہ کے خلاف فوراً ہی امرتسر کی سیشن کورٹ میں اپیل داخل کرا دی گئی۔ اس اپیل کا فیصلہ ۷ جنوری ۱۹۰۶ء کو سنایا گیا۔ سیشن جج، مسٹر اے۔ ای۔ ہری (A.E.Hurry) نے حضرت بانیٔ سلسلہؑ کو ماتحت عدالت کی طرف سے عائد کردہ تمام الزامات سے بری قرار دے کر ہر دو جرمانہ جات (یعنی ۵۰۰ اور ۲۰۰ روپے کی رقوم) کی واپسی کا حکم دیا۔ فاضل جج کے اپنے فیصلہ میں دیئے ہوئے ریمارکس پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس نے لکھا:

”بہت ہی افسوس ہے کہ ایسے مقدمہ میں جو کاروائی کے ابتدائی مراحل میں ہی خارج ہو جانا چاہئے تھا، اس قدر وقت ضائع کیا گیا ہے۔ لہٰذا ہر دو ملزمان یعنی مرزا غلام احمد اور حکیم فضل دین، بری کئے جاتے ہیں۔ ان کا جرمانہ واپس کیا جائے“

(اخبار الحکم ۲۴ جنوری ۱۹۰۵ و تاریخ احمدیت، حصہ سوم، ص، ۳۱۰)

اس فیصلے سے حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کا دو سال پہلے کا وہ الہام پورا ہو گیا، جس میں آپ کو بشارت دی گئی تھی کہ ”عدالت عالیہ نے اسے بری کر دیا ہے“۔ نیز وہ الہام بھی پورا ہوا جس کے الفاظ تھے:

سَاُکْرِمُکَ بَعْدَ تَوْھِیْنِکَ

یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ تیری توہین کے بعد تمہیں دوبارہ عزت عطا فرمائے گا۔

بریت اور تکریم کے بارے میں ملنے والی بشارات پر مشتمل ان ہر دو الہامات کا یوں پورا ہونا آپ کی صداقت اور آپ کے منجانب اللہ ہونے کا ایک زبردست ثبوت تھا۔ دنیا میں کون شخص ہے، جو کسی خطرناک فوجی مقدمہ میں ملوث ہو، عدالت کے جج وغیرہ اس کے خلاف ہوں بلکہ تعصب سے بھرے ہوئے ہوں اور ہر ممکن طور پر اسے سزا دینے پر آمادہ ہوں۔ اور وہ بڑے زور یہ اعلان کر رہا ہو کہ خدا اس کی بریت فرمائے گا؟ کیا خدا کے فرستادوں کے سوا اس کی کہیں اَور مثال مل سکتی ہے؟

پھر عدالت عالیہ کے فیصلہ کی طرف واپس لَوٹتے ہوئے فاضل جج نے مستغیث کی نسبت اپنے فیصلے میں جو الفاظ تحریر کئے، وہ بھی حیرت انگیز طور پر حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کو اس مقدمہ کے بارے میں دی جانے والی آسمانی بشارات کہ دشمن کی بلا اسی کے اوپر لَوٹا دی جائے گی، کی عین تعبیر تھے، جیسا کہ لکھا:

> ''مستغیث (کرم دین۔ ناقل) 'کذّاب' اور 'لئیم' وغیرہ الفاظ، جو موجب ازالۂ حیثیتِ عرفی سمجھے گئے، کا مستحق تھا۔ اگر اپیلانٹ ان الفاظ سے بڑھ کر کرم دین کے حق میں استعمال کرتا، تو بھی وہ ان کا مستحق تھا''

(ملخص از حاشیہ حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد ۲۲، ص ۳۹۵)

اسی طرح عدالت عالیہ کے فیصلے کے ان الفاظ سے حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی وہ پیشگوئی بھی پوری ہوگئی، جو اس فارسی الہام میں موجود تھی، جو بمطابق اخبار الحکم مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۰۴، آپکو ان دنوں میں جبکہ ابھی مقدمہ گورداسپور کی ذیلی عدالت میں چل رہا تھا، ہوا اور جس کے الفاظ یہ تھے:

''معنیٔ دیگرم نہ پسندیم ما'' (کہ میں دوسرے معنی پسند نہیں کرتا)

اس الہام کے ذریعے گویا آپکو پہلے ہی خدا تعالیٰ نے بتا دیا تھا کہ لفظ ''کذاب'' اور ''لئیم'' کے وہ پُر تکلف معنی جو کرم دین کر رہا تھا اور جو ماتحت عدالت نے تسلیم کر لئے تھے، دوسری عدالت میں قائم نہیں رہینگے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، جیسا کہ آپ فرماتے ہیں:

> ''مولوی کرم الدین کے مقدمہ میں جو گورداسپور میں دائر تھا، کرم دین مذکور اس بات پر زور دیتا تھا کہ 'لئیم' کے لفظ کے معنی 'ولد الزنا'، اور 'کذاب' کے یہ معنی ہیں 'جو ہمیشہ جھوٹ بولتا ہو'۔ یہی معنی پہلی عدالت نے قبول کئے۔ ان دنوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے الہام ہوا، 'معنیٔ دیگرم نہ پسندیم ما'، جس سے یہ تفہیم ہوئی کہ دوسری عدالت میں یہ معنے قائم نہیں

رہیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور اپیل کی عدالت میں صاحب ڈویژنل جج نے ان تمام عذرات کو ردّ کر دیا اور لکھا کہ کذّاب اور لئیم کے الفاظ کرم دین کے مناسب حال ہیں بلکہ اس سے بڑھ کر الفاظ کا بھی مستحق ہے"

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن، جلد ۲۲ ص ۳۹۴)

پھر اس سے بھی عجیب تر یہ ہوا کہ کرم دین کے اخبار 'سراج الاخبار' میں چھپنے والے مضامین کے حوالے سے عدالت عالیہ نے اس کے بارے میں اس سے بھی بڑھ کر سخت ریمارکس دئے، اور وہ ریمارکس فیصلہ کی جز بن کر عدالتی ریکارڈ میں آگئے۔ فاضل جج کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"ان سے دانستہ منصوبہ چال بازی اور خلاف بیانی اور جعل سازی کا ظاہر ہوتا ہے جس پر بے حیائی سے ایک عام اخبار کی سطروں میں دنیا کے سامنے فخر کیا گیا ہے......اندرونی شہادت سے دلالت ہوتی ہے کہ سوائے مستغیث کے کسی اور نے یہ مضامین تحریر نہیں کئے۔ مرزا صاحب کا کوئی مرید ایسا کام نہیں کر سکتا تھا۔ نویسندہ اپنی چالاکی پر نہایت خوش معلوم ہوتا ہے۔ (اِس) نے اُس تحریر کو جو اِس کی بیان کی جاتی ہے، شناخت کرنے میں اس قدر ٹال مٹول کیا ہے کہ ہم اس پر کوئی اعتبار نہیں کر سکتے"

اس سے زیادہ ذلت کسی شریف آدمی کی متصور نہیں کہ عدالت میں، جہاں ہر چیز کا باقاعدہ ریکارڈ رکھا جاتا اور محفوظ کر لیا جاتا ہے، اس کی امانت اور دیانت کی دھجیاں بکھیری گئی ہوں۔

دوسری طرف حضرت بانیٔ سلسلہؑ نے اپنی اس شاندار بریّت کو اللہ تعالیٰ کی خاص تائید و نصرت کا نشان قرار دیتے ہوئے جن الفاظ میں اپنے خدائے بزرگ و برتر کا شکریہ ادا کیا، وہ بھی انسانی تاریخ میں سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں، جیسا کہ فرمایا:

"افسوس کہ میرے مخالفوں کو باوجود اس قدر متواتر نامرادیوں کے میری نسبت کسی وقت محسوس نہ ہوا کہ اس شخص کیساتھ ایک ہاتھ ہے جو ان کے ہر حملے سے اسکو بچاتا ہے اور نہ صرف بچایا بلکہ پہلے سے خبر دیدی کہ وہ بچائیگا اور ہر ایک مرتبہ اور ہر مقدمہ میں خدا تعالیٰ مجھے خبر دیتا رہا کہ میں تجھے بچاؤنگا۔ چنانچہ وہ اپنے وعدہ کے موافق مجھے محفوظ رکھتا رہا"

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن، جلد ۲۲ ص: ۱۲۵)

''اصحاب احمد'' جلد اول، صفحہ ۱۳۴، کے مطابق، حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کے ایک رفیق، حضرت ملک مولا بخش صاحبؓ، جو اسی عدالت میں ایک اہلکار کے طور پر ملازم تھے اور اس وقت مترجم کے فرائض سرانجام دے رہے تھے، اس ساری عدالتی کاروائی کے چشم دید گواہ کے طور پر فرماتے ہیں:

''جب اپیل کا دن آیا، تو حضور کی طرف سے ایک انگریز وکیل لاہور سے آیا ہوا تھا۔ خواجہ کمال الدین صاحب اور مولوی محمد علی صاحب بھی بحیثیت وکلاء حاضر تھے۔ مولوی کرم دین صاحب بھی حاضر تھے۔ اور غالباً سرکاری وکیل اور ان کا وکیل بھی تھا۔ مگر وہاں کسی بحث کا سوال ہی پیدا نہ ہوا۔ جج صاحب نے چھٹتے ہی مولوی کرم دین صاحب سے پوچھا کہ آپ کو یہ شکایت ہے کہ مرزا صاحب نے آپکو جھوٹا کہا۔ انہوں نے کہا، ہاں۔ پھر ان کا بیان سن کر کہا کہ یہ سچ تھا اور جھوٹ نہیں تھا۔ اب وہ بیان تو مسلماً جھوٹا تھا، اس لئے مولوی صاحب یہ تو نہ کہہ سکے کہ سچ تھا۔ مگر یہ کہا۔ نہیں حضور! یہ جھوٹ نہیں، اس کو پالیسی کہتے ہیں۔ اس طرح جھوٹوں اور چوروں کو پکڑنے کو کیا جاتا ہے۔ جج صاحب نے کہا، میں تو یہ پوچھتا ہوں، کیا یہ سچ تھا؟ مولوی صاحب نے پھر کہا کہ نہ حضور! یہ جھوٹ نہیں۔ ایسا جھوٹ گورنمنٹ بھی بولتی ہے، پولوس نے بھی بولا، مسیح نے بھی بولا۔ جج صاحب نے کہا، میں (یہ) نہیں پوچھتا، کس کس نے بولا، سوال یہ ہے کہ خدا کے نزدیک یہ جھوٹ تھا یا سچ؟ مولوی صاحب سٹ پٹائے اور جواب دینے سے پہلو بچانا چاہا۔ مگر جج صاحب نے کہا، آپ گواہ کے کٹہرے (یعنی Witness Box) میں آجاویں، آپکا حلفیہ بیان لیا جاویگا۔ مولوی صاحب نے پس و پیش کی، تو جج صاحب نے ڈانٹ کر کہا۔ 'ادھر آنا ہے، حلفی بیان ہوگا، کوئی قید کا معاملہ نہیں ہے'۔ الغرض کرہاً مولوی صاحب کٹہرہ میں گئے اور ان کو حلف دیا گیا۔ وہیں انہوں نے تسلیم کیا کہ ان کا بیان جھوٹا تھا، مگر کہا کہ جھوٹے کو تو عربی میں کاذب کہتے ہیں، مرزا صاحب نے مجھے کذاب کہا ہے، جس کے معنی ہیں بہت جھوٹا۔ اس پر جج نے کہا۔ اچھا اگر آپ کو صرف جھوٹا کہا جاتا، تو آپ ناراض نہ ہوتے؛ چھوٹے اُلّو اور بڑے اُلّو میں کیا فرق ہوتا ہے'' [۱]

---

[۱] حضرت ملک مولا بخش صاحبؓ حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کے ابتدائی صحابہ میں سے تھے۔ آپ انٹرنس پاس کرنے کے بعد پہلے سیشن کورٹ امرتسر میں بطور کلرک ملازم ہوئے۔ پھر ترقی کرتے کرتے ریڈر مقرر ہو گئے۔ کرم دین والے مقدمہ کی حضورؑ کی طرف سے سیشن کورٹ میں دائر کردہ اپیل کے وقت حضورؑ کی کتب کے متنازعہ حصوں کا ترجمہ کرنے کے فرائض بھی آپ ہی نے سرانجام دیئے۔

غرض، جس طرح اس مقدمہ کی داغ بیل پڑنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کو الہاماً بتا دیا تھا کہ اس میں ایک نشان نہیں بلکہ کئی نشانات پوشیدہ ہیں، جو اپنے اپنے وقت پر ظاہر ہوتے چلے جائینگے (اصل الہام، جو مع تشریح پیچھے درج کیا جاچکا ہے، کے الفاظ یہ ہیں: فِیْہِ اٰیٰتٌ لِلسَّائِلِیْنَ، بعینہ اسی طرح ہوا، یعنی ایک کے بعد دوسرا، دوسرے کے بعد تیسرا اور تیسرے کے بعد چوتھا نشان ظاہر ہوتا چلا گیا۔ اور آپکی عزت اور تکریم بجائے کم ہونے کے اس میں کئی گنا اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اسکے مقابلے میں مولوی کرم دین کی عدالت میں جو رسوائی ہوئی، وہ عدالتی کاروائی کا حصہ بن کر تاریخ کے صفحات پر ایک عبرتناک ورق کے طور پر ہمیشہ کیلئے رقم ہو چکی ہے۔

☆

منکرین احمدیت کے لئے درس عبرت!

مولوی کرم دین کی اُس حالت کا جو ماتحت عدالت میں مقدمہ کے دوران اسکی تھی اور وہ حالت جو عدالت عالیہ کے فیصلہ کے بعد اسکی ہوئی، ان دونوں کا حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام نے بھی ایک دلچسپ مگر عبرتناک نقشہ مندرجہ ذیل اشعار میں کھینچا ہے۔ وہ اشعار ناظرین کی ایمانی حلاوت کی خاطر ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ حضور فرماتے ہیں:

دیکھو وہ بھیں کا شخص کرم دیں ہے جسکا نام ☆ لڑنے میں جس نے نیند بھی اپنے پہ کی حرام
جس کی مدد کے واسطے لوگوں میں جوش تھا ☆ جس کا ہر ایک دشمن حق عیب پوش تھا
جس کا رفیق ہوگیا ہر ظالم و غوی ☆ جس کی مدد کے واسطے آئے تھے مولوی
ان میں سے ایک تھے کہ جو بڑھ بڑھ کے آتے تھے اپنا بیاں لکھانے میں کرتب دکھاتے تھے
ہشیاری مستغیث بھی اپنی دکھاتا تھا ☆ سَو سَو خلاف واقعہ باتیں بناتا تھا
پر اپنے بدعمل کی سزا کو وہ پا گیا ☆ ساتھ اس کے یہ کہ نام بھی کاذب رکھا گیا
کذاب نام اس کا دفاتر میں رہ گیا ☆ چالاکیوں کا فخر جو رکھتا تھا بہہ گیا
اے ہوش وعقل والو! یہ عبرت کا ہے مقام ☆ چالاکیاں تو ہیچ ہیں تقویٰ سے ہوویں کام
جو متقی ہے اس کا خدا خود نصیر ہے ☆ انجام فاسقوں کا عذاب سعیر ہے

(بحوالہ براہین احمدیہ حصہ پنجم، روحانی خزائن، جلد ۲۱، ص: ۲۳)

مولوی کرم الدین کا المناک انجام

معلوم ہوتا ہے، خدا کے مامور کی توہین کی پاداش میں مولوی کرم دین کے لئے اس سے بھی زیادہ ذلت، مسکنت، دکھ اور تکلیف کا منہ دیکھنا مقدر تھا۔ چنانچہ جیسا کہ سلسلہ کے ایک وکیل کی مرسلہ روئداد بتاتی ہے، وہ اپنی عمر کے آخری حصہ میں مسلسل کئی قسم کے صدموں سے دوچار ہونے کے بعد بڑی بری طرح مَوت کا شکار ہوئے۔ پہلے تو یہ ہوا کہ انہوں نے ایک ساس اور داماد کا آپس میں نکاح پڑھ دیا۔ اس کے نتیجے میں ان کے خلاف ان کے اپنے ہی گاؤں میں شور اٹھ کھڑا ہوا۔ چنانچہ ایک بہت بڑے جلسہ میں قریباً دوصد افراد نے حلفاً گواہی دی کہ مولوی کرم دین نے نفسانی لالچ میں آکر ایسا خلاف شرع اقدام کیا ہے۔ نیز اسی جلسہ میں بعض لوگوں نے یہ بھی گواہی دی کہ انہوں نے نکاح پر نکاح پڑھا ہے۔ اس پر انکے خلاف ایک قرارداد پاس ہوئی، جسمیں ان پر ''ننگِ اسلام'' ہونے کا فتویٰ لگایا گیا۔ یہ تو ان کے اپنے ساختہ پرداختہ کی وجہ سے ان کا حال ہوا۔

دوسری ذلت کی مار اُن پر اپنے بیٹے کی وجہ سے پڑی۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۹۴۱ء میں انکے لڑکے منظور حسین نے بعض اَور مجرموں سے مل کر چکوال کے ایس۔ ڈی۔ او۔ کو قتل کر دیا۔ واردات کرنے کے بعد وہ فرار ہو گیا۔ اس پر پولیس اس کے باپ مولوی کرم دین کو گرفتار کر کے انہیں ان کے بیٹے کی تلاش میں شہر بہ شہر لئے پھرتی رہی۔ اسی طرح ان کی بیوی بھی کئی دن پولیس کی تحویل میں رہی۔ جب اس طرح بھی منظور حسین کا کوئی سراغ نہ ملا، تو مولوی کرم دین کی جائداد بحق سرکار ضبط کر لی گئی۔ اسکے کچھ عرصہ بعد اخبار ''بھارت'' میں یہ خبر شائع ہوئی کہ منظور حسین پولیس مقابلہ میں مارا گیا ہے، جیسا کہ اخبار مذکورہ کی ۲۹ نومبر ۱۹۴۲ء کی اشاعت میں چھپنے والی ذیل کے خبر سے ظاہر ہے:

> **''مسٹر چودھری، آئی۔ سی۔ ایس۔ ڈی۔ او چکوال کا چھ جولائی ۱۹۴۱ء کی رات کو بمقام ڈومن تحصیل چکوال قتل ہوا۔ اس کے قاتل عبدالعزیز ولد حیات محمد اور منظور حسین ولد کرم دین بھیں تھے۔ ہر دو قاتل بھاگ کر علاقہ غیر میں چلے گئے تھے۔ تقریباً ایک سال بعد بنوں میں ان کی پولیس سے مٹھ بھیڑ ہو گئی۔ منظور حسین اس لڑائی میں مارا گیا''**

اس طرح مولوی کرم دین صاحب کو بڑھاپے میں اپنے جوان بیٹے کے یوں قتل ہو جانے کا صدمہ بھی سہنا پڑا اور ذلت بھی نصیب ہوئی۔ ان پے در پے صدمات نے ان کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ آخر وہ خود بھی، جبکہ وہ حافظ آباد میں تھے، چھت کی منڈیر پر سے گر جانے کے باعث موت کا شکار ہو گئے۔

آتمارام مجسٹریٹ کی نسبت ظاہر ہونے والا

عبرت کا نشان

خود آتمارام مجسٹریٹ کی نسبت بھی عبرت کا ایک نشان ظاہر ہوا، اور وہ یہ ہے کہ جن دنوں وہ اپنا فیصلہ لکھنے والا تھا اور اسکے تیور بدلے ہوئے تھے، حضرت بانیٔ سلسلہؑ کو کشفاً دکھایا گیا کہ اسکی اولاد پر کوئی آفت آنے والی ہے۔ چنانچہ آپ نے دیکھا کہ

''ایک شیر آیا ہے اور وہ آتمارام کے دولڑکے اٹھا کر لے گیا ہے'' [۱]

خدا کی یہ قہری تقدیر آتمارام کی نسبت یوں پوری ہوئی کہ ابھی وہ اپنے مکروہ منصوبے پر عمل بھی نہ کر پایا تھا کہ اسکے دو، نوجوان بیٹے یکے بعد دیگرے طاعون سے ہلاک ہو گئے۔ اس سارے واقعہ پر حسرت اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے حضرت بانیٔ سلسلہؑ فرماتے ہیں:

''آتمارام نے اس مقدمہ میں اپنی نافہمی کی وجہ سے پوری غور نہ کی اور مجھ کو سزائے قید دینے کیلئے مستعد ہو گیا۔ اُس وقت خدا نے میرے پر ظاہر کیا کہ وہ آتمارام کو اسکی اولاد کے ماتم میں مبتلا کریگا۔ چنانچہ یہ کشف میں نے اپنی جماعت کو سنا دیا۔ اور پھر ایسا ہوا کہ قریباً بیس پچیس دن کے عرصہ میں دو بیٹے اس کے مر گئے۔ اور آخر یہ اتفاق ہوا کہ آتمارام سزائے قید تو مجھ کو نہ دے سکا۔ اگرچہ فیصلہ لکھنے میں اس نے قید کرنے کی بنیاد بھی باندھی۔ مگر اخیر پر خدا نے اس کو اِس حرکت سے روک دیا۔ لیکن تاہم اس نے سات سو روپیہ جرمانہ کیا۔ پھر ڈویژنل جج کی عدالت سے عزت کے ساتھ مَیں بری کیا گیا...... اور میرا جرمانہ واپس ہوا، مگر آتمارام کے دو بیٹے واپس نہ آئے''

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن، جلد ۲۲، ص: ۱۲۵)

[۱] حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے رفیق، قاضی محمد یوسف صاحبؓ، کی کتاب ''ظہور احمد'' صفحہ ۵۱ و ۵۲ کے مطابق:
''حضورؑ نے رؤیا دیکھا کے ایک شیر آتمارام کے دونوں لڑکے اٹھا کر لے گیا۔ اِدھر حضرت صاحب نے رؤیا سنائی، اُدھر آتمارام کو تار آ گئی کہ آپ کے لڑکے کو طاعون ہو گیا۔ (اس کے) دو جوان لڑکے یکے بعد دیگرے طاعون سے مر گئے'' (بحوالہ ''تذکرہ'' طبع چہارم، صفحہ ۸۱۸)

آتمارام کو اپنے بیٹوں کی وفات کا ایسا صدمہ ہوا کہ وہ نیم پاگل سا رہنے لگ گیا۔ یہ غم اسکی ساری زندگی کا روگ بن گیا۔ اس کا پتہ اس طرح چلتا ہے کہ حضرت بانی سلسلہؑ کی وفات کے ایک لمبا عرصہ بعد جب وہ ایکبار آپکے بڑے فرزند حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب، خلیفۃ المسیح الثانیؓ، سے لدھیانہ ریلوے سٹیشن پر ملا (آپ اُس وقت بذریعہ ریل گاڑی دہلی تشریف لیجا رہے تھے) تو بڑے الحاح سے کہنے لگا کہ دعا کریں، خدا مجھے صبر کی توفیق دے، مجھ سے بڑی غلطیاں ہوئی ہیں اور میری حالت ایسی ہو گئی ہے کہ میں ڈرتا ہوں، کہیں پاگل نہ ہو جاؤں۔ نیز کہا کہ میرا اب ایک ہی اَور بیٹا ہے۔ دعا کریں کہ خدا اسے اور مجھے محفوظ رکھے اور کسی مزید صدمہ میں مبتلا نہ کرے۔

........☆........

تعارف: حضرت ملک مولا بخش صاحبؓ، جن کا ذکر پیچھے متن اور حاشیئے میں آیا ہے، حضرت بانی سلسلہ علیہ السلام کے ابتدائی صحابہ میں سے تھے۔ آپ کا سن بیعت ۱۹۰۰ء ہے۔ آپ انٹرنس پاس کرنے کے بعد پہلے سیشن کورٹ امرتسر میں بطور کلرک ملازم ہوئے۔ پھر ترقی کرتے کرتے ریڈر مقرر ہو گئے۔ کرمدین والے مقدمہ کی حضورؑ کی طرف سے سیشن کورٹ میں دائر کردہ اپیل کے وقت حضورؑ کی کتب کے متنازعہ حصوں کا ترجمہ کرنے کا کام آپ ہی کے سپرد تھا۔ لہٰذا آپ اس ساری گفتگو کے جو سیشن جج (مسٹر اے۔ ای۔ ہری) اور مولوی کرمدین کے مابین ہوئی اور جس کا حوالہ پیچھے حاشیہ میں دیا گیا ہے، چشم دید گواہ ہیں۔

(بحوالہ ''اصحاب احمد'' جلد اول، ص ۱۳۴)

☆ ☆ ☆

حضرت بانیٔ سلسلہؑ پر بننے والا

پانچواں فوجداری مقدمہ

(ڈپٹی انسپکٹر پولیس محمد بخش کی جانب سے کھڑا کیا جانے والا مقدمہ)

ایک پچھلے (ڈاکٹر مارٹن کلارک والے) مقدمہ کے سلسلے میں بتایا گیا ہے کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی، جنہوں نے حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کی مخالفت کی قسم کھا رکھی تھی، دوران مقدمہ اپنی شہادت دیتے وقت کس قدر ذلیل اور خوار ہوئے۔ نیز یہ کہ انکی شہادت بھی بوجوہ قابل اعتبار نہ سمجھی گئی۔ تیسرے، انکی خواہش کہ وہ حضرت بانیٔ سلسلہؑ کو ایک مجرم کی شکل میں دیکھیں اور آپکو سزا ملے، بھی پوری نہ ہوسکی۔ غالباً اپنی اسی ناکامی اور خفت کو مٹانے کی غرض سے یا اپنی ازلی دشمنی کی بنا پر انہوں نے آپ کو عوام الناس کی نظروں میں گرانے اور ذلیل کرنے کا نہایت گھٹیا اور تہذیب و اخلاق کے جملہ تقاضوں کے منافی ایک ایسا طریقہ ایجاد کیا، جو آپؑ اور آپؑ کے متبعین کی سخت دلآزاری کا موجب بننے لگا۔ اسکی روئداد کچھ اس طرح ہے کہ پہلے اپنے دو بد باطن اور بدزبان رفیقوں، جن میں سے ایک کا نام جعفر زٹلی اور دوسرے کا نام ابو الحسن تبّتی تھا، کی طرف سے وہ حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے خلاف کذب و افتراء سے بھرے ہوئے اشتہار لکھواتے اور شائع کرواتے۔ پھر ان کے حوالے سے وہی گندے الفاظ اپنے رسالہ ''اشاعت السنۃ'' میں لکھ کر اور ان پر پہلے سے بھی زیادہ گندے پیرایہ میں حاشیہ آرائی کر کے شائع کر دیتے۔ حضرت بانیٔ سلسلہؑ کو جب انکی اس نئی اور انوکھی شرارت کا علم ہوا، تو آپؑ درد سے بھر گئے۔ چنانچہ آپؑ نے اپنے مولا کے حضور مندرجہ ذیل الفاظ میں دعا کی:

> ''اے میرے ذوالجلال پروردگار۔ اگر میں تیری نظر میں ایسا ہی ذلیل اور جھوٹا ہوں اور مفتری ہوں جیسا کہ محمد حسین بٹالوی نے اپنے رسالہ اشاعت السنۃ میں بار بار مجھ کو کذاب اور دجال اور مفتری کے لفظ سے یاد کیا ہے اور جیسا کہ اس نے اور محمد بخش جعفر زٹلی اور ابوالحسن تبّتی نے اس اشتہار میں جو ۱۰ نومبر ۱۸۹۸ء کو چھپا ہے، میرے ذلیل کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، تو اے میرے مولا، اگر میں تیری نظر میں ایسا ہی ذلیل ہوں، تو مجھ پر تیرہ ماہ کے اندر یعنی پندرہ دسمبر ۱۸۹۸ء سے پندرہ جنوری ۱۹۰۰ء تک ذلت کی مار وارد کر اور ان لوگوں کی عزت اور وجاہت ظاہر کر اور اس روز کے

جھگڑے کو فیصلہ فرما۔لیکن اگر اے میرے آقا! میرے مولیٰ! میرے منعم! میری ان نعمتوں کے دینے والے، جوتُو جانتا ہے اور میں جانتا ہوں، تیری جناب میں میری کچھ عزت ہے،تو میں عاجزی سے دعا کرتا ہوں کہ اِن تیرہ (۱۳) مہینوں میں جو ۱۵ دسمبر ۱۸۹۸ء سے ۱۵ جنوری ۱۹۰۰ء تک شمار کئے جائینگے، شیخ محمد حسین اور جعفر زٹلی اور تبّتی مذکور کو جنہوں نے میرے ذلیل کرنے کیلئے یہ اشتہار لکھا ہے، ذلت کی مار سے دنیا میں رسوا کر''

اس دعا کے جواب میں آپؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ الہام ہوا:

''میں ظالم کو ذلیل اور رسوا کرونگا اور وہ اپنے ہاتھ کاٹے گا''

اسکے علاوہ آپؑ کو بعض اَور عربی الہامات بھی ہوئے جن کے الفاظ یہ تھے:

اِنّ الّذِین یَصُدّونَ عَن سَبیلِ اللّٰہِ سَینا لُھُم غَضبٌ مِّن رّبِّھِم،ضَربُ اللّٰہِ اَشَدُّ مِن ضَربِ النّاسِ،اِنّما اَمرُنا اِن اَردنَا شَیئًا اَن نّقُولَ لَہٗ کُن فَیکُون ، أ تعجَبُ لِاَمرِی ، اِنّی مَعَ العُشّاقِ ، اِنّی اَنَا الرّحمٰنُ ذُوالمَجدِ وَالعُلٰی وَیَعُضُ الظّالِمُ عَلٰی یَدَیہِ وَ یُطرَحُ بَینَ یَدَيَّ، جَزَاءُ سَیّئَۃٍ بِمِثلِھَا وَ تَرھَقُھُم ذِلّۃٌ. مَا لَھُم مِنَ اللّٰہِ عَاصِمٌ فَاصبِر حَتّٰی یَاتِیَ اللّٰہُ بِاَمرِہٖ ، اِنّ اللّٰہَ مَعَ الّذِینَ اتّقَوا وّ الّذِینَ ھُم مُّحسِنُون [۱]

---

[۱] اِن کلمات کا ترجمہ یہ ہے:

'جولوگ اللہ تعالیٰ کی راہ سے روک رہے ہیں، ان پر ان کے رب کی طرف سے غضب نازل ہوگا۔اللہ کی مار لوگوں کی مار سے زیادہ سخت ہوتی ہے۔ہم جب کسی بات کا ارادہ کرتے ہیں، تو اسکے متعلق ہمارا حکم یہ ہوتا ہے کہ ہو جا،تو وہ ہو جاتی ہے۔کیا تم میرے حکم پر تعجب کرتے ہو۔ میں عاشقوں کے ساتھ ہوں۔ میں ہی ہوں رحمت کرنے والا، پاکیزگی کا مالک۔ اور ظالم اپنے دونوں ہاتھ کاٹے گا اور میرے سامنے پھینکا جائیگا۔ بدی کا بدلہ ویسا ہی ہوگا۔اور ان لوگوں پر ذلت طاری ہوگی۔اللہ (کے عذاب) سے کوئی نہیں بچا سکیگا۔پس صبر کرو اس وقت تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم نافذ کرے۔اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے، جو تقویٰ اختیار کرتے اور نیکوکار ہوتے ہیں'

آپ نے یہ جملہ الہامات ایک اشتہار کی صورت میں مورخہ ۲۱ نومبر ۱۸۹۸ء میں شائع فرمادئے۔ نیز تحریر فرمایا کہ

''یہ خدا کا فیصلہ ہے جس کا ماحصل یہی ہے کہ ان دونوں فریقوں میں سے جن کا ذکر اس اشتہار میں ہے یعنی یہ خاکسار ایک طرف اور شیخ محمد حسین اور جعفر زٹلی اور مولوی ابوالحسن تبّتی دوسری طرف، خدا کے حکم کے نیچے ہیں۔ ان میں سے جو کاذب ہے، وہ ذلیل ہوگا۔ یہ فیصلہ چونکہ الہام کی بنا پر ہے، اس لئے حق کے طالبوں کے لئے ایک کھلا کھلا نشان ہوکر ہدایت کی راہ ان پر کھولیگا......اور عربی الہامات کا خلاصہ مطلب یہی ہے کہ جو لوگ سچے کی ذلت کیلئے بدزبانی کررہے ہیں اور منصوبے باندھ رہے ہیں، خدا ان کو ذلیل کریگا اور میعاد پندرہ دسمبر ۱۸۹۸ء سے تیرہ مہینے ہیں، جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے۔ اور چودہ دسمبر ۱۸۹۸ء تک جو دن ہیں، وہ توبہ اور رجوع کیلئے مہلت ہے۔ فقط''

(اشتہار ۲۱ نومبر ۱۸۹۸ء بحوالہ 'مجموعہ اشتہارات' جلد سوم ص ۵۷ تا ۶۲)

اس کی مزید تشریح کے طور پر آپ نے حاشیہ میں یہ بھی تحریر فرمایا کہ

''اس فیصلہ کو خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ اب اگر میں جھوٹا اور دجال اور ظالم ہوں، تو فیصلہ شیخ محمد حسین کے حق میں ہوگا۔ اور اگر محمد حسین ظالم ہے، تو فیصلہ میرے حق میں ہوگا۔ وہ خدا ہر ایک کا خدا ہے۔ جھوٹے کی کبھی تائید نہیں کریگا۔ اب آسانی سے یہ مقدمہ مباہلہ کے رنگ میں آگیا۔ خدا تعالیٰ سچوں کو فتح بخشے۔ آمین''

مولوی محمد حسین بٹالوی نے دراصل شرارت کا یہ انوکھا اور شرافت سے گرا ہوا طریق اختیار ہی اس لئے کیا تھا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ڈاکٹر مارٹن کلارک والے مقدمہ میں حاکم عدالت نے حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی بریت کا اعلان کرتے وقت آپ سے اس مضمون کی ایک ہدایت پر دستخط کرائے تھے کہ آپ آئندہ اپنی تحریرات میں ایسے کلمات استعمال نہیں فرمائیں گے، جن سے دوسروں کی دلآزاری ہوتی ہو اور اب اگر آپ اس (مولوی محمد حسین) کے یا اس کے گندہ دہن رفیقوں کے بارے میں کوئی ردّ عمل دکھائیں گے، یعنی ان کے خلاف کوئی تہدیدی بیان وغیرہ دینگے، تو حکام اسے اس محکمانہ ہدایت کی خلاف ورزی پر محمول کرتے ہوئے آپ پر قانونی گرفت کرسکیں گے۔ عملاً ایسا ہی ہوا۔ چنانچہ جونہی یہ اشتہار شائع ہوا، مولوی

محمد حسین بٹالوی نے آسمان سر پر اٹھالیا اور اپنے گروہ کے آدمیوں کو یہ کہکر اکسانا اور اور بھڑکانا شروع کر دیا کہ یہ شخص (یعنی حضرت بانیٔ سلسلہؑ) مجھے قتل کرنا چاہتا ہے۔

اب یہ تو پتہ نہیں چلتا کہ آیا اس (محمد حسین بٹالوی) نے خود پولیس میں جا کر رپورٹ کی یا پولیس نے ازخود ایسا کیا، تاہم ہوا یہ کہ بٹالہ کے ڈپٹی انسپکٹر پولیس، محمد بخش، نے حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے شائع کردہ مذکورہ اشتہار کی آڑلیکر آپ پر گورداسپور کی عدالت میں مقدمہ کھڑا کر دیا، اس بنا پر کہ آپ نے گویا عدالت کی (محولہ بالا) ہدایت کی خلاف ورزی کی ہے۔

اس مقدمہ کا کھڑا ہونا تھا کہ مخالفین کی باسی کڑی میں پھر ابال آ گیا۔ اور ان کے جذبۂ انتقام کی آگ نئے سرے سے بھڑکنے اور جوش مارنے لگی۔ اِدھر مولوی محمد حسین بٹالوی بھی جلتی پر تیل ڈالنے کی غرض سے اپنی کمریں کس کر میدان مخالفت میں اتر آیا۔ اس نے حضرت بانیٔ سلسلہؑ پر بہتان تراشیوں اور افترا پردازیوں کا ایک بہت بڑا طومار تیار کر کے اور اس کا انگریزی میں ترجمہ کرا کے اسے عدالت میں یہ تأثر پیدا کرنے کی غرض سے پیش کیا کہ مرزا غلام احمد کا وجود عوام اور حکومت کیلئے نعوذ باللہ کتنا خطرناک ہے۔ خود ڈپٹی انسپکٹر محمد بخش، جو اس سارے مقدمہ کا بانی مبانی تھا اور حضرت بانیٔ سلسلہؑ سے دلی کدورت رکھتا تھا، اپنے پورے ساز و سامان سے لیس ہو کر مقدمے کو کامیاب بنانے کیلئے سر دھڑ کی بازی لگا چکا تھا۔ اسے اپنے اس مقدمے کی کامیابی پر اس قدر یقین تھا کہ اس نے اپنے زعم باطل میں یہاں تک کہہ دیا کہ 'اب تک تو مرزا بچ کر جاتا رہا ہے، اب وہ میرے ہاتھ دیکھے گا'۔ مگر دوسری جانب احکم الحاکمین خدا بھی اپنے مامور کو بچانے کیلئے آسمان پر تدبیریں فرما رہا تھا۔

ادھر حضرت بانیٔ سلسلہؑ کا درد اور الحاح جو آپ اپنے مولا کے حضور فرما رہے تھے، اس حد تک پہنچ گیا کہ مندرجہ ذیل دعائیہ شعر آپ کا ورد زبان رہنے لگ گیا:

اے تو کہف و ملجا و ماوائے من — خود بروں آ از پئے ابراءِ من

یعنی

'اے میرے خدا! تو میری پناہ اور میری جائے آرام ہے، میرے
بری کرنے کے لئے آپ تجلی فرما'

چنانچہ آپ کی آہ و زاری سُن کر آسمان کا خدا آپ پر رجوع برحمت ہوا۔ سب سے پہلی رحمت کی تجلی اس محسن و مہربان خدا نے یہ دکھائی کہ ابھی مقدمہ شروع ہوئے تھوڑے ہی دن ہوئے تھے کہ آپ نے ایک

عجیب وغریب رؤیا دیکھی۔ آپ فرماتے ہیں:

''میں نے دیکھا کہ کسی نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ اگر تیرا خدا قادر خدا ہے تو تُو اس سے درخواست کر کہ یہ پتھر جو تیرے سر پر ہے، بھینس بن جائے۔ تب میں نے دیکھا کہ ایک وزنی پتھر میرے سر پر ہے۔ اس کو کبھی میں پتھر اور کبھی لکڑی خیال کرتا ہوں۔ تب میں نے یہ معلوم کرتے ہی اس پتھر کو زمین پر پھینک دیا۔ پھر بعد اس کے میں نے جنابِ الٰہی میں دعا کی کہ اس پتھر کو بھینس بنا دیا جائے۔ اور میں اس دعا میں محو ہو گیا۔ جب بعد اسکے میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہ پتھر بھینس بن گیا۔ سب سے پہلے میری نظر اسکی آنکھوں پر پڑی۔ اسکی بڑی روشن اور لمبی آنکھیں تھیں۔ تب میں نے یہ دیکھ کر کہ خدا نے پتھر کو جس کی آنکھیں نہیں تھیں، ایسی خوبصورت بھینس بنا دیا، جسکی ایسی لمبی اور روشن آنکھیں ہیں، اور خوبصورت اور مفید جانور ہے، خدا کی قدرت کو یاد کر کے وجد میں آ گیا اور بلا توقف سجدہ میں گر پڑا۔ اور میں سجدہ میں بلند آواز سے خدا تعالیٰ کی بزرگی کا ان الفاظ سے اقرار کرتا تھا کہ 'رَبِّیَ الاَعلیٰ ، رَبِّیَ الاَعلیٰ' اور اس قدر اونچی آواز تھی کہ میں خیال کرتا ہوں کہ آواز دُور، دُور جاتی تھی''

اس کی تعبیر میں آپ نے فرمایا:

''میں نے اس کی یہ تعبیر کی ہے کہ وہ ظالم طبع مخالف جو میرے پر خلاف واقعہ اور سراسر جھوٹ باتیں بنا کر گورنمنٹ تک پہنچاتے ہیں، وہ کامیاب نہیں ہونگے۔ اور جیسا کہ خدا نے خواب میں ایک پتھر کو بھینس بنا دیا اور اس کو لمبی اور روشن آنکھیں عطا کیں، اسی طرح انجام کار وہ میری نسبت حکام کو بصیرت اور بینائی عطا کریگا اور وہ اصل حقیقت کو پہنچ جائیں گے۔ یہ خدا کے کام ہیں اور لوگوں کی نظروں میں عجیب''

اسی طرح آپ نے اپنے ایک رفیق، چودھری رستم علی صاحبؓ کو خط لکھتے ہوئے تحریر فرمایا:

''ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس مقدمہ کے متعلق یہ خواب ہے کیونکہ پتھر یا لکڑی سے وہ منافق طبع حاکم مراد ہے جس کا ارادہ یہ ہے کہ بدی پہنچاوے اور جسکی آنکھیں بند ہیں اور پھر بھینس بن جانا اور بڑی بڑی آنکھیں ہو جانا، اسکی یہ تعبیر معلوم ہوتی ہے کہ یک دفعہ کوئی ایسے امور

پیدا ہو جائیں، جن سے حاکم کی آنکھیں کھل جائیں''

(مکتوب بنام چودھری رستم علی صاحبؓ، مورخہ ۵فروری ۱۸۹۹ء
بحوالہ مکتوبات احمدیہ، جلد پنجم)

اِس رؤیا کے قریبی عرصہ میں آپ کو بعض اَور الہام بھی ہوئے، جو اس رؤیا کی تائید میں نیز اس مقدمہ سے متعلق بعض اَور مبارک پہلوؤں کی نشاندہی کرنے والے تھے۔ وہ الہامات یہ ہیں:

اِنّ اللّٰہ مَعَ الّذِینَ اتّقَوا وَّ الَّذِینَ ھُم مُحسِنُون،انت مَعَ الَّذِین اتَّقَوا، وَ انت مَعِیَ یا ابراھِیم ، یأتِیکَ نُصرَتی، اِنِّی اَنَاالرَّحمٰن، یا اَرضُ ابلَعِی ما ءَ کِ، غِیضَ الماءُ وَ قُضِیَ الامرُ ، سَلامٌ قولاً مِّن رَّبٍّ رَّحِیم ، وَامتَازُوا الیَومَ اَیُّھا المُجرِمُون ، اِنَّا تَجادَلنا فانقَطَعَ العَدُوُّ و اَسبابُہٗ ، وَیلُ لَّھُم اَنّیٰ یُؤفَکُون. یعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیہِ وَ یُوثَقُ و اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الابرَارِ،وَاِنَّہٗ علیٰ نَصرِھِم لَقَدِیر،شَاھَتِ الوُجُوہُ ، اِنّہٗ مِن آیۃِ اللّٰہِ و اِنَّہٗ فتحٌ عظِیمٌ، انتَ اِسمِیَ الاعلیٰ وانتَ مِنّی بِمَنزِلَۃِ مَحبُوبِین، اِختَرتُکَ لِنَفسِی،قُل اِنِّی اُمِرتُ وَ اَنَا اَوَّلُ المُؤمِنِین''

ان الہامات کا تشریحی ترجمہ آپ نے یوں فرمایا:

''خدا پرہیزگاروں کے ساتھ ہے اور تو پرہیزگاروں کے ساتھ ہے اور تو میرے ساتھ ہے اے ابراہیم۔ میری مدد تجھے پہنچے گی۔ میں رحمان ہوں۔ اے زمین! اپنے پانی کو یعنی خلاف واقعہ اور فتنہ انگیز شکایتوں کو جو زمین پر پھیلائی گئی ہیں، نگل جا۔ پانی خشک ہو گیا اور بات کا فیصلہ ہوا۔ تجھے سلامتی ہے۔ یہ رب رحیم نے فرمایا۔ اور اے ظالمو! آج تم الگ ہو جاؤ۔ ہم نے دشمن کو مغلوب کیا۔ اور اس کے تمام اسباب کاٹ دئے۔ ان پر واویلا ہے، کیسے افترا کرتے ہیں۔ ظالم اپنے ہاتھ کاٹے گا اور اپنی شرارتوں سے روکا جائیگا اور خدا نیکوں کیساتھ ہوگا۔ وہ ان کی مدد پر قادر ہے۔ مونہہ بگڑ ینگے۔ خدا کا یہ نشان ہے اور فتح عظیم ہے۔ تو میرا وہ اسم ہے جو سب سے بڑا ہے اور تو محبوبین کے مقام پر ہے۔ میں نے تجھے اپنے لئے چنا ۔ کہہ، میں مامور ہوں اور تمام مومنوں میں سے پہلا ہوں''

یہ رؤیا اور الہامات آپ نے انہی تشریحات کیساتھ اپنی ایک انہیں دنوں چھپنے والی کتاب 'حقیقۃ المہدی'

میں شائع فرمادئے۔

جیسا کہ ان الہامات کے مفہوم سے پتہ لگتا ہے، یہ مندرجہ ذیل پیشگوئیوں پر مشتمل تھے:

۱۔ یہ کہ حضرت بانیٔ سلسلہؑ ان لوگوں کے پیدا کردہ شر سے کلیۃً محفوظ رہینگے اور آپکی بریت ثابت ہوگی۔ جیسا کہ 'سلامٌ قولًا مِن رّبٍّ رّحِیم' کے الفاظ بتا رہے تھے۔

۲۔ یہ کہ آپکے خلاف الزام تراشیوں اور افتراپردازیوں پر مشتمل بڑی قلمکاری اور چالاکی سے تیار کیا ہوا دشمن کا طومار تمام کا تمام بے اثر اور بے نتیجہ ہوکر رہ جائیگا۔ اس کا پتہ الہام کے الفاظ: 'یا اَرضُ ابلَعِی مَاءَ کِ' اور 'غِیضَ المَاءُ' سے چل رہا تھا۔

۳۔ یہ کہ ان لوگوں کا اپنا جرم کھل کر سامنے آجائیگا، جیسا کہ **وامتازوا الیوم ایھا المجرمون** کے الفاظ بتا رہے تھے۔

۴۔ پھر یہ کہ جو ظالم ہے اور فساد کی اصل جڑھ ہے، وہ اپنی شرارتوں سے روکا جائیگا۔ یہ مفہوم **یَعُضُّ الظَّالِمُ علٰی یدَیہ** کے الفاظ سے پیدا ہورہا تھا۔

۵۔ یہ کہ مجموعی طور پر دشمن کو سخت ندامت اور ہزیمت اٹھانی پڑیگی اور وہ اپنے مقاصد میں ناکام ونامراد رہے گا۔ اس کی طرف **فانقطَعَ العَدُوُّ وَ اَسبابُہ'** اور نیز **شَاھَتِ الوُجُوہُ** کے الفاظ اشارہ کررہے تھے۔

اب اگرچہ اُس وقت تک آپؑ کو مقدمہ کے انجام کی کچھ خبر نہ تھی، نہ یہ معلوم تھا کہ یہ الہامات کس رنگ میں پورے ہونگے۔ تاہم آپؑ کو ان کے پورا ہونے اور انجام کار آپؑ کے فتح اور کامیابی حاصل کرنے پر اس قدر یقین تھا کہ آپ نے تحریر فرمایا کہ یہ میں اس لئے شائع کررہا ہوں

''تاکہ اُس آخری وقت میں جب یہ باتیں پوری ہوں (تو) لوگوں کے ایمان قوی ہوں''

یہ مقدمہ جو گورداسپور میں ایک اَور انگریز مجسٹریٹ، مسٹر جے۔ ایم۔ ڈوئی، کی عدالت میں دائر کیا گیا، شروع شروع میں نہایت ہی سنگین معلوم ہوتا تھا۔ اس کا سرغنہ اور بانی مبانی، محمد بخش، خود ڈپٹی انسپکٹر پولیس تھا، اور ظاہر ہے وہ اپنے عہدہ کے لحاظ سے بھی بڑے اثر ورسوخ کا مالک تھا۔ چنانچہ اس نے بڑی شد ومد کے ساتھ حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے خلاف بیانات دئے، حتیٰ کہ آپ فرماتے ہیں، 'اس نے ناخنوں تک زور لگا کر استغاثہ کو پایۂ ثبوت تک پہنچانے کی کوشش کی۔ مگر آپ جو اپنی بریت کیلئے بڑے

درد اور الحاح کیساتھ دعائیں کر رہے تھے (جیسا کہ آپ کا اوپر بیان کردہ دعائیہ شعر آپ کے اس کرب واضطراب کی ترجمانی کر رہا ہے) آپ کو بالآخر اللہ تعالیٰ نے الہاماً خبر دی کہ

"تیری عزت اور جان سلامت رہے گی اور دشمنوں کے حملے جو اس بدغرض کے لئے ہیں، ان سے تجھے بچایا جائیگا" [۱]

(تریاق القلوب، روحانی خزائن جلد ۱۵۔ ص ۳۱۰)

تاہم مادی اسباب کو بھی آپ نے ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ چنانچہ اپنے قانونی حق دفاع کو بروئے کار لاتے ہوئے آپ نے اپنی صفائی میں ایک مفصل مضمون تیار کر کے عدالت میں پیش کیا، جس میں پہلے تو آپ نے یہ لکھا کہ آپنے کوئی ایسی پیشگوئی نہیں فرمائی، جس سے مولوی محمد حسین یا اسکے ساتھیوں کی جان کو کوئی خطرہ لاحق ہوسکتا ہو۔ دوسرے تحریر فرمایا کہ جو الہام شائع کیا گیا ہے، وہ فریق مخالف کی اپنی مباہلہ کی درخواست کے جواب میں ہے اور یہ درخواست اس نے خود بذریعہ اشتہار اور قلمی خطوط کے کی۔ اور الہام کے الفاظ بھی صرف یہ تھے کہ فریق مخالف کو اسی قدر ذلت پہنچے گی، جس قدر اس نے دوسرے فریق کو پہنچائی ہے۔ الہامی جملہ 'جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ' کے معنی اس کے سوا کچھ اور ہو ہی نہیں سکتے۔ اور فرمایا کہ یہ جزا اس کو مل بھی گئی ہے۔ کیونکہ اس نے میری نسبت ایک فتویٰ کفر تیار کر کے میرا نام کافر اور کذّاب رکھا تھا۔ اب اسی قسم کا فتویٰ خود اس کے خلاف پڑ گیا ہے اور وہی نام جو اس نے مجھے دئے تھے، وہ اس فتویٰ کے رو سے خود اسکے نصیب میں آ گئے ہیں۔ اس سے زیادہ الہام کا منشا نہ تھا۔

پھر تحریر فرمایا کہ جس قسم کے گندے اشتہارات مولوی محمد حسین اور اسکے ہم مشرب لکھتے رہے ہیں اور جس رنگ کے قابل شرم حملے انہوں نے میرے اور میرے اہل بیت کی ننگ و ناموس پر کئے ہیں، انہیں دیکھتے ہوئے جو میں نے کیا، وہ انتہائی شریفانہ اور آخری حربہ کے طور پر تھا۔ یہ اشتہارات لاہور کے گلی کوچوں بلکہ مسجدوں میں بھی چسپاں کئے گئے تھے۔ چنانچہ جب انتہا ہوگئی، تو میں نے ایک میموریل گورنر

---

[۱] آپ فرماتے ہیں: "اس الہام سے میں نے اس جگہ (مراد قادیان۔ ناقل) کے سرگرم اور متعصب آریہ لالہ شرمپت اور لالہ ملاوامل کو بھی قبل از وقت خبر کر دی تھی"۔ وہ اس طرح کہ جب اسی مقدمہ کے سلسلہ میں آپ نے انہیں ایک سچی گواہی دینے کیلئے کہا، تو وہ انکار اور پس و پیش کرنے لگے۔ تب آپ نے بڑے جوش غیرت سے انہیں کہہ دیا کہ 'تمہاری کچھ بھی پرواہ نہیں، مجھے خدا نے بشارت دے دی ہے کہ اس مقدمہ سے میں تمہیں بچالونگا" (تریاق القلوب، صفحہ ۳۰۹)

پنجاب کو بھیجا کہ اس فتنے کا سد باب ہونا چاہئے۔ جب اس پر بھی کوئی ایکشن نہ لیا گیا، تو دوسرا میموریل جناب وائسرائے ہند کو بھیجا گیا۔ مگر انکی طرف سے بھی کوئی جواب نہ آیا اور نہ عملاً کچھ ہوا۔ ظاہر ہے اس سے ان لوگوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ اور جب مجازی حکام کی طرف سے مَیں ناامید ہو گیا، تب میں نے حقیقی حاکم کی طرف رجوع کیا۔ آپ نے اس ڈیفنس کے ساتھ ان گندے اشتہارات کے بعض انتہائی قابل اعتراض حصے بھی بطور نمونہ اور انکی جھوٹی پیشگوئیاں جو اخلاق سے گرے ہوئے الفاظ میں تھیں، اس نتھی فرمادِیں۔[۱]

(خلاصہ از مجموعہ اشتہارات جلد سوم، ص، ۱۱۵ تا ۱۲۶)

ان جملہ مادی اور روحانی کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ مجسٹریٹ پر مقدمہ کی اصل حقیقت کھل گئی اور اس نے پولیس افسر (یعنی ڈپٹی انسپکٹر پولیس، محمد بخش) جو بطور مدعی مقدمے کی پیروی کر رہا تھا، کے جملہ دلائل کو رد کرتے ہوئے آپ کو بری فرما دیا۔

اس موقعہ پر محض تصرف الٰہی سے ایک ایسا لطیفہ رونما ہوا کہ جو حضرت بانیٔ سلسلہ کی صداقت کا ایک بہت بڑا نشان بن گیا۔ جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے، مقدمہ کی سماعت شروع ہونے سے قبل آپ نے جو دفاعی مسودہ (ڈیفنس) عدالت میں جمع کرایا تھا اور جسکے ساتھ مولوی محمد حسین اور اسکے ساتھیوں کی سب وشتم سے بھری ہوئی تحریرات بھی منسلک تھیں، عدالت نے اسے اس خیال سے الگ کر دیا تھا کہ ان کی تحقیقات بعد میں ہوگی۔ عملاً بھی آپ پر قائم ہونے والے مقدمہ میں مولوی محمد حسین (یا اسکے ساتھی) فریق نہ تھے۔ وہ وہاں بن بلائے محض تماشا دیکھنے کی غرض سے آ گئے تھے۔ مگر جونہی مجسٹریٹ نے انہیں عدالت میں موجود پایا، انہیں اندر بلا لیا اور دریافت کیا کہ کیا وہ سب وشتم سے بھری ہوئی تحریرات جن میں حضرت بانیٔ سلسلہ کی نسبت 'دجال' اور 'کافر' وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، ان کی ہیں؟ اس وقت مولوی صاحب کی

---

[۱] یہاں مقدمہ کی نوعیت سمجھنے کیلئے اس امر کی وضاحت ضروری ہے معلوم ہوتی ہے کہ اشتہار مورخہ ۲۱ نومبر ۱۸۹۸ء کے اندر جو کچھ حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام نے تحریر فرمایا تھا، وہ یہ تھا کہ 'ظالم اپنے ہاتھ کاٹے گا''۔ مراد یہ تھی کہ دونوں فریقوں میں سے جو ظالم ہوگا، اسے خدا رسوا کریگا۔ ظاہر ہے کہ اس میں دونوں فریق مخاطب تھے۔ پھر الہامات کے تشریحی ترجمہ میں بھی آپ نے 'ہر دو فریقوں' کے الفاظ استعمال فرمائے تھے، یعنی آپ اور آپ کا مخالف فریق دونوں مراد تھے۔ اس صورت میں مولوی محمد حسین صاحب کا یہ کہنا کہ وہ دعا صرف اسے اور اس کے ساتھیوں کو نقصان پہنچانے کی غرض سے کی گئی تھی، سراسر بہتان اور افترا پردازی تھی۔

حالت دیکھنے والی تھی، کیونکہ ایک تو وہ اچانک یوں عدالت کی گرفت میں آنیکی وجہ سے بھونچکے ہو کر رہ گئے۔دوسرے، ان کیلئے ان کا اقرار کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ وہ تو ان الفاظ سے خود اپنے اخبارات کے اوراق کالے کرتے رہے تھے۔ پھر عدالت نے ان سے محمد بخش زٹلی وغیرہ سے ان کے تعلقات کے بارے میں بھی دریافت کیا۔ظاہر ہے کہ یہ تسلیم کرنے کے سوا بھی ان کے لئے کوئی سبیل نہ تھی۔اس پر فاضل عدالت نے پہلے تو ان سے اس بات کا زبانی اقرار لیا کہ آئندہ حضرت بانی ٔسلسلہؑ کے متعلق دجال، کافر اور کاذب وغیرہ کے القابات وہ استعمال نہیں کرینگے۔نہ ہی قادیان کو چھوٹے 'کاف' سے لکھیں گے اور نہ آئندہ کسی مجلس میں آپکے بارے میں ایسے الفاظ منہ پر لائینگے۔بعدازاں اسی مضمون کے تحریری نوٹس پر ان کے دستخط بھی کروائے گئے۔

یہ واقعہ اس قدر اچانک اور عدالتی معمول سے ہٹ کر رونما ہوا کہ سب دیکھنے والے حیران ہو کر رہ گئے۔دراصل اس میں خدا تعالیٰ کی ایک خاص قدرت اپنا جلوہ دکھا رہی تھی۔حضرت بانی ٔسلسلہؑ کو اللہ تعالیٰ الہاماً بتا چکا تھا کہ 'ظالم اپنے ہاتھ کاٹے گا' جسکی آپنے یہ تشریح فرمائی تھی کہ ''ہاتھ کاٹنے سے مراد یہ ہے کہ جن ہاتھوں سے ظالم نے جو حق پر نہیں ہے، ناجائز تحریر کا کام لیا، وہ ہاتھ اسکی حسرت کا موجب ہونگے اور افسوس کریگا کہ کیوں یہ ہاتھ ایسے کام پر چلے'۔اور یہ الفاظ من وعن پورے ہو گئے۔چنانچہ آپ نے اس سارے عمل کو خدا تعالیٰ کا تصرف اور اس کی قدرت کا نشان قرار دیتے ہوئے جو کچھ فرمایا، وہ ایک بہت بڑی پیشگوئی کے پورا ہونے کا ثبوت بہم پہنچا رہا ہے۔حضور کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

''یہ عجیب کاروبارِ قدرت ہے کہ محمد حسین کو مسٹر ڈوئی صاحب نے مقدمہ سے اس غرض سے الگ کر دیا تھا کہ جو اسکی نسبت الزام ہے، اسکی بعد میں تحقیق ہوگی۔لیکن میرے مقدمہ کی اخیر پیشی پر خود بخود محمد حسین بغیر کسی تعلق کے محض تماشا دیکھنے کے لئے حاضر عدالت ہو گیا۔تب عدالت نے اسکو حاضر پا کر بلا توقف اس سے اس مضمون کے نوٹس پر دستخط کرا لئے کہ آئندہ وہ بدزبانی اور گالیوں اور تکفیر اور تکذیب سے باز رہے گا۔سو اس کو اس وقت کسی نے بلایا نہیں تھا، محض خدا کا ارادہ اس کو کھینچ لایا، تا اس کا یہ پاک کلام پورا ہو کہ محمد حسین کا منہ بدزبانی سے بند کیا جائیگا''

اور پھر خدا کے خاص تصرف سے معرض وجود میں آنے والی اس جملہ کاروائی کو ایک دلچسپ اور

دشمنان حق کیلئے عبرت کا ایک نشان قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جس شخص نے ناحق جوش میں آکر مجھ کو کافر قرار دیا اور میرے لئے فتویٰ تیار کیا کہ یہ شخص کافر، دجال، کذّاب ہے، اس نے خدا تعالیٰ کے حکم سے تو کچھ خوف نہ کیا کہ وہ اہل قبلہ اور کلمہ گو کو کیوں کافر بناتا ہے اور ہزارہا بندگان خدا کو جو کتاب اللہ کے تابع اور شعائر اسلام ظاہر کرتے ہیں، کیوں دائرۂ اسلام سے خارج کرتا ہے۔ لیکن مجسٹریٹ ضلع کی ایک دھمکی سے ہمیشہ کیلئے یہ قبول کرلیا کہ میں آئندہ ان کو کافر اور دجال اور کذاب نہیں کہوں گا۔ اور آپ ہی فتویٰ تیار کیا اور آپ ہی حکام کے خوف سے منسوخ کر دیا اور ساتھ ہی جعفر زٹلی وغیرہ کی قلمیں ٹوٹ گئیں۔ بایں ہمہ رسوائی''

(ملخص از اشتہار مورخہ ۷ار دسمبر ۱۸۹۹، بحوالہ مجموعہ اشتہارات، جلد سوم، ص ۲۰۳۔۲۰۲)

اس تصرف الٰہی پر آپ نے ایک اَور رنگ میں بھی ایک دلچسپ تبصرہ فرمایا، جیسا کہ فرماتے ہیں:

''ایک عقلمند انسان کیلئے یہ ذلت کچھ تھوڑی نہیں کہ اس کے خلاف تہذیب اور بے حیائی اور سفلہ پن کی عادات کے کاغذات عدالت میں پیش کئے جائیں اور پڑھے جائیں اور عام اجلاس میں سب پر یہ بات کھلے اور ہزاروں لوگوں میں شہرت پاوے کہ مولوی کہلا کر ان لوگوں کی یہ تہذیب اور شائستگی ہے۔ اب خود سوچ لو کہ کیا اس حد تک کسی شخص کی گندی کاروائیاں، گندے عادات، گندے اخلاق، حکام پر ظاہر ہونا کیا یہ عزت ہے یا بے عزتی اور کیا ایسے نفرتی اور ناپاک شیوہ پر عدالت کی طرف سے مؤاخذہ ہونا، یہ کچھ سرفرازی کا موجب ہے یا شانِ مولویت کو اس سے ذلّت کا دھبہ لگتا ہے؟''

(اشتہار مورخہ ۷ا دسمبر ۱۸۹۹، بحوالہ مجموعہ اشتہارات جلد سوم، ص ۲۰۵)

دوسرا تصرف الٰہی یہ ہوا کہ عین کمرۂ عدالت کے اندر جبکہ آخری کاروائی کا عمل جاری تھا، حاضرین عدالت جن میں غیر از جماعت وکلاء بھی تھے، نے بھی بزبان حال وقال اس امر کا اعتراف کیا کہ حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی مقدمہ کے بارے میں کی جانے والی پیشگوئیوں کا لفظ لفظ پورا ہو گیا ہے۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے حضورؑ فرماتے ہیں:

''ابھی مسٹر ڈوئی عدالت کی کرسی پر اجلاس فرما کر شیخ محمد حسین صاحب بٹالوی کو فہمائش کر رہے تھے کہ آئندہ وہ تکفیر اور بدزبانی سے باز رہے اور سید بشیر حسین صاحب اور منشی محمد بخش صاحب، ڈپٹی انسپکٹر بٹالہ، عدالت میں حاضر تھے کہ اسی وقت رسالہ 'حقیقۃ المہدی' جسکے صفحہ ۱۲ پر یہ پیشگوئیاں ہیں، عین عدالت کے کمرہ میں مولوی فضل دین صاحب پلیڈر، چیف کورٹ، اور مسٹر برون صاحب پلیڈر، چیف کورٹ [۱] کے ہاتھ میں دیا گیا تھا۔ اور وہ کرسیوں پر بیٹھے ہوئے عدالت کے سامنے ان پیشگوئیوں کو پڑھ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اس وقت یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ اور کمرہ سے باہر نکل کر مسٹر برون صاحب نے شیخ رحمت اللہ صاحب تاجر کو بھی کہا کہ پیشگوئی پوری ہوگئی''

پھر اس پیشگوئی کی عظمت پر ایک اَور انداز سے روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:

''ان معزز وکلاء کے منہ سے یہ باتیں جو اِن کے عہدہ اور شغل سے کچھ مناسبت بھی نہیں رکھتیں، اس لئے بیساختہ نکل گئیں کہ انہوں نے کئی پیشیوں میں بچشم خود مشاہدہ کیا تھا کہ میرے سزا دلانے کیلئے پولیس کی طرف سے (گو نیک نیتی سے) اور نیز شیخ مذکور (مراد، مولوی محمد حسین بٹالوی۔ ناقل) کی طرف سے کیسی جان توڑ کوششیں ہورہی تھیں۔ مگر خدا تعالیٰ نے نہ صرف یہ کیا کہ ان کے تباہ کرنے والے ارادوں سے مجھے بچالیا، بلکہ پیش از وقت مجھے خبر دی کہ وہ ان ارادوں میں ناکام رہینگے۔ سو اس صریح صریح پیشگوئی کے دیکھنے سے جو اس مقدمہ کے انجام کیلئے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوئی، انکے دلوں پر اثر ہوا''

تیسرا تصرفِ الٰہی یہ ہوا کہ اس مقدمہ میں مولوی محمد حسین بٹالوی نے محض جلتی پر تیل ڈالنے کی غرض سے حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی ذات والاصفات پر بہتان تراشی اور افتراپردازی کا جو اتنا بڑا طومار تیار کیا تھا، حاکم عدالت نے اسے دیکھتے ہی ایک طرف رکھ دیا اور اسے ذاتی حسد اور عناد پر محمول کرتے ہوئے شامل مثل کرنیکی ضرورت نہ سمجھی۔ اس طرح پر جو چیز محض فساد کی نیت سے تیار کی گئی تھی، الٰہی تصرف سے بالکل بے اثر ہو کر رہ گئی۔ اس سے الہام الٰہی کے وہ الفاظ بھی پورے ہوگئے، جن میں فرمایا گیا تھا کہ یا

[۱] یہ ہر دو وکلاء آپ کی طرف سے مقدمہ کی پیروی کر رہے تھے۔ اوّل الذکر ایک غیراز جماعت شریف وکیل تھے جبکہ مؤخر الذکر ایک انگریز تھے۔

ارضُ ابلَعِی ماءَ کِ' یعنی 'اے زمین تو اپنا پانی نگل جا'، اور غِیضَ المَاءُ یعنی 'وہ پانی خشک ہو گیا'۔ یہی تشریح حضرت بانی سلسلہؑ نے ان الہامی الفاظ کی فرمائی تھی، یعنی فرمایا تھا کہ 'خلاف واقعہ اور فتنہ انگیز باتیں جو دشمن پھیلا رہے ہیں، اس طرح غائب ہو جائینگی کہ ان کا وجود بھی باقی نہیں رہیگا'۔ چنانچہ جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے، واقعہ میں ایسا ہی ہوا۔

(تریاق القلوب، روحانی خزائن، جلد ۱۵، صفحہ ۳۰۹ تا ۳۱۵)

اسی طرح آپ نے اپنے الہامات میں موجود بعض دیگر پیشگوئیوں کے پورا ہونے پر بھی سیر حاصل تبصرے فرمائے تاکہ ایک طرف اللہ تعالیٰ کا جلال ظاہر ہو، جس نے مقدمہ کی سنگینی کے باوجود آپ کو اپنی تائید و نصرت کی قبل از وقت بشارات دیکر اپنی عظمت کا ثبوت بہم پہنچایا، اور دوسری طرف ان مخالفوں کا منہ بند ہو جائے جو آپ پر افتراء کا الزام لگا کر آپکے دعویٰ ماموریت کا انکار کر رہے تھے۔ جیسا کہ فرمایا:

''اس مقدمہ کے انجام سے خدا تعالیٰ نے پیش از وقت مجھے بذریعہ الہام خبر دیدی کہ وہ مجھے آخر کار دشمنوں کے بد ارادے سے سلامت اور محفوظ رکھے گا اور مخالفوں کی کوششیں ضائع جائیں گی۔ سو ایسا ہی وقوع میں آیا۔ جن لوگوں کو اس مقدمہ کی خبر تھی، ان پر پوشیدہ نہیں کہ مخالفوں نے میرے پر الزام قائم کرنے کیلئے کچھ کم کوشش نہیں کی تھی بلکہ مخالف گروہ نے ناخنوں تک زور لگایا تھا۔ اور افسر مذکور نے میرے مخالف عدالت میں بڑے زور سے شہادت دی تھی لیکن .... آخر میری بریت ہوئی''

(ایضاً ص ۳۱۰ تا ۳۱۲)

پھر الہام کا وہ حصہ کہ جس میں فرمایا گیا تھا: 'اِنّا تَجَادَلنَا فَا نقطَعَ العدُوُّ وَ اَسبَابُهٗ' یعنی 'ہم نے دشمن سے لڑائی کی اور وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ گیا'، اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''پولیس کی طرف سے یہ رپورٹ میری نسبت تھی کہ اس شخص نے عدالت کے نوٹس کی عہد شکنی کی ہے اور الہام کے ذریعہ سے محمد حسین کو عذاب کی دھمکی دی ہے۔ سو پولس کی مراد اور خوشی اس بات میں نہ تھی کہ عدالت مجھ کو اس مقدمہ میں بغیر ضمانت اور سزا کے چھوڑ دے اور پولیس نے زور لگانے میں بھی کمی نہیں کی تھی اور خود اس کا فرض منصبی تھا کہ اپنی پیدا کردہ بات کو ثبوت تک پہنچاوے۔ مگر خدا نے جو دلوں کو جانتا اور حقیقتوں کا واقف ہے، پولس کو اس

کی اس مراد اور ارادہ سے صاف ناکام رکھا۔اسی طرف اشارہ ہے جو اس الہام نے کیا ہے:

'اِنّا تَجادَلنا فَانقطَعَ العَدُوُّ وَ اَسبابُہ'

اس الہام میں خدا تعالیٰ نے یہ جتلایا ہے کہ ہم بھی وکیلوں کی طرح پولیس اور محمد حسین سے لڑیں گے اور آخر فتح ہماری ہوگی۔اور ہم ان کے تمام دلائل اور وجوہ اور اسناد اور شہادت کے کاغذات ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیں گے''

اسی طرح الہام کا وہ حصہ، جس میں فرمایا گیا تھا کہ

'اللہ نیکوں کیساتھ ہے اور انکی مدد پر قادر ہے۔منہ سیاہ ہوگئے۔یہ اللہ کا ایک نشان ہے اور یہ ایک فتح عظیم ہے'

وہ بھی پورا ہوگیا، جیسا کہ اسکی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''جو کچھ مقدمہ کرنے والوں کی مراد تھی، وہ سخت خجالت کے ساتھ اس سے محروم رہیں گے اور جو کچھ بعض ان میں سے کہتے تھے کہ ہم یہ کریں گے اور یہ کریں گے، خدا ان کو مغلوب کریگا۔اور وہ ایسے شرمندہ ہونگے کہ مارے ندامت کے منہ پر سیاہی آجائیگی۔اس روز یہ خدا کا نشان ظاہر ہوگا اور یہ فتح عظیم ہوگی کیونکہ خدا مخالفوں کے تمام منصوبوں کو زیر کریگا۔اور نہ صرف اس لئے فتح کہ وہ مخالفوں کو مغلوب کریگا بلکہ یہ اس لئے بھی فتح عظیم ہوگی کہ خدا نے اس آنے والے دن سے پہلے خبر دیدی تھی''

(یہ معنی الہامی الفاظ، 'اِنّہٗ مِن اٰیَۃِ اللّٰہِ' سے پیدا ہوتے ہیں، کیونکہ کوئی فتح تبھی نشان الٰہی بن سکتی ہے، جب اس کی بشارت پہلے سے دی جا چکی ہو۔ناقل)

(ایضاً ، ص ۳۱۴۔۵)

آخر پر ایک عبرت ناک حقیقت پر سے پردہ اٹھانا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔وہ یہ ہے کہ اس مقدمہ کے بانی، جس نے یہ تعلّی کی تھی کہ 'اب مرزا میرے ہاتھ دیکھے گا'، یعنی محمد بخش ڈپٹی انسپکٹر پولیس، اس پر خدا کے غضب کی ایسی لاٹھی چلی کہ وہ خود عبرت کا ایک نشان بن گیا۔لکھا ہے کہ اس مقدمہ کے تھوڑا عرصہ بعد ہی وہ ایک ایسی تکلیف میں مبتلا ہوگیا، جس نے اس کا جینا حرام کر دیا۔اس کے ہاتھ پر یعنی اسکی ہتھیلی کے اوپر شدید درد شروع ہوگئی، جس سے وہ دن رات تڑپتا رہتا تھا اور اسی تکلیف کی تاب نہ لا کر بالآخر وہ اپنی

جان سے ہاتھ دھو بیٹھا[ا] کوئی کہتا ہے وہ کاربنکل تھا۔ کوئی بتاتا ہے، وہ کوئی خطرناک قسم کا پھوڑا تھا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ اسے اپنا وہ ہاتھ کٹوانا پڑا۔ گویا وہی ہاتھ، جسے وہ خدا کے مامور کے خلاف چلانا چاہتا تھا، اسکی زندگی کا روگ بن گیا۔ اور بالآخر خدا کے جلالی ہاتھ نے اسے کاٹ کر رکھ دیا۔ یہ ایک نہایت ہی عبرتناک حقیقت ہے، جو یہ بتاتی ہے کہ خدا کے بندوں کو ستانا کیا رنگ لایا کرتا ہے۔

اسی محمد بخش کی نسبت دوسرا نشان الٰہی یہ ظاہر ہوا کہ وہ ابھی زندہ ہی تھا کہ اس کا بیٹا قادیان آیا اور حضرت اقدس علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کر کے آپ کے غلاموں میں شامل ہو گیا۔ روایت آتی ہے کہ جب وہ بیعت کر چکا تو حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحبؓ، جو پاس ہی تشریف رکھتے تھے، حضورؑ سے فرمانے لگے: 'یہ لڑکا جس نے بیعت کی ہے، محمد بخش کا بیٹا ہے'۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا: 'اچھا۔ ہم آج اسکے باپ کا قصور معاف کرتے ہیں'۔ ظاہر ہے ایک باپ کیلئے یہ اذیت بھی کچھ کم نہ تھی کہ اسکی اولاد اس کی زندگی میں ہی اس سے اپنا روحانی اور جسمانی تعلق قطع کر کے ایک ایسے شخص کی غلامی میں چلی جائے، جسے وہ اپنا دشمن یا مخالف تصور کرتا تھا۔

☆ ☆ ☆

ا یہ روایت حضرت منشی امام الدین صاحب پٹواریؓ کی ہے۔ اصل روایت یوں ہے کہ آپ نے جب محمد بخش ڈپٹی انسپکٹر پولیس کے وہ الفاظ سنے کہ 'مرزا اب میرے ہاتھ دیکھے گا' ، اور اسکی اطلاع حضورؑ کی خدمت میں کی، تو حضور نے فرمایا 'منشی صاحب۔ اس کا ہاتھ کاٹا جائیگا'

(بحوالہ ''اصحاب احمد جلد۳، ص،۱۰۱)

تاہم حضرت بانی سلسلہؑ کی اپنی تحریر کے مطابق اسکی موت طاعون سے ہوئی (دیکھیں حقیقۃ الوحی، جلد۲۲ص:۲۳۶)

حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی الٰہی حفاظت کا

چھٹا نشان

(پنڈت لیکھرام کا قتل اور آپ کی خدائی حفاظت)

۱۸۸۵ء کے اوائل میں حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام نے خدا سے اذن پا کر اس مضمون کا اعلان فرمایا کہ آپکو اپنے آقا و مطاع حضرت محمد ﷺ کی متابعت کی برکت سے روحانی طور پر ایسے کمالات عطا کئے گئے ہیں کہ اگر کوئی شخص طالب حق بن کر آپ کی صحبت میں رہے، تو وہ ضرور کوئی ایسا نشان دیکھ لے گا، جو انسانی طاقتوں سے بالا اور مافوق العادت ہو، اور یہ کہ ایسا نشان اسلام کی صداقت اور عظمت پر دلالت کرنیوالا ہوگا۔ مگر ساتھ ہی فرمایا کہ شرط یہ ہے کہ ایسا طالب حق کوئی مذہبی لیڈر یا اپنی قوم کا کوئی معزز شخص اور خاص شہرت کا مالک ہونا چاہئے، اور یہ کہ کم از کم ایک سال تک وہ آپکے پاس قادیان میں آ کر رہے۔ نشان نہ ظاہر ہونیکی صورت میں آپ ایسے شخص کو بطور حرجانہ دوصد روپیہ ماہوار کے حساب سے مبلغ چوبیس سو روپیہ ادا کرینگے۔ آپ نے اس مضمون کا ایک خط تیار کر کے ہندوستان کے تمام چیدہ چیدہ مذہبی رؤسا اور غیر مسلم مذہبی لیڈران کو ارسال فرمایا۔

اس پر ایک آریہ پنڈت۔ لیکھرام نامی۔ نے ایک خط لکھ کر ایسا نشان دیکھنے کی خواہش کی۔ چونکہ آپ کا روئے سخن صرف چیدہ شخصیات کی طرف تھا۔ اور پنڈت لیکھرام کو آریہ سماج کی مشہور شخصیت ہونے کا دعویٰ نہ تھا اور نہ ہی اس کے نام اس مضمون کا کوئی خط ارسال کیا گیا تھا، اس لئے حضرت بانیٔ سلسلہؑ نے اسے جواباً تحریر فرمایا کہ خط مطبوعہ کے مخاطب صرف وہ لوگ ہیں جو اپنی قوم میں معزز اور سر برآوردہ ہوں اور جنکا ہدایت پانا ملک کے ایک کثیر طبقہ پر اثر انداز ہوسکتا ہو۔ مگر تم اس حیثیت اور مرتبہ کے مالک نہیں۔ اس پر حضرت بانیٔ سلسلہؑ اور پنڈت لیکھرام کے درمیان خط و کتابت کا ایک سلسلہ چل پڑا، جسکے نتیجے میں وہ قادیان بھی آیا۔ مگر ایک تو، جیسا کے آپ کی شرط تھی، بجائے آپ کی صحبت میں بطور مہمان بن کر رہنے کے وہ قادیان میں اپنے ہم مذہب آریہ لوگوں کے پاس ٹھہرا۔ دوسرے، وہ ایک سال تک رہنے کیلئے تیار نہ تھا۔ اور باوجود اس کے کہ آپ نے اسے یہ پیشکش بھی کی کہ پشاور میں جتنی تنخواہ پاتے ہو، اس سے دوچند ہم تمہیں ماہوار دینے کیلئے تیار ہیں، وہ آمادہ نہ ہوا۔ آخر اسے یہ بھی کہا گیا کہ اچھا، اگر ایک سال کیلئے نہیں ٹھہر سکتے، تو چالیس دن ہی ٹھہر جاؤ مگر وہ اس پر بھی راضی نہ ہوا۔

دراصل پنڈت لیکھرام قادیان پہنچتے ہی بگڑ گیا تھا اور اس نے بدکلامی، تمسخر اور استہزا کا طریق اختیار کر لیا تھا۔ اور یہ اُس بدصحبت کی وجہ سے ہوا، جو اسے قادیان کے آریوں کے ساتھ رہنے سے ملی۔ چنانچہ وہ جتنا عرصہ قادیان میں رہا، نہایت گندی ذہنیت کا مظاہرہ کرتا رہا۔ حضرت بانی سلسلہؑ فرماتے ہیں، وہ قریباً ہر روز آپ کے مکان پر پہنچ جاتا اور آتے ہی بدکلامی شروع کر دیتا۔ کبھی کہتا، آؤ، میرے ساتھ بحث کر لو۔ کبھی کہتا، اچھا کوئی نشان ہی دکھا دو۔ اور پھر اسلام اور حضرت بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں نہایت بے ادبی کے اور توہین آمیز کلمات منہ سے نکالنے لگتا۔ آپ اسے نرمی سے سمجھاتے کہ خدا کے برگزیدوں کے بارے میں ایسے کلمات منہ سے نکالنا اچھا نہیں۔ مگر وہ شترِ بے مہار کی طرح جو منہ میں آتا، کہتا چلا جاتا۔ اسی پر بس نہیں بلکہ اس نے اپنا شیوہ بنا لیا کہ سر بازار کھڑے ہو کر مسلمانوں کے گذرنے پر جوش دلانے والے الفاظ سے انہیں خطاب کرتا، حتیّٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی گالیاں دینے سے باز نہ آتا۔ تاہم آپ نے اپنے اصحاب کو صبر کرنے اور اپنے جذبات کو قابو میں رکھنے کی تلقین فرمائی۔ وہ کم و بیش ایک ماہ قادیان میں ٹھہرا اور قریباً ہر روز اس کا یہی معمول رہا۔

قادیان میں پنڈت لیکھرام کے قیام کے دوران اس کے اور حضرت بانی سلسلہؑ کے مابین جو بھی خط و کتابت ہوئی، اس میں اس نے نہایت طنز آمیز رویہ اختیار کئے رکھا۔ علاوہ ازیں اس نے جتنی باتیں پیش کیں، ان میں سے کسی پر بھی وہ قائم نہ رہا۔ پہلے کہتا رہا کہ میرے ساتھ آریہ دھرم اور اسلام کی صداقت پر بحث کر لو۔ جب آپ بحث کیلئے تیار ہوئے اور اپنے بعض اصحاب کو شرائط طے کرنے کیلئے اسکے پاس بھیجا، تو کہنے لگا، میرا اتنی دور سے یعنی پشاور سے آنے کا مقصد یہ نہیں تھا کہ میں اس قسم کی بحثوں میں وقت ضائع کروں۔ میں تو صرف معجزات اور کرامات دیکھنا چاہتا ہوں۔ اور پھر از خود ہی شرائط معاہدہ طے کر کے بھیج دیں اور اس کے ساتھ یہ رٹ لگانی شروع کر دی کہ نشان دکھاؤ، نشان دکھاؤ۔ اور نشان دیکھنے کیلئے جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے، وہ ایک سال بلکہ چالیس دن بھی ٹھہرنے کیلئے تیار نہ تھا۔ گویا تلی کے اوپر سرسوں جمانا چاہتا تھا۔ یہاں تک کہ اپنے آخری خط میں (جسکے بعد وہ قادیان سے چلا گیا) اس نے اس قسم کا تمسخر آمیز جملہ لکھا کہ 'اچھا، اگر بحث نہیں کرنا چاہتے ہو، تو اپنے رب العرش، خیر الماکرین سے میری نسبت کوئی آسمانی نشان تو مانگیں'۔ آپ نے اسکی اس تحریر پر پھر اسے نرمی سے سمجھانے کی کوشش فرمائی اور جواباً تحریر فرمایا:

''جناب پنڈت صاحب۔ آپکا خط میں نے پڑھا۔ آپ یقیناً سمجھیں کہ ہمیں نہ بحث کرنے سے انکار ہے اور نہ نشان دکھلانے سے۔ مگر آپ سیدھی نیت سے طلب نہیں کرتے۔ بیجا

شرائط زیادہ کر دیتے ہیں۔آپکی زبان بدزبانی سے رکتی نہیں۔آپ لکھتے ہیں کہ اگر بحث نہیں کرنا چاہتے ،تو رب العرش خیر الماکرین سے میری نسبت کوئی نشان مانگیں۔ یہ ہنسی ٹھٹھے کے کلمے ہیں.....آپ عربی سے بے بہرہ ہیں۔آپ کو'مکر' کے معنی بھی معلوم نہیں۔ 'مکر' کے مفہوم میں کوئی ایسا ناجائز امر نہیں ہے، جو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں ہوسکتا ہو۔شریروں کو سزا دینے کیلئے خدا کے جو باریک اور مخفی کام ہیں،ان کا نام مکر ہے۔لغت دیکھو، پھر اعتراض کرو"

(''سراج منیر''۔روحانی خزائن، جلد۱۲۔ص ۷۔۱۱۴)

قادیان سے واپس جا کر لیکھرام پہلے سے بھی زیادہ بیبا کی اور شوخی کا مظاہرہ کرنے لگا۔اس کی خرافات اور سب وشتم سے بھری ہوئی دو کتابیں جن میں سے ایک کا نام اس نے ''خبط احمدیہ'' رکھا اور دوسری کا ''تکذیب براہین احمدیہ''،اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ان کتابوں کے عناوین ہی بتاتے ہیں کہ اس نے ان کے اندر کس قسم کی زبان استعمال کی ہوگی۔اسنے ان کے اندر جگہ جگہ اسلام اور حضرت بانئ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ تمام انبیاء کی ذات پر حملے کئے اور خدا کی ان پاک اور مقدس ہستیوں کے خلاف اپنی زبان درازی کی۔اسی طرح اسنے حضرت بانئ سلسلہؑ کے الہامات اور پیشگوئیوں کا بھی جی بھر کر مذاق اڑایا۔چنانچہ آپ نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں ''پسر موعود'' کے متعلق جو پیشگوئی شائع فرمائی،اس کی ایک ایک عبارت کو لیکر ان پر اپنی گندی سرشت کے مطابق گندے اور بھونڈے انداز میں حاشیئے چڑھائے اور یوں اپنی کمینگی اور سفلہ پنی کا مظاہرہ کیا۔مثلاً

۔جہاں آپنے یہ فرمایا کہ خدا نے مجھ کو اپنے الہام سے مخاطب کر کے فرمایا کہ ''میں تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں''، وہاں لیکھرام نے لکھا، ''رحمت کا نہیں زحمت کا کہا ہوگا۔آپ تو ہر بات کو الٹی سمجھتے ہیں اور 'ر' 'ز' میں امتیاز نہیں رکھتے''

۔پھر جہاں یہ جملہ تھا کہ ''تیرے سفر کو (جو ہوشیار پور اور لودھیانہ کا سفر ہے) تیرے لئے مبارک کر دیا''، وہاں اسنے اپنی گندہ ذہنی کا یوں مظاہرہ کیا کہ لکھا، ''خدا اس سفر کو نہایت منحوس بتلاتا ہے''

۔اور پھر آپنے خدا سے پائے ہوئے جو یہ الفاظ درج فرمائے کہ ''سو قدرت اور رحمت کا نشان تجھے دیا جاتا ہے''،تو ان پر یہ کہہ کر پھبتی اڑائی کہ ''خدا کہتا ہے میں نے قہر کا نشان دیا ہے''۔

پھر جب اللہ تعالیٰ سے علم پا کر آپ نے پسر موعود والی پیشگوئی کی بعض اور تفصیلات بیان کرتے

ہوئے اپنے اشتہار مورخہ ۲۲ مارچ ۱۸۸۶ء میں یہ تحریر فرمایا کہ مذکورہ صفات والا بیٹا عرصہ نو سال کے اندر اندر پیدا ہوگا، تو پنڈت لیکھرام کی رگ غلاظت پھر پھڑک اٹھی۔ چنانچہ اس نے اپنے پاس سے مندرجہ ذیل خرافات لگا کر اپنی گندہ ذہنی اور سوءِ باطنی کا مظاہرہ کیا:

۔''ابد تک آپ کے کوئی لڑکا پیدا نہ ہوگا..... پہلے یہ بھی اطمینان ہوگیا کہ ۹ برس تک آپ اور آپ کی بیوی زندہ رہے گی...... ہمارا الہام کہتا ہے کہ لڑکا کیا، تین سال کے اندر اندر آپ کا خاتمہ ہو جائیگا اور آپ کی ذریت سے کوئی باقی نہ رہیگا..... آپ کی ذریت جلد منقطع ہو جائیگی۔ غایت درجہ تین سال تک شہرت رہے گی....... میں نے عرض کی کہ بار خدایا۔ ایسے مکار کو سزا کیوں نہیں دیتا جو بندگان ایزدی کو گمراہ کرتا ہے، فرمایا.... تین سال میں سزا دی جائیگی''

(بحوالہ 'کلیات آریہ مسافر' طبع اول ۴۹۶ تا ۵۰۱)

یہ تو صرف چند مثالیں بیان کی گئی ہیں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ پنڈت لیکھرام نے حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کی پسر موعود کے بارے میں بیان کردہ ایک ایک صفت پر اپنی گندی سرشت کے مطابق حاشیئے چڑھا کر اس ساری الٰہی پیشگوئی کا مذاق اڑایا۔

الغرض اس قسم کی بیباکانہ اور گستاخانہ تحریرات سے اس نے اپنے آپکو موردِ غضبِ الٰہی تو بنا ہی لیا تھا۔ اب جو حضرت بانیٔ سلسلہؑ نے ۱۸۸۷ء میں اپنی کتاب ''سرمہ چشم آریہ'' شائع فرمائی اور اس کے اندر آریہ اپدیشکوں کے سامنے وید اور قرآن کی الہامی حیثیت کا مقابلہ کرنے کیلئے مباہلہ کی تجویز پیش فرمائی، تو لیکھرام جھٹ سامنے آ گیا۔ اور آپؑ کے مجوزہ مضمون مباہلہ کی عبارت میں حسب منشاء رد و بدل کر کے اسے اپنی کتاب ''خبط احمدیہ'' میں شائع کر دیا۔ اس طرح گو اس نے حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے مجوزہ طریق مباہلہ [ا] کو باقاعدہ طور پر تو تسلیم نہ کیا، نہ ہی وہ قادیان آنے پر آمادہ ہوا۔ تاہم وہ مباہلہ کو جزوی طور پر قبول کر کے آسمانی گرفت کے نیچے آ گیا۔ بلکہ اس نے آخر پر یہ الفاظ بھی لکھ دئے:

''اے پرمیشور۔ ہم دونوں فریقوں میں سچا فیصلہ کر کیونکہ کاذب صادق کی طرح تیرے حضور میں عزت نہیں پا سکتا''

(''خبط احمدیہ''، ص ۷۔۳۴۴، بحوالہ ''حقیقۃ الوحی''، ص ۳۳۲)

[ا] مجوزہ طریق مباہلہ یہ تھا کہ مباہلہ کرنے والا شخص قادیان میں آئے اور ایک مجمع میں اپنا مضمون پڑھ کر تین دفعہ سنائے اور ہر بار جملہ حاضرین اس پر آمین کہیں۔

ادھر آریہ قوم تھی کہ واہ واکر کے اسکی مکمل طور پر پشت پناہی کر رہی اور اسکی خرافات سے بھری تحریرات کو ''صحیفۂ آسمانی'' سمجھتے ہوئے مزے لے لے کر اس کی تشہیر کر رہی تھی۔

اس کے برعکس حضرت بانیٔ سلسلہؑ اپنے رب کے سامنے سربسجود ہو کر کسی ایسے نشان کیلئے دعائیں کر رہے تھے، جو نہ صرف آریوں کی بلکہ دنیا کی آنکھیں کھولنے والا ہو۔ چنانچہ آپکی دعائیں اپنے مولا کے حضور قبول ہوئیں اور آپکو بشارت ملی کہ لیکھرام چھ سال کے اندر اندر عذاب میں مبتلا کیا جائے گا، کیونکہ وہ نبیوں کے سردار حضرت محمد ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا اور آپؐ کے حق میں بدزبانی کرتا تھا۔ آپ کی یہ جلالی پیشگوئی، جو آپ نے اپنی کتاب ''کرامات الصادقین'' میں شائع فرمادی، اس کے الفاظ یہ تھے:

''وَ مِنهَا مَا وَعَدَ نِی رَبّی وَا ستَجَابَ دُعَائِی فِی رَجُلٍ مُفسِدٍ عَدُوِّاللّٰہِ وَ رَسُولِہٖ المُسَمّٰی لیکھرام الفَشَاوَرِی وَ اَخبَرَ نِی اَنَّہٗ مِنَ الھَالِکِین .اِنَّہٗ کَانَ یَسُبُّ نَبِیَّ اللّٰہِ وَ یَتَکَلَّمُ فِی شَانِہٖ بِکَلِمَاتٍ خَبِیثَۃٍ ،فَدَعَوتُ اِلیہ فَبَشَّرَنِی رَبِّی بِمَوتِہٖ فِی سِتَّۃِ سِنِینَ.اِنَّ فِی ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لّلطَّالِبِین''

یعنی

'اللہ نے ایک ایسے شخص کے بارے میں جو مفسد اور اللہ اور اسکے رسول کا دشمن ہے، یعنی لیکھرام پشاوری، مجھے وعدہ دیا اور میری دعا کو سنا اور مجھے بتایا کہ وہ ہلاک ہونے والوں میں لکھا جا چکا ہے۔ وہ آنحضرت ﷺ کو گالیاں دیتا تھا اور آپ کی شان میں گندے کلمات استعمال کرتا تھا۔ تو جب میں نے اس پر بددعا کی تو میرے رب نے مجھے بشارت دی کہ وہ چھ سالوں کے اندر موت کے منہ میں چلا جائیگا۔ اس میں حق کے طالبوں کیلئے یقیناً ایک نشان ہے'

(کرامات الصادقین، روحانی خزائن، جلد ۷ ص:۹۶)

اس آسمانی بشارت پر آپ نے مندرجہ ذیل الفاظ میں روشنی ڈالی:

''واضح ہو کہ اس عاجز نے اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء جو اس کتاب (اس سے مراد آپکی وہ معرکۃ الآرا تصنیف ''آئینہ کمالاتِ اسلام'' ہے، جو آپ ان دنوں قرآن کریم کے حقائق اور معارف اور اسلامی تعلیمات کی امتیازی خصوصیات پر تالیف فرما رہے تھے۔ ناقل) کے ساتھ شامل کیا گیا تھا، اندرمن مرادآبادی اور لیکھرام پشاوری کو اس بات کی دعوت کی تھی کہ اگر وہ خواہشمند ہوں تو انکی قضا و قدر کی نسبت بعض پیشگوئیاں شائع کی جائیں۔ سو اس

اشتہار کے بعد اندرمن نے تو اعراض کیا اور کچھ عرصہ کے بعد فوت ہوگیا[۱]۔لیکن لیکھرام نے بڑی دلیری سے ایک کارڈ اس عاجز کی طرف روانہ کیا کہ میری نسبت جو پیشگوئی چاہو، شائع کردو، میری طرف سے اجازت ہے۔ سو اسکی نسبت جب توجہ کی گئی تو اللہ جلّ شانہٗ کی طرف سے یہ الہام ہوا:

عِجلٌ جَسدٌ لَہٗ خُوارٌ ، لَہٗ نَصبٌ وَّ عَذَابٌ

یعنی یہ صرف ایک بے جان گوسالہ ہے، جسکے اندر سے ایک مکروہ آواز نکل رہی ہے اور اس کے لئے ان گستاخیوں اور بدزبانیوں کے عوض میں سزا اور رنج اور عذاب مقدر ہے، جو ضرور اسکو مل کر رہیگا۔ اور اسکے بعد آج جو ۲۰ فروری ۱۸۹۳ء روز دوشنبہ ہے، اس عذاب کا وقت معلوم کرنے کیلئے توجہ کی گئی، تو خداوند کریم نے مجھ پر ظاہر کیا کہ آج کی تاریخ سے جو ۲۰ فروری ۱۸۹۳ء ہے، چھ برس کے عرصہ تک یہ شخص اپنی بدزبانیوں کی سزا میں، یعنی ان بے ادبیوں کی سزا میں، جو اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کی ہیں، عذاب شدید میں مبتلا ہو جائے گا''

یہ ایک بہت بڑی جلالی پیشگوئی تھی، جو بہت صاف اور واضح الفاظ میں لیکھرام کے ایک معین عرصہ (چھ سال) کے اندر کسی دردناک عذاب میں مبتلا ہونے کی خبر دے رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ ایسی پیشگوئی کرنا کسی عام انسان کے بس کی بات نہیں، نہ ہی یہ کسی قسم کی قیاس آرائی کا نتیجہ ہو سکتی تھی۔ لہٰذا حضرت بانیٔ سلسلہؑ نے اسے خدا تعالیٰ کی طرف سے آمدہ اپنی صداقت کے ایک بہت بڑے نشان کے طور پر پیش کرتے ہوئے یہ جلالی اعلان فرمایا:

---

[۱] منشی اندرمن، مراد آباد کا رہنے والا ایک متعصب ہندو تھا، جس نے ۱۸۶۶ء میں ''پاداش اسلام'' کے عنوان سے اسلام کے خلاف ایک نہایت دلآزار کتاب لکھی تھی۔ اس کے اندر اس نے قرآن پاک، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ نیز آپ کے صحابہ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے بارے میں نہایت گندی زبان استعمال کی تھی۔ غالباً یہ سب سے پہلی کتاب ہے، جو ایک ہندو کی جانب سے اسلام کے خلاف بزبانِ اردو لکھی گئی۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ سب سے پہلے یہی شخص حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے اعلان برائے نشان نمائی پر آپ کے بالمقابل میدان میں اترا۔ مگر پھر وہ اسلام کے اس جری پہلوان (حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہؑ) کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر جلد ہی میدانِ مقابلہ سے ہمیشہ کیلئے فرار ہوگیا۔

''سو اَب میں اس پیشگوئی کو شائع کر کے تمام مسلمانوں اور آریوں اور عیسائیوں اور دیگر فرقوں پر ظاہر کرتا ہوں کہ اگر اس شخص پر چھ برس کے عرصہ میں آج کی تاریخ سے کوئی ایسا عذاب نازل نہ ہوا، جو معمولی تکلیفوں سے نرالا اور خارق عادت اور اپنے اندر الٰہی ہیبت رکھتا ہو تو سمجھو کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں اور نہ اسکی روح سے میرا یہ نطق ہے''

آپ نے اس پیشگوئی کو اپنے ایک اشتہار مورخہ ۲۰ فروری ۱۸۹۳ء میں شائع فرما دیا، جس کے آخر پر آریوں کی غیرت کو للکارتے ہوئے بڑی تحدی کیساتھ یہ بھی تحریر فرمایا کہ:

''اب آریوں کو چاہیئے کہ سب مل کر دعا کریں کہ یہ عذاب
انکے اس وکیل سے ٹل جائے''

اب ہر چند کہ یہ پیشگوئی بڑی واضح تھی اور اس میں صاف بتایا گیا تھا کہ لیکھرام کسی شدید عذابِ الٰہی کا نشانہ بنے گا، معترضین اسے ہدفِ تنقید بنانے سے باز نہ آئے۔ مثلاً میرٹھ سے نکلنے والی ایک اخبار ''انیس ہند'' نے اپنی اشاعت مورخہ ۲۵ مارچ ۱۸۹۳ء میں لکھا کہ ایسی پیشگوئی مفید نہیں ہوگی اور اس میں شبہات باقی رہ جائیں گے، کیونکہ اگر مثلاً لیکھرام کو تھوڑا سا بخار ہو گیا یا زکام ہو گیا، تو کہہ دیا جا ئیگا کہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔ ایک اخبار نے لکھا کہ 'اس قسم کی پیشگوئیاں طبیعتوں پر گراں گذرتی ہیں۔ اس لئے ان سے اجتناب کرنا چاہیئے'۔ ایک اَور اخبار نے یہ اعتراض کیا کہ اب ایسی پیشگوئیاں کرنے کا زمانہ نہیں رہا۔

ایسے جملہ اعتراضات اور نکتہ چینیوں کے جواب میں حضرت بانیٔ سلسلہؑ نے ایک تو یہ تحریر فرمایا کہ میرے لئے یہ خوشی کا مقام ہے کہ یوں خود مخالفوں کے ہاتھوں اس پیشگوئی کی شہرت ہو رہی ہے۔ دوسرے یہ نکتہ چینی کہ یہ پیشگوئی طبائع پر گراں گذرے گی، اسکے بارے میں صرف اتنا فرمایا کہ جس طور اور طریق پر خدا تعالیٰ نے چاہا، اسی طور سے کِیا۔ میرا اس میں دخل نہیں۔ البتہ جہاں تک شبہات رہ جانے کا تعلق تھا، تو اسکے متعلق بڑے وثوق اور اعتماد کے ساتھ تحریر فرمایا:

''میں خوب سمجھتا ہوں کہ یہ پیش از وقت ہے۔ میں اس بات کا خود اقراری ہوں اور اب پھر اقرار کرتا ہوں کہ اگر جیسا کہ معترضوں نے خیال فرمایا ہے، پیشگوئی کا ماحصل آخر یہی نکلا کہ کوئی معمولی تپ آیا، یا معمولی طور پر کوئی درد ہوا، یا ہیضہ ہوا اور پھر اصلی حالت صحت کی قائم ہوگئی، تو وہ پیشگوئی متصور نہیں ہوگی، اور بلا شبہ ایک مکر اور فریب ہوگا۔ کیونکہ ایسی

بیماریوں سے تو کوئی بھی خالی نہیں۔ ہم سب کبھی نہ کبھی بیمار ہو جاتے ہیں۔ پس اس صورت میں بلاشبہ مَیں اس سزا کے لائق ٹھہروں گا، جس کا ذکر مَیں نے کیا ہے۔ لیکن اگر پیشگوئی کا ظہور اس طور سے ہوا کہ جس میں قہر الٰہی کے نشان صاف صاف اور کھلے طور پر دکھائی دیں، تو پھر سمجھو کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے‘‘

آخری اعتراض کہ زمانہ ایسی پیشگوئیوں کا نہیں رہا، تو اس کا جواب آپ نے یہ دیا کہ:

’’معترضین کا یہ کہنا کہ ایسی پیشگوئیوں کا اب زمانہ نہیں ہے، ایک معمولی فقرہ ہے، جو اکثر لوگ منہ سے بول دیا کرتے ہیں۔ میری دانست میں تو مضبوط اور کامل صداقتوں کے قبول کرنے کیلئے یہ ایک ایسا زمانہ ہے کہ شاید اسکی نظیر پہلے زمانوں میں کوئی بھی مل نہ سکے۔ ہاں اس زمانہ میں کوئی فریب اور مکر مخفی نہیں رہ سکتا، مگر یہ تو راستبازوں کے لئے اَور بھی خوشی کا مقام ہے ...... اگر زمانہ صداقتوں کا پیاسا نہیں، تو پھر کیوں ایک عظیم الشان انقلاب اس میں شروع ہے۔ زمانہ بیشک حقیقی صداقتوں کا دوست ہے نہ دشمن‘‘

آخر پر آریوں کو بڑے زور سے للکارتے ہوئے پیشگوئی کی عظمت پر یوں روشنی ڈالی کہ فرمایا:

’’آریوں کو اختیار ہے کہ میرے اس مضمون پر اپنی طرف سے جس طرح چاہیں، حاشیئے چڑھا دیں۔ مجھے اس بات پر کچھ بھی نظر نہیں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اِس وقت اِس پیشگوئی کی تعریف کرنا یا مذمت کرنا دونوں برابر ہیں۔ اگر یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس کی طرف سے ہے، تو ضرور ہیبت ناک نشان کے ساتھ اس کا وقوعہ ہوگا اور دلوں کو ہلا دے گا، اور اگر اس کی طرف سے نہیں، تو پھر میری ذلّت ظاہر ہوگی‘‘

(مجموعہ اشتہارات، جلد اول، ص: ۳۸۶۔۳۷۲)

ابھی اخبارات میں اس پیشگوئی پر تبصرے جاری تھے کہ خدا کے مامور کو عالم تمثلات میں اُس ہولناک منظر کا ایک تصویری خاکہ دکھایا گیا، جو پنڈت لیکھرام کی ہلاکت کی صورت میں دنیا کے سامنے آنے والا تھا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:

’’آج ۲ راپریل ۱۸۹۳ء مطابق ۱۴ر ماہ رمضان ۱۳۱۰ھ صبح کے وقت تھوڑی سی غنودگی کی حالت میں مَیں نے دیکھا کہ مَیں ایک وسیع مکان میں بیٹھا ہوا ہوں اور چند دوست بھی

میرے پاس موجود ہیں۔ اتنے میں ایک شخص قوی ہیکل، مہیب شکل گویا اسکے چہرے پر سے خون ٹپکتا ہے، میرے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک نئی خلقت و رشمائل کا شخص ہے گویا انسان نہیں، ملائک شدّاد غلاّظ میں سے ہے اور اسکی ہیبت دلوں پر طاری تھی اور میں اسکو دیکھتا ہی تھا کہ اسنے مجھ سے پوچھا کہ لیکھرام کہاں ہے اور ایک اَور شخص کا نام لیا کہ وہ کہاں ہے۔ تب میں نے اس وقت سمجھا کہ یہ شخص لیکھرام اور دوسرے شخص کی سزا دہی کیلئے مامور کیا گیا ہے"

اس کشفی نظارے کو بھی آپنے اپنی کتاب "برکات الدعا" کے ٹائٹل پیج پر شائع فرما دیا۔ اس دوران یا اس سے کچھ تھوڑا عرصہ پہلے آپ پر خدا تعالیٰ نے فارسی زبان میں ایک شعر بھی الہام فرمایا جو یہ تھا:

"الا اے دشمنِ نادان و بیراہ ☆ بترس از تیغِ برّانِ محمدؐ"

(کہ اے لیکھرام! تُو کیوں حضرت محمد ﷺ کو گالیاں دیتا ہے؟ تُو اُن کی اُس تلوار سے ڈر جا، جو تجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گی)

یہ شعر بھی آپنے آنحضرت محمد ﷺ کی مدح میں لکھی ہوئی ایک لمبی نظم کے حصہ کے طور پر اپنے اشتہار مورخہ ۲۰ فروری ۱۸۹۳ء میں شائع فرما دیا۔ نیز اس نظم کے اندر آپ نے لیکھرام کو مخاطب کرتے ہوئے مندرجہ ذیل دو اَور شعر بھی رقم فرمائے:

الا اے منکر از شانِ محمدؐ ☆ ہم از نورِ نمایانِ محمدؐ

کرامت گرچہ بے نام ونشاں است ☆ بیا بنگر ز غلمانِ محمدؐ

اسی طرح آپنے اپنے ایک عربی قصیدہ میں لیکھرام کی موت کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی ایک اَور بشارت کو دنیا کے سامنے یوں پیش فرمایا:

وَ بَشّرَ نی رَبّی وَ قَالَ مُبَشِّراً ستَعرِفُ یومَ العِیدِ وَ العِیدُ اَقرَبُ

(کہ مجھے لیکھرام کی موت کی نسبت خدا نے بشارت دی ہے اور بتلایا ہے کہ تُو اس واقعہ کو عید کے دن میں پہچان لیگا اور عید اس سے قریب ہوگی)

یہ سارا قصیدہ آپ نے اپنی کتاب "کرامات الصادقین" میں درج کر کے شائع فرما دیا۔

.......☆.......

دنیا کے سامنے اب دو پیشگوئیاں تھیں: ایک لیکھرام کی حضرت بانی سلسلہؑ سے متعلق کہ آپ کا تین

سال کے اندر اندر خاتمہ ہو جائیگا۔ دوسری حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی لیکھرام سے متعلق کہ وہ چھ سالوں کے اندر ہلاک ہو جائیگا۔ چنانچہ کیا ہندو اور کیا مسلمان انتظار کرنے لگے کہ دونوں پیشگوئیوں میں سے کونسی پوری ہوتی ہے۔ تین سال گذر گئے اور حضرت بانیٔ سلسلہؑ کا بال بیکا بھی نہ ہوا۔ اس طرح پر لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ لیکھرام کی پیشگوئی ایک جھوٹی تعلّی کے سوا کچھ نہ تھی۔ اب چاہئے تو یہ تھا کہ اِس صورت میں ہندو اخبارات اور بالخصوص آریہ فرقہ سے تعلق رکھنے والے لوگ اپنے اس آریہ ''لیڈر'' سے دریافت کرتے کہ اس نے وہ پیشگوئی (جس میں اس نے حضرت مرزا صاحب کی ہلاکت کا اعلان اپنے پرمیشور کے حوالے سے کیا تھا) کس برتے پر کی تھی؟ یا کم از کم وہ خود ہی اسکی کوئی توجیہ یا تاویل کرتا۔ مگر جہاں ہندو اخبارات بالکل خاموش رہے، وہاں پنڈت لیکھرام نے بھی چپ سادھ لی اور اشارۃً یا کنایۃً بھی اس بات کا کہیں ذکر نہ کیا کہ اسکی تین سالہ پیشگوئی کیا ہوئی اور اگر وہ پرمیشور کی طرف سے تھی، تو کیوں پوری نہ ہوئی۔

اب دنیا حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی پیشگوئی کے پورا ہونے کا انتظار کرنے لگی۔ چار سال گذر گئے اور پنڈت لیکھرام اپنی عاقبت سے کلیۃً لاپرواہ اپنی شوخی اور بدزبانی میں مسلسل بڑھتا چلا گیا۔ دوسری طرف خدا کے ملائکہ بڑی تیزی کیساتھ اس شاتم رسول کو اس کی بدزبانیوں اور گستاخیوں کی سزا دینے کیلئے اس کی طرف بڑھتے چلے آ رہے تھے۔ چنانچہ ابھی پیشگوئی کے پانچویں سال کا پہلا مہینہ (یعنی مارچ ۱۸۹۷ء) شروع ہی ہوا تھا کہ قضاوقدر کی تیز دھار تلوار نے اس کا کام تمام کر دیا۔ اس کی ہولناک تفصیل یوں ہے کہ ایک شام لیکھرام اپنے مکان واقع محلّہ وچھووالی، لاہور، کی بالائی منزل پر بیٹھا کچھ لکھنے میں مصروف تھا کہ ایک نوجوان نے، جو کچھ عرصہ سے اس کے پاس شدھ ہونے کیلئے آیا ہوا تھا اور اسی کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اس پر خنجر کا بھرپور وار کر کے اس کا پیٹ چاک کر دیا، جس سے اس کی انتڑیاں باہر نکل آئیں۔ خنجر کا لگنا تھا کہ اس کے منہ سے ایک دردناک آواز نکلی، جسے سن کر اس کی ماں اور بیوی جو نیچے کی منزل میں رسوئی میں بیٹھی ہوئی تھیں، اوپر پہنچ گئیں۔ اس اثنا میں قاتل غائب ہو چکا تھا۔ لیکھرام کو فوری طور پر میو ہسپتال ،لاہور، پہنچایا گیا۔ جہاں ایک انگریز سرجن، ڈاکٹر پیری، نے اسکی جان بچانے کی انتھک کوشش کی، مگر یہ شاتم رسول ساری رات اور اگلے دن کا کچھ حصہ تڑپ تڑپ کر گذارنے کے بعد راہئی ملک عدم ہو گیا۔ اور یوں، حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی جلالی پیشگوئی، اسلام اور اس کے مقدس رسول ﷺ کی صداقت پر ہزار سورج روشن کرتی ہوئی اپنی تمام تر تفصیلات کے ساتھ پوری ہو کر خود آپ کی صداقت اور آپکے منجانب اللہ ہونے کا ایک زبردست نشان بن گئی۔

یہ واقعہ ۶ مارچ ۱۸۹۷ء کو ہوا۔ ہجری کیلنڈر کے مطابق یہ دو شوال ۱۳۱۴ھ کا دن تھا۔ اس سے پہلا دن یعنی یکم شوال مسلمانوں کی عید الفطر کا دن تھا۔ اس طرح پر حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کا وہ الہام پورا ہو گیا جس میں آپ کو خدا نے لیکھرام کی موت کے دن کو عید کے دن کے قریب ہونے کی خبر دی تھی۔ [۱]

حضرت بانیٔ سلسلہؑ نے لیکھرام کے یوں دردناک طور پر قتل ہو جانے کو خدا تعالیٰ کا ایک بہت بڑا نشان قرار دیتے ہوئے اس بات پر تو خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس کی دس برس پہلے کی بتائی بات پوری ہوئی ہے، مگر انسانی ہمدردی کے رو سے پنڈت لیکھرام کی جواں سالی کی موت پر اظہار افسوس بھی کیا۔ چنانچہ

---

[۱] قاتل کون تھا، اس بارے میں یہ تو ثابت ہے کہ وہ ایک نوجوان تھا جو کچھ عرصہ پہلے پنڈت لیکھرام کے پاس شدھ ہونے یعنی ہندو مذہب قبول کرنے کی غرض سے آیا تھا اور پھر انہی کے ہاں رہنے لگ گیا۔ وہ کون تھا اور کہاں کا رہنے والا تھا، یہ کسی کو معلوم نہیں۔ البتہ بعض ہندو اخبارات نے یہ کہانی بیان کی ہے کہ وہ ۲۵ سال کے لگ بھگ کا کوئی مسلمان تھا۔ اور جب اس نے ہندو ہونے کا خیال ظاہر کیا تو پنڈت جی نے اسے اپنے پاس ہی رکھ لیا اور پھر موقع ملنے پر اسی نے انہیں قتل کر دیا۔

(''آریہ پرتی'' ہندی، بحوالہ الفضل ۷ مارچ ۱۹۵۷ء)

''حیات طیبہ'' کے مصنف البتہ اس سے ذرا مختلف کہانی بیان کرتے ہیں۔ وہ سلسلہ کے ایک بزرگ، حضرت مولوی (شیخ) محبّ الرحمٰن صاحب، کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ایک صاحب پنڈت گوکل چند نامی، جو کسی سکول میں ہیڈ ماسٹر تھے اور پنڈت لیکھرام سے سنسکرت پڑھا کرتے تھے، نے انہیں بتایا کہ ایک مسلمان نوجوان بھی ان کے پاس سنسکرت پڑھنے آیا کرتا تھا، جو چند دن پڑھتا رہا، اور پھر وہی ان کو قتل کر کے بھاگ گیا۔ مگر وارداتِ قتل انہوں نے یوں بیان کی کہ جس وقت پنڈت لیکھرام کو چھری لگی اور اسنے 'ماں' کہہ کر آواز نکالی، تو ماتا جی بھاگ کر اوپر آ گئیں۔ انہوں نے دیکھا کہ قاتل سامنے والی کوٹھڑی کے اندر چلا گیا ہے۔ ماتا جی نے باہر سے کنڈی لگا دی۔ پولیس کے آنے پر اس نے جب بتایا کہ قاتل اس کوٹھڑی کے اندر ہے، تو انگریز سپرنٹنڈنٹ پولیس ہاتھ میں پستول لئے اندر گیا۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ وہ کہنے لگا، اگر مکھی یا مچھر بن کر قاتل نکل گیا ہو تو اَور بات ہے، ورنہ یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔

ایک روایت یوں بیان ہوئی ہے کہ جب ماتا جی (لیکھرام کی ماں) اوپر آئیں تو قاتل نے پاس سے بیلن اٹھا کر انہیں دے مارا، جس سے وہ بیہوش ہو کر گر پڑیں۔ اتنے میں قاتل یہ جا۔ وہ جا، غائب ہو گیا۔

قاتل کا حلیہ جو اخبارات نے بیان کیا ہے، یہ ہے کہ وہ بھدی اور مہیب شکل کا ایک شخص تھا۔ بعض ہندوؤں نے پنڈت جی کو کہا بھی کہ جسے آپ ساتھ لئے پھرتے ہیں، یہ تو کوئی موت کا فرشتہ معلوم ہوتا ہے تو وہ کہنے لگے، ایسا مت کہو۔ یہ تو دھرماتما پرشی ہے۔ ڈاکٹری رپورٹ کے مطابق لیکھرام کی انتڑیاں باہر نکلی ہوئی تھیں۔ انگریز ڈاکٹر دو گھنٹے تک انہیں سیتا رہا، مگر اسے بچانے کی ساری کوششیں ناکام ہو گئیں۔ آخر اس نے زخموں کی تاب نہ لا کر تڑپ تڑپ کر جان دیدی۔

آپ کو جب لیکھرام کے قتل کی خبر ملی، تو آپ نے اس پر بذریعہ اشتہار مندرجہ ذیل بیان رقم فرمایا:

”عرصہ دس برس کا ہوا کہ جب میں نے اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں پنڈت لیکھرام کی نسبت خدا تعالیٰ سے علم پا کر اشتہار شائع کیا تھا کہ ان کی بے ادبیوں اور گستاخیوں کے سبب سے ان کے لئے خدا نے عذاب کا ارادہ فرمایا ہے اور ان کے عذاب کی تشریح مع تشریح میعاد کے ان کی مرضی پر موقوف رکھی گئی تھی۔ چنانچہ انہوں نے بطیب خاطر مجھے اجازت دے دی کہ وہ پیشگوئی مفصل طور پر شائع کر دی جائے۔ سو آخر کار وہ پیشگوئی ۲۰ فروری ۱۸۹۳ء میں مفصل طور پر شائع کر دی گئی۔ اور نہ صرف اس میں بلکہ 'برکات الدعا' اور دوسری متفرق کتابوں اور اشتہاروں میں یہ پیشگوئی شائع ہوتی رہی۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ عذاب کی موت معمولی تپ وغیرہ سے ظہور میں نہیں آئے گی اور پنڈت مذکور معمولی بیماریوں سے نہیں بلکہ خدا کے قہری نشان میں ماخوذ ہو کر انتقال کرے گا۔ اور اس پیشگوئی کیلئے ۲۰ فروری ۱۸۹۳ء سے ۶ برس کی میعاد مقرر ہوئی تھی۔ سو آج آریہ صاحبوں کے ایک اشتہار سے یہ خبر ملی ہے جو پنڈت مذکور ۷ مارچ ۱۸۹۷ء کو دھرم بلیدان ہو گیا۔ اگرچہ انسانی ہمدردی کی رو سے ہمیں افسوس ہے کہ اس کی موت ایک سخت مصیبت اور آفت اور ناگہانی حادثہ کے طور پر عین جوانی کے عالم میں ہوئی۔ لیکن دوسرے پہلو کی رو سے ہم خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں جو اسکے منہ کی باتیں آج پوری ہو گئیں۔ ہمیں قسم ہے اس خدا کی جو ہمارے دل کو جانتا ہے، اگر وہ یا کوئی اَور کسی خطرہ میں مبتلا ہوتا اور ہماری ہمدردی سے وہ بچ سکتا، تو ہم کبھی فرق نہ کرتے کیونکہ خدا کی باتیں بجائے خود اپنے لئے ایک وقت رکھتی ہیں۔ مگر انسان کو چاہئے کہ انسانی اخلاق اور انسانی ہمدردی سے کسی حالت میں درگذر نہ کرے کہ یہی اعلیٰ درجہ خلق کا ہے..... سو یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم الشان نشان ہے کیونکہ اس نے چاہا کہ اس کے بندہ کی تحقیر کرنے والے متنبہ ہو جائیں اور اپنی جانوں پر رحم کریں۔ ایسا نہ ہو کہ اسی حجاب سے گذر جائیں“

(مجموعہ اشتہارات جلد دوم ۳۳۶-۸)

اُدھر پنڈت لیکھرام کی موت کے ساتھ ہی ہندوستان بھر میں ایک شورِ قیامت اٹھ کھڑا ہوا۔ وہی ہندو لوگ جو لیکھرام کی حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے بارے میں کی ہوئی موت کی اپنی پیشگوئی کے پورا نہ ہونے پر بالکل خاموش رہے تھے، اب یکدم بھڑک اٹھے اور واویلا کرنے لگے۔ یعنی بجائے اسکے کہ یہ اعتراف

کرتے کہ حضرت مرزا صاحب کی پیشگوئی بڑی صفائی سے پوری ہوگئی ہے، وہ الٹا لیکھرام کے قتل کا الزام حضرت بانیٔ سلسلہؑ پر دینے لگے۔ آریہ اخبارات نے تو آسمان سر پر اٹھالیا اور اس قتل کو ایک خونی منصوبہ قرار دیتے ہوئے نہایت بھونڈے انداز میں حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کی ذات کو اس میں ملوث کرنے کی کوششیں کرنے لگے۔ انہوں نے تہذیب اور شائستگی کے تمام تر تقاضوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے، کس کس طرح اپنی بدباطنی اور اسلام دشمنی کا ثبوت دیا، اس کا پتہ اُس وقت کی ہندوستان میں چھپنے والی اخبارات کو دیکھنے سے لگایا جاسکتا ہے۔ مثلاً

''انیس ہند'' میرٹھ نے لکھا:

''ہمارا ماتھا تو اسی وقت ٹھنکا تھا جب مرزا غلام احمد قادیانی نے آپکی (مراد پنڈت لیکھرام کی۔ناقل) وفات کی پیشگوئی کی تھی''

اسی طرح اخبار ''سماچار''، لاہور، نے جس رنگ میں ہرزہ سرائی کی، اور لیکھرام کے قتل میں حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی ذات کو ملوث کرنے کی کوشش کی، اس کا حوالہ دیتے ہوئے آپؑ نے تحریر فرمایا:

''ایک حضرت نے شاید اپنی مصنفہ کتاب موعود مسیحی میں یہ پیشگوئی بھی کی کہ پنڈت لیکھرام چھ سال کے عرصہ میں عید کے دن نہایت دردناک حالت میں مریگا۔ کیا آریہ دھرم کے اس مخالف اور چند ایک کتب کے ایک خاص مصنف کو (یعنی اس عاجز کو) اس سازش سے کوئی تعلق نہیں ہے''

ایسا ہی کئی اَور اخباروں نے بھی اس قسم کے جملے تحریر کئے جن سے اشارۃً اور کنایۃً آپ کو ملوث کرنا مقصود تھا، جیسے مثلاً

''یہ ایک منصوبہ تھا جو پیشگوئی کے طور پر کیا گیا'' اور ''یہ قتل کئی ایک اشخاص کی مدت کی سوچی اور سمجھی ہوئی اور پختہ سازش کا نتیجہ ہے''

اَور تو اَور، حکومتی سطح پر بعض اعلیٰ افسران بھی اس قسم کے الفاظ مونہوں پر لانے لگے کہ لازماً یہ قتل کسی بہت بڑی سازش کا نتیجہ ہے اور اس میں ایک نہیں بلکہ کئی لوگوں کا ہاتھ ہے۔ چنانچہ لاہور سے نکلنے والے ایک بہت بڑے اخبار نے اپنی ۱۵ / مارچ کی اشاعت میں لکھا:

''حکام کو یہ خیال پیدا ہونا قدرتی ہے کہ اہل اسلام کی سازش سے یہ قتل وقوع میں آیا اور حکام کا یہ فرض ہوگا کہ وہ اس امر کو فرض کر کے اس قتل کی تحقیقات میں کوشاں ہوں''

عجیب بات یہ ہے کہ حضرت بانیٔ سلسلہؑ نے اپنے جن الہامات کی بنا پر لیکھرام کے قتل کی پیشگوئی فرمائی تھی، ہندو اخبارات اپنے اندھے تعصب کی وجہ سے انہی الہامات اور پیشگوئیوں کو اس واردات میں آپ کے ملوث ہونے کی حتمی دلیل کے طور پر پیش کرنے لگے، جیسا کہ مثلاً ایک اخبار نے لکھا:

''مرزا صاحب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ پنڈت جی کی موت دوسری شوال کو ہونی تھی یعنی پیشگوئی میں جو دوسری شوال کی طرف اشارہ تھا، ویسا ہی وقوع میں آیا، تو پس یہ کافی دلیل ہے کہ پیشگوئی کرنے والے کی سازش سے یہ قتل ظہور میں آیا''

(اخبار ''سماچار''، لاہور مورخہ ۱۰ مارچ ۱۸۹۷ء)

حضرت بانیٔ سلسلہؑ نے جب حقائق کے بطلان اور ایک واضح نشان کی تکذیب کا یہ عالم دیکھا تو آپ نے اپنے پہلے اشتہار کے ایک ہفتہ بعد ان اخباری بیانات کے جواب میں بالخصوص اس قتل کو انسانی منصوبہ قرار دینے والوں کی جھوٹی منطق کا پردہ چاک کرنے، نیز اس نشانِ ربانی کی عظمت ظاہر کرنے کی غرض سے ایک اور اشتہار شائع فرمایا، جس میں علاوہ دیگر امور کے آپ نے تحریر فرمایا کہ

''پیشگوئی کی تشریح میں بار بار تفہیم الٰہی سے یہی لکھا گیا تھا کہ وہ ہیبت ناک طور پر ظہور میں آئے گی اور نیز یہ کہ لیکھرام کی موت کسی بیماری سے نہیں ہوگی بلکہ خدا کسی ایسے کو اس پر مسلّط کرے گا، جس کی آنکھوں سے خون ٹپکتا ہوگا۔ مگر جو 'پنجاب سماچار'، دہم مارچ ۱۸۹۷ء میں الہام کے حوالہ سے عید کا دن لکھا ہے۔ یہ اس کی غلطی ہے۔ الہام کی عبارت یہ ہے:
'سَتَعرِف یومَ العِیدِ وَالعِیدُ اَقرب '، یعنی تُو اس نشان کے دن کو جو عید کے مانند ہے، پہچان لے گا اور عید اس نشان سے بہت قریب ہوگی۔ یہ خدا نے خبر دی ہے کہ عید کا دن قتل کے دن سے ملا ہوا ہوگا اور ایسا ہی ہوا۔ عید جمعہ کو ہوئی۔ اور شنبہ کو جو شوال ۱۳۱۴ھ کی دوسری تاریخ تھی، لیکھرام قتل ہو گیا۔ سو اس تمام پیشگوئی کا ماحصل یہ ہے کہ یہ ایک ہیبت ناک واقعہ ہوگا جو چھ سال کے اندر وقوع میں آئے گا اور وہ دن عید کے دن سے ملا ہوا ہوگا یعنی دوسری شوال کی ہوگی''

اور پھر عالم الغیب خدا کے منبعِ غیب سے نکلی ہوئی اس عظیم الشان خبر کی تفصیلات پر غور و فکر کی دعوت دیتے ہوئے اس کی صداقت کے بارے میں شک کرنے والوں کو مندرجہ ذیل رنگ میں متنبہ فرمایا:

''اب سوچو۔ کیا یہ انسان کا کام ہے کہ تاریخ بتلائی گئی، دن بتلایا گیا، سبب موت بتلایا گیا اور اس حادثہ کا وقوعہ ہیبت ناک طرز سے ظہور میں آنا بتلایا گیا، اس کا تمام نقشہ 'برکات الدعا' کے مضمون میں کھینچ کر دکھلایا گیا۔ کیا یہ کسی منصوبہ باز کا کام ہوسکتا ہے کہ چھ برس پہلے ایسے صریح نشانوں کے ساتھ خبر دے دے اور وہ خبر پوری ہوجائے''

پھر لیکھرام کی خود اپنی پیشگوئی، جو اس نے آپ (یعنی حضرت بانیٔ سلسلہ ؑ) کی موت کے بارے میں کی تھی، کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

''لیکھرام نے بھی ایک دنیوی چالاکی سے انہی دنوں میں میری نسبت یہ اشتہار دیا تھا کہ تم تین برس کے عرصہ تک مرجاؤ گے۔ پس کیوں وہ کسی قاتل سے سازش نہ کر سکا تا اسکی بات پوری ہوتی''

☆

درحقیقت لیکھرام کے قتل میں آسمانی تقدیر کا ایک ایسا چمکتا ہوا ہاتھ دکھائی دے رہا تھا کہ دل محسوس کر رہے تھے کہ یہاں انسانی منصوبہ کا کوئی دخل نہیں ہوسکتا۔ تبھی تو اس سارے شور و غوغا کے باوجود اور آریوں کے ان تمام بلند بانگ دعاوی کے علی الرغم انہیں یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ اس مقدمہ کو پولیس میں لے جاتے یا عدالتی کاروائی کی طرف رجوع کرتے۔ ہماری اس منطقی دلیل کی تائید میں پنڈت لیکھرام کے چچا، گنڈارام جو خود ریٹائرڈ ڈپٹی انسپکٹر پولیس تھے، کا ایک معنی خیز بیان پیش کیا جاتا ہے، جو صاف بتاتا ہے کہ آریہ لوگ محض اپنے دلوں کی بھڑاس نکالنے اور اپنی رسواکن شکست کی خفّت مٹانے کی غرض سے یہ سب شور و غوغا کر رہے تھے۔ ورنہ ان کے دل مانتے تھے کہ یہ سب کچھ خدا کے حکم سے اور اس کی پہلے سے دی گئی خبر کے مطابق ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو ایک آریہ وکیل کے حوالے سے کی گئی اصل بات جو اس کے منہ سے نکل گئی:

''(مَیں) جالندھر میں لالہ منشی رام جی کے پاس پہنچا۔ انہوں نے فرمایا، لاہور میں لالہ لاجپت جی رائے کے پاس جاؤ۔ جب لاہور جا کر چیف کورٹ میں پہنچ کر لالہ لاجپت جی رائے سے بات چیت کی (یہ ایک آریہ وکیل تھا۔ناقل)۔ ان کی طرز تقریر اور بیان سے پایا گیا کہ سب کی رائے مقدمہ کرنے کی نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ بفرضِ محال اگر قاتل پکڑا بھی جاوے اور پھر

رہا ہو، تو اس سے یہی بہتر ہوگا کہ پنڈت جی کے قتل کا دھبہ اسلام پر ہی رہے‘‘

تاہم چونکہ ہندو اخبارات مسلسل حق پوشی کر رہے تھے، جس سے عوام اور حکومت دونوں کو دھوکہ دینا مقصود تھا، لہٰذا آپنے ان اخبارات کو آڑے ہاتھوں لیا اور ان کے گمراہ کن پراپیگنڈا کے اٹھتے ہوئے بگولوں کے سامنے مندرجہ ذیل حکیمانہ رنگ میں بند باندھا، یعنی فرمایا:

’’یہ بدگمانی کہ ان کے کسی مرید نے مار دیا ہوگا، یہ شیطانی خیال ہے۔ ہر ایک دانا سمجھ سکتا ہے کہ مریدوں کا مرشد کیساتھ ایک نازک تعلق ہوتا ہے اور اعتقاد کی بنا تقویٰ اور طہارت اور نیکوکاری پر ہوتی ہے۔ لوگ جو کسی کے مرید ہوتے ہیں، وہ اسی نیت سے مرید ہوتے ہیں کہ وہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ شخص باخدا ہے۔ اس کے دل میں کوئی فساد کی بات نہیں۔ پس اگر وہ ایک بدکار اور لعنتی شخص ہے کہ کسی کی موت کی جھوٹی پیشگوئی اپنی طرف سے بناتا ہے اور پھر جب اس کی میعاد ختم ہونے پر ہوتی ہے تو کسی مرید کے آگے ہاتھ جوڑتا ہے کہ اب میری عزت رکھ لے اور اپنے گلے میں رسہ ڈال اور مجھے سچا کر کے دکھلا۔ اب میں منصفوں سے پوچھتا ہوں کہ کیا ایسے پلید اور لعنتی انسان کا یہ چال چلن دیکھ کر اور یہ شیطانی منصوبہ سن کر کوئی مرید اس کا معتقد ہوسکتا ہے‘‘

پھر ایسے اخبار نویسوں کی ضمیر کو جھنجھوڑتے ہوئے فرمایا:

’’میں صاحبِ اخبار سے پوچھتا ہوں کہ آپ لوگوں میں بھی بڑے بڑے اوتار گذرے ہیں جیسے راجہ رامچند ر صاحب اور راجہ کرشن صاحب۔ کیا ان کی نسبت یہ گمان کر سکتے ہیں کہ انہوں نے پیشگوئی کر کے پھر اپنی عزت رکھنے کیلئے ایسا حیلہ کیا ہو کہ کسی اپنے چیلہ کی منت خوشامد کی ہو کہ اسکو اپنی کوشش سے پوری کر کے میری عزت رکھ لے۔ اور پھر انکے چیلے ان کو اچھا آدمی سمجھتے ہوں؟‘‘

آخر پر آپ نے لیکھرام کی موت کو دو طرفہ روحانی دنگل کا منطقی نتیجہ قرار دیتے ہوئے ایک نہایت ہی فیصلہ کن بات فرمائی، یعنی فرمایا:

’’یہ پیشگوئی اسلام اور آریہ مذہب کی ایک کشتی تھی اور فریقین نے سچی نیت سے اپنے خدا اور پرمیشور پر توکل کر کے دونوں مذہبوں کے پرکھنے کیلئے آسمانی فیصلہ کی درخواست کی تھی

اوراس پر راضی ہو گئے تھے ....خدا نے اس مقدمہ میں اسلام کی آریوں پر ڈگری کی''

اسی طرح آپ نے فریقین کے مابین ہونے والے اس روحانی مقابلہ کے تاریخی پس منظر کی طرف توجہ مبذول کراتے ہوئے اس کی اصل حقیقت پر سے یوں پردہ اٹھایا کہ فرمایا:

''اسلام کے مذہب اور ہندوؤں کے مذہب کا خدا تعالیٰ کی درگاہ میں سترہ برس سے ایک مقدمہ دائر تھا۔ سو آخر ۶ مارچ ۱۸۹۷ء کے اجلاس میں اس اعلیٰ عدالت نے مسلمانوں کے حق میں ڈگری دی، جسکا نہ کوئی اپیل اور نہ مرافعہ ....آریہ صاحبوں کو چاہئے کہ اب گورنمنٹ کو ناحق تکلیف نہ دیں''

(ملخص از مجموعہ اشتہارات، جلد۲ صفحہ ۳۴۸ تا ۳۷۵)

آریہ قوم تو یونہی اپنے تعصب اور اسلام دشمنی کی وجہ سے واویلا کر رہی تھی، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے بھی بعض شرفاء اور دانشمند قسم کے لوگ محسوس کرتے تھے کہ نہ صرف یہ کہ حضرت مرزا صاحب کی پیشگوئی کمال صفائی کے ساتھ پوری ہو گئی ہے، بلکہ خود انکے مذہب کا بھی کام تمام ہو گیا ہے۔ مثلاً آریوں کے ایک بہت بڑے لیڈر، پنڈت درشا نند سرسوتی، نے کھلے بندوں اس امر کا اعتراف کیا کہ پنڈت لیکھرام کی موت سے آریہ دھرم پر کاری ضرب پڑی ہے۔ چنانچہ اپنے ایک مضمون بعنوان ''بیسویں صدی کا سچا بلیدان'' میں لیکھرام کی موت پر تبصرہ کرتے ہوئے اس نے لکھا:

''آریہ کن! اب آپ سوچئے، کیا یہ چھری پنڈت لیکھرام کے پیٹ میں لگی ہے؟ نہیں، نہیں۔ یہ چھری آریہ دھرم پر چلی ہے..... اگر اس سے نقصان ہے تو تمہارے دھرم کا اور اگر صدمہ پہنچا ہے تو ویدک دھرم کو''

اور یہی پیغام بالفاظ دیگر حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام آریہ قوم کو دے رہے تھے۔ اسی طرح ایک سناتن دھرمی عالم، جناب مدن گوپال صاحب، ساکن پٹی ضلع لاہور، نے حضرت بانیٔ سلسلہؑ کو اس سلسلہ میں خراج تحسین پیش کرنے کے بعد لکھا:

''لیکھرام کے مارے جانے کی نسبت پیشگوئی اور الزام قتل سے انجام کار اپنے بری ہونیکی پیشگوئی پوری ہوئی''

اعتراف حق پر مبنی ان کا یہ بیان جو انہوں نے اپنی تصنیف ''اہنسا کا اوتار'' میں شائع کیا، اس اعتبار سے نہایت اہم ہے کہ اس میں انہوں نے گویا اپنی ساری قوم کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا۔ وگرنہ ان کی قوم اس پر

سخت احتجاج کرتے ہوئے ان کے خلاف اٹھ کھڑی ہوتی۔ ان کی قوم کا اس واضح تحریر پر خاموش رہنا اس امر کی زبردست دلیل ہے کہ اہل ہنود کا یہ فرقہ (سناتن دھرم) لیکھرام کے قتل کو فی الواقعہ حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی پیشگوئی کا نتیجہ قرار دیتا تھا۔

جہاں تک اہل اسلام کا تعلق ہے، تو معزز مسلمانوں کے ایک کثیر طبقہ نے لیکھرام کی موت کو حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی پیشگوئی کے عین مطابق قرار دیتے ہوئے اپنی تحریرات لکھ کر دیں۔ چنانچہ آپ نے ایسی قریباً چار ہزار شہادات اپنی کتاب 'تریاق القلوب' (از صفحہ ۱۷۷ تا ۱۹۰) میں جمع کر کے شائع کر دیں، جو سب کی سب شہادت دینے والے کے نام و پتہ اور جائے سکونت کے ساتھ اب تک محفوظ ہیں۔[۱]

تاہم چونکہ آریہ قوم بجائے ان معقولی آراء پر غور کرنے کے اپنی ہرزہ سرائی اور خامہ فرسائی میں بڑھتی چلی جا رہی تھی، حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام نے ان کے سامنے فیصلہ کا ایک اَور آسان طریق رکھا۔ فرمایا کہ اگر ان سب باتوں کے باوجود بھی وہ لوگ اسے انسانی منصوبہ قتل سمجھتے ہیں تو

"میں ان کے سامنے فیصلے کا ایک آسان طریق رکھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جو شخص خیال کرتا ہے کہ میں نے لیکھرام کے قتل کی سازش کی ہے، تو 'ایسا شخص میرے سامنے قسم کھائے کہ میں یقیناً جانتا ہوں کہ یہ شخص سازش قتل میں شریک یا اس کے حکم سے واقعہ قتل ہوا ہے۔ پس اگر یہ صحیح نہیں ہے، تو اے قادر خدا! ایک برس کے اندر مجھ پر وہ عذاب نازل کر جو ہیبت ناک عذاب ہو، مگر کسی انسان کے ہاتھوں سے نہ ہو اور نہ انسان کے منصوبوں کا اس میں دخل متصور ہو۔ پس اگر یہ شخص ایک برس تک میری دعا سے بچ گیا تو میں مجرم ہوں اور اس سزا کے لائق کہ ایک قاتل کیلئے ہونی چاہئے۔ اب اگر کوئی بہادر کلیجہ والا آریہ ہے جو اس طور سے تمام دنیا کو شبہات سے چھڑا دے تو اس طریق کو اختیار کرے...... اب بعد اس کے سخت بے حیائی ہوگی کہ کوئی غائبانہ میرے پر ایسے ناپاک شبہات کرے"

(ایضاً۔ نیز کتاب 'سراج منیر'، روحانی خزائن جلد ۱۲ ص ۲۹)

---

[۱] یہ شہادات دینے والے، جن میں بعض ہندو اور سکھ شرفاء کے نام بھی ہیں، ان میں خانقاہ حضرت مخدوم بہاء الدین اور خانقاہ حضرت شاہ حبیب الرحمٰن، واقع سرساوہ۔ ضلع سہارنپور، کے سجادہ نشین، جناب خلیل الرحمٰن صاحب جمالی کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے، جن کی اپنے اور آپکے علاقے کے دو درجن سے زیادہ شرفاء (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

یہ اشتہار آپ نے ۱۵/ مارچ ۱۸۹۷ء کو شائع فرمایا، جس میں یہ وضاحت بھی فرما دی کہ قسم کھانے والے شخص کو قادیان آ کر ایک مجمع کے روبرو قسم کھانی ہوگی۔ اس اشتہار کا شائع ہونا تھا کہ آریہ سماج والوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ وہ جو اپنے ''پہلوان'' کا حشر دیکھ چکے تھے، اب کیسے آگے آنے کی جرأت کرتے۔ چنانچہ انہوں نے اب خاموش رہنے میں ہی اپنی خیریت سمجھی۔ البتہ گنگا بشن نامی ایک ہندو جو آریہ نہیں تھا اور کسی سکول کا ڈرل ماسٹر تھا، اُٹھا اور اس نے اخبار ''سماچار''، پنجاب میں اعلان کروایا کہ وہ یہ قسم کھانے کو تیار ہے، بشرطیکہ

۱۔ پیشگوئی پوری نہ ہونے کی صورت میں مرزا صاحب کو پھانسی دیجائے۔

۲۔ میرے لئے دس ہزار روپیہ گورنمنٹ میں جمع کرایا جائے اور اگر میں مرنے سے بچ جاؤں تو وہ روپیہ مجھے مل جائے۔

۳۔ جب میں قسم کھانے کیلئے قادیان آؤں، تو اس بات کا ذمہ لیا جائے کہ لیکھرام کی طرح قتل نہ کر دیا جاؤں۔

حضرت بانیٔ سلسلہؑ نے اس کی یہ تینوں شرطیں منظور فرمالیں۔ چنانچہ آپ نے جواباً تحریر فرمایا کہ میں طیار ہوں اور گورنمنٹ کی عدالت میں اقرار کر سکتا ہوں کہ جب میں آسمانی فیصلہ کے رو سے مجرم ٹھہروں، تو مجھ کو پھانسی دی جائے۔ اور پھر لالہ گنگا بشن کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ وہ کسی مشہور اخبار میں آپکی نسبت نام لیکر یہ اقرار شائع کرا دیں کہ

(بقیہ حاشیہ) کے دستخطوں کے ساتھ لکھی ہوئی آپ تک پہنچنے والی ایک تحریر ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''ہم سب مسلمان، جن کے دستخط ذیل میں درج ہیں، شہادتِ صادقہ ادا کرتے ہیں کہ حضرت اقدس مرزا غلام احمد قادیانی دام عنایاہ نے پنڈت لیکھرام وغیرہ دشمن خدا تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سچے دین اسلام کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام پا کر پیشگوئی کی تھی، وہ خدا تعالیٰ عزیز و مقتدر مؤید صادقین جلّشانہ نے عین میعاد کے اندر اپنے تمام لوازم کے ساتھ پوری کی اور اس پیشگوئی میں مرزا صاحب اور کسی اہل اسلام کی کسی نوع سازش نہیں ہے۔ یہ خاص خدا تعالیٰ کا فعل تھا، جو عین وقت پر اسلام کی صداقت میں اپنی شوکت وعظمت سے ظاہر ہوا۔

الحمد للہ رب العلمین والسلام علیٰ رسولہ خاتم النبیین''

(''تریاق القلوب''، روحانی خزائن جلد ۱۵، صفحہ ۸۔۱۷۷)

''میں یقیناً جانتا ہوں کہ واقعہ قتل پنڈت لیکھرام اس شخص یا اِس کے مشورہ سے یا اِس کے علم سے ہوا ہے اور جیسا کہ اس کا دعویٰ ہے خدا کی طرف سے یہ کوئی نشان نہیں بلکہ اسی کی اندرونی اور خفیہ سازش کا نتیجہ ہے اور اگر مَیں قسم کے دن سے ایک سال تک فوت ہو گیا تو میرا مرنا اس بات پر گواہی ہوگی کہ درحقیقت لیکھرام خدا کے غضب سے اور پیشگوئی کے موافق فوت ہوا ہے اور نیز اس بات پر گواہی ہوگی کہ درحقیقت دین اسلام ہی سچا مذہب اور باقی آریہ مذہب یا ہندو مذہب وعیسائی مذہب وغیرہ مذاہب سب بگڑے ہوئے عقیدے ہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہیں''

نیز فرمایا کہ جس روز وہ یہ اعلان کرا دینگے، اس سے ایک یا زیادہ سے زیادہ دو ماہ تک ان کا مطلوبہ دس ہزار روپیہ ان کے لئے گورنمنٹ میں جمع کرا دیا جائے گا۔ تاہم آپ نے اس نیم دہریہ ہندو کو ساتھ یہ غیر مبہم پیغام بھی دیا کہ

''میں خوب جانتا ہوں کہ خدا نے میری پیشگوئی پوری کر کے دین اسلام کی سچائی ظاہر کرنے کیلئے اپنے ہاتھ سے فیصلہ کیا ہے۔ پس ہرگز ممکن نہیں کہ میں پھانسی ملوں یا ایک خرمہرہ بھی کسی تکذیب کرنے والے کو دُوں، بلکہ وہ خدا جسکے حکم سے ہر جنبش وسکون ہے، اُس وقت کوئی اَور ایسا نشان دکھائے گا، جس کے آگے گردنیں جھک جائیں''

(بحوالہ مجموعہ اشتہارات، جلد ۲، ص: ۳۷۸)

صدق وصفا کی چاشنی میں سینچے ہوئے اور یقینِ کامل کے خمیر میں گوندھے ہوئے مامور من اللہ کے ان الفاظ نے لالہ بشن صاحب کے کانوں کے سب دریچے کھول کر رکھ دیئے۔ وہ تو سمجھے ہونگے کہ ''پھانسی'' اور ''دس ہزار روپیہ'' کا جھانسا دیکر وہ حضرت بانیٔ سلسلہؑ کو مرعوب کر دینگے، جس سے ڈر کر آپ پیچھے ہٹ جائیں گے اور لالہ جی کی مفت میں واہ واہ ہو جائے گی، مگر جب انہوں نے خدا کے جری پہلوان کا یہ عزم بالجزم دیکھا، تو لگے پینترے بدلنے۔ پہلے تو یہ فضول عذر کیا کہ آپ کی یہ شرط کہ میں اقرارنامہ لکھ کر کسی اخبار میں شائع کرادوں، آپ کے پہلے اشتہار میں نہیں تھی۔ انہیں بھول گیا کہ خود وہ (لالہ جی) بھی اپنی طرف سے دو نہیں، چار نہیں، پورے دس ہزار روپیہ پیشگی جمع کرانے کا مطالبہ کر کے پیش کردہ شرائط میں تجاوز کر چکے تھے۔ دوسرے، اس نے لکھا کہ 'میں ایک سال کو نہیں مانتا، بلکہ چاہتا ہوں کہ فوراً زمین میں

غرق کیا جاؤں، اور یہ کہ مہینہ، تاریخ اور گھنٹہ موت کا بتایا جائے۔ دراصل یہ بھی اسکی طرف سے ایک قسم کا فرار تھا، کیونکہ اگر یہ بات پہلے سے اسکے دل میں ہوتی، تو قسم کھانے پر اپنی آمادگی کا اشتہار دیتے وقت ساتھ یہ بھی لکھ دیتا کہ جب تک اسے اپنی موت کا معین دن وغیرہ نہ بتایا جائے، وہ ان شرائط کو تسلیم نہیں کر سکتا۔

لالہ گنگا بشن صاحب کے اس عذر لنگ کے باوجود آپ نے اس پر اتمام حجت کی خاطر جو جواب تحریر فرمایا، وہ کافی واضح، مدلل اور مُسکت تھا۔ حضورؑ نے فرمایا:

''اوّل تو خود تم نے ہمارے اشتہار ۱۵ مارچ ۱۸۹۷ء کی پابندی اختیار نہیں کی اور اپنی طرف سے دس ہزار روپیہ جمع کرانے کی شرط زیادہ کر دی، جس پر ہمارا حق تھا کہ ہم بھی نئی شرط کے مقابل پر جس قدر چاہتے، پہلے اشتہار کی ترمیم کرتے۔ اور یہ ایک سیدھی بات ہے کہ آپنے ہمارے اشتہار کے منشاء سے آگے قدم رکھ کر ایک نئی شرط اپنے فائدہ کیلئے زیادہ کر دی۔ اس لئے ہمارا بھی حق تھا کہ ہم بھی نئی شرط کے مقابل پر جس قدر چاہیں بڑھا دیں۔ علاوہ اسکے اگر غور کرو، تو تمہیں معلوم ہوگا کہ ہم نے کوئی امر تمہارے مقابل پر ۱۵ مارچ ۱۸۹۷ء کے اشتہار کے مخالف پیش نہیں کیا۔ بلکہ وہ باتیں جو مجمل طور پر اشتہار مذکور میں پائی جاتی تھیں، ان کو کسی قدر تفصیل سے لکھ دیا ہے''

اور پھر اسے یہ بتانے کے بعد کہ یہ اقرار جو بذریعہ اشتہار اور نیز بالمواجہ آپ اس سے کروانا چاہتے تھے، یہ کوئی نئی شرط نہیں تھی، بلکہ اسی پہلی شرط کا حصہ تھا، فرمایا:

''ہماری یہ تمام کاروائی صرف اس غرض سے ہے کہ تا ہم ثابت کریں کہ دنیا میں صرف دینِ اسلام ہی سچا مذہب ہے اور دوسرے تمام مذاہب باطل ہیں۔ اور اگر یہ غرض درمیان میں نہ ہو، تو یہ سب جھگڑے ہی عبث ہیں اور ہمارا الہام بھی عبث۔ یہی تو ایک مدعا ہے یعنی دین اسلام کی سچائی ثابت کرنا، جس کے لئے یہ نشان خدا تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہو رہے ہیں''

اُس کی دوسری باتوں کہ سال کا عرصہ نہیں بلکہ فوراً غرق کیا جاؤں یا یہ کہ مہینہ، دن اور گھنٹہ موت کا بتایا جائے، کے جواب میں فرمایا کہ یہ بھی آپ کے پہلے اقرار کے خلاف ہے۔ نیز فرمایا:

''میں خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوں اور اس کے حکم سے زیادہ نہیں کہہ سکتا اور نہ

کم۔ہاں اگر میعاد کے اندر کوئی زیادہ تشریح خدا تعالیٰ کی طرف سے کی گئی، تو میں اس کو شائع کردوں گا، مگر کوئی عہد نہیں۔آپ اگر اپنی پہلی بہادری پر قائم ہیں تو ایک سال کی شرط قبول کرلیں‘‘

(اشتہار ۱۶؍اپریل ۱۸۹۷ء ، بحوالہ مجموعہ اشتہارات جلد۲،ص ۳۸۷)

مگر لالہ گنگا بشن صاحب اسی قسم کے چند مزید عذراتِ لنگ پیش کرنے کے بعد میدانِ مقابلہ سے کلیۃً فرار ہو گئے۔

.........☆.........

اب یہ کھیل تو یہیں ختم ہو گیا، یعنی اب کسی آریہ یا اَور کسی شخص کو یوں علی الاعلان کہنے کی جرأت نہ ہوئی کہ اس قتل کے ذمہ وار مرزا صاحب ہیں یا یہ کہ ان کے ایما پر یہ قتل ہوا ہے۔تاہم اپنی خفّت ،شرمندگی اور رُسوا کن شکست کا انتقام لینے کے لئے آریوں کی در پردہ کاروائیاں جاری رہیں۔چنانچہ حضرت بانیٔ سلسلہؑ فرماتے ہیں کہ آپؑ کو گوجرانوالہ کے ایک معزز رئیس نے بذریعہ خط اطلاع دی کہ ’ایک خفیہ انجمن آپ کے قتل کیلئے منعقد ہوئی ہے۔اور اس انجمن کے ممبر قریب قریب شہروں کے لوگ (جیسے لاہور،امرتسر ۔بٹالہ اور خاص گوجرانوالہ کے) منتخب ہوئے ہیں اور تجویز یہ ہے کہ بیس ہزار چندہ ہو کر کسی شرط پر طامع کو اس کام کیلئے مامور کریں۔تا وہ موقع پا کر قتل کر دے‘۔اس نے مزید لکھا کہ ’اس مشورۂ قتل کے سرگروہ اس شہر کے بعض وکیل اور چند عہدیدار سرکاری اور بعض آریہ رئیس و سرکردگان لاہور کے ہیں‘

اسی طرح اس مضمون کے خطوط آپ کو پنڈ دادنخان اور بعض دوسرے مقامات سے بھی موصول ہوئے۔علاوہ ازیں اخبارات میں بھی اس قسم کے اشارات آنے لگے کہ آریہ لوگ جوشِ انتقام میں بھڑک رہے ہیں اور یہ کہ حضرت مرزا صاحب کو کرائے کے قاتلوں سے ہوشیار رہنا چاہیئے۔مثلاً

اخبار ’’آفتاب ہند‘‘ نے اپنی ۱۸ مارچ کی اشاعت میں ’مرزا قادیانی خبردار‘ کے عنوان سے لکھا کہ

’آج کل اہل ہنود کے خیالات بہت بگڑے ہوئے ہیں ......بکرے کی ماں کب تک خیر منا سکتی ہے......پس مرزا قادیانی کو خبردار رہنا چاہیئے کہ وہ بھی بقرعید کی قربانی نہ ہو جائے‘۔

اسی طرح اخبار ’’رہبر ہند‘‘ نے اپنے ۱۵ مارچ کے پرچے میں یہ خبر شائع کی کہ

’کہتے ہیں کہ ہندو قادیان والے کو قتل کرائیں گے‘

آریوں نے اپنے اِن اعلانیہ اور خفیہ ارادوں کو عملی صورت میں ڈھالنے کیلئے کیا کیا جتن کئے ہونگے ،

اس کا اندازہ ہر وہ شخص کر سکتا ہے جس نے اس وقت کے حالات کا مطالعہ کیا ہو۔ مگر یہ حقیقت کہ خدا تعالیٰ نے حضرت بانیٔ سلسلہؑ کو انکے ہر شر سے کلیۃً محفوظ رکھا، بجائے خود ایک عظیم معجزہ ہے۔ قادیان اس وقت ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ وہاں کسی محکمانہ حفاظت کا سرے سے کوئی وجود نہ تھا۔ خود حضرت بانیٔ سلسلہؑ کا نہ کوئی ذاتی محافظ تھا، نہ پہرہ دار، ۔ بلکہ گھر کے دروازے پر کوئی دربان تک نہیں تھا۔ علاوہ ازیں آپ کھلے بندوں مسجد میں تشریف لاتے، نمازیں ادا کرتے اور حلقۂ احباب میں بیٹھ کر گھنٹوں گفتگو فرماتے رہتے۔ سیر وتفریح کیلئے جانا بھی آپ کا قریباً روزانہ کا معمول تھا، جس میں ذرہ بھر بھی فرق نہ آیا۔ اِن سب حقائق کے باوجود اگر دشمن آپ تک نہ پہنچ سکا تو یقیناً آپکے پیچھے خدا کی غائبانہ قدرت کا ہاتھ کام کر رہا تھا۔

اس کیساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ آریہ لوگ کئی اَور طریقوں سے بھی آپ کو گزند پہنچانے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ اپنے غیض وغضب کا اظہار پبلک جلسوں اور اخبارات میں کرنے کے علاوہ حکومتِ وقت کو بھی اُکسا رہے تھے کہ وہ اس معاملہ میں مرزا قادیانی کو ملوث کرے۔ بلکہ کئی اخبارات نے تو اُس وقت کی انگریزی حکومت کو جو مذہباً عیسائی تھی، یہ کہہ کر مطعون بھی کیا کہ اگر پادری عبداللہ آتھم قتل ہو جاتا تو حکومت کیا کچھ نہ کرتی۔ امر واقعہ یہ ہے کہ حکومت نے اپنی بساط کی حد تک کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تھا۔ قاتل کا کھوج لگانے کیلئے کشمیر اور برما تک چھاپے مارے گئے۔ لاہور میں بعض معزز مسلمانوں کے گھروں کی خانہ تلاشیاں ہوئیں۔ کئی آدمیوں کی پکڑ دھکڑ بھی ہوئی۔ متعدد پرائیویٹ خطوط اور تاروں تک کو سنسر کیا گیا مگر یہ تمام حربے ناکام رہے۔

بالآخر حکومت نے ایک ایسا اقدام بھی کیا جو حضرت بانیٔ سلسلہؑ کیلئے کسی بھی سنگین صورتِ حال کا پیش خیمہ بن سکتا تھا۔ اور وہ یہ کہ گورداسپور کی ضلعی پولیس کیل کانٹے سے لیس ہو کر حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی خانہ تلاشی کیلئے انگریز ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کی سرکردگی میں ایک دن اچانک قادیان پہنچ گئی۔ خانہ تلاشی یعنی کسی شخص کو مجرم سمجھتے ہوئے اس کی نجی زندگی میں دخل اندازی کرنا، ایک تکلیف دہ کاروائی ہے۔ مگر یہاں تو حکومت کو ایک پُوری کی پُوری بپھری ہوئی قوم کے غیظ وغضب کا مداوا کرنا مقصود تھا۔ وہ معمولی سے شبہ کو بہانہ بنا کر آپ کے خلاف کوئی بھی تعزیری کاروائی کر سکتی تھی۔ مگر جس خدا نے آپ کو بطور ماموِر زمانہ مبعوث کیا تھا، اس نے یہاں بھی آپ کی حفاظت فرمائی چنانچہ یہ خانہ تلاشی بجائے کسی قسم کی پریشانی کا موجب بننے کے آپ کیلئے موجبِ رحمت بن گئی۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

”خدا کی قدرت ہے کہ تلاشی کے وقت میں پہلے وہی کاغذات برآمد ہوئے جن میں میری

اور لیکھ رام کی دستخطی تحریریں تھیں۔ چنانچہ وہ عہد نامہ صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کی خدمت میں پڑھا گیا اور مجلس عام میں اسکا ایسا اثر ہوا کہ بعض عہدیدارانِ پولیس جو صاحب بہادر کے ہمراہ آئے تھے، وہ بول اٹھے کہ جبکہ اپنے مطالبہ سے لیکھ رام نے یہ پیشگوئی حاصل کی تھی اور عہد نامہ لکھا گیا تھا، تو پھر پیشگوئی کرنیوالے پر شبہ کرنا بے محل ہے"

بلکہ اس امر واقعہ پر اس سے بھی بڑھ کر تفصیلی نظر ڈالتے ہوئے فرمایا:

"خدا کے ہر ایک کام میں ایک حکمت ہوتی ہے۔ اس تلاشی میں ایک یہ بھی حکمت تھی کہ وہ کاغذات حکام کے سامنے پیش ہوگئے، جن سے ثابت ہوتا تھا کہ لیکھ رام نے خود قادیان میں آکر اور ۲۵ دن رہ کر پیشگوئی کا مطالبہ کیا۔ اور فریقین کی طرف سے تحریریں لکھی گئیں، جن میں پیشگوئی کو فریقین کے مذہب کے صدق اور کذب کا معیار ٹھہرایا گیا۔ اور حکام پر کھل گیا کہ یہ تحریریں بہت سے بیہودہ خیالات کا فیصلہ کرتی ہیں اور صاف سمجھا دیتی ہیں کہ یہ پیشگوئی اسلام اور آریہ مذہب کی ایک کشتی تھی اور فریقین نے سچی نیت سے اپنے خدا اور پرمیشور پر توکل کر کے دونوں مذہبوں کے پرکھنے کیلئے آسمانی فیصلہ کی درخواست کی تھی اور اس پر راضی ہو گئے تھے۔ اور یہ ایک ایسا امر تھا کہ اگر اسی حیثیت سے چیف کورٹ کی عدالت میں پیش کیا جاتا تو ضرور چیف کورٹ کے ججوں کو اس کے واقعات پر غور کرنے سے گواہی دینی پڑتی کہ خدا نے اس مقدمہ میں اسلام کی آریوں پر ڈگری کی ...."

پھر یہ بھی یاد رہے کہ آپ کا دعویٰ مثیل مسیح ہونے کا تھا۔ آپ نے اپنی کتب میں اس مماثلت کی جہاں اور بہت سی وجوہات بیان فرمائی ہیں، وہاں ایک باریک مماثلت اِس خانہ تلاشی میں بھی آپ کو نظر آئی۔ چنانچہ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

"جس دن خانہ تلاشی ہونے والی تھی یعنی ۸/اپریل روز پنج شنبہ، اس دن مَیں اپنے رسالہ 'سراج منیر' کی ایک کاپی پڑھ رہا تھا اور اس میں براہین احمدیہ کے حوالہ سے یہ مضمون تھا کہ خدا تعالیٰ نے جو اپنی کلام میں میرا نام عیسیٰ رکھا ہے تو ایک وجہِ مشابہت وہ ابتلاء ہے جو حضرت عیسیٰ کو پیش آیا تھا یعنی یہود کی قوم نے اپنی کوششوں سے اور نیز گورنمنٹ رومیہ کو دھوکہ دینا چاہا کہ حضرت عیسیٰ کو صلیب دی جائے۔ اس عبارت کے پڑھنے کے وقت مجھے

یہ خیال آیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے دشمنوں نے دو پہلو اختیار کئے تھے۔ایک یہ کہ اپنی طرف سے ایذا رسانی کی کوششیں کیں اور دوسرے یہ کہ گورنمنٹ کے ذریعہ کو بھی تکلیف دی۔مگر میرے معاملہ میں تو ابتک صرف ایک پہلو ہے یعنی صرف آریوں کی کوششیں اور اخباروں اور خطوط کے ذریعہ سے ان کی بدگوئی۔اُس وقت معاً میرے دل نے خواہش کی کہ کیا اچھا ہوتا کہ گورنمنٹ کی دست اندازی کا پہلو بھی اس کے ساتھ شامل ہو جاتا،تا وہ پیشگوئی جو لیکھ رام کی نسبت اس کی موت سے سترہ برس پہلے لکھی گئی ہے،اپنے دونوں پہلوؤں کے ساتھ پوری ہو جاتی۔سو،ابھی مَیں اِس سوچ میں تھا کہ مجھے اطلاع ملی کہ صاحب ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ بہادر پولیس مسجد میں ہیں۔تب میں بڑی خوشی سے گیا اور صاحب بہادر نے مجھے کہا کہ مجھے حکم آ گیا ہے کہ قتل کے مقدمہ میں آپکے گھر کی تلاشی کروں“[۱]

یہی وجہ ہے کہ خانہ تلاشی بخیر وخوبی مکمل ہونے پر آپ نے اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

”صاحب موصوف........بہت سا حصہ وقت کا خرچ کر کے اور خدا کی پیشگوئی کو اپنے ہاتھوں سے پوری کر کے واپس چلے گئے“

اور پھر اس ساری کارروائی پر ایک بصیرت افروز تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

”ہمیں اسوقت قابل رحم قوم آریہ پر کچھ شکوہ نہیں کہ وہ ایسی ایسی تلاشیوں کے کیوں محرّک ہوئے اور کیوں اپنے شریف ہمسایوں کو جو اہل اسلام ہیں،ایسی بے اصل کارروائیوں سے تکلیف دی،کیونکہ درحقیقت لیکھ رام کی موت سے ان کو بڑا ہی صدمہ پہنچا ہے۔یہ ایسا صدمہ نہیں ہے جو کبھی معزز قوم آریہ اس کو فراموش کر سکے۔اور درحقیقت یہ بھی سچ ہے کہ اگر

[۱] یہ خانہ تلاشی صبح سے شام تک جاری رہی۔اس دوران پولیس افسران نے پہلے آپ کے مکان کے مردانہ حصہ کی تلاشی لی۔پھر زنانہ حصۂ مکان کی۔اسی طرح تمام بستہ جات جو مختلف قسم کے کاغذات اور خطوط سے بھرے ہوئے تھے،ایک ایک کر کے کھولتے اور پڑھتے رہے۔یہ لوگ مطبع اور مہمان خانہ میں بھی گئے اور وہاں پر موجود کاغذات اور دستاویزات وغیرہ کی بھی پڑتال کی۔غرض ہر طرح سے تسلی کرنے اور اپنے فرائض منصبی کو پوری ذمہ واری سے ادا کرنے کے بعد یہ پولیس افسران،جن کا سربراہ ایک انگریز تھا،شام کو واپس ہوئے۔

اس موت کے ساتھ ایک اسلامی پیشگوئی نہ ہوتی، تب تو یہ موت ایک خفیف سی موت سمجھی جاتی اور قاتل کی سراغ رسانی کیلئے معمولی قواعد استعمال میں لائے جاتے۔ مگر اب تو یہ ایک بڑی بھاری مصیبت پیش آئی کہ لیکھ رام کی وفات اس پیشگوئی کے موافق ہوئی جس میں یہ شرط جانبین نے قبول کر لی تھی کہ پیشگوئی کے جھوٹی نکلنے کی حالت میں اسلام کی سچائی میں فرق آئے گا اور اگر پیشگوئی واقعی طور پر سچی ثابت ہوئی تو آریہ مذہب کا جھوٹا ہونا مان لیا جائے گا“

(ملخص از اشتہار مورخہ ۱۱/اپریل ۱۸۹۷ء، بحوالہ مجموعہ اشتہارات جلد۲، صفحہ:۳۸۱ تا ۳۸۴)

الغرض وہ بہت بڑا ابتلا جو کسی بھی ناگہانی مصیبت کا باعث بن سکتا تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنے دستِ قدرت سے نہ صرف اسکے بدنتائج سے آپ کو محفوظ رکھا، بلکہ دشمنوں کا منہ بھی کالا کیا، جس سے وہ ہمیشہ کیلئے سرنگوں ہو گئے۔ چنانچہ آپ نے اس ساری تقریب پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

”لیکھ رام کے مرنے سے دشمن کا منہ کالا تو ہو چکا تھا، مگر ہمارے گھر کی تلاشی نے اَور بھی ان کے مکروں پر خاک ڈال دی اور جھوٹ کا ناک بڑی صفائی سے کاٹا گیا“

(استفتاء، روحانی خزائن جلد۱۲، ص:۱۲۹)

☆ ☆ ☆

.....باب دوم.....

حضرت بانئ سلسلہ علیہ السلام کی دعاؤں کی برکت سے

غلامانِ احمد

کا

اپنی مشکلات اور مصائب سے نجات پانا

☆

کلام الامام

''جو حالت میری توجہ کو جذب کرتی ہے اور جسے دیکھ کر میں دعا کے لئے اپنے اندر تحریک پاتا ہوں، وہ ایک ہی بات ہے کہ میں کسی شخص کی نسبت معلوم کرلوں کہ یہ خدمتِ دین کا سزاوار ہے اور اس کا وجود خدا تعالیٰ کے لئے، خدا کے رسول کے لئے، خدا کی کتاب کے لئے اور خدا کے بندوں کے لئے نافع ہے۔ ایسے شخص کو جو درد والم پہنچے، وہ درحقیقت مجھے پہنچتا ہے''

(ملفوظات جلد ۱ صفحہ ۲۴)

☆

حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی دعاؤں کی برکت سے آپ کے غلاموں کی آسمانی حفاظت

حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام پر آپکے مخالفین کی طرف سے بننے والے مقدمات میں آپ کی آسمانی حفاظت کے واقعات کے ذکر کے بعد اب چند اُن واقعات کا تذکرہ کیا جاتا ہے، جو آپؑ کی دعاؤں کے طفیل آپؑ کے رفقاء اور غلاموں کے حق میں ظاہر ہوئے۔ یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے مقدمات اور دیگر آلام و مصائب کے وقت اپنے آقا کی دعاؤں کے طفیل کس کس طرح بچایا، ان کے حق میں کیا کیا بشارات بہم پہنچائیں اور اپنی تائید و نصرت کے کیا کیا نظّارے دکھائے۔

........☆........

پہلا نشان

''اے سیف اپنا رخ اس طرف پھیر لے''

حضرت نواب محمد علی خان صاحب، مالیر کوٹلہ، کی مقدمہ سے رہائی

اس سلسلے میں سب سے پہلے حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کے ایک مخلص مرید، حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ، رئیس مالیر کوٹلہ، کے حق میں ظاہر ہونے والا ایک نشان بیان کیا جاتا ہے۔ یہ جہاں ایک قادر و توانا اور سمیع و بصیر خدا کی ہستی کا ثبوت بہم پہنچاتا ہے، وہاں خود آپ (یعنی حضرت بانیٔ سلسلہؑ) کی عنداللہ مقبولیت کے حق میں ایک روشن شہادت مہیا کرتا ہے۔ حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ، ریاست مالیر کوٹلہ کے ایک بہت بڑے جاگیر دار اور آپؑ کے ابتدائی مریدوں میں سے تھے۔ پھر انہیں یہ امتیاز بھی حاصل ہوا کہ حضرت بانیٔ سلسلہؑ نے انہیں اور ان کے صاحبزادے کو اپنی دامادی کے شرف سے نوازا[ا]۔

[ا] آپکا عقد حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی سب سے بڑی صاحبزادی، حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ، سے ہوا۔ پھر آپکے صاحبزادے، حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب کا عقد حضورؑ کی دوسری صاحبزادی، حضرت نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہؓ، سے ہوا۔ اس طرح باپ بیٹا دونوں کو حضور علیہ السلام کی دامادی کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت نواب صاحب بعد میں نقل مکانی کر کے مستقل طور پر قادیان میں آ کر آباد ہو گئے۔تاہم ابھی آپ مالیر کوٹلہ میں ہی تھے کہ آپ اور آپکے بھائیوں پر ریاست کی طرف سے ایک ایسا مقدمہ بن گیا کہ عین ممکن تھا کہ آپکی جاگیر اور ریاست کی طرف سے ملنے والے خطابات سب ضبط کر لئے جاتے۔عین اس وقت آپنے حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کی خدمت میں نہایت دردمند ہو کر دعا کی درخواست کی، جس کے نتیجے میں حالات نے پلٹا کھایا اور خطرات دور ہو گئے۔اس سلسلے میں حضرت کو ایک الہام بھی ہوا، جو مقدمے کے ختم ہو جانے پر دلالت کرتا تھا۔ چنانچہ آپ اس سارے واقعہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہونے والے ایک بہت بڑے نشان کے طور پر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس جگہ ایک تازہ قبولیت دعا کا نمونہ جو اس سے پہلے کسی کتاب میں نہیں لکھا گیا، ناظرین کے فائدہ کے لئے لکھتا ہوں۔ وہ یہ کہ نواب محمد علی خان صاحب رئیس مالیر کوٹلہ مع اپنے بھائیوں کے سخت مشکلات میں پھنس گئے تھے۔اور انہوں نے بہت کوشش کی مگر ناکام رہے اور صرف آخری کوشش یہ باقی رہی تھی کہ وہ نواب گورنر جنرل بالقابہ سے اپنی دادرسی چاہیں اور اس میں بھی کچھ امید نہ تھی، کیونکہ ان کے برخلاف قطعی طور پر حکام ماتحت نے فیصلہ کر دیا تھا۔اس طوفان ہم وغم میں جیسا کہ انسان کی فطرت میں داخل ہے، انہوں نے صرف مجھ سے دعا کی ہی درخواست نہ کی، بلکہ یہ بھی وعدہ کیا کہ اگر خدا تعالیٰ ان پر رحم کرے اور اس عذاب سے نجات دے، تو وہ تین ہزار روپیہ بعد کامیابی کے بلا توقف لنگر خانہ کی مدد کے لئے ادا کریں گے۔ چنانچہ بہت سی دعاؤں کے بعد مجھے یہ الہام ہوا کہ

'اے سیف، اپنا رخ اس طرف پھیر لے'''

فرماتے ہیں:

''تب میں نے نواب محمد علی خان صاحب کو اس وحی الٰہی سے اطلاع دی۔ بعد اس کے خدا تعالیٰ نے ان پر رحم کیا اور صاحب بہادر وائسرائے کی عدالت سے ان کے مطلب اور مقصود اور مراد کے موافق حکم نافذ ہو گیا۔تب انہوں نے بلا توقف تین ہزار روپیہ کے نوٹ جو نذر مقرر ہو چکی تھی، مجھے دیدئے۔اور یہ ایک بڑا نشان تھا جو ظہور میں آیا''

(''چشمۂ معرفت''، روحانی خزائن، جلد ۲۳ ص:۹۔۳۳۸)

دوسرا نشان

''خدا نے مجھے بلا سے نجات دے دی''

حضرت مستری نظام الدین صاحبؓ کی معجزانہ بریت

دوسرے نمبر پر جس مقدمہ کا ذکر کیا جا رہا ہے، وہ حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے ایک اور مرید، حضرت مستری نظام الدین صاحب سیالکوٹیؓ، سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ مقدمہ کس قدر سخت تھا اور پھر حضرت کی دعا سے کس طرح اللہ تعالیٰ نے باوجود ظاہری اسباب کے مخالف ہونے کے حضرت مستری صاحب موصوف کو اسکے بداثرات سے بچالیا، اس کی روئداد بھی خود حضرت بانیٔ سلسلہؑ نے بطور ایک نشان الٰہی کے اپنی کتاب ''حقیقۃ الوحی'' میں بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

''ایک مرتبہ مستری نظام الدین نام ایک ہماری جماعت کے شخص نے سیالکوٹ اپنی جائے سکونت سے میری طرف خط لکھا کہ ایک خطرناک مقدمہ فوجداری کا میرے پر دائر ہو گیا ہے۔ اور کوئی سبیل رہائی کی نہیں۔ سخت خوف دامنگیر ہے۔ اور دشمن چاہتے ہیں کہ میں اس جال میں پھنس جاؤں اور بہت خوش ہو رہے ہیں۔ اور میں نے اس وقت ظاہری اسباب سے نومید ہو کر یہ خط لکھا ہے۔ اور میں نے اپنے دل میں نذر کی ہے کہ اگر میں اس مقدمہ سے نجات پاؤں، تو مبلغ پچاس روپے خدا تعالیٰ کے شکریہ کے طور پر آپ کی خدمت میں ارسال کرونگا۔ تب وہ خط کئی لوگوں کو دکھلایا گیا اور بہت دعا کی گئی اور اسکو اطلاع دی گئی۔ چند دن گذرنے کے بعد پھر اس کا خط مع پچاس روپے کے آیا اور لکھا کہ خدا نے مجھے اس بلا سے نجات دی''

اس پر ابھی چند ہفتے ہی گذرے تھے کہ مستری صاحب موصوف کا ایک دوسرا خط حضور علیہ السلام کو موصول ہوا، جس میں لکھا تھا کہ سرکاری وکیل نے پھر وہ مقدمہ اٹھایا ہے، اس بنیاد پر کہ فیصلہ میں غلطی ہے اور صاحب ڈپٹی کمشنر نے ایڈووکیٹ کی بات قبول کر کے فیصلہ کو انگریزی میں ترجمہ کرا کر اور سفارش لکھ کر صاحب کمشنر بہادر کی خدمت میں بھیج دیا ہے۔ اس لئے یہ پہلے سے بھی خطرناک اور تکلیف دہ ہے۔ اور میں نے اس حالتِ بے قراری میں پھر اپنے ذمہ یہ قدر مقرر کی ہے کہ اب کی دفعہ میں اس حملہ سے بچ جاؤں گا، تو میں پچاس روپیہ پھر بطور شکر ادا کروں گا۔ میرے لئے بہت دعا کی جائے۔

اس پر حضرت بانیٔ سلسلہؑ پھر دعا میں مصروف ہو گئے ۔ اللہ تعالیٰ نے اس بار بھی اپنا نشان دکھلایا اور آپؑ کی دعا کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے مقدمے کا رخ بدل دیا ۔ چنانچہ اس سلسلے میں جو خط آپؑ کو مکرم مستری صاحب موصوف کی طرف سے موصول ہوا، اس کا پورا متن ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

”بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

مسیحنا و مھدینا، حضرت حجۃ اللہ فی الارض! السلام علیکم و رحمۃ اللہ

اللہ تعالیٰ نے حضور کی خاطر پھر خاکسار پر رحم فرمایا اور اپیل فریق مخالف کی کمشنر صاحب لاہور نے نامنظور کر کے کل واپس کر دی فالحمد للہ ۔ خاکسار دو ہفتے کے اندر حضور کی قدم بوسی کیلئے حضور کی خدمت میں پچاس روپے نذرانہ جو پہلے مانا ہوا ہے، لے کر حاضر ہو گا“

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد ۲۲، ص: ۳۳۶۔۷)

☆ ☆ ☆

تیسرا نشان

”بلائے ناگہانی حضور کی دعا سے دور ہو گئی“

سردار محمد حیات، ڈویژنل جج، کی ایک خطرناک مقدمہ سے رہائی

اب حضرت کی دعا سے ایک اَور معزز دوست پر نازل ہونے والی مصیبت کے ازالے کی روئداد بیان کی جاتی ہے ۔ یہ دوست جن کا نام سردار محمد حیات خان تھا، اور وہ ڈویژنل جج تھے، ایک خطرناک فوجداری مقدمہ میں ملوث ہو کر معطل کر دئے گئے تھے ۔ پھر وہ حضور کی دعاؤں کے طفیل کس طرح بری ہو کر اپنی سابقہ پوزیشن پر بحال کئے گئے، اس کے بارے میں حضورؑ بیان فرماتے ہیں:

”سردار محمد حیات کا کبھی آپ نے نام سنا ہی ہو گا کہ جو گورنمنٹ کے حکم سے ایک عرصۂ دراز تک معطل رہے ۔ ڈیڑھ سال کا عرصہ گذرا ہو گا یا شاید اس سے زیادہ کچھ عرصہ گذر گیا ہو گا کہ جب طرح طرح کی مصیبتیں اور مشکلیں اور صعوبتیں ان کو پیش آئیں اور گورنمنٹ کا منشا بھی کچھ برخلاف سمجھا جاتا تھا ۔ انہی دنوں میں ان کے بری ہونے کی خبر ہم کو خواب میں

ملی اور خواب میں، مَیں نے ان کو کہا کہ تم کچھ خوف مت کرو۔ خدا ہر چیز پر قادر ہے، وہ تمہیں نجات دیگا۔ چنانچہ یہ خبر انہی دنوں میں بیسیوں ہندوؤں اور مسلمانوں کو سنائی گئی۔ جس نے سنا، بعید از قیاس سمجھا اور بعض نے ایک امر محال خیال کیا اور میں نے سنا ہے کہ انہی ایام میں محمد حیات خان صاحب کو بھی یہ خبر کسی نے لاہور پہنچا دی تھی۔ سو الحمد للہ والمنۃ کہ یہ بشارت بھی جیسی دیکھی تھی، ویسی ہی پوری ہوئی"

یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب آپ ماموریت کا الہام پانے کے بعد اسلام کے ایک بطل جلیل کی حیثیت سے اسلام کی حقانیت اور دیگر تمام مذاہب پر اس کی برتری ثابت کرنے کیلئے بڑے بڑے مذہبی لیڈروں کو للکار رہے تھے۔ تاہم اُس وقت نہ ابھی آپ نے کسی جماعت کی بنیاد رکھی تھی، نہ ہی بیعت کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ چنانچہ آپ نے اس واقعہ کو اسلام کے زندہ خدا کی ہستی کی دلیل کے طور پر منجملہ دیگر نشانوں کے اپنی کتاب "براہین احمدیہ" میں درج فرمایا۔ بعد میں آپنے اس نشان کو اپنی ایک اور تصنیف "تریاق القلوب" میں بھی بیان فرمایا۔ یہاں وہ عبارت جو کسی قدر اضافے کے ساتھ آپنے اپنی اِس کتاب میں درج فرمائی ہے، درج کی جاتی ہے۔ آپ نے تحریر فرمایا:

"نواب سردار محمد حیات خان ایک وقت معطل ہو گئے تھے اور گورنمنٹ سے ان پر کئی الزام قائم ہو کر ایک سخت اور خطرناک مقدمہ دائر کیا گیا تھا۔ ان مشکلات کے وقت انکی نسبت میرے بھائی غلام قادر مرحوم نے مجھ سے سفارش کی کہ ان کیلئے دعا کی جائے۔ دعا کے بعد انکے بری ہونے کی بشارت خواب میں مجھ کو ملی اور میں نے انکو خواب میں عدالت کی کرسی پر بیٹھے ہوئے دیکھا اور میں نے کہا، تم معطل تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں، اِس جہان میں مگر اُس جہان میں نہیں۔ اور ایک مرتبہ خواب میں، مَیں نے ان کو کہا کہ تم کچھ خوف مت کرو، خدا تعالیٰ ہر ایک چیز پر قادر ہے، وہ تم کو اس بلا سے نجات دے گا۔ اور بری کر دیگا۔ میرے بھائی نے اس خواب سے ان کو اطلاع دے دی تھی اور نیز فضل احمد میرے لڑکے نے بھی ان کو خبر دی تھی"

(تریاق القلوب، روحانی خزائن جلد ۱۵، ص: ۱۹۲)

آپ کے اس نشان کے گواہ قادیان کے کئی غیر مسلم بالخصوص ہندو آریہ لوگ بھی تھے۔ چنانچہ آپ نے

جب اپنا رسالہ ''قادیان کے آریہ اور ہم'' تصنیف فرمایا، تو اس میں قادیان کے آریوں کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

''بھلا لالہ شرمپت قسم کھا کر کہے کہ کیا یہ سچ نہیں کہ جب نواب محمد حیات خان سی۔ ایس۔ آئی معطل ہو گیا تھا اور کوئی بریت کی امید نہیں تھی اور اس نے مجھ سے دعا کی درخواست کی تھی، تو میرے خدا نے ظاہر کیا تھا کہ وہ بری ہو جائیگا۔ اور میں نے کشفی نظر سے اس کو عدالت کی کرسی پر بیٹھا دیکھا تھا اور یہ بات میں نے اس کو بتا دی تھی۔ اور نہ صرف اس کو بلکہ بہتوں کو بتائی تھی۔ چنانچہ کشن سنگھ آریہ بھی اس کا گواہ ہے''[۱]

(روحانی خزائن، جلد۲۰، صفحہ۴۳۹)

☆ ☆ ☆

[۱] یہ رسالہ ''قادیان کے آریہ اور ہم'' آپ نے اس وقت تحریر فرمایا، جب قادیان کے آریہ اپنی دشمنی اور تعصب کی وجہ سے اپنی تقریروں اور تحریروں میں کہنے لگ گئے تھے کہ ہم نے (حضرت بانیٔ سلسلہ ؑ کا) کوئی نشان نہیں دیکھا۔ آپ نے ان کو جھٹلانے کی غرض سے اس رسالہ میں اپنے کئی نشان بیان فرمائے، جن کے وہ چشم دید گواہ تھے۔ منجملہ ان کے وہ نشان بھی تھا، جس کا ذکر اوپر متن میں کیا گیا ہے۔ اس رسالہ کے شائع ہونے پر ان کا خاموش رہنا اور قسم کھانے کے لئے آگے نہ آنا بتاتا ہے کہ ان پر حجت پوری ہوگئی۔

چوتھا نشان

''یہ ہے حضور کی دعاؤں کا نتیجہ''

حاجی محمد کملانہؓ پر بننے والا قتل کا مقدمہ

حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کے مریدوں کو آپ کی دعاؤں کی قبولیت پر اس قدر یقین تھا کہ وہ آپ کی خدمت میں دعائیہ خطوط لکھتے رہتے یا زبانی عرض کرتے رہتے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اشارہ پا کر حضور انہیں تسلی دلا دیتے۔ اس یقین کے پیچھے یقیناً مخلصین جماعت کے وہ ذاتی تجربات کام کر رہے تھے، جن کی بنا پر وہ بارہا دیکھ چکے تھے کہ کس طرح خدا تعالیٰ کا یہ فرستادہ شب و روز اُن کے غموں میں شریک ہوتا اور خدا کی رحمت بن کر ان کے دکھوں اور دردوں کے ازالے کی خاطر آستانۂ الوہیت پر گر کر ان کو الٰہی بشارات کے تحفے لا کر دیتا ہے۔ ایک ایسا ہی نمونہ آپکے ایک صحابی، حضرت میاں نور محمد صاحبؓ ساکن بستی وریام، ضلع جھنگ، نے بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

''ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حاجی محمد کملانہؓ[۱] پر قتل کا مقدمہ بن گیا۔ حاجی محمد صاحب نے میرے بھائی کو حضور کی خدمت میں دعا کے لئے روانہ کیا۔ اور یہ بھی کہا کہ جب تک حضور آپکو رخصت نہ کریں، اس وقت تک وہیں رہیں۔ اور ہر روز دعا کی درخواست کرتے رہیں۔ میرا بھائی ایک ماہ سے زائد دن قادیان میں رہا، اور روزانہ دعا کی درخواست کرتا رہا۔ جس دن حاجی محمد کملانہ سکنہ بستی وریام ضلع جھنگ مقدمہ سے بری ہوا، اسی روز حضور نے میرے بھائی کو اجازت فرمائی۔ اور وہ حاجی محمد صاحب کے بری ہونے کے دن قادیان سے رخصت ہو کر روانہ ہوئے۔ یہ ہے حضور کی دعاؤں کا نتیجہ اور حضور کی باطنی صفائی''

(روایات حضرت میاں نور محمد صاحبؓ، بحوالہ رجسٹر روایات صحابہ، نمبر اص:۱۔۱۵۰)

---

۱ حاجی محمد کملانہ صاحبؓ کون تھے، اس بارے میں انہی کے گاؤں موضع بستی وریام اور انہی کی برادری کے ایک احمدی گھرانے کے چشم و چراغ، مہر منیر احمد صاحب کملانہ، ایڈووکیٹ، ضلع جھنگ، (حال مقیم انگلستان) نے اس عاجز راقم الحروف کے پاس بیان کیا کہ وہ ہمارے گاؤں کے پہلے خوش نصیب احمدی تھے۔ انہی کی تحریک اور تبلیغ سے میرے دادا صاحب، مہر ماچھی محمد، نے احمدیت قبول کی۔

پانچواں نشان

''آخر دعا منظور ہوئی''

بستی وریام کے تین مظلوموں کا مامور من اللہ کی دعا سے مقدمہ میں بریت کا اعجازی کرشمہ

اب اسی بستی، وریام، ضلع جھنگ، کے رہنے والے تین اَور مظلوم اشخاص کی معجزانہ بریت سے تعلق رکھنے والا ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ یہ سراسر جھوٹا مقدمہ، جو اُس بستی کے رہنے والے ایک شخص، مہر شہادت کملانہ،[ا] نے ان تین مظلوم اشخاص پر کھڑا کیا، کس طرح حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی دعا سے ختم ہوا، حضرت کی عنداللہ مقبولیت کا ایک زبردست نشان ہے۔ واقعات کے مطابق آثار ایسے تھے کہ ان مظلوموں کی بریت امر محال تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے مامور کے حق میں اپنی قدرت کا نشان دکھایا اور باوجود نامساعد حالات کے آپکی دعا کو قبول فرما کر جماعت سے تعلق رکھنے والوں کا ایمان تازہ کیا۔ آپ نے اس واقعہ کو بھی اللہ تعالیٰ کے زندہ نشانوں میں سے ایک نشان کے طور پر اپنی تصنیف ''حقیقۃ الوحی'' میں درج فرمایا ہے۔ اب اس واقعہ کی روئداد حضور کے ہی الفاظ میں درج ذیل کی جاتی ہے۔ حضور فرماتے ہیں:

''میاں نور احمد مدرس امدادی، بستی وریام کملانہ، ڈاکخانہ ڈب کلاں تحصیل شورکوٹ، ضلع جھنگ، کے متواتر خطوط میرے نام اس بارہ میں پہنچے تھے کہ انکے عزیز دوست مسمی قاسم ورستم ولعل وغیرہ پر ایک جھوٹا مقدمہ مسمی پٹھانا کملانا نے کیا ہوا ہے۔ اور مقدمہ خطرناک ہوگیا ہے، دعا کی جائے۔ پس جبکہ کثرت سے ہر ایک خط میں عاجزانہ طور پر دعا کیلئے ان کا اصرار ہوا۔ تب میرے دل کو اس طرف توجہ ہوگئی کیونکہ میں نے واقعی طور پر ان کی حالت کو قابل رحم پایا۔ اسلئے بہت دعا کی گئی۔ آخر دعا منظور ہوئی۔ چنانچہ ۱۲ستمبر ۱۹۰۶ء کو اسی میاں نور احمد کا خط مجھ کو بذریعہ ڈاک جو فتحیابی مقدمہ کی نسبت تھا، پہنچا، جو ذیل میں لکھا جاتا ہے:

[ا] مہر شہادت کملانہ، بستی وریام (ضلع جھنگ) کا ایک بااثر شخص تھا۔ جس مقدمے کا یہاں ذکر ہے، وہ اس نے بستی کے بعض دیگر افراد کو ساتھ ملا کر وہاں کے بعض بے قصور آدمیوں کے خلاف دائر کیا تھا (پٹھانا کملانہ اسی کو کہا گیا ہے)۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم　　　　نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت مرشدنا ومولانا جناب مسیح علیہ السلام۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

بعد آداب غلامانہ عرض ہے کہ جو مقدمہ جھوٹا پٹھانا کملانہ نے ہمارے غریب دوست مسمی قاسم ورستم اور لعل وغیرہ پر دائر کیا ہوا تھا، وہ مقدمہ خدا کے فضل سے آپ کی دعاؤں کی برکت سے ۳۱/اگست ۱۹۰۶ء کو فتح ہو گیا ہے۔ آپ کو مبارک ہو۔ سبحان اللہ! خدائے پاک نے اپنے پیارے امام کی دعاؤں کو قبول فرمایا اور سرفراز کیا اور ہمارے ایمان میں ایزادی ہوئی۔ ہم اس احکم الحاکمین کے فضلوں کا شکر ادا نہیں کر سکتے۔

راقم بندہ نور احمد، مدرس امدادی، بستی وریام کملانہ، ڈاکخانہ ڈب کلاں،
تحصیل شورکوٹ، ضلع جھنگ"

(بحوالہ حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد ۲۲، ص:۸۔۲۳۷)

........☆........

واقعہ مذکورہ بالا سے متعلق ایک دلچسپ تعارفی نوٹ

جھنگ کے رہنے والے ہمارے ایک مخلص احمدی دوست، برادرم مہر منیر احمد کملانہ، ایڈووکیٹ (حال انگلستان) نے خاکسار راقم الحروف کو بتایا کہ یہ جھوٹا مقدمہ کرنے والا شخص، جس کا نام مہر شہادت کملانہ تھا، ہماری بستی کا ایک بااثر آدمی تھا، جو لوگوں کو تنگ کرنے، نیز اپنی جھوٹی انا کی خاطر اکثر جھوٹے مقدمات کرتا رہتا تھا۔ اس کا اپنا کیا حشر ہوا، یہ ایک عبرتناک داستان ہے۔ اسکے تین بیٹے تھے۔ نور احمد، غلام احمد اور نور محمد۔ غلام احمد حج کرنے گیا۔ یہ وہ سال تھا جس میں سینکڑوں آدمی آگ کی لپیٹ میں آکر جل گئے تھے۔ وہ بھی ان جلنے والوں میں سے ایک تھا۔ دوسرے دو بیٹوں میں سے ایک جوآ کھیلنے کا عادی بن گیا۔ تیسرا نشے کا عادی ہو کر مرا۔ پھر یہ نحوست اسکی اولاد، در اولاد میں بھی چل پڑی۔ نور محمد کا ایک ہی بیٹا تھا، جو اپنی بیوی کے قتل میں ملوث ہو کر ماخوذ ہوا اور اس طرح اس کی ساری زمین مقدمات کی نذر ہو گئی۔

برادرم کملانہ صاحب یہ بھی بتاتے ہیں کہ مہر شہادت ہمارے دادا مہر ماچھی محمد صاحبؓ (یکے از غلامان حضرت احمدؑ) کا پتریر (یعنی چچازاد بھائی) تھا۔اس کی شقاوتِ قلبی کا یہ حال تھا کہ اپنے کسی مخالف کے وفات پانے پر قبرستان میں جا کر ڈھول بجاتا اور چاولوں کی دیگیں پکا کر تقسیم کیا کرتا تھا۔لیکن جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے، اس کے اس سنگدلانہ اور غیر شریفانہ رویے کی سزا اسے اپنے بیٹوں کے طرح طرح کے مصائب میں گرفتار ہونے کی صورت میں ملی۔فاعتبروا یا اولی الابصار!

☆

''اس زمانے کا حصن حصین مَیں ہوں!''

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''اس زمانے کا حصن حصین مَیں ہوں۔جو مجھ میں داخل ہوتا ہے، وہ قزاقوں اور درندوں سے اپنی جان بچائے گا۔مگر جو شخص میری دیواروں سے دُور رہنا چاہتا ہے، ہر طرف سے اس کو مَوت درپیش ہے''

(''فتح اسلام''، روحانی خزائن، جلد۳، صفحہ۳۴)

☆

چھٹا نشان

''یہ انسانی فیصلہ نہیں، یہ خدائی فیصلہ ہے''

ایک سنگین مقدمہ اور ملزمان کی معجزانہ بریت

اب ایک ایسے مقدمہ کی روئداد بیان کی جاتی ہے جس میں حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کی توجہ روحانیہ کے نتیجے میں ملزمان ایک سنگین جرم سے بری قرار دئے گئے۔ مقدمہ یہ تھا کہ سراوہ (ضلع میرٹھ، یو۔پی) کے ایک گاؤں میں کسی مقدمے کے سلسلے میں پولیس لوگوں کو پکڑنے کیلئے آئی۔ اس پکڑ دھکڑ میں پولیس والوں نے لوگوں کو زدوکوب کیا۔ اس پر گاؤں کے لوگوں نے مشتعل ہو کر پولیس کو مارا پیٹا۔ اب گاؤں والوں کے خلاف ایک نیا مقدمہ کھڑا ہو گیا۔ جب یہ مقدمہ عدالت میں پیش ہوا، تو تمام ملزموں کو تین تین سال کی قید کی سزا سنائی گئی۔ گاؤں والوں نے اس سزا کے خلاف اپیل کرنے کا ارادہ کیا۔ چونکہ مقدمہ سنگین تھا اور جرم ثابت تھا، سارا گاؤں اس کا گواہ تھا، اس لئے کوئی وکیل اسے لینے کے لئے تیار نہ ہوتا تھا۔ اس واقعہ کے راوی، حضرت منشی عبدالرحمٰنؓ (یکے از صحابہ حضرت مسیح موعودؑ) بیان کرتے ہیں:

> **''میرا داماد فضل احمد احمدی اس گاؤں کا مختار تھا۔ وہ جس وکیل سے بھی بات کرتا۔ وہ کہہ دیتا کہ اپیل کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ آخر ایک انگریز وکیل سے کہا گیا مگر اس کا بھی یہی جواب تھا کہ اپیل کا کوئی فائدہ نہیں۔ مگر اسے کہا گیا کہ تم اپیل دائر کر دو، خواہ کچھ بھی ہو۔ اس پر اپیل دائر کر دی گئی''**

آگے فرماتے ہیں:

> **''دوسری طرف میرے داماد نے حضور علیہ السلام (مراد حضرت بانیٔ سلسلہؑ) کی خدمت میں دعا کے لئے خط روانہ کیا اور تمام حال لکھ دیا.... حضور کی طرف سے جواب آیا کہ جس روز تمہارا مقدمہ عدالت میں پیش ہو، اسوقت ایک شخص مسجد میں نفل پڑھ کر جس طرف حاکم بیٹھا ہوا ہو، اس طرف منہ کر کے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا شروع کر دے اور جب تک مقدمہ پیش رہے، وہ برابر پڑھتا چلا جائے''**

راوی کا بیان ہے، ہم نے ایسا ہی کیا۔ جب اپیل پیش ہوئی تو تاریخ مقررہ پر حضرت کے ارشاد کے مطابق ایک آدمی کو مسجد میں بٹھا دیا گیا، جو بسم اللہ پڑھتا رہا۔ حضور کی دعا کی برکت سے حاکم نے مقدمہ نہایت توجہ سے سنا اور ملزموں کو بری کر دیا اور مقدمے سے آزاد کر دیا۔ وہ انگریز وکیل بہت ہی حیران ہوا۔ کچہری سے باہر آکر اس نے اہل مقدمہ کو بلایا اور بلند آواز سے کہنے لگا کہ اے لوگو! 'یہ فیصلہ انسانی نہیں ہے۔ یہ خدائی فیصلہ ہے'۔ تمام دوسرے وکلاء بھی اس فیصلہ کو سن کر حیران ہو گئے۔

(ملخص از تقریر حضرت میاں شریف احمد صاحبؓ بر موقعہ جلسہ سالانہ ۲۶ دسمبر ۱۹۵۸ء
بعنوان 'ذکر حبیب'۔ بحوالہ الفضل انٹرنیشنل مورخہ ۲۶ مئی ۲۰۰۰ء)

.........☆.........

حضرت صاحبزادہ میاں شریف احمد صاحبؓ کا تعارف:

حضرت صاحبزادہ میاں شریف احمد صاحب، حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کے سب سے چھوٹے صاحبزادے اور موجودہ خلیفہ (حضرت مرزا مسرور احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز) کے دادا تھے۔ آپ کو مختلف جماعتی عہدوں پر فائز رہ کر خدمات سلسلہ بجالانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ علاوہ ازیں آپ نے سلسلہ کی نمائندگی میں کئی سال تک مسلسل احمدیہ ٹیریٹوریل فورس کی کمان کی۔ آپ بہت سی انتظامی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ نیز انتہائی کسیر النفس، شفیق اور غرباء سے محبت کرنے والے تھے۔ شفقت علیٰ خلق اللہ آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ کی وفات ۲۶ دسمبر ۱۹۶۱ء کو ۶۶ سال کی عمر میں ہوئی۔

☆ ☆ ☆

ساتواں نشان

”فکر نہ کریں، اللہ رحم کریگا“

ایک مقدمہ۔ ایک ہندو۔ ایک انگریز

اب ایک ایسے احمدی دوست کی اپنے مقدمہ سے بریت کا حال درج کیا جاتا ہے، جس نے حضور سے دعا کروائی اور آپ کا جواب آیا کہ ’فکر نہ کریں، اللہ رحم کرے گا‘۔ ان الفاظ کے اندر کون سی سحر انگیز تاثیر کار فرما تھی کہ ایک غیر مسلم نے انہیں پڑھتے ہی سمجھ لیا کہ بس مقدمہ ان کے حق میں ہو گیا، یہ وہ دلچسپ کہانی ہے جو اس نشان کی عظمت کو دوبالا کر رہی ہے۔ اسے بیان کرنے والے دوست، حضرت ملک برکت علی صاحب ؓ، فرماتے ہیں:

”ایک دفعہ جب کہ میں بھوچرا بنگلہ، ضلع سرگودھا، میں تھا کہ ایک سب ڈویژنل آفیسر مسٹر ہاورڈ میرے خلاف ہو گیا۔ میں نے حضرت اقدس کی خدمت میں دعا کے لئے درخواست کی۔ حضور کی طرف سے ایک کارڈ پر جواب آیا کہ

’دعا کی ہے، اللہ تعالیٰ رحم کرے گا‘

آپ فرماتے ہیں:

”اتفاق سے یہ خط ایک (ہندو) شخص پرسرام کے ہاتھ آ گیا اور اس نے پڑھ لیا۔ اس نے مجھے آ کر کہا کہ مقدمہ آپ کے حق میں ہو گیا ہے اور آپ بری ہو گئے ہیں۔ میں حیران ہوا اور پوچھا کہ آپ کو کیسے علم ہوا۔ اس نے وہ کارڈ مجھے دیا اور کہا، اس پر لکھا ہوا ہے۔ میں نے پڑھا تو کہا، ’یہاں یہ تو نہیں لکھا کہ آپ بری ہو گئے ہیں‘۔ وہ بولا: ’اتنے بڑے خدا کے بندے نے آپ کے لئے دعا کی ہے، بھلا اب کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ بری نہ ہوں؟‘ چنانچہ اس خط کے مطابق تھوڑے ہی عرصہ کے بعد میں بری ہو گیا اور باوجود اس بات کے کہ میں کلرک تھا اور جھگڑا ایک انگریز سب ڈویژنل افسر کے ساتھ تھا، مگر اس مقدمہ کی تفتیش کے لئے سپرنٹنڈنٹ اور چیف انجینئر، مسٹر بینٹسن، تک آئے اور خوب اچھی طرح سے انکوائری کی اور مجھے بری کیا“

(بحوالہ رجسٹر روایات نمبر ۱۰۔ ص: ۹۔ ۵۸)

اس واقعہ سے علاوہ اس شرفِ قبولیتِ دعا کے جو حضرت بانیٔ سلسلہؑ کو بحیثیت مامور من اللہ حاصل تھا، آپؑ کے پیچھے کام کرنے والی اُس قدرت خداوندی کا بھی پتہ لگتا ہے، جس کا جلوہ آپ کی تحریر کے ایک ایک لفظ کے اندر پایا جاتا ہے اور جسے اُس وقت ایک کافر نے بھی اِس شدّت سے محسوس کیا کہ وہ آپ کے الفاظ پڑھتے ہی کہہ اٹھا کہ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ یہ الفاظ پورے نہ ہوں۔ اِس سے آپ کے اِس دعویٰ کی حقیقت پر بھی زبردست روشنی پڑتی ہے، جس میں آپ اپنے منجانب اللہ ہونے کا اعلان کرتے ہوئے بڑے جلال سے فرماتے ہیں:

"میں بڑے دعوے اور استقلال سے کہتا ہوں کہ میں سچ پر ہوں اور خدا تعالیٰ کے فضل سے اس میدان میں میری ہی فتح ہے۔ اور جہاں تک میں دُور بین نظر سے کام لیتا ہوں، تمام دنیا اپنی سچائی کے تحتِ اقدام دیکھتا ہوں...... میرے اندر ایک آسمانی رُوح بول رہی ہے، جو میرے لفظ لفظ کو زندگی بخشتی ہے۔ اور آسمان پر ایک جوش اور ابال پیدا ہوا ہے، جس نے ایک پتلی کی طرح اس مشتِ خاک کو کھڑا کر دیا ہے۔ ہر ایک وہ شخص جس پر توبہ کا دروازہ بند نہیں، عنقریب دیکھ لے گا کہ میں اپنی طرف سے نہیں ہوں"

(ازالۂ اوہام، روحانی خزائن، جلد ۳، ص: ۴۰۳)

☆ ☆ ☆

آٹھواں نشان

”خدانے ان کا دل میری طرف پھیر دیا“

ایک مخلص مرید کی پریشانیوں کا ازالہ

یہ واقعہ جو حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کے ایک اَور مخلص مرید، حضرت سید ناصر شاہ صاحبؓ، کی ملازمت کے دوران پیش آمدہ مشکلات کے سلسلہ میں ہے، بتاتا ہے کہ حضور اقدس کی دعا سے ان کی یہ مشکلات اور پریشانیاں کس طرح بالکل غیر متوقع طور پر اور معجزانہ رنگ میں کلیۃً دور ہو گئیں، بلکہ وہی افسران جو مشکلات پیدا کرنے کا موجب تھے، آپ کے دوست بن گئے۔اس کی تفصیل یوں ہے کہ آپ اپنے افسران محکمہ کی طرف سے سخت پریشانی میں مبتلا تھے اور ملازمت سے برطرفی کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ انہوں نے چاہا کہ اس ابتلاء سے بچنے کے لئے فوری طور پر ملازمت سے الگ ہو جائیں، مگر حضورؑ کے فرمانے پر رک گئے۔ پھر حضورؑ کی دعا نے وہ کرشمہ دکھایا کہ جسکی انہیں توقع بھی نہ تھی۔اس واقعہ کو بھی حضور اقدسؑ ایک نشان کا طور پر اپنی کتاب ”حقیقۃ الوحی“ میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”میرے مخلص سید ناصر شاہ نام، جو اَب کشمیر، بارہ مولہ، میں اوورسیئر ہیں، وہ اپنے افسروں کے ماتحت بہت تنگ تھے اور انکی ترقی میں حارج تھے، بلکہ ان کی ملازمت خطرہ میں تھی۔ایک دفعہ انہوں نے مصمم ارادہ کرلیا کہ میں استعفےٰ دے دیتا ہوں تا کہ اس ہر روزہ تکلیف سے نجات پاؤں۔ میں نے ان کو منع کیا، مگر وہ اس قدر ملازمت سے عاجز آگئے تھے کہ انہوں نے بار بار نہایت عجز وانکسار سے عرض کی کہ مجھے اجازت دی جائے کہ میری جان ایک بلا میں گرفتار ہے اور حد سے زیادہ اصرار کیا کہ میرے لئے ترقیٔ عہدہ کی راہ بند ہے، بلکہ ایسا نہ ہو کہ کسی ظالم کے ہاتھ سے مافوق الطاقت مجھے ضرر پہنچ جائے۔تب میں نے ان کو کہا کہ کچھ دن صبر کرو، میں تمہارے لئے دعا کروں گا اور اگر پھر بھی مشکلات پیش آئیں تو پھر اختیار ہے“

حضورؑ آگے فرماتے ہیں:

”بعد اس کے میں نے جناب الٰہی میں ان کیلئے دعا کی اور حضرتِ عزت سے ان کی کامیابی چاہی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلی ملازمت بھی خطرہ میں تھی، غیر مترقب طور پر

ترقی ہوگئی“

یہ سب کایاپلٹ حالت کیسے ظہور میں آئی، اس کا پتہ سید ناصر شاہ صاحب کے اپنے خط سے چلتا ہے، جوانہوں نے بطور شکریہ اپنے پیارے آقا کی خدمت میں تحریر کیا۔اس کا مضمون یہ تھا:

”خاکسار نابکار سید ناصر شاہ بعداز السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،عرض رساں ہے کہ حضور والا کی دعا نے یہ اثر دکھایا کہ حضور کی دعا کی برکت سے ترقیٔ عہدہ اور ترقیٔ تنخواہ ہوگئی۔حضور والا کے وہ الفاظ خاکسار کو بخوبی یاد ہیں کہ جب خاکسار نے آزردہ خاطر ہوکر عرض کیا تھا کہ اب ملازمت چھوڑ دوں گا۔لیکن حضور نے بڑے تلطّف سے فرمایا تھا کہ گھبرانا نہیں چاہیئے، ہم دعا کرینگے، خدا قادر ہے کہ اِنہیں دشمنوں کو تمہارا دوست بنادیگا۔سو جناب والا! الحمدللہ کہ جو جو الفاظ حضور والا نے فرمائے تھے،اسی طرح ظہور میں آگیا۔اوروہی دشمن بعد میں میرے لئے دوست اور سفارش کرنے والے بن گئے۔خدا نے حضور کی دعا سے انکا دل میری طرف پھیردیا“

پھر بالکل مخالف حالات میں ترقی پانے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے انہوں نے حضرت اقدس کی خدمت میں تحریر کیا کہ

”ایک اَور بڑا معجزہ حضور والا کی برکت سے یہ ظہور میں آیا کہ ممبران بالا کی طرف سے مجھ پر اعتراض تھا کہ ناصر شاہ نے کالج پاس نہیں کیا اور نہ کسی امتحان کی سند ہے۔اس لئے عہدہ کی ترقی کا کیونکر مستحق ہوسکتا ہے۔اِدھر یہ اعتراض تھا اور اُس طرف سے حضور والا کا نامہ صادر ہوا کہ ہم نے جہانتک ممکن تھا، بہت دعا کی ہے۔سو جناب عالی!وہی دن تھا جبکہ میری نسبت کاغذات کونسل میں پیش ہوئے اور صاحب بہادر نے میرے لئے بہت زور دیکر کہا اور عجیب تو یہ کہ وہی مخالف میرے لئے سفارش کرنے والے تھے اور دلی دوستی اور خیر خواہی سے میری ترقی کے خواہاں تھے،اور نتیجہ یہ ہوا کہ بغیر کسی عذر وحیلہ کے میری ترقی کے لئے ریزولیوشن پاس ہوگیا۔**فالحمد للہ علی ذٰلک**“

(بحوالہ حقیقۃ الوحی،روحانی خزائن جلد۲۲،ص: ۳۳۴-۶)

☆ ☆ ☆

نواں نشان

''سرکوبی سے اس کی عزت بچائی گئی''

نواب صدیق حسن خان پر ابتلاء اور حضورؑ کی دعا کا معجزانہ اثر

اب آخر پر دنیاوی حیثیت کی مالک ایک بہت بڑی شخصیت کے بھاری مصیبت میں گرفتار ہونے اور پھر حضرت امام الزمان کی دعا سے ان کے اس سے نجات پانے کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ ان کا نام صدیق حسن خان تھا اور وہ ریاست بھوپال کے مدار المہام (یعنی وزیر اعظم) تھے اور حکومتِ برطانیہ کی طرف سے نواب کا خطاب پاتے تھے۔ علمی اعتبار سے بھی ان کا پایہ بہت بلند سمجھا جاتا تھا، کیونکہ ان کی متعدد تصانیف ملک بھر میں مشہور اور علمی حلقوں میں بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں[ا]

جب حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام نے اپنی سب سے پہلی معرکتہ الآراء کتاب ''براہین احمدیہ'' تصنیف فرمائی، تو نواب صاحب موصوف کی دینی امور میں دلچسپی کے پیش نظر آپ نے اس کا پہلا حصہ بطور نمونہ انہیں بھی ارسال فرما کر اس کے بعض نسخے خریدنے کی تحریک فرمائی۔ اس کے جواب میں نواب صاحب نے لکھا کہ

'دینی مباحثات کی کتابوں کا خریدنا یا ان میں کچھ مدد دینا خلافِ منشاءِ گورنمنٹ انگریزی ہے۔ اس لئے اس ریاست سے خرید وغیرہ کی کچھ امید نہ رکھیں'

اور ساتھ ہی وہ نمونہ کے طور پر بھیجا ہوا نسخہ ایسی بری طرح بند کر کے واپس بھیج دیا کہ جب وہ حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کو ملا، تو وہ پھٹ چکا تھا۔ آپ نے جب نواب صاحب کا یہ مایوس کن جواب پڑھا، دوسری طرف کتاب واپس ملنے پر اس کی وہ بری حالت دیکھی، تو آپکو بہت ہی رنج پہنچا۔ چنانچہ آپنے اسی کتاب یعنی ''براہین احمدیہ'' کے حصہ چہارم کے تیار ہو جانے پر اس کے ضمیمہ میں ایک اشتہار بعنوان ''مسلمانوں کی نازک حالت اور گورنمنٹ انگریزی'' شائع کر کے اس میں منجملہ دیگر باتوں کے نواب صدیق حسن خان صاحب کا یہ جواب بھی درج کر دیا، جس کے آخر پر بڑے درد سے تحریر فرمایا:

[ا] ان کی ایک کتاب ''حج الکرامہ'' اس اعتبار سے بہت مشہور ہوئی کہ اس میں انہوں نے حضرت مہدی علیہ السلام کی آمد سے متعلق آنحضرت ﷺ کی پیشگوئیوں کا ذکر کر کے صاف لکھا تھا کہ اب ان کے ظہور کا وقت قریب ہے۔ بلکہ اپنی اولاد کو نصیحت کی کہ اگر وہ میری زندگی میں ظاہر نہ ہوں، تو ان کا فرض ہوگا کہ وہ میرا سلام ان تک پہنچائیں۔

''ہم بھی نواب صاحب کو امید گاہ نہیں بناتے بلکہ امید گاہ خداوند کریم ہی ہے۔
اور وہی کافی ہے''

اور بطور ناراضگی یہ بھی لکھ دیا کہ

'' خدا کرے گورنمنٹ انگریزی، نواب صاحب پر بہت راضی رہے''

مامور من اللہ کی یہ ناراضگی آخر اپنا رنگ لائی اور نواب صاحب ایک ایسی مصیبت میں گرفتار ہو گئے کہ انہیں جان کے لالے پڑ گئے۔ وہی انگریزی حکومت، جسے خوش رکھنے کی خاطر انہوں نے ایک بندۂ خدا کا دل دکھایا تھا، وہ ان پر ایسی ناراض ہوئی کہ ان سے سب کچھ چھین لیا۔ نوابی کے خطاب سے بھی معطل کئے گئے اور قریب تھا کہ ان پر مقدمہ چل جاتا اور وہ قید کر لئے جاتے کہ انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا، یعنی انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ سارا وبال ان پر ان کی اس بے ادبی کی وجہ سے ٹوٹا ہے، جو ان سے حضرت بانی سلسلہؑ کی کتاب کے سلسلے میں سرزد ہوئی۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

''انہوں نے بڑے انکسار سے میری طرف خط لکھا کہ میں ان کے لئے دعا کروں۔ تب میں نے اس کو قابل رحم سمجھ کر اسکے لئے دعا کی تو خدا تعالیٰ نے مجھ کو مخاطب کر کے فرمایا: 'سرکوبی سے اس کی عزت بچائی گئی' ''

آپ نے اس آسمانی خوشخبری سے نہ صرف نواب صاحب موصوف کو مطلع کر دیا، بلکہ ان لوگوں کو بھی جو اُن دنوں میں آپ کے مخالف تھے، مثلاً حافظ محمد یوسف صاحب ضلعدار نہر اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی وغیرہ۔

ظاہری طور پر نواب صاحب کے اس مصیبت میں گرفتار ہونے کا سبب یہ بنا کہ جیسا کہ حضرت بانیٔ سلسلہؑ نے تحریر فرمایا ہے:

''نواب صدیق حسن خان نے بعض اپنی کتابوں میں لکھا تھا کہ جب مہدیٔ موعود پیدا ہوگا، تو غیر مذاہب کے سلاطین گرفتار کر کے اس کے سامنے پیش کئے جائینگے اور یہ ذکر کرتے کرتے یہ بھی بیان کر دیا کہ چونکہ اس ملک میں سلطنت برطانیہ ہے، اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ مہدی کے ظہور کے وقت اس ملک کا عیسائی بادشاہ اسی طرح مہدی کے روبرو پیش کیا جائے گا۔ یہ الفاظ تھے، جو انہوں نے اپنی کتاب میں شائع کئے تھے

جو ابتک ان کی کتابوں میں موجود ہیں اور یہی موجب بغاوت سمجھے گئے“

(حقیقۃ الوحی ۔ روحانی خزائن جلد ۲۲ ص: ۴۶۷ تا ۴۷۰)

لیکن جب اس مجسم رحمت نے نواب صاحب کے لئے دعا کی اور وہ دعا خدا تعالیٰ کے حضور قبول ہوئی تو حالات نے پلٹا کھایا اور سابقہ صورت یکسر بدل گئی۔ اور ان کی نسبت گورنمنٹ کا حکم آ گیا کہ ان کا نواب کا خطاب قائم رہے، یعنی یہ سمجھ لیا گیا کہ جو کچھ انہوں نے لکھا تھا، پرانے مذہبی خیال کی بنا پر لکھا تھا، کسی قسم کی بغاوت کی نیت سے نہیں لکھا تھا۔ یہ محض آپؑ کی دعا کا نتیجہ تھا کہ حکومت کے نواب صاحب کے متعلق سابقہ رویے میں یہ زبردست تبدیلی پیدا ہوگئی۔ چنانچہ آپؑ نے اس پر ایک اور مجلس میں مندرجہ ذیل بصیرت افروز تبصرہ فرمایا:

”صدیق حسن خان نے ہماری کتاب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا اور بے ادبی کی تھی۔ مگر بہت دن نہ گذرے کہ خدائی عتاب میں آ گیا اور آخر بڑی عاجزی اور انکساری سے دعا کے واسطے لکھا۔ ہم نے اس کے واسطے دعا کی اور خدا تعالیٰ نے ہمیں خبر دی کہ ہم نے اس کی عزت کو سرکوبی سے بچا لیا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس کے واسطے نوابی کا خطاب بحال رکھنے کا حکم آ گیا، مگر وہ اس حکم کے آنے سے پہلے وفات پا چکا تھا“

(ملفوظات جلد ۱۰ ص: ۳۰۴)

اور یہ جو حضرت بانیٔ سلسلہؑ نے ان کے بیجا فخر اور تکبّر کا ذکر فرمایا ہے، تو یہ اس وجہ سے بھی ان کے اندر پیدا ہو گیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو ہی اس صدی کا مجدد سمجھنے لگ گئے تھے، جیسا کہ آپؑ نے ایک اَور موقع پر ان کے اس خیال کے بارے میں فرمایا:

”صدیق حسن خان کا یہ خیال تھا کہ شاید (اس صدی کا مجدد) میں ہی بن جاؤں“

تاہم حضورؑ فرماتے ہیں

”اپنے خیال سے کیا بنتا ہے...... جس کو خدا کسی کام پر مامور کرتا ہے، اس کو عمر عطا کرتا ہے، اس کام کے واسطے توفیق عطا کرتا ہے، اس کے لئے اسباب مہیا کرتا ہے“

(ملفوظات جلد ۹ ص: ۲۱۱)

☆

مہدی معہود کے بارے میں ایک ضروری نوٹ

آنے والے مہدی کے بارے میں بعض مسلمانوں کا یہ عقیدہ کہ وہ آکر جنگیں کریگا اور غیر مسلم بادشاہ اس کے پاس گرفتار کر کے لائے جائینگے، کسی طور سے بھی اسلام کا مسلمہ عقیدہ نہیں۔ چنانچہ حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے بڑے غیر مبہم الفاظ میں نواب صاحب کے اس غلط عقیدہ کی تردید فرمائی ہے۔ حضور فرماتے ہیں:

"اور یہ ان کی غلطی تھی کہ انہوں نے ایسا لکھا، کیونکہ ایسے خونی مہدی کے بارہ میں کوئی حدیث ثابت نہیں۔ بلکہ محدثین کا اتفاق ہے کہ مہدیٔ غازی کے بارہ میں جس قدر حدیثیں ہیں، کوئی بھی ان میں جرح سے خالی نہیں۔ سب مغشوش اور صحت کے درجہ سے گری ہوئی ہیں۔ البتہ مسیح موعود کے آنے کے لئے بہت سی حدیثیں موجود ہیں۔ سو ان کیساتھ یہ بھی الفاظ موجود ہیں کہ وہ جہاد نہیں کریگا۔ اور کفار کے ساتھ کوئی لڑائی نہیں کریگا اور اس کی فتح محض آسمانی نشانوں سے ہوگی"

(بحوالہ حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد۲۲: ص،۸۔۴۶۷)

☆ ☆ ☆

..... باب سوم .....

غلامان احمد کو پیش آنیوالے مقدمات

اور

ان کی اپنی دعاؤں کے اعجازی کرشمے

☆

کلام الامام

ایک دقیقۂ معرفت

''اسکی قدرتیں غیر محدود ہیں۔اس کے عجائب کام ناپیدا کنار ہیں۔اور وہ اپنے خاص بندوں کیلئے اپنا قانون بھی بدل دیتا ہے۔مگر وہ بدلنا بھی اس کے قانون میں داخل ہے۔ جب ایک شخص اسکے آستانہ پر ایک نئی روح لے کر حاضر ہوتا ہے اور اپنے اندر ایک خاص تبدیلی محض اسکی رضامندی کیلئے پیدا کرتا ہے،تب خدا بھی اس کیلئے ایک تبدیلی پیدا کر لیتا ہے۔گویا اس بندے پر جو خدا ظاہر ہوا ہے، وہ اَور ہی خدا ہے، نہ وہ خدا جس کو عام لوگ جانتے نہیں''

(چشمۂ معرفت، روحانی خزائن، جلد ۲۳ص:۱۰۴)

☆

غلامانِ احمد کے اپنی دعاؤں کے طفیل مقدمات اور مصائب سے نجات پانے کے اعجازی واقعات

۔اعجازی کرشموں کا ظہور۔

☆

جس طرح حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے بڑے بڑے جلوے دکھلائے اور آپ کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے آپ کے اوپر بننے والے مقدمات میں آپکو دشمنوں کے مقابل پر ہمیشہ کامیابی بخشی اور دشمن اپنی تمام تر تدبیروں اور کوششوں کے باوجود ہمیشہ ناکام ونامراد رہا، اسی طرح اس سمیع وبصیر خدا نے آپکے غلاموں کی دعاؤں کو بھی سنا اور انہیں اپنی قدرت کے ایسے ایسے کرشمے دکھائے کہ وہ خود اور ان کے وہ مخالف بھی، جنہوں نے ان پر مقدمات کی مصیبتیں نازل کیں، حیران رہ گئے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کو مقدمات کے دوران یا اس سے قبل آپ کی بریت کی خبر دیتا رہا، آپ کے غلاموں کو بھی اپنی فتح اور کامیابی کی قبل از وقت بشارات ملیں۔ اب اگلے صفحات میں اس کی بعض مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

☆

پہلا کرشمۂ قدرت

’’ہم اسے اپنی رحمت میں لے لینگے‘‘

ایک درویش احمدی کی دعا کا آسمانی جواب

مندرجہ ذیل واقعہ سلسلہ احمدیہ کے ایک درویش صفت بزرگ اور حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے رفیق، حضرت منشی محمد اسمٰعیل صاحب سیالکوٹیؓ، کے حوالے سے بیان ہوا ہے۔ اس کی روئداد یہ ہے کہ آپ کے

ایک ماموں، جن کا نام چودھری محمد بخش تھا اور جو اپنے علاقے میں اچھا اثر ورسوخ رکھتے تھے، ان پر ایک ایسا مقدمہ بن گیا، جس میں ان کا سزا پانا بہت ہی قرین قیاس تھا۔ مقدمہ کی سنگینی کا پتہ اس امر سے چلتا ہے کہ اس میں خود علاقہ کا ڈپٹی کمشنر ملوث تھا اور چاہتا تھا کہ انہیں سزا دلوا کر علاقہ میں ان کا اثر ورسوخ کم کرے۔ اس پر انہوں نے اپنے بھانجے، یعنی حضرت منشی صاحب ؓ موصوف کو دعا کے لئے کہا۔ آپ نے دعا کی، تو آپ کو غیب سے آواز آئی:

"ہم اس کو اپنی رحمت میں لے لیں گے"

آپ نے اس آسمانی خبر سے اسی وقت اپنے ماموں اور دوسرے لوگوں کو اطلاع کر دی۔ اب ہوا یہ کہ جب فیصلہ سنایا گیا، تو انہیں چھ ماہ قید اور چھ سو روپیہ جرمانہ کی سزا سنائی گئی۔ حضرت منشی صاحب موصوف نے یہ فیصلہ سنا، تو آپ اسی وقت سجدہ میں گر گئے اور رو، رو کر اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کرنے لگے کہ

"اے مولا! تو نے مجھے خود بتایا تھا کہ ہم اس کو اپنی رحمت میں لے لیں گے۔ تو جانتا ہے کہ میں نے یہ بات اپنی طرف سے نہیں بنائی۔ اب تو ہی بتا کہ کیا قید ہونا رحمت ہوتی ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی یہ درد بھری التجا کتنی جلدی قبول فرمالی، اس کے حسن واحسان کا ایک عجیب وغریب جلوہ ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ میں ابھی سجدہ میں ہی تھا کہ مجھے آواز آئی:

'چودھری صاحب کی ضمانت ہو گئی'

آپ فرماتے ہیں، یہ آسمانی خبر پہلی خبر کی نسبت بھی زیادہ حیران کن تھی، کیونکہ اوّل تو ضمانت کے لئے فریق مقدمہ کی طرف سے درخواست دی جاتی ہے، حاکم عدالت خود بخود ضمانت جاری نہیں کرتا۔ دوسرے حاکم تو سزا کا فیصلہ سنا چکا تھا، پھر ضمانت کیسی؟ مگر یہ آسمانی خبر پوری ہوئی۔ اور وہ اس طرح ہوا کہ جب حاکم عدالت اپنا فیصلہ سنا چکا، اور فیصلے کی تنفیذ کے لئے پولیس آگے بڑھی، تا کہ ملزم کو ہتھکڑی لگائے، تو انگریز حاکم عدالت کو خدا جانے کیا خیال آیا، وہ اپنی کرسی سے اٹھا اور یہ کہتا ہوا کہ

'پیچھے ہٹ جاؤ، ہم چودھری صاحب کو ہتھکڑی نہیں لگنے دیں گے'

وہ چودھری محمد بخش صاحب کی طرف بڑھا اور انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا:

'چودھری صاحب! آپ ضمانت دے دیں'

یہ سب کچھ ایسے ڈرامائی انداز میں اور عدالت کی جملہ روایات کے برعکس ہوا کہ سامعین حیران و ششدر ہو کر رہ گئے۔ کسی کو کچھ سمجھ نہ آ رہی تھی کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ سب سے زیادہ حیرانی خود اس ڈپٹی کمشنر کو ہوئی، جو اِس سارے ڈرامے کا اصل کردار تھا۔ دیکھنے والے بتاتے ہیں کہ وہ اپنی دونوں کہنیوں کو میز پر رکھ کر دونوں ہاتھوں سے ماتھا تھام کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا: 'ہائے، صاحب بہادر نے یہ کیا کر دیا۔ اسے تو ضمانت کا اختیار ہی نہیں تھا'۔ لیکن بیچارہ کر کیا سکتا تھا۔

اب خدا تعالیٰ کی رحمت اپنے نقطۂ کمال کو اس طرح پہنچی کہ ضمانت ہو جانے کے بعد چودھری محمد بخش صاحب نے عدالت بالا میں اپیل کر دی۔ اس کے نتیجے میں وہ بری ہو گئے اور اس طرح پر انکے حق میں خدا تعالیٰ کی اپنے فرستادہ کے ایک غلام کو دی ہوئی خبر ہر لحاظ سے پوری ہو کر اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا زندہ نشان اور احمدیت کی صداقت کا ایک جلی عنوان بن گئی۔

(ملخص از اصحاب احمد جلد اول ص،۱۹۷)

........☆........

تعارف: حضرت منشی محمد اسمٰعیل صاحب سیالکوٹیؓ خود بھی صحابی تھے اور حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے رفیق، حضرت مولوی عبدالکریم سیالکوٹی صاحبؓ (یکے از رفقاءِ حضرت اقدسؑ) کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ آپ ایک لمبا عرصہ سیالکوٹ کے عیسائی مشن سکول میں بطور محرر ملازم رہے ۱۹۱۳ء میں آپ مستقل طور قادیان میں آ گئے۔ آپنے لمبی عمر پائی اور تقسیم برصغیر کے بعد ۱۰ جنوری ۱۹۵۰ء کو اپنے وطن سیالکوٹ میں وفات پائی۔ آپ کے ہاتھ پر ظاہر ہونے والے بعض اَور خارق عادت نشانات کا تذکرہ اسی سلسلہ کتب یعنی ''درویشانِ احمدیت'' کی دوسری جلدوں میں بھی کیا گیا ہے۔

☆ ☆ ☆

حضرت مولوی عبدالواحد خان صاحبؓ کے
قبولیت دعا کے اعجازی واقعات

اب ایک اَور درویش صفت اور مستجابات الدعوات بزرگ، حضرت مولوی عبدالواحد خان صاحبؓ، کی قبولیت دعا کے چند واقعات درج کئے جاتے ہیں۔ آپ کا سن پیدائش ۱۸۷۱ء ہے۔ آپ بھی حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کے بالکل ابتدائی دور کے زمرہ صحابہ سے منسلک تھے۔ آپ کے والد انگریزی فوج

میں رسالدار میجر کے عہدے پر فائز تھے۔ان کے توسط سے آپ ایک لمبا عرصہ شاہجہان پور (یو۔پی،انڈیا) میں بطور رجسٹرڈ گائیڈ کام کرتے رہے۔بعد میں آپ نے کچھ عرصہ وسط ہند میں برطانوی فوج میں ٹھیکیداری کا کام بھی کیا۔

دوسرا کرشمۂ قدرت

''گرم زنجیر ٹھنڈی ہوگئ''

ذیل کا واقعہ اوراس سے اگلے دو واقعات، جو تین اشخاص کے اپنے اپنے مقدمات سے تعلق رکھتے ہیں، حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کے ایک اَور رفیق، حضرت مولوی عبدالواحد خان صاحبؓ کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے۔ پہلے واقعہ میں ایک سرکاری افسر ابوالحسن نے آپ سے دعا کی درخواست کی تھی۔آپ اس کے لئے پورا ایک ماہ دعا کرتے رہے۔ دعا کے نتیجہ میں آپ کو ایک ایسی آسمانی بشارت ملی، جو دعا کی قبولیت اور افسر مذکور کی بریت پر دلالت کرتی تھی۔آپ نے دیکھا کہ

''لوہے کی ایک بہت بڑی زنجیر ہے، جو آگ کی طرح لال نظر آ رہی ہے۔یوں معلوم ہوتا تھا، جیسے وہ ابھی ابھی جلتی ہوئی بھٹی میں سے نکالی گئی ہو۔وہ زنجیر کافی دور تک جا رہی تھی۔اسکی ایک جانب آپ نے اس افسر ابوالحسن کو کھڑا دیکھا۔دوسری طرف آپ خود ہیں۔یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ابوالحسن صاحب اس کی سخت گرمی سے بہت بے چین ہیں اور چاہتے ہیں کہ مکرم مولوی صاحب کی طرف آ جائیں، مگر اس زنجیر کی گرمی اس قدر ہے کہ وہ آگے نہیں بڑھ سکتے۔اس پر حضرت مولوی صاحب اونچی اونچی آواز سے سورۃ الفلق (قرآن کریم کی آخری سے پہلی سورۃ) پڑھنی شروع کر دیتے ہیں، جس پر وہ زنجیر رفتہ رفتہ ٹھنڈی ہونی شروع ہو جاتی ہے اور بالآخر بالکل ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔اور ابوالحسن آپ کی طرف آ جاتے ہیں اور خوب آرام اور ٹھنڈک محسوس کرتے ہیں''

آپ کو اس خواب کی یہ تفہیم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ ابوالحسن صاحب کو بری کر دے گا اور پھر عملاً ایسا ہی ظہور میں آیا۔ **فالحمد لله علی ذٰلک .**

(اصحاب احمد، جلد دہم، صفحہ ۲۰۹)

تیسرا کرشمۂ قدرت

’’ریچھ زخم کھا کر بھاگ گیا‘‘

ڈاکٹر عبدالرحمٰن صدیقی اور خدائی نصرت کا نزول

آپ کی دعا کی برکت سے دوسرا نشان جماعت کے ایک بہت بڑے مخلص دوست، ڈاکٹر عبدالرحمٰن صدیقی صاحب، کے حق میں ظاہر ہوا۔اس میں بھی آپکو دعا کے نتیجے میں مکرم ڈاکٹر صاحب موصوف کی ایک مقدمہ سے رہائی کی تمثیلی رنگ میں خبر دی گئی۔ چنانچہ آپ نے دیکھا کہ

’’ایک ریچھ ہے یا اس جیسا کوئی جانور، جو ڈاکٹر صدیقی صاحب پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔جس راستے سے اس نے حملہ کرنے کے لئے گزرنا ہے، وہاں ایک بہت بڑا درخت ہے، جس کے تنے میں خلا ہے۔ حضرت مولوی صاحب اس خلا میں چھپ کر بیٹھ جاتے ہیں۔آپ کے ہاتھ میں کاغذوں کا ایک گیند نما پلندہ ہے، جس میں شیشے کے ٹکڑے اور لوہے کی کرچیں ہیں۔ جونہی وہ جانور حملہ کرنے کے لئے گزرتا ہے، آپ اس پلندہ کو زور سے اس کی پیٹھ پر مارتے ہیں، جس سے وہ زخمی ہو جاتا ہے اور اس کے خون بہنے لگتا ہے۔زخم کھا کر وہ لڑکھڑاتا ہوا جنگل کی طرف بھاگ کھڑا ہوتا ہے، جیسے وہ اب مر جائے گا‘‘

یہ خواب ڈاکٹر صدیقی صاحب کے مقدمے سے بریت پر صاف دلالت کر رہی تھی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔یعنی کچھ مدت بعد ڈاکٹر صدیقی صاحب اس مقدمے سے معجزانہ طور پر بری ہو گئے۔

(اصحاب احمد، جلد دہم، صفحہ ۲۱۰)

........☆........

تعارف: ڈاکٹر عبدالرحمٰن صدیقی صاحب، میر پور خاص (ضلع حیدر آباد، سندھ) میں طبی خدمات ادا کرنے کے علاوہ وہاں سالہا سال تک بطور امیر ضلع جماعتی خدمات سرانجام دیتے رہے۔آپ بطور معالج اپنے علاقہ میں بہت مقبول اور ہر دلعزیز سمجھے جاتے تھے۔ جماعتی خدمات کے علاوہ آپ کو یہ شرف بھی حاصل تھا کہ آپ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحبؓ (یکے از صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام و ذاتی معالج حضرت المصلح الموعودؓ) کے داماد تھے۔ میر پور خاص کے موجودہ امیر جماعت، ڈاکٹر عبدالمنان صدیقی صاحب، آپ کے صاحبزادے ہیں۔

☆ ☆ ☆

چوتھا کرشمۂ قدرت

''بڑے سانپ کا سر کچلا گیا''

ڈاکٹر صدیقی صاحب پر بننے والا دوسرا فوجداری مقدمہ اوران کی بریت کی آسمانی خبر

یہ نشان بھی جو حضرت مولوی عبدالواحد خان صاحبؓ کی دعا کے نتیجے میں ظاہر ہوا، مکرم ڈاکٹر صدیقی صاحب پر بننے والے ایک اَور مقدمہ میں انکی بریت سے تعلق رکھتا ہے۔ یہاں بھی صاحب دعا کو تمثیلی رنگ میں ڈاکٹر صاحب موصوف کے بارے میں انکی مصیبت سے رہائی پانے کی آسمانی خبر ملی۔ چنانچہ آپ نے دیکھا کہ

''کچھ سانپ ایک بڑے سانپ کی اقتدا میں صدیقی صاحب کی طرف جا رہے ہیں۔ حضرت مولوی صاحب جلدی سے بڑے سانپ کا سر کچل دیتے ہیں، جس پر سارے چھوٹے سانپ بھاگ جاتے ہیں''

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس مقدمے سے بھی جیسا کہ بشارت ملی تھی، آپ نے رہائی پائی۔ **فالحمد لله**

(اصحاب احمد، جلد دہم، صفحہ ۲۱۰)

☆ ☆ ☆

پانچواں کرشمۂ قدرت

”اساں چھڑوا دینا ہویا کے!“

ایک خادم احمدیت پر بننے والا مقدمہ اور آسمانی بشارت

یہ نشان، جو حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کے ایک اَور صحابی اور سلسلہ کے ایک مستجاب الدعوات بزرگ، حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بقاپوریؓ، کی دعاؤں کے نتیجہ میں ظاہر ہوا، جماعت کے ایک مخلص خادم، مکرم چودھری نورالدین صاحب منیر (سابق کارکن تحریک جدید انجمن احمدیہ) پر بننے والے ایک مقدمہ میں ان کی بریت سے تعلق رکھتا ہے۔ مقدمہ کی سنگینی کی کیا کیفیت تھی اور پھر کن الفاظ میں حضرت مولانا صاحبؓ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے چودھری صاحب موصوف کی بریت کے بارے میں اطلاع ملی، اسکی دلچسپ تفصیل، جیسا کہ خود انہوں نے آپ کے نام لکھے جانے والے خط میں تحریر کی، ذیل میں بیان کی جاتی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

”مجھ پر ایک مصیبت آ پڑی تھی، جس میں خطرہ تھا کہ مجھے حوالۂ پولیس کر دیا جائیگا، حالانکہ میں بے قصور تھا۔ میرے دل میں اضطراب کا ایک دریا موجیں مار رہا تھا اور اسی کیفیت میں، مَیں نے اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی بریت کے لئے بہت دعائیں کیں۔ مجھے بزرگان سلسلہ کی خدمت میں بھی دعا کیلئے درخواست کرنے کی طرف توجہ پیدا ہوئی۔ چنانچہ میں نے مخدومی، حضرت مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوریؓ، کی خدمت میں بھی ۲۱ جولائی ۱۹۵۴ء کی شام کو تفصیلی واقعہ بیان کر کے دعا کیلئے عرض کیا۔ مولوی صاحب موصوف نے مجھے ایک رقعہ لکھ کر دیا، جو میرے پاس موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اطلاع دی ہے کہ

”اساں چھڑوا دینا ہویا کے“

یعنی ہم اسے بری کروا کے رہیں گے“

چنانچہ فرماتے ہیں کہ بعد میں واقعات نے کچھ اس طرح پلٹا کھایا کہ مجھے اس الزام سے بالکل بری قرار دے دیا گیا۔ الحمد لله علی ذٰلک!“

(ملخص از ”حیات بقاپوری“، حصہ دوم)

چھٹا کرشمۂ قدرت

''دو آنکھیں بڑے وقار اور جلال سے میری طرف دیکھ رہی تھیں''

سلسلہ کے ایک مبلغ کی دعا اور آسمانی تسلی کا نزول

اب ایک اور واقعہ بیان کیا جاتا ہے، جس میں ایک درویش احمدی کی دعا کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی صفت رحیمیت تمثلی رنگ میں جلوہ گر ہو کر اس کیلئے پیغام مسرّت لے آئی۔ یہ لطیف واقعہ بھی، جو سلسلہ کے ایک مبلغ، مکرم حکیم عبدالواحد صاحب (واقف زندگی)، نے اس عاجز راقم الحروف کے نام اپنے مکتوب میں ارسال کیا، اس امر کا عملی ثبوت ہے کہ اس تاریک دور میں خدا تعالیٰ اپنے مامور کے غلاموں کے لئے کیسی کیسی تجلیاں دکھا کر اپنی ہستی کا ثبوت بہم پہنچا رہا ہے۔ چنانچہ اس واقعہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے حکیم صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں:

''جب مَیں ایک بار ۱۹۵۰ء میں چک نمبر ۶/۱۱۔L میں دورہ پر گیا، تو وہاں چودھری نذیر احمد صاحب باجوہ (جو آجکل امیر ضلع ساہیوال ہیں) نے میری دعوت کی اور باتوں باتوں میں بتایا کہ ہمارا منشی محمد علی نوکری چھوڑ گیا ہے اور اس نے ہم پر دعویٰ دائر کر دیا ہے۔ آج جمعہ کے دن ۱۲ بجے کے قریب ساہیوال میں ہماری تاریخ ہے۔ میرا بھائی وہاں گیا ہوا ہے۔ نیز بتایا کہ سابقہ تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مقدمہ محمد علی کے حق میں جا رہا ہے۔ جج کا رجحان بھی اس کی طرف ہے۔ آپ سلسلہ کے مبلغ ہیں۔ اس لئے خاص طور پر دعا کریں''

آپ فرماتے ہیں، میں وضو کر کے ۱۲ بجے کے قریب مسجد میں دعا کرنے لگا۔ دورانِ دعا میری زبان سے یہ الفاظ نکلے اور رِقّت طاری تھی کہ 'اے خدا! تو رحمت کی نظر فرما' کہ کشفی حالت طاری ہوگئی اور دو آنکھیں بڑے جلال اور وقار سے میری طرف دیکھتی نظر آئیں۔ میں نے سمجھ لیا کہ رحمت کی نظر ہوگئی ہے۔ میں نے چودھری نذیر احمد صاحب کو آ کر کہہ دیا کہ

'میری دعا قبول ہو چکی ہے۔ اب فیصلہ آپ کے حق میں ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ'

آپ فرماتے ہیں، وہ یہ سن کر بہت حیران ہوئے۔ تاہم ہوا ایسا ہی، یعنی دو چار پیشیوں کے بعد ہی فیصلہ ہو گیا، جو کہ چودھری صاحب موصوف کے حق میں تھا۔

(مکتوب نمبر ۴۱۔ مورخہ ۷رفروری ۱۹۷۸ء)

ساتواں کرشمۂ قدرت

''وہ عنقریب رہا ہو جائینگے''

نواب احمد نواز جنگ پر بننے والا مقدمہ اور ایک درویش بندۂ خدا کو ملنے والی آسمانی خوشخبری

مذکورہ بالا واقعہ اور اگلے دو واقعات سلسلہ کے ایک اَور صاحب رؤیاء وکشوف بزرگ، حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ، کے حوالے سے بیان کئے جاتے ہیں کہ کس طرح آپ کی بعض احمدی دوستوں کے لئے کی جانے والی دعائیں عنداللہ مقبول ہو کر ان کی مصیبتوں سے خلاصی کا آسمانی پیغام لے آئیں۔ پہلا واقعہ حیدرآباد دکن کے ایک معزز دوست، نواب احمد نواز جنگ صاحب، کے کسی مقدمہ میں گرفتار ہو جانے اور پھر ان کی رہائی سے تعلق رکھتا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

''غالباً ۱۹۵۰ء کے اپریل کے مہینے میں محترم نواب احمد نواز جنگ صاحب (جو حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب کے چھوٹے بھائی ہیں) کے متعلق اطلاع شائع ہوئی کہ ان کو سرکار کی طرف سے حراست میں لے لیا گیا ہے۔ یہ خبر پڑھ کر مجھے خاص طور پر دعا کی تحریک ہوئی، بالخصوص اس لئے بھی کہ نواب صاحب حضرت سیٹھ صاحب کے بھائی ہیں۔ اور سیٹھ صاحب اپنے اخلاص، تقویٰ اور دینی خدمات کی وجہ سے سلسلہ کے ایک ممتاز رکن ہیں[ا] چنانچہ مَیں نے متواتر کئی دن تک نواب صاحب موصوف کیلئے دعا کی۔ اور بوجہ تعلق محبت اور ہمدردانہ شفقت کے مجھے دعا کی اچھی توفیق میسر آ گئی''

ا حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب، سکندرآباد (حیدرآباد) کے وہ مخلص دوست ہیں، جنہیں ایک خاص رنگ میں دینی خدمت بجالانے کی توفیق ملی اور وہ یوں کہ آپ نے اپنے ذاتی مصارف اور ذرائع سے اسلام اور سلسلہ احمدیہ پر ایک ضخیم لٹریچر تیار کیا اور ملک بھر میں پھیلایا۔ آپ نے مختلف ملکی زبانوں میں کم وبیش ۷۲ کتب تیار کیں، جن میں سے اکثر کے متعدد بار ایڈیشن شائع ہوئے۔ آپ کا یہ قلمی جہاد حضرت المصلح الموعودؓ کو اتنا پسند تھا کہ ایک بار فرمایا:

''تبلیغی لٹریچر شائع کرنے کی انہیں ایسی دھن ہے کہ ان کی جدوجہد کو دیکھ کر شرم آ جاتی ہے کہ قادیان میں اتنا عملہ ہونے کے باوجود اس دھن سے کام نہیں ہوتا، جس سے وہ کرتے ہیں''

(بحوالہ ''تابعین اصحاب احمد'' جلد نہم)

اس دعا کے جواب میں آپ نے ایک عجیب نظارہ دیکھا، جو آپکی دعا کی قبولیت کی طرف واضح اشارہ کر رہا تھا۔ چنانچہ آپ اپنی خودنوشت سوانح ''حیات قدسی'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''مئی کے پہلے ہفتے میں، مَیں نے کشفی حالت میں دیکھا کہ جناب سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب مع جناب اکبر یار جنگ صاحب کے میرے سامنے کھڑے ہیں اور میں ان کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہوں کہ نواب احمد نواز جنگ اور ان کے صاحبزادہ (ان کے صاحبزادے بھی ان کے ساتھ ہی زیر حراست تھے) کے لئے دعا کی گئی ہے۔ وہ عنقریب رہا کر دئے جائیں گے۔ میں نے دوسرے دن اس کشف سے پشاور میں کئی دوستوں کو اطلاع بھی دے دی۔ چنانچہ ۱۸ مئی کے الفضل میں عزیزہ مکرمہ زینب حسن صاحبہ، برادرزادی نواب احمد نواز جنگ صاحب، کی طرف سے نواب صاحب کی رہائی کی اطلاع شائع ہوئی۔ فالحمد للہ علی ذٰلک''

آپ فرماتے ہیں:

''یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل واحسان ہے کہ اس نے اپنے اس عبد حقیر کو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام اور آپ کے مقدس خلفاء کے افاضہ سے یہ غیبی اطلاع دے کر نوازا۔ فالحمد للہ رب العالمین''

(حیات قدسی، حصہ پنجم، ص: ۲۷ تا ۲۸)

☆ ☆ ☆

آٹھواں کرشمۂ قدرت

''نہ مضروب فوت ہوگا، نہ مقدمہ دائر کریں گے''

ایک اَور احمدی بھائی کی مصیبت

اوراس سلسلے میں آپ کو ملنے والی آسمانی خوشخبری

یہ دوسرا واقعہ حضرت مولانا راجیکی صاحبؓ کے نسبتی بھائی کے ایک مقدمہ میں گرفتار ہو جانے کے خطرہ اور آپ کی دعا سے اس خطرہ کے ٹل جانے سے تعلق رکھتا ہے۔ آپ ہی کے قلم سے بیان کردہ اس ایمان افروز واقعہ کی روئداد حسب ذیل ہے۔ آپ بیان فرماتے ہیں:

''ایک دفعہ میری بیوی کے بڑے بھائی حکیم محمد اسمٰعیل صاحب کی ایک آدمی سے لڑائی ہوگئی جس میں حکیم صاحب نے اس آدمی کو مار مار کر لہولہان کر دیا۔ اس مضروب کے وارثوں نے جب اسے قریب الموت پایا، تو وہ اسے چارپائی پر ڈال کر حافظ آباد کے تھانے میں لے گئے۔ میری خوشدامنہ (یعنی حکیم صاحب کی والدہ محترمہ۔ ناقل) نے جب یہ واقعہ سنا، تو مجھے حکیم صاحب موصوف کے لئے دعا کرنے کیلئے کہا۔ میں نے جب دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسی تسکین دی کہ میں نے دعا کے بعد ہی سب گھر والوں کو بتایا کہ نہ تو وہ مضروب مرے گا اور نہ ہی اسکے وارث اسے حافظ آباد کے تھانے میں لے جائیں گے۔ اور نہ ہی مقدمہ دائر کریں گے''

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایسا تصرف فرمایا کہ آپ بیان فرماتے ہیں:

''وہ لوگ جو زخمی کو اٹھا کر حافظ آباد لے جا رہے تھے، جب تقریباً ڈیڑھ کوس کا فاصلہ طے کر کے حافظ آباد اور اپنے گاؤں کے درمیان ایک نہر کے پل پر پہنچے، تو وہاں سے پھر واپس آ گئے۔ اور اسکے بعد وہ مضروب جو بظاہر قریب الموت ہو چکا تھا، وہ بھی چند دنوں میں اچھا ہو گیا اور حکیم صاحب کے خلاف مقدمہ بھی کسی نے دائر نہ کیا''

('حیات قدسی' حصہ دوم، ص:۹۰)

☆ ☆ ☆

نواں کرشمۂ قدرت

''تھانیدار صاحب کا چہرہ سرخ ہو گیا''

مخالفین کی معاندانہ کاروائی اور آسمانی تدبیر کا نزول

حضرت مولانا راجیکی صاحبؓ کا بیان کردہ یہ تیسرا واقعہ بھی، جو حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے غلاموں کی حفاظتِ سماوی کا آئینہ دار ہے، بتاتا ہے کہ کس طرح آپکے اپنے گاؤں کے بعض مخالف لوگوں نے وہاں کے احمدی احباب کو مقدمات کے جال میں پھنسا کر انہیں حراساں کرنے کا منصوبہ بنایا اور پھر خدائے ذوالجلال نے اپنے مامور کے ایک درویش غلام کی دعاؤں کو سن کر نہ صرف اس مصیبت کے ازالے کا سامان بہم فرمایا، بلکہ ایسا تصرف کیا کہ خود ان مخالفین کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ یہ دلچسپ روئداد آپ ہی کے قلم سے ملاحظہ ہو۔ آپ فرماتے ہیں:

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ایک دفعہ جب میں گردونواح کے دیہات میں تبلیغ کر کے واپس راجیکی آیا، تو بعض احمدیوں نے شکایت کی کہ جب ہم مسجد میں نماز کے لئے جاتے ہیں تو میاں غلام حسین صاحب اور میاں فضل حسین صاحب ہمیں ڈول اور کوزوں کو ہاتھ لگانے سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں، تم کافر ہو اور تمہارے آنے سے مسجد ناپاک ہو جاتی ہے۔ میں نے کہا کہ نبی کے ماننے والوں کیساتھ یہی سلوک ہوتا ہے۔ آپ کچھ دن صبر کریں، میں گجرات جا کر چودھری نواب خان صاحب تحصیلدار سے جو مخلص احمدی ہیں، مشورہ کروں گا کہ غیر احمدی کس طرح شرارت سے رک سکتے ہیں''

آپ کی یہ بات کسی طرح مخالفین تک بھی پہنچ گئی۔ انہوں نے اپنے طور پر یہ ہوشیاری کی کہ فوراً ایک درخواست گجرات کے ڈپٹی کمشنر کی خدمت میں بھیج دی کہ موضع راجیکی میں کچھ نہایت ہی مفسد مرزائی رہتے ہیں، جن سے ہمیں قتل کا خطرہ ہے۔ آپ ہماری حفاظت کا انتظام فرماویں۔ ڈپٹی کمشنر نے اس درخواست کو پاہڑیاں والی کے تھانیدار کے پاس تفتیش کرنے کے لئے بھیج دیا۔

اب اس درخواست کا کچھ بھی نتیجہ نکل سکتا تھا۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ تھانیدار ان لوگوں سے کچھ لے دے کر بعض احمدیوں کو حفظ امن کے تحت گرفتار کر کے جیل میں ڈالنے کی سفارش کرتا، یا کم از کم یہ ہوتا کہ احمدی احباب کو بھاری باقبضہ ضمانتیں جمع کرانے پر مجبور کیا جاتا، جو مخالفین کی غلط سلط رپورٹ پر بحق سرکار ضبط

بھی ہوسکتی تھیں، اور اس طرح جماعت کو بہت بڑا بھاری مالی نقصان اٹھانا پڑ جاتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے ان درویش بندوں کے لئے ایسا تصرف فرمایا کہ مخالفین کا یہ حربہ نہ صرف ناکام ہوگیا، بلکہ انہیں لینے کے دینے پڑ گئے۔ جیسا کہ حضرت مولانا راجیکی صاحب موصوفؓ بیان فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کی نصرت کے ڈھنگ بھی نرالے ہیں۔ مجھے کچھ روز پیشتر قصبہ منگووال کے ایک رئیس میاں پیر بخش صاحب نے بلا کر کہا کہ میرا بچہ، جس کی عمر سات آٹھ برس کی ہوگی، اچانک فوت ہوگیا ہے، جسکا مجھے شدید صدمہ ہے۔ آپ اس کا مرثیہ لکھ دیں، جس میں بچہ کی تاریخ وفات بھی آجائے۔ چنانچہ میں نے وہاں بیٹھے بیٹھے فارسی اور اردو میں دو نظمیں لکھیں، جن میں ان کی خواہش کے مطابق تاریخ وفات بھی آگئی، جسے میاں پیر بخش صاحب نے بہت پسند کیا''

آگے اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت کیسے بھجوائی، اس بارے میں آپ تحریر فرماتے ہیں:

''انہی دنوں پاہڑیاں والی کے تھانیدار جو مہتہ کے نام سے مشہور تھے، گجرات سے ہوتے ہوئے کچھ دیر کے لئے منگووال ٹھہرے۔ عصر کا وقت تھا۔ میاں پیر بخش صاحب نے رات قیام کرنے کیلئے اصرار کیا۔ مہتہ صاحب نے کہا کہ موضع راجیکی کے غیر احمدیوں کی طرف سے ڈپٹی کمشنر کی خدمت میں درخواست دی گئی ہے کہ ہمیں احمدیوں کی طرف سے قتل کا خطرہ ہے۔ اس لئے مجھے آج ہی پاہڑیاں والی پہنچنا ہے، تا کہ تفتیش کرسکوں۔ اس پر میاں پیر بخش صاحب نے مہتہ صاحب سے کہا کہ موضع راجیکی میں ایک احمدی مولوی غلام رسول بھی ہیں، آپ ان کا خیال رکھیں''

اس پر تھانیدار مہتہ صاحب نے آپ کا نام نوٹ کرلیا اور چلے گئے۔ اس نصرتِ غیبی نے کیا رنگ دکھایا، اور کس طرح ایسے اسباب پیدا فرمادئے کہ مخالفین کا رچایا ہوا وہ سارا ڈرامہ ریت کی دیوار کی طرح گر گیا اور وہ قانونی شکنجہ میں آنے سے بچنے کے لئے احمدیوں کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھانے پر مجبور ہو گئے، اس کے متعلق آپ بیان کرتے ہیں:

''دوسرے دن صبح ہی صبح تھانیدار صاحب کا پروانہ آگیا کہ فریقین تھانے میں حاضر ہوں۔ چنانچہ احمدیوں کی طرف سے میں اور میرے بھائی میاں شرف الدین صاحب اور غلام حیدر

صاحب رضی اللہ عنہ، اور غیر احمدیوں کی طرف سے میاں غلام حسین صاحب اور میاں فضل حسین صاحب پاہڑیاں والی پہنچ گئے۔ تھانیدار صاحب نے سب سے پہلے پوچھا ’تم میں مولوی غلام رسول صاحب کون ہیں؟‘ میں نے کہا۔ ’فرمائیے‘۔ کہنے لگے۔ ’آپ کرسی پر بیٹھیں‘۔ پھر غیر احمدیوں سے دریافت کیا، آپ کی تعداد کتنی ہے؟ انہوں نے جواب دیا، ان چند احمدیوں کے سوا باقی سارا گاؤں ہمارے ساتھ ہے‘‘

آپ فرماتے ہیں کہ تھانیدار صاحب کا یہ سننا تھا کہ ان کا چہرہ سرخ ہو گیا اور وہ نہایت درشت لہجے میں کہنے لگے:

’’یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سارے گاؤں کو چند احمدیوں سے قتل کا خطرہ ہو۔ یہ محض جھوٹ اور بہتان ہے۔ بہر حال میں ضمنی کے کاغذات ڈپٹی دلباغ رائے کی عدالت میں بھیج دونگا۔ وہاں سے ہفتہ عشرہ تک سمن آجائینگے۔ فریقین مقررہ تاریخ پر کنجاہ حاضر ہو جائیں‘‘

آپ فرماتے ہیں، کچھ دنوں کے بعد فریقین کو کنجاہ حاضر ہونے کے سمن آگئے۔ چنانچہ دونوں فریق تاریخ مقررہ پر کنجاہ میں ڈپٹی دلباغ رائے کی عدالت میں حاضر ہو گئے۔ لیکن خدا کی قدرت کہ یہاں بھی مخالف فریق کے ساتھ وہی ہوا، جو پاہڑیاں والی میں ہوا تھا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ ڈپٹی صاحب نے دونوں طرف کے بیانات سننے کے بعد کہا کہ

’’میں احمدیوں کو خوب جانتا ہوں، وہ امن پسند لوگ ہیں اور ہمیشہ مفسدانہ کارروائیوں سے مجتنب رہتے ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ دونوں فریق صلح کر لیں ورنہ دو، دو ہزار کی ضمانت دینی پڑے گی اور جو فریق ضمانت پیش نہیں کریگا، میں اسے حوالات میں ڈال دونگا‘‘

آپ فرماتے ہیں کہ یہ سنکر دونوں غیر احمدی بھائیوں کے طوطے اڑ گئے اور کجا یہ کہ وہ ہمیں مقدمات میں الجھانا چاہتے تھے اور کجا ان کی یہ حالت ہوئی کہ وہ ہمارے ساتھ صلح کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ اسی وقت صلح نامہ لکھا گیا اور فریقین کے دستخطوں کے ساتھ عدالت میں داخل کرا دیا گیا۔ اور یوں جو مصیبت پیدا ہو چلی تھی، خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم کے ساتھ خود بخود ہی ختم ہو گئی۔

(ملخص از ’حیات قدسی‘، حصہ چہارم، ص:۱۳۶۔۱۳۵)

☆ ☆ ☆

دسواں کرشمۂ قدرت
''ساتھ انہیں دو چار ہنٹر بھی پڑ گئے''
مخالفین احمدیت کی ایک شرارت اور اس کا انجام

اب مذکورہ بالا واقعہ کے مماثل حضرت بانیٔ سلسلہ کے ایک اَور رفیق، حضرت مولوی محمد حسین صاحب (المعروف سبز پگڑی والے)، کا بیان کردہ ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔ یہ اُس وقت کا ہے جب آپ بصرہ میں اپنی فوجی ملازمت کے دوران اپنے غیر احمدی ساتھیوں کے ساتھ مذہبی بحث مباحثہ کیا کرتے تھے اور خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت سے ان پر ہمیشہ غالب آتے تھے۔ بلکہ ایک بار تو آپ کی ایک مقامی عرب کے ساتھ گفتگو میں آپ کے غیر احمدی ساتھیوں پر کچھ ایسا رعب پڑا کہ وہ بوکھلا گئے اور آپ کے خلاف انتقامی کاروائیوں پر اتر آئے۔ پھر انہوں نے آپکے خلاف کیا منصوبہ بنایا اور آپ کو سزا دلوانے کی کیا کوشش کی، اور کس طرح ان کی وہ کوشش خود ان کے اپنے خلاف پڑ گئی، یہ دلچسپ روئداد آپ ہی کے قلم سے ملاحظہ ہو۔ آپ فرماتے ہیں:

''جب غیر احمدیوں کو عربی مولوی سے مقابلہ کروانے میں ناکامی ہوئی[ا] تو ان میں سے بعض متعصب لوگوں نے مجھے حکومت سے سزا دلوانے کی پوری کوشش کی اور میری رپورٹ کردی کہ یہ احمدی مولوی مناظرے کرتا ہے اور اس طرح ہمیں تنگ کرتا ہے۔ میرے ایک خیر خواہ دوست نے اس رپورٹ سے مجھے آگاہ کر دیا، جو کیمپ کمانڈر کے پاس کی گئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد چپڑاسی مجھے بلانے آ گیا اور پھر میں اس کے ساتھ ہی کیمپ کمانڈر کے

ا یہ بھی آپکے بصرہ کے دوران قیام کا ایک واقعہ ہے، جس کا مفصل تذکرہ تو اسی سلسلۂ کتب (درویشان احمدیت) کی جلد دوم میں ایک علمی مباحثہ کی ذیل میں کیا گیا ہے۔ البتہ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ آپ عربی نہ جانتے تھے، آپ کے بعض غیر احمدی فوجی ساتھیوں نے آپ کے صداقت احمدیت سے متعلق علمی دلائل کا جواب نہ پا کر یہ منصوبہ بنایا کہ آپ کی بحث کسی عرب مولوی سے کرائی جائے۔ مقصد یہ تھا کہ چونکہ آپ کو عربی نہیں آتی، آپ کی وہاں سبکی ہوگی۔ چنانچہ انہوں نے ایک مقامی عرب کو بیس روپے معاوضہ دینے کا وعدہ کر کے اسے اس بات کیلئے تیار کیا کہ وہ آپ سے عربی میں دعویٰ مسیح موعودؑ پر بحث کریگا۔ لیکن ہوا یہ کہ آپکے منہ سے پہلا ہی عربی جملہ سن کر وہ ایسا لاجواب ہوا کہ انہوں نے خیال کیا کہ اگر یہ یہاں بھی غالب آ گئے، تو ان کے بیس روپے ضائع چلے جائیں گے۔ اس پر انہوں نے خود ہی یہ پروگرام کینسل کر دیا۔

پاس گیا۔ وہاں ان دنوں مذہبی مباحثات کی سختی سے ممانعت تھی اور اگر کوئی اس میں ملوث پایا جاتا، تو اسے جرمانہ کے ساتھ سزا بھی دی جاتی تھی۔ نیز اسکی سروس بک خراب ہو جاتی تھی“

آپ فرماتے ہیں، یہ ایک نازک معاملہ تھا، کیونکہ جس رنگ میں وہاں مذہبی مباحثات ہو رہے تھے، آپ ان سے انکار نہیں کر سکتے تھے۔ اگر چہ یہ بھی حقیقت تھی کہ مباحثوں کی طرح خود مخالفین ہی ڈالتے تھے۔ تاہم آپ پر بھی قانون کی خلاف ورزی کا الزام عائد ہو سکتا تھا۔ اس صورتِ حال میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت کی کیا تدبیر فرمائی، یہ ایک دلچسپ روئداد ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

”اب میرے امتحان کا وقت آن پہنچا تھا۔ اگر میں کہوں کہ میں نے کوئی مناظرہ نہیں کیا، تو یہ جھوٹ تھا، جس کا لوگوں پر بھی برا اثر پڑ سکتا تھا۔ (لیکن ہوا یہ کہ) وہاں پہنچتے ہی کیمپ کمانڈر نے سوال کیا کہ کیا تم نے مباحثہ کیا ہے؟ میری زبان سے بیساختہ نکلا کہ صاحب کس کیساتھ؟ اسنے کہا، کس کے ساتھ! میں نے کہا، جناب عالی! مباحثہ یا مناظرہ کوئی آدمی اکیلا نہیں کر سکتا۔ اس نے پوچھا، کیا اکیلا آدمی مناظرہ نہیں کر سکتا؟ میں نے جواب دیا، صاحب! ہرگز نہیں کر سکتا۔ صاحب سوچنے لگ گیا“

خدا تعالیٰ کے بھی اپنے بندوں کو بچانے کے ڈھنگ نرالے ہوتے ہیں۔ ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ خدا تعالیٰ نے ایک آریہ نوجوان کلرک کو فرشتۂ رحمت بنا کر بھیج دیا۔ پھر کیا ہوا، آپ فرماتے ہیں:

”اتنی دیر میں ایک آریہ نوجوان کلرک آ پہنچا، جس سے میری کئی بار گفتگو ہو چکی تھی۔ صاحب نے پوچھا کہ بحث و مباحثہ کس طرح کیا جاتا ہے؟ اس نے بتایا کہ دو مولوی یا دو پنڈت یا دو پادری اپنی اپنی بات سچی ثابت کرنے کیلئے دلائل دیتے ہیں اور لوگ سنتے ہیں۔ صاحب بولے، کیا دو آدمی بحث کرتے ہیں؟ آریہ بولا، جی ہاں۔ صاحب نے درخواست دہندہ افراد کو جو میری سزا کے منتظر بیٹھے تھے، بلایا اور پوچھا کہ دوسرا مولوی کہاں ہے۔ وہ خاموش رہے۔ اس پر صاحب نے انہیں انگلش میں ٹھیک ٹھاک برا بھلا کہا اور ساتھ ہی ان کے دو۔ تین ہنٹر بھی رسید کر دئیے“

(”میری یادیں“ ص ۳۵-۳۴)

☆ ☆ ☆

گیا رھواں کرشمۂ قدرت

''اللہ تعالیٰ کی صفت مجیب متمثل ہوئی''

ایک درویش احمدی کی دعا کا آسمانی جواب

اسی طرح سلسلہ کے ایک اَور درویشانہ صفت کے مالک بزرگ دوست، ڈاکٹر قیس مینائی نجیب آبادی سمن آباد، کراچی، اپنے ایک دوست، لیفٹیننٹ سردار نظام الدین رندھاوہ، پر بننے والے مقدمہ کی نسبت تحریر فرماتے ہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے انکے حق میں آپکی دعائیں قبول فرما کر تین مختلف وقتوں میں آسمان سے تسلی آمیز خوشخبریاں بہم پہنچائیں۔ آپ فرماتے ہیں:

''لیفٹیننٹ سردار نظام الدین رندھاوہ نومسلم، سہارنپور، یو۔ پی، سے قادیان آئے۔ ان پر کوئی کیس تھا۔ مجھ سے بھی دعا کے لئے کہا۔ اُن دنوں مَیں قادیان میں ہی رہتا تھا۔ دعا کے جواب میں غالباً بیداری میں کشفی طور پر یا شاید خواب کا منظر تھا، میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ ایک آٹھ نو سال کی عمر کے لڑکے کی شکل میں نہایت حسین، خوبصورت صفت مجیب، میری گود میں آ بیٹھا۔ یعنی جو حسین لڑکا میری گود میں آ بیٹھا، اس کا نام مجیب ہے۔ صبح سردار نظام الدین صاحب رندھاوہ کو میں نے یہ خواب سنایا اور انہیں یقین دلایا کہ دعا قبول ہوگئی ہے''

آپ فرماتے ہیں، اس کے کچھ دن بعد میں نے ایک اَور نظارہ دیکھا، جس میں سردار نظام الدین صاحب کی بریئت کی خبر مجھے ایک اَور رنگ میں دی گئی۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں، مَیں نے دیکھا کہ

''ایک صاحب، جن کو میں نے قادیان میں دیکھا ہوا تو تھا، مگر مَیں ان کا نام نہ جانتا تھا، وہ مجھے محمد اسمٰعیل صاحب دہلوی کی دوکان کے سامنے ملے ہیں اور انہوں نے مجھے مٹھائی دی ہے یا کامیابی کی بشارت دی ہے۔ اِس وقت تفصیل یاد نہیں رہی۔ بعد میں جب وہ بزرگ مجھے بیداری میں نظر آئے اور میں نے کسی سے یا خود ان سے ان کا نام دریافت کیا، تو معلوم ہوا، ان کا نام مولوی نظام الدین صاحب ہے۔ چنانچہ میں نے سردار نظام الدین صاحب کو کہہ دیا کہ اس خواب سے بھی آپ کی بریئت معلوم ہوتی ہے''

آپ فرماتے ہیں، پہلے وہ روپوش تھے۔میرے کہنے پر وہ حاضر ہو گئے اور کیس لڑنا شروع کر دیا، مگر خدا کا کرنا یہ ہوا کہ انہیں ایک یا دو سال کی قید کا حکم سنایا گیا۔اس فیصلہ کے خلاف اپیل کرنے اور ضمانت پر رہا ہونے کے بعد جب سردار صاحب قادیان دوبارہ آ کر مجھ سے ملے، تو کہنے لگے، میں آپ کے کہنے پر حاضر ہو گیا تھا، مگر آپ کی دونوں خوابیں غلط ہو گئی ہیں۔آپ فرماتے ہیں:

''میں نے انہیں کہا، مجھے یقین ہے کہ میری دونوں خوابیں رحمانی ہیں اور ضرور پوری ہونگی۔ اب جب میں نے پھر دعا کی، تو دیکھا کہ قاضی ظہور الدین صاحب اکمل نے مجھے مٹھائی کا ایک پارسل بھیجا ہے۔قاضی اور اکمل دونوں ناموں سے تعبیر کرتے ہوئے میں نے اسکا مطلب یہ سمجھا کہ انشاء اللہ تعالیٰ اپیل کا ظہور ان کے حق میں بہتر ہوگا اور وہ چھوٹ جائیں گے۔چنانچہ اپیل کا فیصلہ فی الواقعہ اسی رنگ میں ظاہر ہوا، اور سردار نظام الدین مقدمہ سے بالکل بری ہو گئے''

(مکتوب نمبر ۸۳ مورخہ ۷۷۔۳۔۲۲)

..........☆..........

تعارف: ۱) ڈاکٹر قیس مینائی، جن کا اصل نام محمد یعقوب تھا، ایک ماہر ہومیوپیتھ ہونے کے علاوہ ایک قادر الکلام شاعر اور اعلیٰ پایہ کے ادیب بھی تھے۔آپ ۱۹۰۵ء یا ۱۹۰۶ء میں نجیب آباد (ضلع یو۔پی) میں پیدا ہوئے، اور اسی حوالے سے مشہور ہوئے۔آپ نے ادیب فاضل اور اجمل طبیہ کالج امرتسر سے طبیب فاضل کی سندات حاصل کیں۔کچھ عرصہ آپ اس (اجمل طبیہ کالج) میں پروفیسر بھی رہے۔۱۹۲۶ء میں یعنی ۲۰ سال کی عمر میں آپ نے ایک فی البدیہہ مشاعرہ میں حصہ لے کر ''بلیغ العصر'' کا خطاب پایا۔آپ کی بعض تصنیفات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔فلسفہ الٰہیات (نظم) ۲۔فلکیات، اسٹرانومی (نثر)
۳۔علم العروض ۴۔خزینۃ القوافی۔

آپ نے ۳۰ رجون ۱۹۹۱ء کو ۸۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔

۲) متن میں مذکور دوسرے بزرگ، قاضی ظہور الدین صاحب اکمل، سلسلے کے ایک دیرینہ خادم، بلند پایہ مصنف اور قادر الکلام شاعر تھے۔آپ نے ۱۸۹۷ء میں بیعت سے مشرف ہونے کے بعد اپنی تمام زندگی دیار محبوب (قادیان) میں گذار دی۔آپ کی تالیف کردہ کتب میں ظہور المسیح (سن اشاعت ۱۹۰۰) بہت سی سعید روحوں کی ہدایت کا موجب بنی۔

☆ ☆ ☆

بارھواں کرشمۂ قدرت

''سات سال کی قید کا حکم بدل گیا''

آغا محمد عبدالعزیز کی معجزانہ بریئت

اب ایک ایسے مقدمہ کا حال درج کیا جاتا ہے، جس میں ایک احمدی دوست پر جعل سازی کا جھوٹا مقدمہ بنا دیا گیا اور وہ اتنی نازک صورت اختیار کر گیا کہ ان کی بریئت کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ یہ انگریزی حکومت کا زمانہ تھا اور ان کے خلاف گواہی دینے والوں میں خود ان کے اپنے دفتر کے انگریز افسر بھی شامل تھے۔ دوسری طرف مجسٹریٹ کا رویہ بھی بیحد مخالفانہ اور معاندانہ تھا۔ یہ صورتِ حال دعاؤں اور بالخصوص خلیفۂ وقت کی دعاؤں کے طفیل کس طرح یکسر بدل گئی اور ہر قسم کی مخالفانہ شہادتوں کے ہوتے ہوئے مقدمے کا رخ کیسے پلٹا کہ مجسٹریٹ سات سال کی قید کا حکم سناتے سناتے رہ گیا، یہ دلچسپ اور ایمانوں کو تازگی بخشنے والی داستان مکرم غلام علی صاحب فاروقی، ساکن مطوعہ چنگا بنگیال، کی زبانی سننے سے تعلق رکھتی ہے۔ آپ پہلے اس مقدمہ کی سنگینی کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''میرے برادر زادہ آغا محمد عبدالعزیز بشیر احمدی کے متعلق عرصہ چار ماہ سے مقدمہ جعل سازی کی کاروائی چل رہی تھی۔ مقدمہ کی تفصیل نہایت نازک ہے۔ پیروی جناب خواجہ احمد حسن صاحب، بی۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی، وکیل کر رہے تھے۔ مجسٹریٹ کا رویہ نہایت شدید محسوس ہوتا تھا اور آثار قہر آلود نظر آتے تھے۔ آغا کے خلاف ۲۲ شہادتیں تھیں، جن میں چار انگریز آفیسر تھے۔ بچنے کی کوئی امید نہ تھی۔ جس دن ہماری طرف سے صفائی کے گواہ پیش کیے گئے، اسی دن بحث بھی ہوگئی اور دفعہ ۵۶۲ کی ضمانت پر زور دیا گیا، مگر مجسٹریٹ نے منظور نہ کی۔ اس سے نا امیدی اور بڑھ گئی''

آگے یہ کہ دعاؤں نے کیا خارق عادت اثر دکھایا، اور سات سال کی قید کس طرح اچانک اور غیر متوقع طور پر بریئت میں بدل گئی، الٰہی تصرف کی یہ محیر العقول داستان، جو خود ان کی اپنی سمجھ سے بالا تھی، آپ یوں بیان فرماتے ہیں:

''فیصلے کی تاریخ ۳۰ مئی ۱۹۲۷ء مقرر ہوئی۔ آغا نے ۲۸ مئی کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں دعا کی درخواست تحریر کی۔ ادھر یہ درخواست حضرت کے پاس پہنچی اور ادھر فیصلے

کا دن آ گیا۔ مجسٹریٹ نے فیصلہ لکھا اور آغا سے کہا: ’تم سات سال جیل بھگتنے کیلئے تیار ہو جاؤ۔‘ یہ سن کر ہمارے تو حواس باختہ ہو گئے۔ لیکن جس عظیم الشان شخصیت کی آواز پر لبیک کہی ہوئی ہے، اس کی وساطت سے خدا کے حضور میں دردِ دل سے روئے۔ مجسٹریٹ نے کئی دفعہ تعزیرات اٹھا کر پڑھی۔ اور (پھر) آغا سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: ’میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں‘ آغا کے منہ سے بھی اچانک نکلا تو یہ کلمہ نکلا: ’جو خدا کو منظور ہو!‘ ’’

آپ فرماتے ہیں، آغا صاحب کے منہ سے یہ کلمہ نکلتے ہی خدا تعالیٰ کا کچھ ایسا تصرف ہوا کہ مجسٹریٹ نے سات سال کی بجائے صاف بری کر دیا۔ الحمد للہ علی ذٰلک۔

(بحوالہ روزنامہ الفضل، قادیان، مورخہ ۱۵ جولائی ۱۹۲۷ء)

☆ ☆ ☆

تیرھواں کرشمۂ قدرت

’’پھانسی کی کوٹھڑی سے بریت کا نُور پھوٹ نکلا‘‘

رحمت علی صاحب کی نجات کی ایمان افروز کہانی

اب قتل کے ایک ایسے مقدمہ کی سرگذشت بیان کی جاتی ہے، جو اپنی سنگینی میں مذکورہ بالا مقدمہ سے بھی بڑھ کر تھا اور ملزمان کے خلاف فیصلہ صادر ہو چکا تھا۔ مگر خدا کی رحمت آڑے آئی اور صداقت احمدیت کا ایک زندہ نشان بن گئی۔ اس مقدمہ کے ملزم، چودھری رحمت علی صاحب، ساکن فیروز والہ (ضلع گوجرانوالہ)، جنہیں جیل کی اُس مخصوص کوٹھڑی میں بند کیا جا چکا تھا، جس کے آگے موت اپنے دونوں بازو پھیلائے کھڑی ہوتی ہے، اپنی معجزانہ بریت کا حال بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ کس طرح آپ محض اپنی اور امام وقت، حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ، کی دعاؤں کی برکت سے موت کے پنجے سے آزاد ہوئے۔ چنانچہ آپ بیان فرماتے ہیں:

’’گزشتہ سال یعنی جولائی ۱۹۲۶ء میں ایک قتل اور ایک مضروب کرنے کے جرم میں احقر مع دیگر چار اشخاص کے دفعہ ۳۰۲/۳۰۷ تعزیرات ہند کی رو سے عدالت میں چالان کیا گیا،

جہاں سے بعد تحقیقات ۱۵ جنوری ۱۹۲۷ء کو سیشن جج گوجرانوالہ نے میرے تین ساتھی ملزمان کو تو رہا کر دیا اور اس عاجز اور میرے چچازاد بھائی حیدر کو دفعہ ۳۰۲ کے ماتحت پھانسی اور دفعہ ۳۰۷ کے ماتحت حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزائیں دیں۔ بندہ نے اسی وقت دردِ دل سے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی کہ خداوندا! اب ایسے اسباب پیدا کر کہ میری اپیل ہائی کورٹ میں دائر ہو جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا کو فوراً قبول کیا اور چودھری محمد شریف صاحب سیکرٹری جماعت احمدیہ فیروز والہ اور دو اَور مہربان دوستوں، مسمیان نذر محمد و مراد علی، کو فرشتۂ رحمت بنا کر میری امداد کیلئے کھڑا کر دیا‘‘

اب یہ ایک معروف بات ہے کہ اپیل داخل ہونے کے بعد بھی بہت کم امید ہوتی ہے کہ فیصلہ بدل جائے۔ عموماً پہلا فیصلہ ہی قائم رکھا جاتا ہے، سوائے اس کے کہ سابقہ فیصلہ کے خلاف عدالت عالیہ کو کوئی ٹھوس ثبوت میسر آ جائیں۔ مگر دعا تو غیر ممکن کو بھی ممکن میں بدل دیتی ہے۔ یہاں بھی دعاؤں نے اپنا اعجازی اثر دکھایا۔ یہ کیسے ہوا، اس کی روئداد بتاتے ہوئے چودھری صاحب موصوف رقمطراز ہیں:

’’ان مہربانوں نے چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ اور مسٹر ایم سلیم، بیرسٹر، کو وکلاء پیروکار مقرر کیا۔ چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ بیرسٹر نے مقدمہ لیتے ہی حضرت خلیفۃ ثانیؓ کے حضور دعا کیلئے لکھا۔ عاجز نے بھی متعدد بار حضرت صاحب کے حضور دعاؤں کے لئے عرضداشتیں روانہ کیں اور اللہ تعالیٰ سے خود بھی دعائیں کیں اور دوبارہ بیعت بذریعہ خط پھانسی کی کوٹھڑی یعنی جیل گوجرانوالہ سے کی‘‘

آپ فرماتے ہیں کہ ان دعاؤں کا نتیجہ یہ نکلا کہ چھ ماہ کے اندر اندر ہی عدالت عالیہ (یعنی پنجاب ہائی کورٹ، لاہور) سے ہم دونوں برادرزادوں کی بریئت کے احکام جاری ہو گئے۔ ہم ہر دو بھائیوں کی رہائی محض حضرت خلیفہ المسیح الثانیؓ کی دعاؤں کا ثمرہ اور سلسلہ احمدیہ کی صداقت کا ایک زندہ نشان ہے۔

(بحوالہ روزنامہ الفضل، قادیان، مورخہ ۲۰ رمئی ۱۹۲۷)

☆ ☆ ☆

چودھواں کرشمۂ قدرت

''فتح کی بشارت آگئی ہے''

ایک خادم احمدیت اور اسے ملنے والا آسمانی پیغام

اب ایک اَور خادم احمدیت پر بننے والے مقدمہ اور اس کے بارے میں انہیں ملنے والی آسمانی بشارت کی روئداد پیش کی جاتی ہے۔اس کے راوی، کیپٹن نواب دین صاحب، بتاتے ہیں کہ یہ مقدمہ آپ پر ان ایام میں بنا، یا از راہ ظلم بنایا گیا، جب آپ فوج میں ملازم تھے۔فرماتے ہیں:

''مجھے جب کوئی مبشر خواب آتی ہے، تو میں عموماً اپنے والد محترم فتح الدین صاحب مرحوم کو دیکھتا ہوں۔اس کا پہلا روحانی تجربہ مجھے اُس وقت ہوا، جب میں ۱۹۵۲ء میں کالا ایمونیشن ڈپو (ضلع جہلم میں ایک مقام) میں بطور ایڈمنسٹریشن آفیسر ملازم تھا۔وہاں میرے خلاف ایک سراسر فرضی مقدمہ بنا دیا گیا، جس میں بہت سے ذی اثر افسران ملوث تھے۔میں نے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ (جماعت کے دوسرے خلیفہ اور امام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحبؓ) کی خدمت میں واقعہ کی تفصیل لکھ کر دعا کی درخواست کی۔چند دنوں بعد حضور کی طرف سے عمومی رنگ میں جواب آیا کہ 'دعا کی گئی'۔میں یہ پڑھ کر شدّتِ غم میں ڈوب گیا۔کیونکہ مقدمہ واقعی ایسا سنگین تھا کہ میں اپنے آپ کو حضور کی خاص توجہ کا مستحق سمجھتا تھا اور حضور کی طرف سے اسی طرح کے جواب کی توقع کر رہا تھا''

چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

''رات سونے سے پہلے میں نے حضور کی خدمت میں ایک اَور خط لکھا، جس کے اندر عرض کیا کہ حضور مقدمہ بہت سنگین ہے اور مخالفت شدید ہے۔حضور پہلے بھی اس عاجز کو اپنی خصوصی دعاؤں سے نوازتے رہے ہیں، اس دفعہ بھی حضور کی خاص دعاؤں کی ضرورت ہے۔اور چونکہ میرا دل بھرا ہوا تھا، خط لکھتے لکھتے میری آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں اور ایک یا دو آنسو خط کے اوپر بھی گر پڑے۔چنانچہ میں نے یہ کیفیت بھی خط کے اندر بیان کر دی۔اور خط بند کر کے رکھ دیا کہ صبح اردلی کے آنے پر سپرد ڈاک کر دوں گا''

آگے رات ہی رات اللہ تعالیٰ نے کس طرح آپ کو اس مقدمہ میں فتح کی خوشخبری بہم پہنچا دی، یہ

ایمان افروز داستان بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

''گرمی کا موسم تھا۔ میری بیوی بچے بنگلے کے صحن میں سوئے ہوئے تھے۔ میں بھی جا کر سو گیا۔ کوئی ڈیڑھ بجے رات کا وقت ہوگا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں اپنے گاؤں میں کھیتوں کے پاس ایک پلنگ پر بیٹھا ہوں۔ قریب ہی میری بیوی زمیندار لوگوں کی طرح چولہے پر کھانا تیار کر رہی ہے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ میرے والد مرحوم، فتح الدین صاحب، میری دائیں جانب پلنگ پر تشریف فرما ہیں۔ میں اس وقت پورے فوجی لباس میں تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں کسی مہم پر جانے کیلئے تیار ہو رہا ہوں اور اٹھ کر چل پڑا ہوں کہ والد صاحب مجھے آواز دیتے ہیں: 'نواب دین، ٹھہرو! میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں'۔ اس پر میری آنکھ کھل جاتی ہے''

فرماتے ہیں، آنکھ کھلتے ہی مجھے انشراح صدر ہو گیا کہ اس مقدمہ میں میری فتح مقدر کر دی گئی ہے۔ چنانچہ اسی وقت میں نے اپنی بیوی کو جگا کر اسے مبارکباد دی اور بتایا کہ 'فتح کی بشارت آ گئی ہے'۔ صبح ہونے پر آپ نے وہ خط ڈاک میں ڈال دیا۔ حضور کی طرف سے تین چار روز بعد جواب آیا کہ اطمینان رکھو، میں نے دعا کی ہے۔ اللہ تمہاری حفاظت کریگا۔ فرماتے ہیں:

''یہ مقدمہ ایک لمبا عرصہ چلتا رہا۔ تاہم مجھے اطمینان قلب حاصل تھا۔ آخر جب اس کا نتیجہ نکلا، تو وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسا تھا کہ بجائے میرے پر مقدمہ چلنے کے وہ مخالف فریق پر چل پڑا اور جو شرارت کا بانی مبانی تھا، اسے یہ سزا ملی کہ وہ میجر تھا، اسے revert کر کے کیپٹن بنا دیا گیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے محض حضور کی دعا کی برکت سے خاکسار کو جیسا کہ خواب میں دکھایا گیا تھا، دشمن پر فتح بخشی''

(مکتوب نمبر ۴۱، مورخہ ۸۔۷۔۲۔۷)

........☆........

تعارف: کیپٹن نواب دین صاحب، فوج سے ریٹائر ہونیکے بعد دارالہجرت، ربوہ، میں آ کر آباد ہو گئے۔ محلّہ دارالبرکات میں جہاں یہ عاجز راقم الحروف مقیم تھا، ان کے سب سے بڑے صاحبزادے برادرم جلال الدین صاحب کے سسرال (ڈاکٹر شیر محمد عالی مرحوم) رہتے تھے، لہٰذا خاکسار کی ان سے اکثر ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ خاکسار کا ان سے اپنی مجوزہ کتاب ''سچی خوابوں کے بارے میں'' ذکر ہونے پر انہوں نے مذکورہ بالا واقعہ لکھ کر دیا۔

پندرھواں کرشمہ قدرت

’’اللہ تعالیٰ نے مجھے میرے بری ہونے کی خبر جیل کے اندر ہی دے دی‘‘

ایک احمدی درویش کی کہانی ان کی اپنی زبانی

مکرم بابو محمد فقیر اللہ صاحب (پٹواری نہر) ساکن گھٹیالیاں (ضلع سیالکوٹ) اپنے ایک مقدمے کا حال بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں قبل از وقت ان کے اوراس مقدمہ میں ملوث انکے دیگر ساتھیوں کے بری ہوجانے کی خبر جیل کے اندر ہی دے دی۔ اس کی تفصیل ملاحظہ ہو:

’’1958ء میں میرا جھگڑا پسرور ضلع سیالکوٹ کے تحصیلدار، شیخ فضل کریم، سے ہو گیا۔ انہوں نے چونڈہ ہسپتال سے ۲۶/۲۵ کی پرچی لے کر اور کئی دفعات لگا کر بمشورہ ڈپٹی کمشنر ضلع سیالکوٹ یہ مقدمہ میرے اور ہمارے چند نمبرداروں، محمد شفیع نمبردار۔ منظور احمد نمبر دار۔ اللہ رکھا نمبر دار۔ غلام حسین نمبردار وغیرہ کے خلاف دائر کر دیا۔ مگر مجھے اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت بتا دیا کہ تم سب بری ہو جاؤ گے۔ اور جب میں حاضر ہو کر جیل خانہ میں گیا تو وہاں پر اللہ تعالیٰ نے مجھے دوبارہ اپنے بری ہونے کی بشارت بہم پہنچائی، بلکہ موضع ڈھوڈہ کے چار تیلی جو کسی قتل کے مقدمہ میں ماخوذ تھے، ان کے متعلق بھی مجھے میرے مولا نے بتایا کہ وہ بھی اپنے مقدمہ میں بری ہو جائیں گے۔ اور میں نے ان کو کہہ دیا کہ تم بھی سب کے سب انشاء اللہ بری ہو جاؤ گے اور ہم بھی۔ اور یہ بریت کی خبر شروع مقدمہ میں ہی مشہور ہو گئی تھی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ہم بری ہو گئے، اسی طرح ڈھوڈہ والے دوستوں میں سے اللہ دتہ نامی مجھے ملا اور کہنے لگا کہ ہم سب بھی آپ کی دعا سے بری ہو گئے ہیں‘‘

(مکتوب نمبر ۶ مورخہ ۴ جنوری ۱۹۷۸ء)

☆

تعارف: مکرم بابو محمد فقیر اللہ خان صاحب نے 1953ء میں احمدیت قبول کی۔ آپ احمدی ہونے سے قبل احمدیت کے سخت مخالف تھے۔ پھر ایک خواب کے ذریعے آپکے احمدی ہونے کا ذکر ’’درویشان احمدیت‘‘ کی جلد اول میں آ چکا ہے۔ احمدی ہو جانے کے بعد آپ پر تقرّب اِلی اللہ کا ایسا رنگ چڑھا کہ آپکی ساری زندگی احمدیت کی صداقت کا ایک زندہ نشان بن گئی۔ خاکسار کے ۱۹۷۷ء میں اخبار الفضل میں اعلان شائع کرنے پر انہوں نے بھی اپنی دو درجن کے قریب خوابیں (نیز اپنے بعض الہامات) لکھ کر بھجوا دیں۔ یہ جملہ خوابیں ’’درویشان احمدیت‘‘ کی مختلف جلدوں میں درج کی جا رہی ہیں۔

سولہواں کرشمۂ قدرت

''معلوم ہوتا ہے، آپ کے ہاتھ بہت ہی لمبے ہیں''

ثاقب زیروی اور حفاظت سماوی کی ایک انوکھی داستان

حفاظت سماوی کے سلسلے میں اب سلسلہ کے ایک ممتاز خادم اور شاعر خوشنوا، جناب ثاقب صاحب زیروی، پر بننے والے دو ایسے مقدمات کی داستان پیش کی جاتی ہے، جن کا تعلق ۱۹۷۴ء میں جماعت کے خلاف اٹھنے (یا اٹھائے جانے) والے ملک گیر خونی ہنگاموں سے ہے۔ آپ کے خلاف بنایا جانے والا پہلا مقدمہ ان دنوں کا ہے، جب آپ اپنے ہفت روزہ رسالہ ''لاہور'' میں ''روزنامچہ'' کے عنوان کے تحت اُن خونچکاں مظالم کی تاریخ وار تفصیلی رپورٹ شائع کر رہے تھے، جو جماعت کے افراد کے اوپر ڈھائے جا رہے تھے اور جو روزمرہ کا معمول بن چکے تھے۔ احمدیت کے اس نڈر سپوت کے رشحاتِ قلم کا مرہونِ منت یہ مضمون جہاں یہ بتاتا ہے کہ جمہوریہ اسلامیہ پاکستان کی اُس وقت کی حکومت ایک مظلوم اور امن پسند جماعت کے حق میں اٹھنے والی حق وصداقت پر مبنی ہر آواز کو دبانے کیلئے کیا کیا ہتھکنڈے استعمال کر رہی تھی، وہاں یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ قادر مطلق خدا اپنے بندوں کو ظلم کی چکی سے نجات دینے کیلئے اپنی معجزانہ قدرت کے کیا کیا نشان دکھلا رہا تھا۔ چنانچہ ثاقب صاحب اپنا ''روزنامچہ'' لکھنے کے ''جرم'' میں جن اذیت ناک حالات سے دوچار ہوئے، ان کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرماتے ہیں:

''۔ان ایام ابتلاء میں ..... جب حکومت کی طرف سے 'لاہور' سے ہر دسویں، پندرھویں دن، دس ہزار، پندرہ ہزار روپے کی ضمانت طلبی کا سلسلہ معمول کا رنگ اختیار کر چکا تھا۔

۔جب 'روزنامچہ' کی اشاعت کی پاداش میں اس عاجز کے خلاف حکومت کی طرف سے 'ڈی، پی، آر' کے تحت دو ایسی دفعات کے تحت مقدمات درج ہوئے، جن میں سے ایک میں سزا چودہ سال تھی اور دوسرے میں دس سال۔

۔اور جب ایک اشارۂ خاص پر ایک معاندِ سلسلہ (راؤ عبدالمنان ایڈووکیٹ) نے ناچیز کے خلاف 'ہتک عزت' کا استغاثہ سرگودھا میں دائر کیا تھا، ارباب اختیار کی ایسی اشیر باد اور پشت پناہی کیساتھ کہ بوکھلائے ہوئے مجسٹریٹ کی عدالت کی طرف سے ہمیں نہ کوئی سمن ملا اور نہ (عام) وارنٹ بلکہ پہلی ہی دفعہ 'وارنٹ گرفتاری بلا ضمانت' ہتھکڑی کی کھنکتی ہوئی زنجیروں کے

ساتھ، موصول ہوا، جسے ہائی کورٹ نے 'خلاف قاعدہ' قرار دے کر معطل کر دیا''

اب آپ پر بنائے جانے والے دو مقدمات میں سے اس پہلے میں آپ کے اعجازی رنگ میں بری ہو جانے کی روئداد پیش کی جاتی ہے۔

پہلا مقدمہ

سب سے پہلے آپ اس مقدمہ کے سلسلہ میں ملنے والے محولہ بالا وارنٹ گرفتاری کی تفصیل بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

''مَیں ایک دن اپنے دفتر 'لاہور' میں بیٹھا تھا کہ اچانک اُس علاقے کا پولیس افسر جو پہلے بھی سمن لے کر آتا رہتا تھا، آیا اور پوچھنے لگا، ثاقب صاحب، سرگودھا سے آپ اور م۔ش (میاں محمد شفیع صاحب، پرنٹر و پبلشر ہفت روزہ ''لاہور'') کا وارنٹ گرفتاری بلا ضمانت آیا ہے، کیا آپ کو اس سلسلے میں پہلے کوئی سمن یا عام وارنٹ آچکا ہے، جس کی آپ نے تعمیل نہ کی ہو۔ مَیں نے جواب دیا، کوئی نہیں آیا اور اگر آیا ہوتا، تو آپ ہی کی معرفت آتا۔ اس پر وہ شریف آدمی کہنے لگا، آپ اس کے خلاف رِٹ کر دیں اور پھر مقررہ تاریخ کو وہاں خود ہی حاضر ہو جانا۔ فرماتے ہیں، اگلے ہی دن ہم نے اپنے وکلاء کے ذریعہ ہائی کورٹ میں رِٹ کر دی، اور چیف جج (مرزا محمد اقبال صاحب) نے بھی اس وارنٹ گرفتاری کو خلاف ضابطہ قرار دیتے ہوئے اسے معطل (suspend) کر دیا''

یہ مقدمہ جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے، آپ کے خلاف سرگودہا کی عدالت میں دائر کیا گیا تھا۔ چنانچہ آپ سرگودھا جانے اور اپنے اوپر قدم قدم پر افضال الٰہیہ کی بارشیں برسنے کا دلچسپ اور ایمان افروز قصہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''سمن کی تعمیل میں مقررہ تاریخ کو حاضر ہونے کیلئے سرگودھا جاتے ہوئے ہم (میاں محمد شفیع صاحب اور دو وکلاء جو ہمارے ساتھ تھے) پہلے ربوہ میں حضور (خلیفۃ المسیح الثالثؒ) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ بیان کرتے ہوئے حضور سے درخواستِ دعا کی۔ حضورؒ نے سارا قصہ سن کر فرمایا، 'تم بہت جلدی بری ہو جاؤ گے'۔ ساتھ ہی فرمایا، کل سرگودھا

جانے سے پہلے مل کر جانا۔ چنانچہ حضور کے ان تسلی آمیز الفاظ سے تسلی پا کر ہم نے رات دارالضیافت میں گذاری۔ مکرم۔ش صاحب کی تسلی نہ ہوئی۔ انہوں نے حالات کی سنگینی کے پیشِ نظر حضورؒ کی بات پر یہ تبصرہ کیا، کہ ہاں، بری تو ہو جائیں گے، مگر تین، ساڑھے تین سال کے بعد' ''

صبح سرگودھا کے لئے روانہ ہونے سے پہلے آپ جب بموجب ارشاد حضورؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو فرماتے ہیں، حضور نے دریافت فرمایا، 'ثاقب! رات کوئی خواب دیکھی ہے'؟

فرماتے ہیں، یہ ایک عجیب سوال تھا، جس سے حیرت بھی ہوئی اور تجسس بھی کہ اچانک حضورؒ نے یہ کیا اور کیوں دریافت فرمایا ہے۔ ایک خواب تو آپ کو آئی تھی، مگر وہ آپکے نزدیک غیر متعلق سی تھی۔ بہر حال فرماتے ہیں، حضور کے استفسار پر جواباً عرض کیا:

''حضور، خواب تو آئی ہے مگر اس کا کوئی تعلق نہیں بنتا۔ رات مَیں نے اپنے ایک غیر احمدی دوست، علامہ ارشد، کو دیکھا ہے۔ وہ مخالف ہیں، مگر میرے ساتھ انکے اچھے مراسم ہیں، بے تکلفی بھی ہے۔ مَیں ان سے کہتا ہوں، مولانا! آپ ربوہ کیسے آ گئے، تو وہ کہتے ہیں، 'بھئی، حضرت مرزا ناصر احمد صاحب نے یاد فرمایا تھا، کیوں نہ آتا'۔ حضور نے خواب سن کر فرمایا، 'تمہیں مخالفین کی طرف سے امداد پہنچے گی' ''

آگے عدالت میں کیا ہوا، یہ ایک دلچسپ روئداد ہے، جو ایک طرف اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور عظمتوں کی منہ بولتی تصویر ہے اور دوسری طرف خدا کے برحق خلیفہ کے خدا سے تعلق کی آئینہ دار، کیونکہ جیسا کہ ثاقب صاحب فرماتے ہیں، جونہی ہم عدالت میں حاضر ہوئے، جج نے کہا، آپ کا کیس واپس لے لیا گیا ہے، لہٰذا آپ کو باعزت بری کیا جاتا ہے۔ گویا حضورؒ نے جو فرمایا تھا، وہ حرف بحرف پورا ہو کر آپ کے خدا سے زندہ تعلق کا گواہ بن گیا۔

فرماتے ہیں، اس کی حقیقت پر سے یوں پردہ اٹھا کہ وہاں غیر احمدی وکلاء میں ایک ملک محمد اقبال صاحب، جو بار ایسوسی ایشن کے صدر اور سینئر وکیل ہونے کے علاوہ بار میں اچھا خاصا رسوخ رکھتے تھے، انہیں جب اس مقدمہ کا علم ہوا، تو بار روم میں وہ سب وکلاء کے سامنے، جن میں راؤ عبدالمنان بھی تھے، ان سے مخاطب ہو کر کہنے لگے، 'راؤ صاحب! ہم آپ کو ثاقب صاحب کی نسبت زیادہ جانتے ہیں کہ آپ کیا ہیں، آپ کا کردار کیا ہے اور ماضی کیا ہے۔ ثاقب صاحب نے آپ کے خلاف کونسی بات لکھ دی ہے کہ

آپ نے ان پر یہ مقدمہ دائر کر دیا ہے؟ جاؤ اور اس مقدمے کو واپس لو۔ مزید ایک ایسی بات کہی، جس نے وکلاء کی اس مجلس میں رونق اور شگفتگی کی ایک عجیب فضا پیدا کر دی۔ فرمایا:

'ثاقب صاحب ہی کی نظموں کو پڑھ کر تو مَیں مسلم لیگ میں شامل ہوا تھا۔ اور جہاں تک میاں م۔ش کا تعلق ہے، تو یہ پاکستان کی وجہ سے دو بار قید ہوئے ہیں، تو کیا تحریک پاکستان کے اتنے بڑے عظیم کارکنوں کے خلاف جھوٹا کیس کرنے کی لعنت ہمارے حصے میں ہی آنی تھی؟'

اور راؤ عبدالمنان جو ملک صاحب موصوف کے احترام اور مقام کو سمجھتے تھے، فوراً عدالت میں گئے اور قبل اس کے کہ کسی بحث وتمحیص کی نوبت آتی، وہ مقدمہ واپس لے لیا گیا اور اس طرح ثاقب صاحب کو ملنے والی وہ آسمانی خبر پوری ہوگئی، جس کی حضور نے یہ تعبیر فرمائی تھی کہ 'تمہیں مخالفوں کی طرف سے مدد پہنچے گی'۔

دوسرا مقدمہ

آپ کے خلاف بنائے جانے والے ایک اَور مقدمہ، جس میں آپ کی سزایابی ہر اعتبار سے یقینی ہو چکی تھی، کی روئداد بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

''ہاں ان ایام میں جب بالآخر اس ناچیز کو (١١ فروری ۷۷ء) کو گرفتار بھی کیا گیا تو میرے سید و محبوب کی دعائیں مجھ پر اس طرح تنی رہیں کہ سارا دن تھانے میں بٹھا کر بالآخر یہ کہہ دیا گیا کہ 'چونکہ کاغذات میں گرفتاری صبح ڈالی جائیگی، آپ کل صبح ساڑھے نو اور دس بجے کے درمیان آجائیں'۔ اور جب وہاں اگلے دن پہنچا، تو تھانے کے انچارج نے ہنس کر کہا:

'یا تو وہ شوراشوری تھی یا یہ بے نمکی ہے۔ پہلے ایک تابڑ توڑ حکم کے تحت گرفتار کرنے کو کہا گیا۔ جب گرفتار کر لائے، تو حکم آگیا، گرفتاری صبح ڈالنا اور جب صبح ہوئی تو حکم آ گیا، فی الحال گرفتاری نہ ڈالو۔ فرمانے لگے: 'ثاقب صاحب! معلوم ہوتا ہے، آپ کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ ورنہ پی پی پی کے دَور میں ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا' ''

اس سوال کا ثاقب صاحب کے منہ سے نکلنے والا دو حرفی مگر دلوں کو گرما دینے والا جواب یہ تھا:

''ہاں واقعی بہت لمبے ہیں، جو آسمان تک جا پہنچتے ہیں''

اور پھر آپ نے اپنے اس عارفانہ جواب میں مجاز کا رنگ بھرتے ہوئے اسے یوں مکمل کیا:

''میرا ہاتھ ایک ایسے راستباز، برگزیدہ انسان کے ہاتھ میں ہے، جو میرے رب کو بہت محبوب ہے''

(ہفت روزہ ''لاہور'' ۸ مارچ ۱۹۹۷ء)

امر واقعہ یہ ہے کہ ان دنوں حکومت کے ایما پر پاکستان کے مختلف شہروں میں احمدیوں کے خلاف فسادات کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا اور احمدی گھروں، دوکانوں اور ان کی دیگر املاک کو بے دریغ اور باقاعدہ ایک پروگرام کے تحت نذر آتش اور تباہ و برباد کیا جا رہا تھا۔ ظلم پر ظلم یہ کہ امن کے ذمہ وار حکومتی ادارے محض تماشائی بن کر خاک و خون کے یہ جملہ مناظر دیکھ رہے تھے۔ اس لئے کہ حکومت کو یہ پسند نہیں تھا کہ ان بربادی افگن واقعات میں کوئی کمی واقع ہو۔ نہ وہ یہ چاہتی تھی کہ کسی طریق سے بھی ان کی حکومت کی غیر ذمہ وارانہ یا جانبدارانہ پالیسی کی تشہیر ہونے پائے۔ اُس وقت ثاقب صاحب مرحوم کی ہی یہ ہمت بلکہ جرأتِ ایمانی تھی کہ وہ اپنے ہفت روزہ ''لاہور'' میں ان سراسر ظلم پر مبنی واقعات کی تفاصیل پر سے پردہ اٹھا رہے تھے۔ ان کا یہی عمل حکومت کے نزدیک بہت بڑا ''جرم'' تھا۔ اور اس ''جرم'' کی بنا پر انہیں قانونی شکنجے میں لانے کے لئے وہ جملہ ہتھکنڈے استعمال کئے جا رہے تھے، جن کا مجمل تذکرہ انہوں نے اوپر والے اپنے مضمون میں کیا ہے۔

☆

دو لطائف غریبہ

اوپر بیان کردہ مقدمہ کے تعلق میں جناب ثاقب زیروی صاحب نے دو ایسی حکایات غریبہ کا ذکر کیا ہے، جو مُصلح ربانی، حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام، کی قائم کردہ اِس جماعت (جماعت احمدیہ) اور اس کے نظام خلافت کی برکات پر ایک اچھوتے انداز میں روشنی ڈالتی ہیں، اور بتاتی ہیں کہ یہ خدائی سلسلہ، جس کی علمائے سوء نے دل کھول کر مخالفت کی اور اب تک کرتے چلے آ رہے ہیں، دنیا کے لئے کتنی

بڑی رحمت اور نعمت بن کر آیا ہے، اور اس سلسلہ سے تعلق جوڑ کر کس طرح انسان اپنے آپ کو ایک ایسے خاندان کا فرد محسوس کرنے لگ جاتا ہے، جہاں محبت کے چشمے پھوٹ پھوٹ کر بہ رہے ہیں۔

پہلا لطیفہ

''غیر احمدی وکلاء کی چیخیں نکل گئیں''

اوپر سرگودھا کے حوالے سے بیان کئے گئے مقدمہ میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح ثاقب زیروی اور آپ کے رسالہ کے پرنٹر اور پبلشر کے خلاف بننے والا یہ خوفناک مقدمہ حضورؒ کی دعاؤں اور توجہاتِ روحانیہ کی بدولت ھَبَاءً مَنثُوراً بن کر اڑ گیا اور اس کی خاک بھی باقی نہ رہی۔ اس مقدمہ کی جس دن سماعت تھی، جماعت کے ضلعی امیر، مکرم مرزا عبدالحق صاحب، جو خود ایک معزز وکیل ہیں، عدالت میں موجود تھے اور لاہور سے آنے والے وکلاء کی مدد کر رہے تھے۔ جب مقدمہ بغیر سماعت کے خارج ہو گیا، تو مکرم مرزا صاحب نے اس خوشی میں تمام احمدی اور غیر احمدی وکلاء کو شام کے کھانے کی دعوت دی۔ اِس دعوت کا حال بیان کرتے ہوئے مکرم ثاقب زیروی صاحب فرماتے ہیں:

''اس دعوت میں مجھے ایک ایسے معمر اور باریش دوست نظر آئے، جو غالباً کسی ضلعی جماعت کے صدر تھے۔ وہ پاس ہی بیٹھے تھے، مگر شاید انہیں کچھ کم نظر آتا تھا۔ پہلے تو انہوں نے اپنی جیب سے سات آٹھ ہزار روپے کے نوٹ نکالے اور مکرم مرزا صاحب سے کہا کہ 'اچھا جی، اب ان روپوؤں کا کیا کِیا جائے، جو جماعت کے دوستوں نے اِس مقدمہ کے سلسلے میں دئے ہیں کہ ثاقب صاحب کو سزا نہیں ہونی چاہئے'؟ مرزا صاحب نے فرمایا، 'اب یہ رقم انہی دوستوں کو شکریہ کے ساتھ واپس کر دی جائے'۔ وہ پھر بولے، 'ثاقب صاحب کہاں بیٹھے ہیں'؟ مرزا صاحب نے فرمایا، وہ تو آپکے پاس ہی بیٹھے ہیں۔ جونہی مرزا صاحب نے یہ کہا، اُس بزرگ نے یوں چیخ کر مجھ سے معانقہ کِیا کہ سب حاضرین متوجہ ہو گئے۔ سامنے بیٹھے دو چار غیر احمدی وکلاء کی تو یہ دیکھ کر چیخیں نکل گئیں۔ ادھر ملک محمد اقبال صاحب کے منہ سے بیساختہ نکلا کہ جماعت تو اسے کہتے ہیں کہ دونوں ایک دوسرے کو جانتے تک نہیں مگر دونوں آپس میں یوں مل رہے ہیں، جیسے صدیوں سے ملنے کیلئے ترس رہے ہوں''

دوسرا لطیفہ

''وہ تو جسمانی باپ سے بھی بڑھ کر نکلا''

دوسرے واقعہ کا ظہور ان ہر دو ''ملزمان''، یعنی مکرم ثاقب زیروی صاحب اور مکرم میاں م۔ش صاحب، کے ربوہ پہنچنے پر ہوا۔اوپر مکرم ثاقب صاحب کے حوالے سے ہی بتایا گیا ہے کہ جب ایک روز قبل آپ ربوہ سے سرگودھا کیلئے روانہ ہوئے تھے،تو

''ہر چند کہ حضور نے تسلی دلا دی تھی کہ تم جلد بری ہو جاؤ گے،مگرم۔ش صاحب متردد تھے۔ لیکن جونہی جج نے ہم دونوں ملزمان کو بلا کر کہا کہ

The case has been withdrawn

یعنی مقدمہ واپس لے لیا گیا ہے،اب تم دونوں کو باعزت طور پر بری کیا جاتا ہے'،تو جج کے منہ سے یہ الفاظ سنتے ہی م۔ش صاحب، جو جج کے بالکل پاس ہی کھڑے تھے، بے ساختہ کہہ اٹھے:

'یہ تو حضرت صاحب نے پہلے ہی کہہ دیا تھا' ''

اسی سلسلہ میں آپ آگے فرماتے ہیں کہ جب اس حسین تأثر کو لے کر ہم سرگودھا سے واپس لوٹے تاکہ سب سے پہلے اپنے پیارے آقا کو یہ خوشخبری پہنچائیں،تو جو حالت وہاں م۔ش صاحب کی ہوئی،اس کا نقشہ دیکھنے کے قابل تھا۔فرماتے ہیں:

''ہم قریباً رات دو بجے کے قریب ربوہ پہنچ گئے۔جونہی ہم قصر خلافت میں داخل ہوئے ،تو دیکھا کہ حضور برآمدہ میں ٹہل رہے ہیں۔ہم نے سلام عرض کیا، تو ہمارے چہروں سے ہی اندازہ لگا کر فرمایا، ثاقب، معلوم ہوتا ہے، تم کھانا کھا کر آئے ہو،مَیں اور منصورہ بیگم نے ابھی تک نہیں کھایا''

حضور اپنے ان خادمان کے لئے کس قدر بے چین اور بے قرار تھے،وہ تو ظاہر ہی ہے،مگر فرماتے ہیں، یہ سب کچھ دیکھ کر میاں م۔ش کے صبر اور ظاہری نمود و نمائش کے سارے بند ٹوٹ گئے اور ان کے قلبی جذبات پانی کے ایک تیز دھارے کی طرح اچھل کر باہر نکل آئے۔اس کیفیت کو بیان کرتے ہوئے مکرم

ثاقب صاحب فرماتے ہیں:

’’مَیں نے عرض کِیا، حضور، آپکے ساتھ بھی کھالیں گے۔ وہاں مرزا صاحب نے مجبور کِیا تھا کہ کھانا کھا کر جاؤ۔ دوسرے وکلاء کو بھی بلایا ہوا تھا۔ پھر پوچھا، مقدمہ کا کیا بنا۔ جب خاکسار نے عرض کیا، حضور بری ہو گئے، تو حیران ہو کر فرمایا، اتنی جلدی! اور پھر دفتر کے آدمی کو بلا کر فرمایا کہ انہیں لے جا کر کھانے کی میز پر بٹھاؤ، مَیں نفل پڑھ کر آتا ہوں۔ اب میاں م۔ش صاحب سے نہ رہا گیا۔ چنانچہ جونہی ہم گلی میں پہنچے، تو وہ دیوار کے ساتھ سر لگا کر دھاڑیں مار مار کر رونے اور کہنے لگے، ’ثاقب! مجھے تو آج پتہ لگا ہے، آپکا یہ روحانی باپ کیا چیز ہے؟ وہ تو جسمانی باپ سے بھی بڑھ کر نکلا‘ ‘‘[ا]

☆ ☆ ☆

[ا] جناب ثاقب زیروی صاحب نے ایم۔ٹی۔اے (M.T.A.) میں دئے گئے اپنے اس انٹرویو میں ان مقدمات کی اَور بھی بہت سی ایمان افروز تفصیلات بیان فرمائی ہیں۔ قارئین کرام اگر چاہیں تو ان کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔ کتاب ہٰذا کی نوعیت اور وسعت کے اعتبار سے البتہ اس سے زیادہ تفاصیل کا یہاں درج کرنا ممکن نہ تھا۔ (یہ انٹرویو جو چھ اقساط میں ایم۔ٹی۔اے پر ٹیلیکاسٹ ہوا، اِسوقت تین تین گھنٹوں کی دو وڈیو کیسٹوں میں دستیاب ہے)

سترہواں کرشمۂ قدرت

"ہم نے تمہارے سارے گناہ بخش دئے"

ایک احمدی درویش کو اپنے رب کی طرف سے ملنے والی تسلی

یہ مختصر مگر نہایت روح پرور واقعہ، جس کے راوی شیخ تاج الدین صاحب لاہوری (جالندھری) ہیں اور جو اُن کی ذات کے ساتھ بیتا ہوا اپنا واقعہ ہے، ایک زندہ خدا کی ہستی کے گواہ کے طور پر یاد کیا جاتا رہے گا۔ نیز یہ اس حقیقت پر ایک نہایت عمدہ پیرائے میں روشنی ڈالتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کے غلاموں کے ساتھ ایسا پیارا سلوک ہے کہ وہ ان کی کسی مصیبت کے نزول کے وقت خود انہیں تسلی دیتا اور پھر آسمان سے اس کے ازالے کے سامان پیدا فرماتا ہے۔ چنانچہ واقعہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے راوی موصوف رقمطراز ہیں:

"میں حلفیہ اپنے اللہ تعالیٰ کو گواہ رکھ کر لکھتا ہوں کہ میں اپنی حماقت سے ایک ایسے فوجداری مقدمہ میں پھنس گیا، جس سے بظاہر چھٹکارا مشکل نظر آتا تھا۔ اس دوران میں نے خواب میں دیکھا کہ مَیں آسمان پر بحیثیت ملزم اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے کمال شفقت سے یہ فرماتے ہوئے فیصلہ سنایا کہ

'نبی کی بیٹی کی خدمت کے صلہ میں ہم نے تمہارے سارے گناہ بخش دئے ہیں'

اس پر میں نے فوراً کہا: الحمدللہ۔ کچھ عرصہ بعد عدالت نے مجھے اس مقدمہ میں باعزت بری کر دیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک!"

احقر شیخ تاج الدین ولد شیخ امیر علی، ۱۴۴ حبیب اللہ روڈ، لاہور"
(مکتوب نمبر ۱۷، مورخہ ۲۸ دسمبر ۱۹۷۷ء)

.......☆.........

نوٹ: واقعہ کے راوی اپنی اس "خاص خدمت" کی تشریح میں فرماتے ہیں:

"'نبی کی بیٹی کی خدمت کے صلہ میں' کے جو الفاظ آئے ہیں، تو اس سے مراد یہ تھی کہ حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب (داماد حضرت مسیح موعود علیہ السلام) نے ایک دفعہ اس عاجز کو اپنی، اپنی بیگم، حضرت نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ، کی اور حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ (دختران حضرت مسیح موعودؑ) کی جائداد تقسیم کرنے کے لئے مختار بنایا تھا اور یہ حقیر سی خدمت ادا کرنے کی مجھے توفیق ملی۔

اٹھارہواں کرشمہ قدرت

’’میں دہلی سے آپ کے پاس آؤں گا‘‘

خدائی نصرت وحفاظت کی ایک دلگداز داستان

جن لوگوں نے ۱۹۴۷ء میں برصغیر ہندو پاکستان کے بٹوارے کے نتیجے میں عمل میں آنے والی ہندو اور مسلم آبادی کی باہمی نقل وحرکت کا دلخراش منظر دیکھا ہے یا پڑھا ہے وہ جان سکتے ہیں کہ وہ وقت مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کے لئے کتنا نازک تھا۔ ہزار ہا معصوم جانیں درندہ صفت ہندوؤں اور سکھوں کی نذر ہوگئیں۔ ہزار ہا عصمتیں لوٹ لی گئیں اور ہزار ہا رستے بستے گھرانے ہمیشہ کی نیند سلا دئے گئے۔ اس خونی انقلاب کے دوران قادیان کی بستی بھی ہندوستان میں شامل ہو جانے کے باعث قادیان کے مکینوں سے جن کی اکثریت احمدی مسلمانوں پر مشتمل تھی، چھین لی گئی تھی۔ چنانچہ قادیان کے احمدی مع اپنے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے پاکستان کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ لیکن ابھی ہجرت کا عمل شروع نہیں ہوا تھا کہ حکومت مشرقی پنجاب کے ایماء پر دو معزز افراد جماعت یعنی چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔اے اور سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کی گرفتاریاں عمل میں آئیں۔ یہ ہر دو بزرگان، سلسلہ کی مرکزی انتظامیہ میں اہم عہدوں پر فائز تھے۔ جس دن ان کی گرفتاری کے احکام جاری ہوئے، پولیس نے چاروں طرف سے دفاتر صدر انجمن احمدیہ کا گھیراؤ کر لیا۔ مکرم چوہدری فتح محمد سیال صاحب ایم۔اے کو تو اسی وقت حراست میں لے لیا گیا۔ مکرم سید ولی اللہ شاہ صاحب چونکہ اپنے دفتر میں موجود نہ تھے، اس لئے وہ اس وقت تو گرفتاری سے بچ رہے، تاہم ان کے بارے میں فیصلہ یہی ہوا کہ وہ اگلی صبح خود ہی اپنے تئیں پولیس کے حوالے کر دیں۔

ان ہر دو معزز صاحبان کو اسی دن یعنی ۱۳ ستمبر ۱۹۴۷ء کو شام کے وقت گورداسپور جیل میں پہنچا کر نظر بند کر دیا گیا۔ نازونعمت سے پروردہ ان ہر دو عمر رسیدہ بزرگان پر کیا گذری، وہ کس حال میں لے جائے گئے اور انہیں جیل کے اندر کس قسم کی صعوبات برداشت کرنی پڑیں، اس کا کسی قدر اندازہ مکرم سید ولی اللہ شاہ صاحب کی خودنوشت داستان سے ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

’’ان دنوں راتیں تاریک تھیں اور بہت ہی تاریک۔ پھر میرے جیسے نازک جسم، ناز پروردہ کے لئے تو ویسے ہی بہت ہی مشکل تھا کہ ٹڈیوں اور مچھروں سے آباد قید خانہ کی

کوٹھڑی میں مرطوب، بوزدہ فرش پر لیٹنا۔ کچھ دیر تو قبر نما سونے والی جگہ (تھڑے) پر بیٹھا اور اسی طرح بیٹھے بیٹھے تسبیح وتحمید میں رات گذارنے کی ٹھانی۔ ایک جانب چکی پر نظر پڑی، جس پر اوپر کا پتھر نہ تھا۔ یہ خیال آتے ہی چکی کے گالے میں ایک چھوٹا سا ٹرنک لمبائی میں کھڑا کر کے اس سے سرہانے کا کام لیا۔ نیچے پتھر پر کپڑے وغیرہ رکھ کر اسے بیٹھک بنایا گیا۔ اور یوں تین ماہ بیس دن یہی چکی میری بیٹھک، میری خوابگاہ، میری جائے نماز اور میری مطالعہ گاہ رہی"

یہ وہ دن تھے، جب نہ صرف عام آبادی کا بلکہ حکومتوں کا بھی تبادلہ ہو رہا تھا، یعنی صوبائی اور ملکی سطح پر متعین عہدیداران حکومت یہ فیصلہ کر رہے تھے کہ آیا وہ جہاں ہیں، وہاں ہی رہیں گے، یا وہ علاقہ چھوڑ کر دوسری جانب ہندوستان یا پاکستان میں چلے جائیں۔ گویا ایک افراتفری کا عالم تھا اور کسی کو بھی علم نہ تھا کہ اسے کہاں رہ کر کیا کرنا چاہیئے۔ ان حالات میں ان بیچارے قید ہونے والوں کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ نہ مقدمہ۔ نہ اپیل، بلکہ انہیں یہ بھی علم نہ تھا کہ انہیں کس جرم میں نظر بند کیا گیا ہے[ا] مگر خدا جو سب کچھ دیکھتا ہے، اس کی اپنے مظلوم بندوں پر پوری نظر تھی اور اس کی تقدیر اپنا کام کر رہی تھی۔ چنانچہ ابھی ان کے نظر بند ہونے پر ایک ہفتہ بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ سید ولی اللہ شاہ صاحب نے ایک ایسا نظارہ دیکھا، جس نے ان کے آزردہ دلوں کے اندر امید کی ایک کرن روشن کر دی۔ وہ نظارہ کیا تھا، حضرت شاہ صاحب کے اپنے الفاظ میں سنئے۔ وہ فرماتے ہیں:

"ہماری قید و بند پر ہفتہ نہیں گذرا ہوگا کہ رات کی تاریکی میں جب میں بیٹھا ذکر الٰہی میں مصروف تھا کہ اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ دہلی کا شہر میرے سامنے ہے۔ سردار سجان سنگھ دہلی میں کھڑے مجھے مخاطب کر رہے ہیں (میں شہر کو اور سردار صاحب کو پوری صفائی سے دیکھ رہا ہوں) اور بہت بلند آواز سے مجھے کہتے ہیں، شاہ صاحب! آپ فکر نہ کریں، میں دہلی سے آپ کے پاس آؤں گا، کوئی فکر نہ کریں۔ یہ آواز اتنی بلند تھی کہ معلوم ہوتا تھا، جیسے ریڈیو میں کوئی بول رہا ہو۔ چاروں آفاق میں یہ آواز گونج رہی تھی"

[ا] اس دوران قادیان اور اس کے گردونواح کے بعض دیگر احمدی اور غیر احمدی افراد بھی نظر بند ہو کر جیل میں پہنچ چکے تھے۔ ان میں سے بعض کا ذکر آگے آرہا ہے۔

یہاں آگے جانے سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ سردار سجان سنگھ، جن کومکرم شاہ صاحب نے اپنے کشفی نظارہ میں دیکھا اوران کی آواز سنی، وہ کون تھے۔ وہ مکرم شاہ صاحب کے ایک دیرینہ دوست تھے۔ ان کی شاہ صاحب سے واقفیت دوسری جنگ عظیم کے دوران ہوئی تھی، جب آپ خود بھی ایک فوجی افسر تھے۔ وہ اسی وقت سے جماعت احمدیہ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ان کی سلسلہ سے عقیدت کا سبب ایک یہ بھی تھا کہ جماعت کے امام حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی دعا سے ان کے ہاں نرینہ اولاد ہوئی۔ دوسرے، وہ جنگ کے آخری دوسالوں میں افسر بھرتی کے طور پر متعین ہوکر قادیان میں بھی آکر رہے۔

جس وقت شاہ صاحب نے یہ کشفی نظارہ دیکھا، سردار سجان سنگھ انبالہ میں ریکروٹنگ آفیسر تھے۔ اس لئے شاہ صاحب کو حیرانی ہوئی کہ وہ تو انبالہ میں ہیں اور خواب (یا کشف) میں انہیں وہ دہلی میں دکھائے گئے ہیں۔ تاہم وہ نظارہ اتنا صاف اور غیر مبہم تھا کہ انہیں یقین ہو گیا کہ خدا تعالیٰ اپنے فضل سے ان کی رہائی کے سامان پیدا کرنے والا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس کا ذکر بڑی خوشی کے ساتھ مکرم چوہدری فتح محمد صاحب سیال اور دیگر ان احمدی دوستوں سے کیا، جو ان کے ساتھ اس جیل میں نظر بند تھے۔

دن بیتتے چلے گئے۔ نیا سال ۱۹۴۸ء شروع ہو گیا۔ نئے سال کے ساتھ ہی ایک تبدیلی دیکھنے میں آئی اور وہ یہ کہ قریباً سات سو مسلمان نظر بندوں کو بشمول شاہ صاحب اور دیگر احمدیوں کے گورداسپور جیل سے جالندھر جیل میں منتقل کر دیا گیا۔ یہ تبدیلی اس لحاظ سے بڑی خوشکن ثابت ہوئی کہ جالندھر کا سپرنٹنڈنٹ جیل، سردار ہزارہ سنگھ، مکرم شاہ صاحب کے بھائی میجر ڈاکٹر سید حبیب اللہ شاہ صاحب کا دوست بلکہ ان کا غایت درجہ ممنون احسان تھا اور اس وجہ سے وہ ان سے اور تمام دوسرے احمدی قیدیوں سے بہت شفقت سے پیش آیا۔ اس کی بدولت انہیں وہاں بہت سی سہولتیں میسر آ گئیں، جن میں سے ایک اخبار کے مطالعہ کی اجازت تھی۔ گویا خدا کی تقدیر نے اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا۔ انہی سہولتوں کے طفیل سارے احمدی دوست دن میں کئی بار ملتے، ایک دوسرے کا حال پوچھتے اور ایک دوسرے کو تسلیاں دیتے۔ اسی طرح جیل کے اندر ہی تبلیغ کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ اور بہت سے مسلمان قیدی احمدیوں کے نیک نمونہ سے متاثر ہو کر احمدیت میں دلچسپی لینے لگ گئے۔

ایک دن، اور وہ فروری ۱۹۴۸ء کا مہینہ تھا، اخبار میں خبر شائع ہوئی کہ سردار سجان سنگھ انبالہ سے تبدیل ہو کر دہلی میں ایک بہت بڑے عہدے پر فائز ہو گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ خبر مکرم شاہ صاحب اور ان کے دیگر رفقاء کے لئے خاص توجہ کا مرکز بنی، کیونکہ اس سے شاہ صاحب کے کشف کا ایک حصہ ظاہری طور پر

پورا ہو رہا تھا۔ اس سے یہ امید پہلے سے بھی زیادہ پختہ ہوگئی کہ انشاء اللہ کشف کا باقی حصہ بھی جلد پورا ہوگا، تاہم ظاہری حالات کو دیکھتے ہوئے اس سے زیادہ ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ اب احباب کے مشورے سے یہ تجویز طے پائی کہ سردار سجان سنگھ صاحب کو ایک خط لکھا جائے، جس میں انہیں صرف یہ اطلاع دی جائے کہ ہم یہاں نظر بند ہیں۔ نیز انہیں اپنا نیا ترقی یافتہ عہدہ ملنے پر مبارک باد دی جائے۔

یہ خط لکھا گیا مگر پھر پھاڑ دیا گیا۔ خط کیوں لکھا گیا۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ ایک فطری تقاضا تھا کیونکہ اس میں ان مصیبت کے ایام میں ان مظلوم قیدیوں کو اپنے چھٹکارے کی ایک صورت نظر آئی تھی، مگر وہ خط لکھ کر پھاڑ کیوں دیا گیا۔ یہ سوال پیدا تو ہوتا ہے مگر اس کا جواب بھی چنداں مشکل نہیں۔ ایک ایسا شخص جو اپنی ہر مشکل میں اپنے خدا کو ہی اپنا واحد سہارا سمجھتا ہے، اس کے اپنے خدا پر توکل اور اس کی غیرت دینی کا یہی تقاضا تھا۔ یعنی وہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی رنگ میں بھی اپنے خدا کے سوا کسی اور پر بھروسہ کرے۔ چنانچہ شاہ صاحب اس پر مندرجہ ذیل تبصرہ فرماتے ہیں:

''اگرچہ خط میں سردار سجان سنگھ صاحب سے کسی مدد کا مطالبہ نہیں کیا گیا تھا۔ ایک عام اطلاع تھی کہ ہم یہاں نظر بند ہیں اور خیریت سے ہیں، لیکن چونکہ بین السطور سمجھا جا سکتا تھا کہ مدد کے لئے اشارہ ہے، میری غیرت نے گوارا نہ کیا کہ ان کو اپنے احوال سے بھی آگاہ کیا جائے''

لیکن غالباً اس بندہ خدا کی اسی پیاری اور توکل علی اللہ کے خمیر میں گوندھی ہوئی ادا نے تقدیر خداوندی کے تار چھیڑ دئے، جس کے نتیجے میں وہی کشفی نظارہ جو وہ چند ماہ پیشتر دیکھ چکے تھے، حقیقت کا روپ دھار کر سامنے آ گیا۔ اس کی دلچسپ اور ایمان افروز روئداد مکرم شاہ صاحب یوں بیان فرماتے ہیں:

''اس واقعہ (یعنی خط پھاڑنے والے واقعہ۔ ناقل) پر دو ہفتے نہیں گذرنے پائے تھے کہ ۲۱ مارچ ۱۹۴۸ء کو اتوار کے دن ایک وارڈ ۹ بجے صبح آیا اور کہنے لگا، آپ کو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ صاحب نے سلام کہا ہے اور دفتر میں بلایا ہے۔ میں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سردار سجان سنگھ بیٹھے ہیں۔ مجھ سے بغلگیر ہو کر ملے۔ وہ آبدیدہ تھے۔ تاسف آمیز گہرا سانس لے کر فرمایا، دنیا کیا سے کیا ہوگئی۔ نیز مجھے بتایا کہ انہیں میری گرفتاری کی اطلاع بذریعہ فون حضرت صاحب (حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ۔ ناقل) سے اسی وقت ہوگئی تھی، جب وہ انبالہ میں

تھے۔ وہ حضور کا پیغام ملنے پر فوراً گورداسپور پہنچے۔ ڈپٹی کمشنر (لالہ کنہیہ لال) سے ملے۔ انہوں نے میری مسل انہیں پڑھنے کو دی۔ دفعہ نمبر ۳۰۷ وغیرہ کے ماتحت قتل و غارت اور آتش زدگی وغیرہ کے الزامات تھے اور یہ کہ میرا نام ان اشخاص کی فہرست میں اول نمبر پر تھا، جنہیں گولی سے اڑا دینے کی تجویز زیرِ غور تھی‘‘

آگے یہ کہ سردار سجان سنگھ نے اپنی وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے کون کونسی مخلصانہ کوششیں سرانجام دیں، دوسری طرف تقدیر خداوندی نے کیا کیا کرشمے دکھائے، اس بارے میں مکرم شاہ صاحب موصوف رقمطراز ہیں:

’’سردار سجان سنگھ صاحب نے مزید بتایا کہ ڈپٹی کمشنر نے میری منت سماجت کے باوجود مجھے آپ سے ملنے نہ دیا۔ پھر میں نے اپنے بھائی حبیب سنگھ کو گورداسپور بھیجا۔ وہ بھی ناکام لوٹا۔ پھر میں نے فون کرنے کی کوشش کی۔ ایک کارڈ بھی لکھا۔ ان باتوں کا میرے خلاف ایک فائل بن گیا۔ یہ بھی بتایا کہ میں بہت شرمندہ تھا، کیونکہ حضرت صاحب سے وعدہ کیا تھا۔ پھر دہلی میں تبدیلی ہوئی اور یہاں آ کر اپنے کاموں میں ایسا مشغول ہوا کہ فرصت نہ ملی۔ نیز کہنے لگے کہ اس دوران میری بیوی نے بھی دو تین ڈراؤنے سپنے (خواب) دیکھے۔ بار بار آپ کو دیکھا اور مجھے کہا کہ سردار جی! جا کے شاہ صاحب دا پتہ کرو۔ کدے ساڈا گھر ہی نہ اجڑ جائے‘‘

خاکسار راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ یہ آخری بیان کردہ آسمانی تدبیر اسی قسم کی تھی، جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ نبی، حضرت مسیح ناصری علیہ السلام، کو صلیبی موت سے نجات دلانے کیلئے اختیار فرمائی تھی۔ جیسا کہ بائبل میں لکھا ہے کہ جب پیلاطوس کی عدالت میں حضرت مسیح علیہ السلام پیش کئے گئے، تو اسی رات پیلاطوس کی بیوی نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں ایک ڈراؤنی خواب دیکھی، جس سے اس کے دل میں اس قدر خوف پیدا ہوا کہ اس نے اسی وقت عدالت میں اپنے خاوند کو پیغام بھجوایا کہ یہ شخص (حضرت مسیح) خدا کا برگزیدہ ہے اور اسے کوئی نقصان نہ پہنچے۔ چنانچہ انجیل متی، باب: ۲۷، آیت: ۱۹ میں لکھا ہے:

’’اور جب وہ تختِ عدالت پر بیٹھا تھا تو اس کی بیوی نے اسے کہلا بھیجا کہ تو اس راستباز سے

کچھ کام نہ رکھ کیونکہ میں نے آج خواب میں اس کے سبب بہت دکھ اٹھایا ہے"

فرماتے ہیں، سردار سجان سنگھ نے آپ کو مزید بتایا کہ عنقریب قیدیوں کے تبادلے ہونے والے ہیں۔ وہ جونہی شروع ہوئے، وہ آپ کو فون پر اطلاع دے دیں گے۔ پھر وہ آکر آپ کو اپنی کار پر ساتھ لے جائیں گے اور لاہور پہنچا دیں گے۔ اس لئے کچھ دن اور انتظار فرمالیں۔ اسکے ساتھ ہی پنجابی میں کہنے لگے: 'لیکن' مینوں واپسی تے واہگہ تک پہنچا دینا۔ مسلمان کدے میری سری نہ کپی دیون'۔

فرماتے ہیں، انکے رخصت لینے سے پہلے میں نے انہیں بتایا کہ ایک کار کافی نہیں ہوگی، کیونکہ یہاں ہمارے ۴۳ کے قریب اَور ساتھی بھی ہیں (ان میں سے اکثر وہ تھے، جو مکرم شاہ صاحب اور دیگر احمدی دوستوں کے نیک نمونہ اور تبلیغ سے احمدی ہو چکے تھے)۔ اس پر سردار سجان سنگھ نے کہا کہ اچھا، دو (۲) ٹرک بھی لے آؤں گا اور آپ کو لاہور بحفاظت پہنچا کر اور حضرت صاحب کا دیدار کر کے اسی کار میں واپس آجاؤں گا۔

غرض اس طرح پر اللہ تعالیٰ نے اپنے ان درویش بندوں کی نجات کا سامان فرما کر اپنی قدرت اور رحمت کا ثبوت بہم پہنچایا۔ اس پر شکر خداوندی بجالاتے ہوئے مکرم شاہ صاحب فرماتے ہیں:

"رہائی سے قبل میں نے سردار صاحب کو شکریہ کا خط لکھا، جس میں انہیں بتایا کہ سجان کے معنی دوست کے ہیں اور ہمارا حقیقی دوست اللہ تعالیٰ ہے، جس نے ہماری رہائی کا انتظام فرمایا"

(ملخص از حیاۃ الآخرۃ، مصنفہ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ صفحہ ۱۲۷ تا ۱۳۲)

.........☆.........

واقعہ زیر بحث کے ضمن میں

بعض اہم شخصیات اور مقامات کا تعارف

ا۔ واہگہ: واہگہ، لاہور اور امرتسر کے درمیان ایک اہم چیک پوسٹ ہے۔ اُس وقت یعنی تقسیم ہند کے وقت یہ پاک و ہند کا وہ مشترکہ سرحدی راستہ تھا، جس پر کچھ سال تک دونوں ملکوں کے درمیان تارکین وطن کی بلا روک ٹوک آمد و رفت ہوتی رہی۔ اِس وقت یہ دونوں ملکوں کے درمیان باقاعدہ مشترک بارڈر کا کام دے رہا ہے۔

۲۔قادیان: جماعت احمدیہ کا عالمی مرکز اور حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کا مولد و مسکن، واقع ضلع گورداسپور، جس کے ہندوستان میں شامل ہو جانے کی وجہ سے یہاں اور گردونواح کے رہنے والے دیگر تمام احمدی اور غیر احمدی مسلمانوں کو پاکستان کی طرف ہجرت کرنی پڑی۔

۳۔چودھری فتح محمد سیالؓ ایم۔اے: آپ ان دنوں سلسلہ کی مرکزی انتظامیہ میں ''ناظر اعلیٰ'' کے مقام پر فائز ہونے کے علاوہ پنجاب کی قانون ساز اسمبلی کے ممبر (ایم۔ایل۔اے) بھی تھے۔

۴۔سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ: آپ اُس وقت جماعت کی مرکزی انتظامیہ میں ناظر برائے امور عامہ کے طور پر کام کر رہے تھے۔رشتہ کے لحاظ سے آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے نسبتی بھائی، اور جماعت کے چوتھے خلیفہ اور امام حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے ماموں تھے۔علاوہ ازیں آپ ایک متبحر عالم دین تھے اور بلاد عربیہ میں کلیۃ صلاح الدین ایوبی میں بطور پروفیسر ادیان کام کر چکے تھے۔آپ نے یہ سارا واقعہ اس عاجز کو اس وقت زبانی بھی سنایا، جب خاکسار راقم الحروف کو ۱۹۵۶ء میں افریقہ جاتے ہوئے دمشق میں ان کے ساتھ کچھ عرصہ رہنے اور ان کی صحبت سے مستفیض ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

☆ ☆ ☆

.....﴿باب چہارم﴾.....

زلازل اور طاعون کی ہلاکت خیزیاں

اور

غلامانِ احمد کی حفاظت سماوی

کے

ایمان افروز واقعات

☆

کلام الامام

.......☆.......

''راتوں کو اٹھ اٹھ کر روؤ، دعائیں مانگو اور اس طرح سے اپنے ارد گرد ایک دیوارِ رحمت بنالو۔ خدا تعالیٰ رحیم وکریم ہے، وہ اپنے خاص بندوں کو ذلّت کی موت کبھی نہیں مارتا (اگر خدانخواستہ ہماری جماعت میں سے کسی کو ذلت کی موت آئی، تو لوگ اعتراض کریں گے کیونکہ اگر ہم اشتہار نہ دیتے تو کسی کو اعتراض کا موقع نہ ملتا۔ مگر اب تو ہم نے خود مشتہر کیا ہے، اس لئے لوگ ضرور اعتراض کریں گے) پس تم کو چاہیئے کہ اپنے اندر تبدیلی پیدا کرو۔ مجھے امید ہے کہ جو پورے درد والا ہوگا اور جس کا دل شرارت سے دور نکل گیا ہے، خدا اسے ضرور بچائے گا۔ توبہ کرو، توبہ کرو۔ مجھے یاد ہے، ایک مرتبہ مجھے الہام ہوا تھا:

آگ سے ہمیں مت ڈراؤ، آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے

حقیقت یہ ہے کہ جو خدا کا بندہ ہوگا، اسے طاعون نہیں ہوگی اور جو شخص ضرر اٹھائے گا، اپنے نفس سے اٹھائے گا

(ملفوظات جلد ۴، صفحہ ۲۱۱)

☆

ملک ہند میں طاعونی وبا

اور غلامانِ احمد کی معجزانہ حفاظت

انیسویں صدی کے آخری عشرہ میں ہندوستان میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑی۔ یہ متعدی اور نہایت مہلک قسم کی بیماری سب سے پہلے بمبئی کے علاقہ میں ظاہر ہوئی اور پھر پھیلتے پھیلتے ہردوآر وغیرہ تک جا پہنچی۔ انگریزی حکومت کا خیال تھا کہ یہ بیماری ہندوستان کے جنوبی علاقوں تک محدود رہے گی، مگر اللہ تعالیٰ نے تصویری زبان میں حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کو آسمان سے خبر بہم پہنچائی کہ پنجاب بھی بہت جلد اس کی لپیٹ میں آنے والا ہے۔ چنانچہ آپ نے دیکھا کہ

”خدا تعالیٰ کے ملائک پنجاب کے مختلف مقامات میں سیاہ رنگ کے پودے لگا رہے ہیں اور وہ درخت نہایت بدشکل اور سیاہ رنگ اور خوفناک اور چھوٹے قد کے ہیں“

آپ فرماتے ہیں:

”میں نے بعض لگانے والوں سے پوچھا کہ یہ کیسے درخت ہیں، تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ طاعون کے درخت ہیں جو عنقریب ملک میں پھیلنے والی ہے“

(ایام الصلح ۔ روحانی خزائن، جلد ۱۴، صفحہ ۳۶۱)

آپ نے یہ نظارہ رؤیا کی شکل میں ۶ فروری ۱۸۹۸ء کو دیکھا اور اسی تاریخ کو بذریعہ اشتہار شائع فرما دیا۔ اور جب اس الٰہی خبر کے مطابق بالآخر طاعون پنجاب میں پھوٹ پڑی اور روزانہ ہزاروں کی تعداد میں لوگ مرنے لگے، تو مختلف مذاہب کے لوگ اس پر مختلف تبصرے اور قیاس آرائیاں کرنے لگے، مثلاً آریہ مت والے اسے ویدوں کے انکار پر محمول کرنے لگے۔ سناتن دھرمی (ایک اَور ہندو فرقہ) اسے 'گئو ہتیا' یعنی گائے کی بے حرمتی [۱] کا نتیجہ قرار دینے لگے۔ جبکہ عیسائیوں نے کہنا شروع کر دیا کہ یہ طاعون حضرت مسیح کی صلیبی موت سے انکار کی وجہ سے آئی ہے۔

---

(۱) ہندو گائے کو ایک متبرک جانور خیال کرتے اور اسکی پوجا کرتے ہیں جبکہ مسلمان اسے ذبح کرتے ہیں۔ ہندو مسلمانوں کے اس عمل کو گائے کی بے حرمتی پر محمول کرتے ہیں۔ اب جب سے ملک ہند میں ہندو راج آ گیا ہے، گائے کا ذبح کیا جانا قانوناً جرم قرار دیا جا چکا ہے۔

ان سب آراء کے مقابل پر حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام، جنہیں خدا تعالیٰ نے اس زمانے کا مامور اور مصلح بنا کر مبعوث فرمایا تھا، کی طرف سے یہ جلالی اعلان شائع ہوا:

"یہ طاعون جو ملک میں پھیل رہی ہے، کسی اَور سبب سے نہیں بلکہ ایک ہی سبب ہے اور وہ یہ کہ لوگوں نے خدا کے اس موعود کے ماننے سے انکار کیا ہے جو تمام نبیوں کی پیشگوئی کے موافق دنیا کے ساتویں ہزار سال میں ظاہر ہوا ہے۔ اور لوگوں نے نہ صرف انکار بلکہ خدا کے اس مسیح کو گالیاں دیں، کافر کہا اور قتل کرنا چاہا اور جو کچھ چاہا، اس سے کیا۔ اس لئے خدا کی غیرت نے چاہا کہ انکی اس شوخی اور بے ادبی پر ان پر تنبیہ نازل کرے"

نیز اپنی رؤیا، جس میں آپ نے ملائکہ کو زمین میں سیاہ پودے لگاتے ہوئے دیکھا تھا اور جنکے بارے میں آپ کو بتایا گیا تھا کہ یہ طاعون کے پودے ہیں، کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"چار سال ہوئے کہ میں نے ایک پیشگوئی شائع کی تھی کہ پنجاب میں سخت طاعون آنے والی ہے اور میں نے اس ملک میں طاعون کے سیاہ درخت دیکھے ہیں جو ہر ایک شہر اور گاؤں میں لگائے گئے ہیں۔ اگر لوگ توبہ کریں، تو یہ مرض دو جاڑہ سے بڑھ نہیں سکتی، خدا اس کو دفع کر دیگا۔ مگر بجائے توبہ کے مجھ کو گالیاں دی گئیں اور سخت بدزبانی کے اشتہارات شائع کئے گئے، جسکا نتیجہ طاعون کی یہ حالت ہے"

اور پھر اس بلائے ناگہانی سے بچنے کا علاج آپؑ نے یہ بتایا کہ فرمایا:

"اس کا بجز اسکے کوئی بھی علاج نہیں کہ اس مسیح کو سچے دل اور اخلاص سے قبول کر لیا جاوے۔ یہ تو یقینی علاج ہے اور اس سے کمتر درجہ کا یہ علاج ہے کہ اس کے انکار سے منہ بند کر لیا جائے اور زبان کو بدگوئی سے روکا جائے"

(دافع البلاء۔ روحانی خزائن، جلد ۱۸ صفحہ ۲۲۵ تا ۲۳۲)

اس ضمن میں دوسرا اعلان آپؑ نے اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر یہ فرمایا کہ آپؑ اور آپکی جماعت اس آفت سے غیر معمولی طور پر محفوظ رہے گی۔ اس بارے میں جو الہام آپ کو ہوا، اس کے الفاظ یہ تھے:

اِنّی اُحَافِظُ کُلَّ مَن فِی الدَّارِ. اِلّا الَّذِینَ عَلَوا مِن اِستِکبَارٍ وَ اُحَافِظُکَ خَاصَّۃً. سَلَامٌ قَولاً مِّن رَّبٍّ رَّحِیمٍ

یعنی

'میں ہر ایک انسان کو طاعون کی موت سے بچاؤں گا، جو تیرے گھر میں ہوگا۔ مگر وہ لوگ جو تکبر سے اپنے تئیں اونچا کریں۔ اور میں تجھے خصوصیت کے ساتھ بچاؤں گا۔ خدائے رحیم کی طرف سے تجھے سلام'

یہاں لفظ ''الدّار'' (یعنی گھر) کی تشریح میں فرمایا۔

''اس جگہ یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ وہی لوگ میرے گھر کے اندر ہیں، جو میرے اس خشت و خاک کے گھر میں بود و باش رکھتے ہیں، بلکہ وہ لوگ بھی جو میری پوری طرح پیروی کرتے ہیں، میرے روحانی گھر میں داخل ہیں''

پھر اس امتیاز کو جو خدا تعالیٰ اس طرح پر آپ پر ایمان لانے والوں اور آپ کے مخالفین کے درمیان پیدا کریگا، اسے اپنے منجانب اللہ ہونے کا نشان قرار دیتے ہوئے آپ نے یہاں تک اعلان فرمادیا کہ:

''میرے منجانب اللہ ہونے کا یہ نشان ہوگا کہ میرے گھر کی چاردیواری کے اندر رہنے والے مخلص لوگ اس بیماری کی موت سے محفوظ رہیں گے اور میرا تمام سلسلہ نسبتاً و مقابلۃً طاعون کے حملہ سے بچارہے گا، اور وہ سلامتی جو اِن میں پائی جائے گی اس کی نظیر کسی گروہ میں قائم نہیں ہوگی''

پھر نہ صرف آپؑ کو اپنے گھر کی روحانی چاردیواری کے اندر رہنے والے تمام لوگوں کے طاعون سے محفوظ رہنے کی بشارت ملی، بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ وعدہ بھی دیا گیا کہ وہ آپ کی بستی، یعنی قادیان کو بھی اس طاعون کی ہلاکت خیزیوں سے محفوظ رکھے گا۔ اور یہ اس لئے ہوگا کہ یہ بستی اس کے پاک مسیح موعود کا تخت گاہ ہے۔ اس سلسلے میں آپ کو جو الہام ہوا، اس کے الفاظ یہ تھے:

اِنَّهٗ آوَی الْقَرْیَةَ

کہ وہ اس بستی یعنی قادیان کو بھی اپنی پناہ میں رکھے گا

تاہم اس الہام کے لفظ 'آوی' کی تشریح کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

''آوی عربی لفظ ہے جس کے معنی ہیں تباہی اور انتشار سے بچانا اور اپنی پناہ میں لے لینا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ طاعون کی قسموں میں سے وہ طاعون سخت

بربادی بخش ہے، جس کا نام طاعون جارف ہے یعنی جھاڑو دینے والی، جس سے لوگ جابجا بھاگتے ہیں اور کتوں کی طرح مرتے ہیں.......اور ہم دعوے سے لکھتے ہیں کہ قادیان میں کبھی طاعون جارف نہیں پڑے گی، جو گاؤں کو ویران کرنے والی اور کھا جانے والی ہوتی ہے۔ اسکے مقابل پر دوسرے شہروں اور دیہات میں جو ظالم اور مفسد ہیں، ضرور ہولناک صورتیں پیدا ہونگی۔ تمام دنیا میں ایک قادیان ہے، جس کے لئے یہ وعدہ ہوا۔ فالحمدللہ علی ذلک“

(دافع البلاء۔ روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۲۲۵ حاشیہ)

اس مضمون سے ملتا جلتا لیکن مفہوم کے اعتبار سے بہت ہی اعلیٰ اور ایک خاص عظمت اور شوکت رکھنے والا ایک الہام آپؑ کو اِن الفاظ میں ہوا:

لَو لَا الاِکرَامُ لَھَلَکَ المُقَامُ

یعنی

’اے خدا کے مسیح! اگر مجھے تمہاری عزت کا پاس ملحوظ نہ ہوتا، تو میں اس مقام یعنی قادیان کو طاعون سے فنا کر دیتا‘

اس الہام کے اندر، جیسا کہ حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام بیان فرماتے ہیں، ایک بہت ہی پیارا مضمون بیان ہوا ہے، جو نہ صرف حضورؑ کے عنداللہ مقام پر روشنی ڈال رہا ہے، بلکہ قادیان، یعنی وہ شہر جہاں آپ سکونت رکھتے تھے، کی عظمت اور تقدس کو بھی ظاہر کر رہا ہے۔ چنانچہ آپ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

”اس گاؤں میں بھی بڑے بڑے خبیث اور شریر اور ناپاک طبع اور کذاب اور مفتری رہتے ہیں۔ اور وہ اس لائق تھے کہ قہر الٰہی سب کو ہلاک کر دیوے، مگر میں ایسا کرنا نہیں چاہتا، کیونکہ درمیان میں تمہارا وجود بطور شفیع کے ہے اور تمہارا اکرام مجھے منظور ہے۔ اس لئے میں اس مرتبہ سزا سے درگذر کرتا ہوں کہ ایک خوفناک تباہی اور موت ان لوگوں پر ڈال دوں، تاہم بکلی بے سزا نہیں چھوڑوں گا اور کسی حد تک وہ بھی طاعون میں سے حصہ لیں گے، تا شریروں کی آنکھیں کھلیں۔“

(نزول المسیح۔ روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۳۹۴)

مذکورہ بالا ہر دو الہامات کی مزید تشریح کرتے ہوئے آپؑ نے فرمایا:

”جاننا چاہئے کہ خدا کی وحی نے اس ارادہ کو، جو قادیان کے متعلق ہے، دو حصوں پر تقسیم کر دیا ہے: ۱) ایک وہ ارادہ جو عام طور پر گاؤں کے متعلق ہے اور وہ ارادہ یہ ہے کہ یہ گاؤں اس شدت طاعون سے، جو افراتفری اور تباہی ڈالنے والی اور ویران کرنے والی اور تمام گاؤں کو منتشر کرنے والی ہو، محفوظ رہیگا۔ ۲) دوسرے، یہ ارادہ کہ خدائے کریم خاص طور پر اس گھر کی حفاظت کرے گا۔ اور اس تمام عذاب سے بچائے گا، جو گاؤں کے دوسرے لوگوں کو پہنچے گا“

(نزول المسیح۔ روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۲۰۱-۲)

.......☆.......

اب دنیا نے ایک عجیب نظارہ دیکھا، اور وہ یہ کہ جہاں پنجاب بھر میں اور خود قادیان کے گردونواح میں لوگ دھڑا دھڑ طاعون سے ہلاک ہونے لگے اور خود قادیان کے اندر بھی چند شریر طبع آریہ جن کا روزمرہ کا کام حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام اور آپ کے قابل صد احترام رفقاء کے خلاف بدزبانی کرنا اور ان پر ناپاک الزام لگانا تھا، اس وبا سے ہلاک ہو گئے [۱] وہاں آپؑ کے مخلصین خواہ وہ قادیان میں تھے اور خواہ پنجاب کے کسی اور علاقے میں، سب کے سب اس بلا سے معجزانہ طور پر محفوظ رہے اور باوجودیکہ سات سال تک یہ طاعون آفت کا پرکالا بن کر ملک کے طول وعرض پر چھائی رہی اور لاکھوں افراد اس کا لقمۂ اجل بن کر دنیا سے ہمیشہ کیلئے رخصت ہو گئے، آپکے ساتھ کیا ہوا یہ خدائی وعدہ کہ اِنّی اُحَافِظُ کُلَّ مَن فِی الدَّارِ آپ اور آپکی جماعت کے حق میں بڑی شان اور آب وتاب سے پورا ہو کر اپنی امتیازی شان دکھاتا رہا۔ اس واضح امتیاز کو دیکھ کر اس کثرت سے لوگ جماعت میں داخل ہوئے کہ دیکھتے ہی دیکھتے جماعت کی تعداد کئی لاکھوں تک جا پہنچی۔

اگلے صفحات کے اندر بعض ایسی مثالیں درج کی جا رہی ہیں، جو بتاتی ہیں کہ الہامات مذکورہ بالا کی صداقت عملی طور پر ظاہر ہو کر کس کس طرح ایمانوں میں تازگی اور روحوں کو قوت اور جلا بخشتی رہی۔

---

[۱] یہ تین آریہ وہ تھے جو حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے خلاف گالیوں اور افترا سے بھرا ہوا ایک اخبار نکالتے تھے۔ پھر وہ کس طرح آپ کی بددعا کا نشانہ بن کر آن کی آن میں طاعونی موت کا شکار ہو گئے، اس کا تفصیلی ذکر آگے آتا ہے۔

حضرت بانی ٔسلسلہ علیہ السلام کے غلاموں کے طاعون سے محفوظ رہنے کے اعجازی واقعات

ذیل میں حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کی جماعت سے تعلق رکھنے والے بعض اُن مخلصین کا ذکر کیا جاتا ہے، جو طاعون کے ایام میں طاعونی بخار سے یا کسی اور طرح سے سخت بیمار ہو گئے، یہاں تک کہ آثار نومیدی ظاہر ہو گئے۔ (ان میں خود آپ کے گھر کے بعض افراد بھی شامل ہیں) اور پھر خدا تعالیٰ نے انہیں آپؑ کی دعا سے معجزانہ رنگ میں شفا بخش کر اپنی قدرت اور رحمت کا نشان دکھایا، تا اللہ تعالیٰ کے پاک مامور کا یہ دعویٰ کہ ُاسکے گھر کی روحانی چار دیواری کے اندر رہنے والے سب لوگ طاعون سے بچائے جائیں گے'، اس پر فعلی شہادت قائم ہو کر آپ کی صداقت اور منجانب اللہ ہونے کا زندہ نشان بن جائے۔

پہلا نشان

صاحبزادہ میاں شریف احمد کا شدید بیمار ہو جانا اور معجزانہ طور پر صحت یاب ہونا

طاعون کے ایام میں حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کا سب سے چھوٹا لڑکا، صاحبزادہ میاں شریف احمد، ایک دفعہ اچانک تپ محرقہ سے بیمار ہو گیا اور ایسا شدید حملہ ہوا کہ بچے پر بیہوشی طاری ہو گئی۔ آپ کو خیال آیا کہ اگرچہ کسی انسان کو موت سے گریز نہیں، لیکن اگر میرا یہ لڑکا ان دنوں میں جبکہ طاعون زوروں پر ہے، فوت ہو گیا، تو مخالفین اسے طاعون ٹھہرا کر وحی الٰہی کی تکذیب کریں گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''اس خیال سے میرے دل پر وہ صدمہ وارد ہوا کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ قریباً رات کے بارہ بجے کا وقت تھا کہ جب لڑکے کی حالت ابتر ہو گئی اور دل میں خوف پیدا ہوا کہ یہ معمولی تپ نہیں، یہ اَور ہی بلا ہے۔ تب میں کیا بیان کروں کہ میرے دل میں کیا حالت تھی کہ خدا نخواستہ اگر لڑکا فوت ہو گیا، تو ظالم طبع لوگوں کو حق پوشی کیلئے بہت کچھ سامان ہاتھ میں آ جائے گا۔ اسی حالت میں، مَیں نے وضو کیا اور نماز کیلئے کھڑا ہو گیا اور معاً کھڑا ہونے کے ساتھ ہی مجھے وہ حالت میسر آ گئی، جو استجابتِ دعا کیلئے ایک کھلی کھلی نشانی ہے اور میں اس

خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ ابھی میں شاید تین رکعت پڑھ چکا تھا کہ میرے پر کشفی حالت طاری ہوگئی اور میں نے کشفی نظر سے دیکھا کہ لڑکا بالکل تندرست ہے۔ تب وہ کشفی حالت جاتی رہی اور میں نے دیکھا کہ لڑکا ہوش کیساتھ چارپائی پر بیٹھا ہے اور پانی مانگتا ہے۔ اور میں چار رکعت پوری کر چکا تھا۔ فی الفور اس کو پانی دیا اور بدن پر ہاتھ لگا کر دیکھا کہ تپ کا نام ونشان نہیں اور ہذیان اور بے تابی اور بے ہوشی بالکل دُور ہو چکی تھی اور لڑکے کی حالت بالکل تندرستی کی تھی۔ مجھے اس خدا کی قدرت کے نظارہ نے الٰہی طاقتوں اور دعا قبول ہونے پر ایک تازہ ایمان بخشا''

(حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد۲۲ صفحہ ۸۷ تا ۸۸ حاشیہ)

☆ ☆ ☆

دوسرا نشان

''اگر آپ کو طاعون ہوگئی تو میں جھوٹا ہوں''

حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے معتمد رفیق، مولوی محمد علی صاحب، پر طاعون کا حملہ اور حضورؑ کی دعا سے صحت یابی

دوسرا نشان آپ کے ایک معتمد رفیق، مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے، کے حق میں ظاہر ہوا۔ ان کو بھی انہی ایام میں سخت بخار ہو گیا۔ وہ علاوہ اس کے کہ سلسلہ کے معتمدین میں شمار ہوتے تھے، رہائش بھی حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے مکان کے ہی ایک حصہ میں رکھتے تھے۔ اِدھر مولوی صاحب موصوف کی حالت ایسی دگرگوں ہوگئی کہ انہیں ظنِ غالب ہو گیا کہ یہ طاعون ہے، یہاں تک کہ انہوں نے مرنے والوں کی طرح وصیت بھی کر دی۔ مگر خدا تعالیٰ کے مامور کو اسکے پاک الہام میں کئے ہوئے وعدہ کہ 'وہ آپکی چاردیواری کے اندر رہنے والے ہر شخص کو اس بیماری سے محفوظ رکھے گا'، پر اس قدر پختہ ایمان تھا کہ آپ فرماتے ہیں:

''میں ان کی عیادت کے لئے گیا اور ان کو پریشان اور گھبراہٹ میں پا کر میں نے ان سے

کہا، اگر آپ کو طاعون ہوگئی، تو پھر میں جھوٹا ہوں اور میرا دعویٰ الہام غلط ہے۔ یہ کہہ کر میں نے ان کی نبض پر ہاتھ لگایا۔ یہ عجیب نمونہ قدرت الٰہی دیکھا کہ ہاتھ لگانے کے ساتھ ہی بدن سرد پایا کہ تپ کا نام ونشان نہ تھا''

(حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن، جلد۲۲، صفحہ ۲۶۸)

اس واقعہ کی ایک دلچسپ تفصیل آپؑ کے چوتھے جانشین، یعنی حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ؒ نے اپنے ایک خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۵ر ستمبر ۲۰۰۰ء میں یوں بیان فرمائی ہے۔ حضور فرماتے ہیں:

''مولوی محمد علی صاحب کو ایک دفعہ طاعون اس شدت سے ہوئی کہ اس کے سارے آثار ظاہر ہوگئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ اور دوسرے اطباء نے جو پاس بیٹھے تھے، انہوں نے ہر چارہ کر لیا، لیکن بیماری رُکنے کے کوئی آثار نہیں تھے۔ آگ لگی ہوئی تھی سارے بدن میں۔ آخر انہوں نے بڑی عاجزی سے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں پیغام بھجوایا کہ آپ ہی آئیں اور کچھ کریں۔ حضرت مسیح موعودؑ گئے اور ان کی پیشانی پر ہاتھ رکھا، کوئی بخار نہیں تھا۔ پھر بھی ڈرے ہوئے تھے۔ آپ نے کہا، اٹھو۔ بہت ڈرے ہوئے تھے کہ پتہ نہیں اٹھ کے مَیں گر جاؤں گا۔ لیکن بخار کا نام ونشان تک نہیں رہا۔ اٹھ کے دو قدم چلے اور پھر خوشی سے بھاگنے لگے''

(بحوالہ الفضل انٹرنیشنل، مورخہ ۲۷ر اکتوبر ۲۰۰۰ء)

.......☆.......

تعارف: مولوی محمد علی صاحب، حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کے معتمد رفقاء میں شمار ہونے کے علاوہ سلسلہ کے ممتاز عہدوں پر فائز تھے۔ آپ سلسلہ کے ماہوار علمی رسالہ ''ریویو آف ریلیجنز'' کے ایڈیٹر بھی تھے۔ افسوس ہے کہ خلافت ثانیہ کے انتخاب کے وقت آپ کو ابتلاء آ گیا۔ بعد میں آپ ہی کی سربراہی میں غیر مبائعین، یعنی منکرین خلافت، کی ایک الگ جماعت قائم ہوگئی، جس کا صدر مقام لاہور قرار پایا اور آپ اس جماعت ''لاہوری جماعت'' کے امیر کہلائے۔

☆ ☆ ☆

تیسرا نشان

’’میں فی الفور دعا میں مشغول ہو گیا‘‘

حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ پر طاعونی آثار کا ظاہر ہونا اور حضرت کی دعا سے انکی معجزانہ شفایابی

یہ واقعہ بھی جو حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کے ایک قریبی عزیز کے طاعون سے بیمار ہونے سے تعلق رکھتا ہے، آپ کی صداقت اور آپکے منجانب اللہ ہونے کا ایک زندہ نشان ہے۔ یعنی بتاتا ہے کہ آپکے گھر کی جسمانی چار دیواری کے اندر رہنے والا ایک فرد کس طرح ایک بار طاعون کی زد میں آنے کے باوجود آپ کو دیئے جانے والے خدائی وعدہ کے مطابق معجزانہ طور پر صحتیاب ہو گیا۔ اس میں ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ اس کے وقوعہ سے پہلے خطرے کے الارم کے طور پر آپؑ کو بذریعہ رؤیا دکھایا گیا کہ حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ، جو آپ کے خسر ہونے کے لحاظ سے گویا جسمانی طور پر بھی ’الدّار‘ کا حصہ بن چکے تھے، کے گھر میں کوئی مصیبت آنے والی ہے۔ اس مُنذر رؤیا کے مطابق وہ مصیبت کیسے نازل ہوئی اور بالآخر حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی دعاؤں کی برکت سے وہ کیونکر دور ہوئی، اس سارے واقعہ کو آپؑ بطور ایک نشانِ الٰہی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’میں نے کئی دفعہ مُنذر خوابیں دیکھیں، جن میں صریح طور پر یہ بتلایا گیا تھا کہ میر ناصر نواب جو میرے خسر ہیں، ان کے عیال کے متعلق کوئی مصیبت آنے والی ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ میں نے گھر میں بکرے کی ایک ران لٹکائی ہوئی دیکھی، جو کسی کی موت پر دلالت کرتی تھی اور ایک دفعہ میں نے دیکھا کہ ڈاکٹر عبدالحکیم خان اسسٹنٹ سرجن اس چوبارہ کے پاس باہر کی طرف چوکھٹ کیساتھ لگ کر کھڑا ہے، جس میں، مَیں رہتا ہوں۔ تب کسی شخص نے مجھ کو کہا کہ عبدالحکیم خان کو والدہ اسحاق نے گھر کے اندر بلایا ہے (والدہ اسحاق میر ناصر نواب صاحب کی بیوی ہیں اور اسحاق ان کا لڑکا ہے اور وہ سب ہمارے گھر میں ہی رہتے ہیں)۔ تب میں نے یہ بات سن کر جواب دیا کہ میں عبدالحکیم خان کو ہرگز اپنے گھر میں آنے نہ دوں گا، اس میں ہماری بے عزتی ہے۔ تب وہ آنکھوں کے سامنے سے گم ہو گیا، اندر داخل نہیں ہوا‘‘

آگے اس رؤیا کی تعبیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یاد رہے کہ علم تعبیر میں معبرّین نے لکھا ہے، جس کا بارہا تجربہ ہو چکا ہے کہ اگر کسی کے گھر میں دشمن داخل ہو جائے ،تو اس گھر میں کوئی مصیبت یا موت آتی ہے اور چونکہ آجکل عبدالحکیم خان سخت دشمن جانی اور ہمارے زوال کا رات دن منتظر ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے اسی کو خواب میں دکھلایا کہ گویا وہ ہمارے گھر میں داخل ہونا چاہتا ہے اور والدہ اسحاق یعنی میر ناصر صاحب کی بیوی اس کو بُلاتی ہیں اور بُلانے کی تعبیر یہ لکھی ہے کہ ایسا شخص محض اپنی دینی غفلتوں کی وجہ سے جن کا علم خدا تعالیٰ کو ہے، مصیبت کو اپنے گھر میں بُلاتا ہے، یعنی اس کی موجودہ حالت اس بات کو چاہتی ہے کہ کوئی بلا نازل ہو۔ یہ ظاہر ہے کہ انسان معاصی اور گناہوں سے خالی نہیں اور انسانی فطرت بجز خاص لوگوں کی لغزش سے محفوظ نہیں رہ سکتی اور وہ لغزش چاہتی ہے کہ کوئی تنبیہ نازل ہو.....پس اس خواب کے یہی معنی تھے کہ ان کی کسی لغزش نے دشمن کو گھر میں بلانا چاہا، مگر شفاعت نے روک لیا۔ میں نے خواب میں عبدالحکیم خان کو گھر کے اندر داخل ہونے سے روک دیا، یعنی وہ فضل خدا تعالیٰ کا ، جو میرے شامل حال ہے،اس نے دشمن کو شماتت کے موقعہ سے باز رکھا''

چنانچہ فرماتے ہیں کہ جب اس قدر الہام مجھے ہوئے ،جن سے یقیناً میرے پر کھُل گیا کہ میر صاحب کے عیال پر کوئی مصیبت درپیش ہے ،تو میں دعا میں لگ گیا اور وہ اتفاقاً مع اپنے بیٹے اسحاق اور اپنے گھر کے لوگوں کے لاہور جانے کو تھے۔ میں نے ان کو یہ خوابیں سنا دیں اور لاہور جانے سے روک دیا۔اورانہوں نے کہا کہ میں آپ کی اجازت کے بغیر ہرگز نہیں جاؤں گا۔

آگے اس منذر خواب کے مطابق حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب کے عیال پر پر جو مصیبت نازل ہوئی، وہ کیونکر حضور علیہ السلام کی دعاؤں کے معجزانہ اثر سے رفع ہوئی، اس بارے میں حضورؑ فرماتے ہیں:

''جب دوسرے دن کی صبح ہوئی ،تو میر صاحب کے بیٹے اسحاق کو تیز تپ چڑھ گیا اور سخت گھبراہٹ شروع ہوگئی اور دونوں طرف بُن ران میں گلٹیاں نکل آئیں اور یقین ہو گیا کہ طاعون ہے ، کیونکہ ضلع کے بعض مواضع میں طاعون پھوٹ پڑی ہے۔تب معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا خوابوں کی تعبیر یہی تھی اور دل میں سخت غم پیدا ہوا اور میں نے میر صاحب کے گھر

کے لوگوں کو کہہ دیا کہ میں تو دعا کرتا ہوں، آپ توبہ واستغفار بہت کریں، کیونکہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آپ نے دشمن کو اپنے گھر میں بُلایا ہے اور یہ کسی لغزش کی طرف اشارہ ہے''

آگے حضور علیہ السلام اپنے اور اپنی جماعت کے طاعون سے محفوظ رہنے والے الہامات کے حوالے سے فرماتے ہیں:

''اور اگرچہ میں جانتا تھا کہ موت فوت قدیم سے ایک قانون قدرت ہے لیکن یہ خیال آیا کہ اگر خدانخواستہ ہمارے گھر میں کوئی طاعون سے مر گیا تو ہماری تکذیب میں ایک شور قیامت برپا ہو جائے گا، اور پھر گو میں ہزار نشان بھی پیش کروں، تب بھی اس اعتراض کے مقابل پر کچھ بھی ان کا اثر نہیں ہوگا، کیونکہ میں صدہا مرتبہ لکھ چکا ہوں اور شائع کر چکا ہوں کہ ہمارے گھر کے تمام لوگ طاعون کی موت سے بچے رہیں گے''

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا کیا کرشمہ دکھایا، اس بارے میں فرماتے ہیں:

''غرض اُس وقت، جو کچھ میرے دل کی حالت تھی، مَیں بیان نہیں کر سکتا۔ مَیں فی الفور دعا میں مشغول ہو گیا اور بعد دعا کے عجیب نظارۂ قدرت دیکھا کہ دو تین گھنٹہ میں خارق عادت کے طور پر اسحاق کا تپ اتر گیا اور گلٹیوں کا نام ونشان نہ رہا، اور وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور نہ صرف اس قدر بلکہ پھرنا، چلنا، کھیلنا، دوڑنا شروع کر دیا۔ گویا کبھی کوئی بیماری نہیں ہوئی تھی''

(بحوالہ حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن، جلد ۲۲، صفحہ ۲۔۳۴۰)

☆ ☆ ☆

چوتھا نشان

''ہم تو کشتی میں ہی بیٹھے ہوئے ہیں''

حضرت مولوی غلام نبی صاحبؓ اور قادیان کے آریہ

اب ایک ایمان افروز اور مخالفین احمدیت کے لئے عبرت کا باعث بننے والی روایت، حضرت بانئ سلسلہؑ کے ایک اَور رفیق، حضرت مولوی غلام نبی صاحبؓ (سابق مدرس، مدرسہ احمدیہ قادیان) کی بیان کردہ درج کی جاتی ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی طاعون سے بیمار بیوی کو تو طاعونی موت سے بچالیا مگر اچھے بھلے اور چلتے پھرتے دو شر پسند آریوں کو اسی طاعون سے ہلاک کر دیا۔ چنانچہ آپ (حضرت مولوی غلام نبی صاحبؓ) فرماتے ہیں:

''جب قادیان میں طاعون پڑی، تو میں بھی بموجب حکم اپنی بیمار بیوی کو باہر لے گیا تھا۔ اور بیوی ایسی بیمار ہوئی کہ اس کی زندگی صرف چھاتی کے سانس سے معلوم ہوتی تھی، باقی دھڑ مردہ ہو چکا تھا۔ بازار میں سوم راج، بھگت رام اور اچھر (چند) ملے، جنہوں نے شبھ چنتک اخبار نکالا تھا اور پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو۔ میں نے کہا، میری بیوی طاعون سے بیمار ہے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مذاق سے ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اس نے تو لکھا ہے کہ میں نے کشتی بنائی ہے، تم اس میں کیوں نہ بیٹھ گئے۔ میں نے کہا کہ ہم تو کشتی میں ہی بیٹھے ہیں، مگر تم وہ مٹیرے بناؤ، جو نوح کے وقت مخالفوں نے بنائے تھے، اور ان میں بیٹھنے والے غرق ہوئے''

یہ بات کہہ کر جب حضرت مولوی غلام نبی صاحب حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؑ سے اپنی بیوی کی بیماری کا ذکر کیا، تو فرماتے ہیں، حضورؑ نے مجھے سیڑھیوں میں ہی ٹھہرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم بیماری والے گھر سے آئے ہو۔ پھر ان کے حضور علیہ السلام سے بھگت رام وغیرہ آریوں کی بات کا ذکر کرنے پر حضورؑ نے فرمایا:

''دیکھو مسیح مردے زندہ کرتا تھا، لیکن وہ حقیقی مردے نہ ہوتے تھے، وہ اسی قسم کے تھے، جو اِس وقت ہماری جماعت میں ہیں۔ ایک ٹھیکیدار کی بیوی اور دوسرے محمد دین (مراد ماسٹر محمد دین، جو اُس وقت طالبعلم تھے اور آجکل ۱۹۳۳ء میں ہیڈ ماسٹر ہائی سکول ہیں)''

فرماتے ہیں کہ حضور نے دوا دیتے وقت فرمایا کہ ہم بھی دعا کرتے ہیں، تم بھی دعا کرو۔ آگے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی بیوی کے لئے اپنی معجزانہ قدرت کا کیا نشان دکھایا، دوسری طرف آریوں پر اپنی ہی شرارتوں کی پاداش میں کیا کیا قیامتیں ٹوٹ پڑیں، اس بارے میں تحریر فرماتے ہیں :

''جب میں دوا لے کر آیا، تو اُس وقت میری بیوی بیہوش تھی۔ اس بے ہوشی میں وہ دو بجے تک رہی اور۔ دوائی سفید رنگ کی مسور کے دانوں کے برابر تھی۔ دو بجے رات کو مجھے آواز آئی کہ 'خطرہ نہ کرو'، اور بیوی نے ہوش میں آ کر کہا: 'جی مجھے پانی دو'۔ میں نے دوائی بید مشک کے عرق کے ساتھ بیوی کو کِھلا دی۔ قریباً تین بجے ہونگے، جبکہ بیوی نے کہا کہ مجھے اٹھاؤ۔ جب بٹھایا اور میں نے گھر میں ہی نماز پڑھی اور قرآن شریف لے کر نکلا تھا کہ آواز آئی کہ ٹھیکیدار باہر آؤ۔ سوم راج، اچھر (چند) اور ملاوامل کا نواسہ مر گئے ہیں، ان کو جلانے کے لئے لکڑی دو''

(رجسٹر روایات صحابہ، نمبر ۱۰، صفحہ ۵۔۲۸۴)

حضرت مولوی محمد الدین صاحبؓ، جن کا اوپر ذکر آیا ہے، انہوں نے اپنے طاعون سے بیمار ہو جانے اور پھر حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی دعا سے شفا پانے کا واقعہ خود بھی بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ جب مجھے طاعون ہوگئی تو

''مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے حضرت کی خدمت میں عرض کِیا کہ اس کا باپ بھی اس کو لینے کیلئے آیا تھا، لیکن اس نے قادیان چھوڑنا پسند نہیں کِیا۔ حضرت نے باوجود اس سخت کمزوری کے میرے لئے دعا کی اور دوا بھی خود ہی تجویز فرمائی۔ مجھے معلوم ہوا کہ حضور خود کمال مہربانی سے اپنے ہاتھوں روزانہ دوائی تیار کر کے بھیجتے اور دو تین وقت روزانہ میری خبر منگواتے تھے ...... میرا ایمان ہے کہ میں آپکی دعاؤں سے ہی بچ گیا، ورنہ جن دنوں میں بیمار رہا، اس وقت طاعونی مادہ ایسا زہریلا تھا کہ شاذ ہی لوگ بچتے تھے''

(ماخوذ از الحکم، قادیان، ۲۱ نومبر ۱۹۱۹ء

بحوالہ الفضل انٹرنیشنل، لندن، ۲۸ مئی ۲۰۰۴ء)

☆

ایک ضروری وضاحت

یہاں جس 'کشتی' کا ذکر بطور طنز اس آریہ نے کیا ہے، اس سے مراد حضرت بانی ٔسلسلہؑ کا تحریر کردہ رسالہ ''کشتی نوح'' ہے، جس کے اندر علاوہ دیگر مضامین کے حضرت نے اپنے خدا سے پانے والی بشارت

'اِنِّی اُحَافِظُ کُلَّ مَن فِی الدَّارِ'

کے حوالے سے بڑے زور سے دعویٰ فرمایا تھا کہ جو میرے گھر کی چاردیواری کے اندر ہے، یعنی میری جماعت سے مخلصانہ تعلق رکھتا ہے، خدا اسے طاعون سے محفوظ رکھے گا

(تفصیل کیلئے اسی مضمون کا تمہیدی بیان ملاحظہ فرمائیں)

☆ ☆ ☆

پانچواں نشان

''حضرت نے میرے بدن پر پھونک ماری ہے''

حضرت بانی ٔسلسلہؑ کی ایک مریدہ کی معجزانہ شفایابی

ذیل کا واقعہ حضرت بانی ٔسلسلہ علیہ السلام کے رفیق، حضرت میاں رحمت اللہ صاحبؓ، ساکن طغل والہ، کا بیان کردہ ہے۔ آپ اپنی ہمشیرہ کے طاعون سے بیمار ہونے اور پھر حضرت اقدسؑ کی دعا سے اس کی معجزانہ شفایابی کا واقعہ یوں بیان فرماتے ہیں:

''میری چھوٹی ہمشیرہ کو طاعون ہوگئی، جو کہ اِس وقت خدا تعالیٰ کے فضل سے زندہ موجود ہے۔ (وہ) دو دن بالکل بول نہ سکی۔ تیسرے یوم کچھ ہوش آیا (تو) اشارہ سے کہا کہ مجھے خواب آیا ہے، مسیح موعود علیہ السلام ہمارے گھر میں آئے ہیں (اور) میرے بدن پر پھونک ماری ہے۔ میں اسی وقت قادیان پہنچ گیا۔ سارا حال حضرت کو سنایا۔ حضورؑ نے فرمایا کہ بس اللہ تعالیٰ نے فضل کر دیا، گھبرانے کی بات نہیں۔ مجھے ہدایت فرمائی کہ طغل والہ سے ان دنوں قادیان نہ آویں اور میں آپ کیلئے اور آپکے گھر کیلئے دعا کروں گا۔ دعا کیلئے ہدایت فرمائی کہ یہ دعا کثرت سے پڑھا کرو:

رَبِّ کُلُّ شَیءٍ خَادِمُکَ رَبِّ فَاحفَظنِی وَانصُرنِی وَارحَمنِی

اور استغفار اور یہ دعا: ’بِسمِ اللّٰہِ ھُوَ الکَافِی، بِسمِ اللّٰہِ ھُوَ الشَّافِی، بسمِ اللّٰہِ اشفِنِی‘ اور درود شریف۔ فرمایا کرتے تھے کہ یہ دعا اللہ تعالیٰ نے مجھے انہی دنوں کیلئے سکھائی تھی‘‘

(رجسٹر روایات صحابہ نمبر ۸۔ روایت حضرت میاں رحمت اللہ صاحبؓ
سکنہ طغل والہ، حال ریتی چھلہ، قادیان)

☆ ☆ ☆

چھٹا نشان

’’سچے دل سے مسلمان ہو جاؤ‘‘

حضرت میاں گوہر دین صاحبؓ کے طاعون سے محفوظ رہنے کی کہانی

یہ واقعہ حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کے رفیق، حضرت میاں گوہر دین صاحبؓ، کا بیان کردہ ہے، جو بتاتا ہے کہ طاعون کے ایام میں کس طرح ان غیر از جماعت لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے بچالیا، جنہوں نے مامور من اللہ کی بتائی ہوئی حفاظتی تدابیر پر عمل کیا۔ مگر جنہوں نے پرواہ نہ کی، وہ طاعون سے ہلاک ہو گئے۔ آپ اس واقعہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’مرزا سلطان احمد کی بستی میں ایک نوجوان کو طاعون کی مرض ہوئی۔ تب خاکسار نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حضور میں آ کر عرض کی کہ حضور ہمارے گاؤں میں طاعون آ گئی ہے (تو) حضور نے فرمایا کہ جا کر چھت پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کر دو کہ لوگو! تین گھنٹہ کے اندر اندر میرے ساتھ ایک مہینہ کی رسد لے کر اور اپنا تمام سامان وغیرہ لے کر گاؤں سے باہر جا کر ڈیرہ لگانے کے لئے جو میرے ساتھ آئے گا، وہ تو میرے ساتھ رہے گا اور جو اس کے بعد آئے گا، اس کو ہرگز پاس نہ رہنے دینا۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اور میرے ساتھ کُل ایک گھر سے آدمی شریک ہوئے اور باقی لوگوں نے ضد کی۔ (مگر) آخر وہ بھی چند دنوں کے بعد گاؤں سے باہر رہائش اختیار کرنے کے لئے نکلے، تو میں نے کسی کو بھی پاس نہ رہنے دیا۔ انہوں نے علیحدہ ڈیرہ رکھا‘‘

اب اللہ تعالیٰ نے کیا معجزہ دکھایا، یعنی آپ کے ساتھ آنے والے تو بچ گئے اور باقی سارے گاؤں

والے طاعون کا شکار آ گئے، اس بارے میں فرماتے ہیں:

''میرے گھر کا اور میرے ساتھ نکلنے والوں کا کوئی آدمی بھی نہیں مرا، نہ بیمار ہوا۔ باقی گاؤں کا گاؤں ہی قریباً تباہ ہو گیا۔ کچھ تو مر گئے اور بہت سارے بیمار پڑے تھے۔ صرف تین آدمی تندرست تھے۔ میرے کہنے پر انہوں نے خواہش کی کہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حضور جا کر دعا کراتے ہیں۔ چنانچہ میں ان تینوں کو ساتھ لے کر آیا اور حضور کو مسجد اقصیٰ کی سیڑھیوں پر ملا اور ان شخصوں کا ذکر کیا۔ حضور نے ان تینوں شخصوں کو اپنے پاس بلوایا اور ان سے فرمایا کہ میں اب تو دعا کرتا ہوں اور انشاء اللہ خدا تعالیٰ قبول فرمائے گا، پر سچے دل سے مسلمان ہو جاؤ تا کہ اس عذاب سے بچ جاؤ۔ اس کے بعد وہ بھی محفوظ رہ گئے اور ان کے گھر کے آدمی جو بیمار پڑے تھے، وہ بھی بغیر کسی دوائی کے اسی دن سے ہی تندرست ہونے شروع ہو گئے''

(رجسٹر روایات نمبر ۸۔ روایت حضرت میاں گوہر دین صاحبؓ ولد میاں بھاگو،
موضع قادر آباد۔ متصل قادیان)

☆ ☆ ☆

ساتواں نشان

''میری بیوی اور بچہ دونوں بچ گئے''

حضرت چوہدری غلام حسین بھٹیؓ اور آپ کے اہل خانہ کی طاعون سے معجزانہ حفاظت

حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کے ایک اَور صحابی، حضرت چوہدری غلام حسین صاحب بھٹیؓ، طاعون سے اپنے اور اپنے بیوی بچے کے محفوظ رہنے کا مندرجہ ذیل ایمان افروز واقعہ بیان کرتے ہیں:

''خاکسار نے ۱۹۰۵ء یا ۱۹۰۶ء میں بمقام سیالکوٹ کبوتراں والی مسجد میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریری بیعت کی۔ پندرہ دن کے بعد جب میں واپس اپنے چک میں آیا تو طاعون کی مرض شروع ہوگئی اور سب سے پہلے میری بیوی اور بچہ، مولوی محمد یار، طاعون میں مبتلا ہو گئے۔ میری بیوی کو ایک پھنسی بخار کے ساتھ نکلی اور محمد یار کو دو پھنسیاں اور بخار ہوا۔ چک کے لوگوں نے میری مخالفت کی اور مسجد سے نکال دیا اور کہا کہ تو نے مسیح موعود کی بیعت کی تھی اور سب سے پہلے تیری بیوی اور بچے کو ہی طاعون ہوئی۔ میں نے گھبرا کر حضرت اقدس کی خدمت میں خط لکھا۔ حضور نے جواب تحریر فرمایا:'آپ ان کو ہوادار جگہ میں رکھیں اور استغفار کریں، اللہ تعالیٰ آپ کی بیوی اور بچہ دونوں کو انشاء اللہ تندرست کر دے گا'

آگے فرماتے ہیں کہ خدا کے فضل سے میری بیوی اور بچہ دونوں اب تک زندہ ہیں اور اعتراض کرنے والوں پر اس قدر تباہی آئی کہ چک میں ستر آدمی طاعون سے تباہ ہو گئے۔ دو، دو آدمی ایک ایک قبر میں دفنائے جاتے تھے۔ فرماتے ہیں، اس نشان کے بعد پانچ گھروں نے بیعت کر لی۔ اب خدا کے فضل سے تیرہ گھر احمدی ہیں اور سات گھر غیر احمدی ہیں۔

(روایت حضرت غلام حسین صاحب بھٹیؓ۔ رجسٹر روایات نمبر ا صفحہ ۲۲)

☆

تعارف: حضرت میاں غلام حسین صاحب بھٹی اپنے جس بیٹے محمد یار کا ذکر فرما رہے ہیں، وہ مکرم مولوی محمد یار صاحب عارف ہیں، جنہیں بطور مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ سالہا سال تک تبلیغ اسلام کی توفیق ملی۔

☆ ☆ ☆

آٹھواں نشان
''ہم تینوں نے یہ عظیم الشان معجزہ دیکھا''
محمد حیات (طالبعلم) کی طاعون سے معجزانہ شفایابی

اس سلسلے کا آخری واقعہ قادیان میں تعلیم کیلئے آنے والے ایک ایسے طالبعلم کا ہے جس کے بدن پر طاعون کے مکمل آثار ظاہر ہو چکے تھے اور زندگی کے آثار کلیۃً مفقود ہو چکے تھے۔ لیکن حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ایسا معجزہ دکھایا کہ اسے دوبارہ زندگی نصیب ہوئی اور وہ چلنے پھرنے لگ گیا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب اِکّا دُکّا مخالفین کی قادیان میں طاعون سے اموات ہونی شروع ہو گئی تھیں اور چند دن ہی پہلے اخبار شبھ چنتک (آریوں کا سب وشتم سے بھرا ہوا اخبار جو وہ اسلام اور حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی مخالفت میں نکالتے تھے) سے تعلق رکھنے والے تینوں آریہ (ان کا ذکر ابھی ایک پچھلے نشان کے بیان میں آ چکا ہے) بھی طاعون کا شکار ہو کر عبرت کا نشان بن چکے تھے۔ اب ذیل میں بتایا جاتا ہے کہ حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی دعا کی برکت سے اس طالب علم نے کیسے اعجازی رنگ میں شفا پائی۔ چنانچہ اس کے راوی حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلویؓ (جو اس کے چشم دید گواہ بھی ہیں) تحریر فرماتے ہیں:

''اسی حالت میں ایک طالب علم، محمد حیات نامی کو پلیگ ہو گیا۔ اس کو فوراً باغ میں بھیج کر علیحدہ کر دیا گیا۔ اور حضور نے حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کو بلا بھیجا کہ اس کو جا کر دیکھو۔ اسے چھ گلٹیاں نکلی ہوئی تھیں اور بخار بہت سخت تھا اور پیشاب کے رستے خون آتا تھا۔ حضرت مولوی صاحب نے ظاہر کیا کہ رات رات میں اس کا مر جانا اغلب ہے۔ اسکے بعد ہم چند احباب حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ محمد حیات کی تکلیف اور مولوی صاحب کی رائے کا اظہار کر کے دعا کیلئے عرض کی۔ حضرت صاحب نے فرمایا، میں دعا کرتا ہوں۔ اور ہم سب روتے تھے۔ میں نے روتے روتے عرض کی، حضور دعا کا وقت نہیں، سفارش فرمائیں۔ میری طرف مڑ کر فرمایا: 'بہت اچھا' ''

ان دنوں خدا کا مامور کس دردمندی اور الحاح سے اپنے مریدوں کی صحتیابی کیلئے دعا کر رہا تھا اور پھر خدا بھی آپ اور آپ کی جماعت کے حق میں اپنی قدرت کے کیا کیا نشان دکھا رہا تھا، یہ ایک ایسی دلربا داستان ہے کہ انسان اسے پڑھ کر عش عش کر اٹھتا اور اپنے محسن و مہربان خدا کے حضور سجدات شکر بجالانے

پر مجبور ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضور کی یہی دردمندانہ دعائیں اس قریب المرگ مریض کو دوبارہ زندگی عطا کرنے کا موجب بن گئیں، جیسا کہ اس واقعہ کے راوی رقمطراز ہیں:

''مسجد کی چھت پر مَیں، منشی اروڑا صاحب اور محمد خان صاحب سوتے تھے۔ دو بجے رات کے حضرت صاحب اوپر تشریف لائے اور فرمایا: حیات خان کا کیا حال ہے؟ ہم میں سے کسی نے کہا کہ شاید مر گیا ہو۔ فرمایا کہ جا کر دیکھو۔ اسی وقت ہم تینوں یا کوئی اور بھی ساتھ تھا، باغ میں گئے، تو حیات خان قرآن شریف پڑھتا اور ٹہلتا پھرتا تھا۔ اور اس نے کہا، 'میرے پاس آ جاؤ، میرے گلٹی اور بخار نہیں رہا۔ میں اچھا ہوں'۔ چنانچہ ہم اس کے پاس گئے، تو کوئی شکایت اس کو باقی نہ رہی۔ ہم نے (واپس جا کر حضور سے) عرض کی کہ حضور، اس کو تو بالکل آرام ہے۔ آپ نے فرمایا، ساتھ کیوں نہیں لیتے آئے۔ پھر یاد نہیں، وہ کس وقت آیا۔ غالباً صبح کو آیا''

آگے فرماتے ہیں:

''چونکہ اس کے باپ کو تار دیا گیا تھا اور ہم تینوں یہ عظیم الشان معجزہ دیکھ کر اجازت لے کر قادیان سے روانہ ہو گئے (تھے)، نہر پر اس کا باپ ملا۔ جو یکہ دوڑائے آ رہا تھا۔ اس نے ہمیں دیکھ کر پوچھا کہ حیات کا کیا حال ہے؟ ہم نے یہ سارا قصہ سنایا۔ وہ یہ سن کر رو پڑا۔ دیر میں اسے ہوش آیا۔ اور پھر وہ وضو کر کے نوافل پڑھنے لگ گیا اور ہم چلے آئے''

(اصحاب احمد جلد چہارم۔ صفحہ ۱۰۸، واقعہ نمبر ۶۰)

☆ ☆ ☆

مخالفینِ سلسلہ کی گستاخیاں
اور عبرتناک نشانوں کا ظہور

مذکورہ بالا ایمان افروز واقعات کے مقابل پر ایسے عبرتناک نظارے بھی دیکھنے میں آئے، جن سے معلوم ہوتا تھا کہ اُس وقت خدا کے غضب کی لاٹھی کس زور سے چل رہی تھی۔ متعدد واقعات اس قسم کے ہیں کہ جونہی کسی شخص نے ذرہ بھر تکبر دکھایا، یا حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی شان میں گستاخی کی، وہیں وہ طاعون کا شکار ہو کر راہی ملک عدم ہو گیا۔ چنانچہ ذیل میں بعض اس قسم کے نشانات کا بھی تذکرہ کیا جا رہا ہے، تا کہ اِس خدائی سلسلہ کی مخالفت کرنے والے زندہ لوگوں کو درسِ عبرت مل سکے۔ ان میں پہلے چار واقعات وہ ہیں، جن کو بطور عبرتناک نشانات خود حضرت بانیٔ سلسلہؑ نے اپنی کتاب حقیقۃ الوحی میں بیان فرمایا ہے۔

عبرت کا پہلا نشان

''یہ طاعون مرزا صاحب کو ہی ہلاک کرنے کے لئے آئی ہے''

ایک مخالف کی بدگوئی اور خدائی گرفت

حضرت منشی محبوب عالم صاحبؓ، نے لاہور سے اطلاع دی کہ:

''میرا ایک چچا مسمی نور احمد جو تحصیل حافظ آباد کا رہنے والا تھا، میں جب ایک دفعہ ان سے ملنے گیا، تو باتوں باتوں میں اس نے مجھے کہا کہ مرزا صاحب اپنے دعوے میں سچے ہیں تو کیوں کوئی نشان نہیں دکھاتے۔ میں نے جواب دیا، نشان تو دکھلا رہے ہیں اور ان نشانوں میں سے ایک طاعون ہے، جس کی پہلے سے پیشگوئی بھی کی گئی تھی اور اب وہ دنیا کو کھاتی جا رہی ہے۔ اس پر میرا چچا بول اٹھا کہ یہ طاعون مرزا صاحب کو ہی ہلاک کرنے کیلئے آئی ہے، اس کا اثر ہم پر نہ ہوگا۔ اسی پر ہماری گفتگو ختم ہو گئی۔ جب میں واپس لاہور پہنچا تو ایک ہفتہ بعد ہی مجھے خبر ملی کہ چچا نور احمد طاعون سے مر گئے''

☆ ☆ ☆

عبرت کا دوسرا نشان
مولوی زین العابدین کی ہلاکت

اسی طرح آپ کے ایک اَور مرید، حضرت میاں معراج الدین صاحبؓ، نے لاہور سے لکھا:

"لاہور انجمن حمایتِ اسلام والوں کا ایک مدرس مولوی زین العابدین، جو مولوی فاضل کے امتحانات پاس کردہ تھا اور دینی تعلیم میں بھی فارغ التحصیل تھا، اس کی کشمیری بازار لاہور میں مولوی محمد علی صاحب سیالکوٹی احمدی سے بحث چھڑ گئی، جو بالآخر مباہلہ پر ختم ہوئی۔ وہ کہتے ہیں کہ اس پر بھی تھوڑے ہی دن گذرے تھے کہ وہ، اس کی بیوی، اس کا ایک داماد، جو محکمہ اکاؤنٹنٹ جنرل میں ملازم تھا، یہ تینوں طاعون کا شکار ہو کر ہلاک ہو گئے اور پھر اس وبا نے بس نہ کی، جب تک کہ اس کے گھر کے سترہ افراد کو لقمہ اجل نہ بنا دیا"

☆ ☆ ☆

عبرت کا تیسرا نشان
حافظ سلطان سیالکوٹی اور حکیم محمد شفیع کی عبرت انگیز ہلاکت

اسی طرح آپؑ کے ایک مرید سید حامد علی شاہ صاحبؓ نے سیالکوٹ سے تحریر فرمایا:

"حافظ سلطان سیالکوٹی حضور کا سخت مخالف تھا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے ارادہ کیا تھا کہ سیالکوٹ میں آپکی سواری گذرنے پر آپ پر راکھ ڈالے۔ آخر وہ سخت طاعون سے اسی ۱۹۰۶ء میں ہلاک ہوا اور اس کے گھر کے نو یا دس آدمی بھی طاعون سے ہلاک ہوئے۔ ایسا ہی شہر سیالکوٹ میں یہ بات سب کو معلوم ہے کہ حکیم محمد شفیع جو بیعت کر کے مرتد ہو گیا تھا، جس نے مدرستہ القرآن کی بنیاد ڈالی تھی، آپ کا سخت مخالف تھا۔ یہ بدقسمت اپنی اغراض نفسانی کی وجہ سے بیعت پر قائم نہ رہ سکا اور سیالکوٹ کے محلّہ لوہاراں کے لوگ جو سخت مخالف تھے، عداوت اور مخالفت میں ان کا شریک ہو گیا۔ آخر وہ بھی طاعون کا شکار ہوا اور اسکی بیوی اور اسکی والدہ اور اسکا بھائی سب یکے بعد دیگرے طاعون سے مرے"

☆ ☆ ☆

عبرت کا چوتھا نشان

"ہم تب جانیں، جب ہمیں طاعون ہو"

ایک اَور مخالف کی شوخی اور عذاب الٰہی کی گرفت میں

سید حامد علی شاہ صاحب نے ایک اور شخص، مرزا سردار بیگ سیالکوٹی، کے بارے میں تحریر فرمایا:

"ایسا ہی مرزا سردار بیگ سیالکوٹی جو اپنی گندہ زبانی اور شوخی میں بہت بڑھ گیا تھا اور ہر وقت استہزاء اور ٹھٹھا اس کا کام تھا اور ہر ایک بات طنز اور شوخی سے کرتا تھا، وہ بھی سخت طاعون میں گرفتار ہو کر ہلاک ہوا اور ایک دن اس نے شوخی سے جماعت احمدیہ کے ایک فرد کو کہا کہ کیوں طاعون، طاعون کرتے ہو، ہم تو تب جانیں کہ ہمیں طاعون ہو۔ پس اس سے دو دن بعد طاعون سے مر گیا"

☆ ☆ ☆

عبرت کا پانچواں نشان

"اب تُو ضرور طاعون سے ہلاک ہوگا"

اخبار 'شبھ چنتک' چلانے والے طاعون کا شکار ہو گئے

جیسا کہ پیچھے بتایا جا چکا ہے، قادیان کے تین آریوں، اچھر چند، سومراج اور بھگت رام نے مل کر شبھ چنتک کے نام سے ایک اخبار جاری کیا تھا۔ ناپاک گالیوں اور افتراپردازیوں سے بھرا ہوا یہ اخبار، جسکا مقصد حضرت بانیٔ سلسلہؑ کو دکھ پہنچانے کے سوا کچھ نہ تھا، اس اعتبار سے بہت خطرناک تھا کہ قادیان سے نکلتا تھا اور بوجہ قرب مکانی لوگوں کے لئے فتنہ کا موجب بن رہا تھا۔ حضرت بانیٔ سلسلہؑ فرماتے ہیں:

"میں نے کئی مرتبہ جناب الٰہی میں دعائیں کیں کہ خدا اس اخبار کے کارکنوں کو نابود کر کے اس فتنہ کو درمیان سے اٹھا دے۔ چنانچہ کئی مرتبہ مجھے یہ خبر دی گئی کہ خدا تعالیٰ ان کی بیخ کنی کریگا"

(بحوالہ حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد ۲۲، صفحہ ۵۹۱-۳)

اب یہ الٰہی خبر کس طرح پوری ہوئی، یہ بھی ایک دردناک کہانی ہے۔ یہ تینوں آریہ چلتے پھرتے آن کی آن میں چند دنوں کے وقفے سے ایک ایک کر کے طاعون سے ہلاک ہوگئے، بلکہ ان کی مخالفت کا وبال ان کے بیوی بچوں پر بھی پڑا۔ پہلا ہلاک ہونے والا شخص اچھر چند تھا۔ اس کے متعلق آتا ہے کہ ایک دن حضرت بانی سلسلہؑ کے ایک مرید، حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی، ایڈیٹر الحکم، قادیان، راہ چلتے چلتے طاعون کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ حضرت مرزا صاحب کا طاعون سے محفوظ رہنا ایک نشان ہے، کوئی اور شخص ایسا نہیں، جو یہ کہہ سکے کہ میں طاعون سے محفوظ رہونگا، تو اچھر چند، جو اتفاقاً وہاں موجود تھا، جھٹ بول اٹھا کہ 'لو! میں بھی مرزا صاحب کی طرح دعویٰ کرتا ہوں کہ میں طاعون سے نہیں مرونگا'۔

اب اس دشمن اسلام کا یہی قول کس طرح اس کے اوپر خدا کا غضب بھڑکانے کا موجب بن گیا، اس کی تفصیل یوں ہے اکہ اس کی یہ گفتگو قادیان کا ایک غیر احمدی پوسٹ ماسٹر منشی اللہ دتا بھی سن رہا تھا۔ چنانچہ جونہی اسنے وہ بڑ ماری، منشی اللہ دتا اسے کہنے لگا، کہ اب تُو ضرور طاعون سے ہلاک ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ابھی اس واقعہ پر چند دن ہی گذرے تھے کہ وہ طاعون میں گرفتار ہو کر چل بسا۔ اسکے مرنے کے دو تین دنوں کے اندر اندر اسکے دوسرے دونوں ساتھی۔ سومراج اور بھگت رام بھی طاعون کا شکار ہو گئے اور اس طرح یہ فتنہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔ اس کے بعد قادیان کے آریوں پر ایسا خوف طاری ہوا کہ ان میں سے کسی کو وہ اخبار دوبارہ جاری کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

منشی اللہ دتا صاحب پوسٹ ماسٹر ڈاکخانہ قادیان، احمدی نہیں تھے، بلکہ مخالفوں میں سے تھے۔ تاہم جب اچھر چند کی طاعون سے موت واقع ہوگئی، تو انہوں نے اس واقعہ کی ساری روئداد، جیسے انہوں نے سنی تھی، ایڈیٹر الحکم، شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی، کو لکھ کر دے دی اور اس طرح پر اس واقعہ کے چشم دید گواہ کے طور پر ان کا یہ بیان تاریخ احمدیت میں ہمیشہ کیلئے رقم ہوگیا۔ (خود حضرت بانی سلسلہؑ نے بھی منشی اللہ دتہ (غیر احمدی) کی اس شہادت کا اپنی کتاب حقیقۃ الوحی میں ذکر فرمایا ہے۔ دیکھیں صفحہ روحانی خزائن، جلد ۲۲، صفحہ ۵۹۳۔ حاشیہ)

☆

ان تینوں آریوں کی موت پر حضرت بانی سلسلہ علیہ السلام کا اپنا تبصرہ بھی اس لائق ہے کہ اسے یہاں ناظرین کی دلچسپی نیز مخالفین کی عبرت کیلئے درج کر دیا جائے۔ حضور فرماتے ہیں:

''جب اخبار شبھ چنتک کے ایڈیٹر اور منتظم گالیاں دینے میں حد سے بڑھ گئے اور خدا نے میرے پر ظاہر کیا کہ اب وہ ہلاک ہونے کو ہیں۔ چنانچہ اکثر وہ الہام اخبار بدر اور الحکم میں بھی شائع ہو گئے۔ تب بعد اس کے ان بدقسمتوں کی سزا کا وقت آ گیا اور یہ تین آدمی تھے: ایک کا نام سومراج تھا۔ دوسرے کا نام اچھر چند تھا۔ تیسرے کا نام بھگت رام تھا۔ پس خدا کے قہری طمانچہ نے تین دن کے اندر ہی ان کا کام تمام کر دیا۔ اور تینوں طاعون کے شکار ہو گئے اور ان کی بلا ان کی اولاد اور اہل وعیال پر بھی پڑی۔ چنانچہ سومراج نہ مرا، جبتک اس نے اپنی عزیز اولاد کی موت طاعون سے نہ دیکھ لی۔ یہ ہے پاداش شرارتوں اور شوخیوں کی''

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد۲۲، ص:۵۹۳)

..........☆..........

ایک ضروری یادداشت

پچھلے صفحات میں درج شدہ ایک روایت بزبانی حضرت مولوی غلام نبی صاحب کے مطابق اچھر چند اور سومراج دونوں ایک ہی دن طاعون کا شکار ہو کر مرے تھے۔ جبکہ مذکورہ روایت میں ذکر ہے کہ سب سے پہلے اچھر چند مرا، اس کے دوسرے یا تیسرے روز سومراج مرا اور سب سے آخر پر بھگت رام۔ بہر حال یہ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ شبھ چنتک چلانے والے تینوں آریہ اپنی بدزبانیوں کی پاداش میں طاعونی موت مر کر اپنوں اور بیگانوں کے لئے عبرت کا نشان بنے۔ اس سلسلہ میں ایک دلچسپ روایت حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ سے مروی بیان کی جاتی ہے، جو بتاتی ہے کہ خود قادیان کے آریہ بھی محسوس کر رہے تھے کہ یہ تینوں آریہ حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی دعاؤں کے نتیجہ میں ہلاک ہوئے ہیں۔ وہ روایت حسب ذیل ہے۔ آپ بیان فرماتے ہیں:

''قادیان کے آریوں نے ایک اخبار نکالا تھا۔ اور اس میں سلسلہ کے خلاف سخت کلامی اختیار کی۔ پھر حضرت صاحب نے 'قادیان کے آریہ اور ہم' کتاب لکھی اور حضور نے فرمایا کہ خدا ایسا نہیں کر سکتا کہ یہ ہمارے ہمسائے میں رہ کر بدزبانی کریں اور بچ جائیں۔ پھر آریوں میں طاعون پھوٹی۔ جس کو طاعون ہوتی، میں اور شیخ یعقوب علی صاحب اسے دیکھنے جاتے۔ اور سب آریہ کارکن اخبار مذکور کے مر گئے۔ صرف مالکِ اخبار بچ رہا۔ پھر اسے بھی طاعون ہوئی۔ میں اور شیخ صاحب اسے دیکھنے جاتے۔ پھر (ایک دن) اسے پلنگ سے نیچے اتار لیا گیا، جیسا کہ ہندو مرتے وقت کرتے ہیں۔ مگر پھر وہ ذرا اچھا ہو گیا اور اسے پلنگ پر لٹا دیا گیا اور وہ باتیں کرنے لگ گیا۔ بعض آریہ جو ہمیں جانتے تھے، ہم سے کہنے لگے کہ

تمہاری یہ مراد پوری نہیں ہوگی کہ یہ مرے۔ جب میں اور شیخ صاحب اس کے گھر سے واپس آئے، تو ہمارے آنے سے پہلے کسی نے حضرت صاحب کی خدمت میں شکایت کر دی کہ یہ دونوں اس طرح آریوں کو مرتے دیکھنے جاتے ہیں۔ حضور بالائی نشست گاہ میں تشریف فرما تھے اور ہمیں وہاں بلوایا، کیونکہ ہمیں معلوم ہو گیا تھا کہ کسی نے ہماری شکایت کر دی ہے۔ شیخ صاحب نے مجھے بھیجا۔ جب میں حاضر ہوا، تو آپ نے فرمایا، آپ کیوں وہاں جاتے ہیں؟ اور اسی وقت حضور نے فرمایا کہ مجھے الہام ہوا ہے، جس کے معنی تھے: 'مَرَاے خائن'۔ اس الہام پر حضور نے فرمایا کہ اب جا کر دیکھو۔ میں اور شیخ صاحب اسی وقت گئے، تو چیخ پکار ہو رہی تھی اور وہ مر چکا تھا''!

(اصحاب احمد، جلد چہارم۔ص ۱۰۷)

☆ ☆ ☆

عبرت کا چھٹا نشان

''اس پر خدا کا غضب نازل ہو رہا ہے''

مرزا دوالمیالی خدا کے قہر کا نشانہ بن کر ہلاک ہو گیا

دوالمیال، ضلع جہلم کے ایک معاند، فقیر مرزا نامی، کی طاعونی موت سے ہلاکت بھی حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کی صداقت کا ایک ایسا زبردست نشان ہے، جسے اس قصبہ کے تمام لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور وہ اس کے چشم دید گواہ بن گئے۔ اسکی تفصیل بیان کرتے ہوئے اسی قصبہ، دوالمیال، کے رہنے والے حضرت بانی سلسلہؑ کے ایک مرید، حضرت حکیم ملک کرمداد صاحبؓ، تحریر فرماتے ہیں کہ ہمارے گاؤں کا فقیر مرزا نامی ایک شخص جو اپنے آپ کو صاحب الہام و کشف سمجھتا تھا، ایک روز، جو ۷ رمضان ۱۳۲۱ھ کا دن تھا، صبح صبح اپنے بیس آدمیوں کو لے کر میرے مکان پر آیا اور آتے ہی میرے ساتھ مندرجہ ذیل رنگ میں گفتگو کرنے لگا:

فقیر مرزا: میں تمہارے مقابلہ کے لئے آیا ہوں اور یہ لوگ میرے گواہ ہیں۔

راقم: فقیر صاحب۔ آپ کس بات میں مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔

فقیر مرزا: کیا تم مرزا غلام احمد قادیانی کو مہدی و مسیح موعود مانتے ہو؟

راقم: ہاں۔

فقیر مرزا: وہ شخص اس دعویٰ میں جھوٹا ہے۔

راقم: ان کو جھوٹا سمجھنے میں آپ کے پاس کیا دلیل ہے؟

فقیر مرزا: دلیل یہ ہے کہ میں صاحب الہام ہوں اور بارہا مجھے جناب رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہو چکی ہے اور مجھے بتایا گیا ہے کہ تو مہدی آخر زمان کے پہلے درجہ کے مخلصین میں سے ہے۔ چونکہ مرزا صاحب کے دعویٰ کو بہت عرصہ گذر چکا ہے اور میں اب تک مخالف ہوں۔اس لئے میں اپنے الہام کی بناء پر اس شخص کو جھوٹا سمجھتا ہوں۔ نیز مجھے خروج مہدی کے زمانہ کا ایک نشان بھی دکھلایا گیا ہے کہ مشرق کی طرف سے ایک روشنی نمودار ہوئی ہے، جو مغرب میں جا کر پھیل گئی۔سو یہ روشنی بھی میں نے اب تک مشاہدہ نہیں کی جو میں مرزا صاحب کو مان لوں۔

راقم: فقیر صاحب! آپکا یہ الہام اور کشفی نظارہ تو حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ کا مصدّق اور مؤید ہے۔ پھر آپ ان کو جھوٹا کیوں سمجھتے ہیں۔ کیونکہ آپ کے الہام سے ثابت ہوتا ہے کہ مہدی کا ظہور پنجاب میں ہوگا، ورنہ آپ پہلے درجہ کے مخلصین میں کیونکر شامل ہو سکتے ہیں۔اگر مہدی کا ظہور عرب میں مانا جاوے، تو اس صورت میں آپ کا نمبر بہت پیچھے رہ جاتا ہے۔یا آپ مہدی کا چرچا سن کر مغرب میں جاوینگے، یا آپ کی الہامی کشش مہدی کو پنجاب میں لاوے گی۔ دونوں صورتوں میں آپ پہلے درجہ کو حاصل نہیں کر سکتے۔اور جو آپ نے روشنی دیکھی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ قادیان مشرق کی طرف ہے اور جناب مرزا صاحب کی تعلیم سے ممالک مغربیہ میں توحید اسلام کی روشنی پھیل رہی ہے۔پس آپ کو مرزا صاحب کے مخلصین میں شامل ہونا چاہئے۔

فقیر مرزا: میں شامل نہیں ہوتا کیونکہ آج رات میں نے دیکھا ہے کہ میں عرش کے پاس کھڑا ہوں اور مجھے کہا گیا کہ اس رمضان کی ۲۷ تاریخ تک مرزا غلام احمد قادیانی پر ایک سخت آفت نازل ہوگی۔ میں نہیں سمجھتا، اس آفت سے مراد موت یا کوئی ذِلّت ہے، جس سے اس کا کام درہم برہم ہو کر اس کا نام ونشان مٹ جائیگا اور تمام دنیا اس حالت کو دیکھے گی۔ اگر میری یہ

پیشگوئی غلط نکلی، تو میں ہر قسم کی سزا قبول کرنے کو طیار ہوں۔ تم میری اس پیشگوئی کو اخبار بدر یا الحکم میں شائع کرا دو۔ اور مجھ سے اقرار نامہ لکھا لو۔ اگر تم ایسا نہیں کرتے، تو حاضرین مجلس سنتے ہیں کہ تم لوگ ایک جھوٹے شخص کی پیروی کر رہے ہو۔

اس پر حکیم کرمداد صاحب اور فقیر مرزا کے مابین ایک اقرار نامہ ضبط تحریر میں لایا گیا، جس کا مضمون حسب ذیل تھا:

''اگر اسی رمضان کی ۲۷ تاریخ تک حضرت مرزا صاحب (حضرت بانی سلسلہؑ) کا یہ سلسلہ قائم رہا اور آپ پر سخت آفت نازل نہ ہوئی، تو میں (فقیر مرزا) ہر قسم کی سزا قبول کرنے کے لئے طیار ہوں۔ وغیرہ'' (ملخص)

اس اقرار نامہ پر گاؤں کے ۲۳ معزز اشخاص نے دستخط کئے یا اپنے انگوٹھے ثبت کئے۔ چونکہ یہ خبر سارے گاؤں میں پھیل گئی تھی، اس لئے گاؤں کے سب لوگ بڑی بے چینی کے ساتھ انتظار کرنے لگے کہ دیکھیں فقیر مرزا سچا نکلتا ہے یا مرزا قادیانی۔

اب ۲۷/رمضان آیا اور گذر گیا اور حضرت مرزا صاحب بانی سلسلہؑ کا بال تک بیکا نہ ہوا۔ گویا ملہم موصوف کے مزعومہ الہام کا بطلان سارے گاؤں پر ظاہر ہو گیا۔ دوسری طرف خدا کی جلالی قدرت کا نشان ملاحظہ کیجئے۔ یہ اقرار نامہ ۷/رمضان ۱۳۲۱ھ کو تحریر کیا گیا تھا۔ اس کے ٹھیک ایک سال بعد یعنی اگلے رمضان کی ٹھیک ۷ تاریخ کو فقیر مرزا پر خدا کے غضب کی لاٹھی چل گئی، جس کے نتیجے میں نہ صرف وہ خود طاعون سے ہلاک ہو گیا، بلکہ اس کا سارا گھرانہ ویران اور خاکستر ہو کر عبرت کا نشان بن گیا۔ اس کی تفصیل حکیم کرمداد صاحبؓ یوں بیان فرماتے ہیں:

''گرد و نواح کے علاقہ میں بھی اس پیشگوئی کی شہرت ہو گئی اور لوگ کہنے لگے کہ دیکھنا چاہئے، اب کون جیتتا ہے۔ مرزا قادیانی یا مرزا دوالمیالی۔ بلکہ مخالف لوگ نماز کے بعد اپنے فقیر مرزا کی کامیابی کے لئے دعائیں مانگنے لگے۔ ایک دن ایک ہندو سارجنٹ فقیر صاحب کو 'سراج الاخبار' (راولپنڈی سے نکلنے والا ایک اخبار۔ ناقل) پڑھ کر سنا رہا تھا کہ حکیم فضل دین (حضرت بانی سلسلہؑ کے ایک مرید اور مطبع قادیان کے مینیجر۔ ناقل) سخت بیمار ہے۔ چارپائی اٹھا کر گورداسپور کی عدالت میں لائے ہیں۔

اس خبر کے سننے سے ملہم صاحب خوش ہو کر کہنے لگے کہ اب مرزا قادیانی کی تباہی کا وقت آ گیا ہے۔اور اس کے آثار ظاہر ہو پڑے ہیں''

مگر بیچارے کو کیا معلوم تھا کہ اس کی اپنی بربادی کی طیاریاں ہو رہی ہیں۔ چنانچہ تھوڑا ہی عرصہ گذرنے پایا تھا کہ علاقہ میں طاعونی لشکر نے ڈیرے ڈال دئے۔اس کے باوجود ملہم صاحب کو اپنے الہامات پر اس قدر بھروسہ تھا کہ وہ کہتا تھا، میرے طفیل میرا تمام محلّہ طاعون سے محفوظ رہے گا۔مگر خدا کی تقدیر جس طرح ظاہر ہوئی، اس کے بارے میں حکیم ملک کرمداد صاحب کا بیان ہے کہ:

''جب دوسرا رمضان آیا، تو اس کے محلہ میں طاعون شروع ہو گئی۔اس وقت یہ چار آدمی گھر میں موجود تھے۔ایک ملہم، دوسری ملہم کی بیوی، تیسری لڑکی، چوتھی لڑکے کی زوجہ۔ پہلے ملہم کی بیوی کا طاعون سے انتقال ہو گیا۔پھر خود فقیر صاحب ۵ یا ۶ رمضان ۱۳۲۲ھ کی شام کو سخت طاعون میں مبتلا ہو گئے۔ساتھ ہی زبان بند ہو گئی۔شدت ورم اور حبس دم کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا آنکھوں سے خون ٹپک رہا ہے۔آخرے رمضان ۱۳۲۲ھ کو (یعنی اپنی جھوٹی پیشگوئی کرنے کے پورے ایک سال کے بعد) وہ خود موت کے منہ میں چلا گیا۔دو لڑکیاں جو پیچھے رہ گئی تھیں وہ بھی تھوڑے دنوں کے بعد سخت بیمار ہو گئیں۔راقم کو علاج کے واسطے بلا کر لے گئے۔میں ان کی حالت دیکھ کر ڈر گیا۔علاج کرانے والوں کو کہا کہ اس گھر میں خدا کا غضب نازل ہو رہا ہے، تم اپنی ہمشیرہ کو گھر لے جاؤ۔وہ گھر میں لے گئے اور مریضہ کچھ دن بعد اچھی ہو گئی۔جو ملہم کی لڑکی تھی، وہ اس گھر میں دوسرے روز باپ سے جا ملی اور حضرت مرزا صاحب قادیانی علیہ السلام کے سلسلہ کی تباہی دیکھنے کے عوض مرزا دو المیالی کے گھر کا اپنا سلسلہ تباہ ہو گیا۔

(ملخص بحوالہ حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد ۲۲، صفحہ ۴۔۳۸۰)

☆ ☆ ☆

عبرت کا ساتواں نشان

''اگر یہ گاؤں اب بھی خداتعالیٰ کے غضب سے محفوظ رہا تو.....''

ایک درویش احمدی کا ایک گاؤں کو انتباہ

یہ واقعہ جو ضلع گجرات کے ایک گاؤں گوٹریالہ میں ظہور میں آیا، بتاتا ہے کہ اُس وقت ماموِر من اللہ کے انکار کے نتیجے میں کیسے کیسے عبرت انگیز نظارے دیکھنے میں آرہے تھے۔اب اس واقعہ کی روئداد جیسا کہ حضرت بانی سلسلہؑ کے ایک مخلص مرید، حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ، نے بیان فرمائی ہے، ملاحظہ ہو۔آپ بیان فرماتے ہیں:

''سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے عہد مبارک میں جب کہ پنجاب کے مختلف علاقوں میں طاعون کے حملے ہو رہے تھے،مَیں تبلیغ کی غرض سے موضع گوٹریالہ، تحصیل کھاریاں ضلع گجرات، گیا اور وہاں ایک مخلص احمدی، چوہدری سلطان عالم صاحب، کے پاس چند دن رہا۔ دوران قیام مَیں ہر رات میں ان کے مکان کی چھت پر چڑھ کر تقریریں کرتا رہا اور لوگوں کو احمدیت کے متعلق سمجھاتا رہا''

ان تقریروں میں آپ نے ان لوگوں کو بڑے واشگاف الفاظ میں طاعون وغیرہ کے عذاب سے ڈرایا اور بتایا کہ اس سے بچنے کا واحد علاج حضرت امام الزمان علیہ السلام پر ایمان لانا ہے۔اس سے لوگوں نے کیا اثر لیا اور پھر ان پر خداتعالیٰ کا عذاب کس رنگ میں بھڑکا، اس بارے میں فرماتے ہیں:

''ایک دن صبح کے وقت اس گاؤں کے کچھ افراد میرے پاس آئے اور کہنے لگے، آپ نے اپنی تقریروں میں مرزا صاحب کے نہ ماننے والوں کو طاعون وغیرہ سے بہت ڈرایا ہے، مگر آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ موضع گوٹریالہ بہت بلندی پر واقع ہے۔اور پھر اس کی فضا اور آب و ہوا اتنی عمدہ ہے کہ یہاں وبائی جراثیم پہنچ ہی نہیں سکتے۔ میں نے کہا، یہ تو بالکل درست ہے۔مگر آپ لوگ یہ بتائیں کہ مجھ سے پہلے کبھی کوئی احمدی مبلغ اس گاؤں میں آیا ہے، جس نے آکر آپ کو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تبلیغ کی ہو۔ کہنے لگے نہیں۔آپ سے پہلے، تو کوئی مبلغ اس گاؤں میں نہیں آیا۔ میں نے کہا، تو بس یہی وجہ ہے کہ آپ کا گاؤں ابھی تک محفوظ ہے۔اب میری تبلیغ اور آپ لوگوں کے انکار کے بعد

بھی اگر یہ گاؤں محفوظ رہا، تو پھر میں سمجھوں گا کہ واقعی اس گاؤں کی عمدہ فضا خدا تعالیٰ کے ارشاد وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِینَ حتّٰی نبعث رَسُولًا کے وعید کو روک سکتی ہے"

اب آپ تو یہ فرما کر اس گاؤں سے تشریف لے گئے اور اُدھر خدا کی قہری تقدیر نے اپنا کام کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ حضرت مولانا موصوفؓ کا بیان ہے کہ:

"اس کے چند دن بعد ہی اس گاؤں میں چوہے مرنے شروع ہو گئے اور پھر طاعون نے ایسا شدید حملہ کیا کہ اس گاؤں کے اکثر محلے موت نے خالی کر دیئے۔ اور کئی لوگ بھاگ کر دوسرے دیہات میں چلے گئے۔ بعد ازاں جب چوہدری سلطان عالم صاحب مجھ سے ملے، تو انہوں نے بتایا کہ اس طاعون کے بعد جا بجا لوگوں میں یہی چرچا تھا کو جو کچھ احمدی مولوی صاحب نے کہا تھا، وہ بالکل صحیح نکلا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ پھر بھی ان لوگوں کی آنکھیں نہ کھلیں اور ہدایت سے محروم ہی رہے"

(حیات قدسی۔ حصہ دوم، صفحہ ۸۹۔۸۸)

☆ ☆ ☆

عبرت کا آٹھواں نشان

"وہ اپنے سارے خاندان کو لے ڈوبا"

قرآن کریم کی آیات میں تحریف کرنے کی سزا

یہ واقعہ ایک ایسے شخص اور اس کے اہل خانہ کے عبرتناک طور پر ہلاک ہونے کا ہے جو حضرت بانئ سلسلہؑ کی مخالفت میں اس قدر بڑھ گیا تھا کہ اس نے چاہا کہ خدا کی کتاب قرآن کریم کو ہی اپنے مدعا کے مطابق بدل ڈالے، تا کہ حضرت مرزا صاحب کی تکذیب ظاہر ہو۔ مگر پیشتر اس کے کہ وہ اپنے اس ناپاک منصوبہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتا، وہ خود قہر خداوندی کا نشانہ بن کر اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ چنانچہ اس واقعہ کے راوی، مکرم مولوی نظام الدین صاحب، کا بیان ہے کہ:

"میرے رشتہ داروں میں سے اسی علاقہ کے ایک گاؤں میں ایک مولوی صاحب رہتے

تھے، جو واعظ بھی تھے اور حیات مسیح کے عقیدہ کے اس قدر حامی تھے کہ شب و روز انکی بحث اور وعظ اسی موضوع پر ہوتا تھا۔ جب انکی خدمت میں آیت: یَا عِیسٰی اِنِّی مُتَوَفِّیکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ..... الخ پیش کر کے استدلال کیا جاتا، تو وہ نہایت جوش سے تقدیم و تاخیر کے ساتھ فقرہ 'مُتَوَفِّیکَ' کو 'جَاعِلُ الَّذِینَ اتَّبَعُوکَ فَوقَ الَّذِینَ کَفَرُوا اِلٰی یَومِ القِیَامَةِ' کے بعد رکھتے۔ کچھ عرصہ تو وہ اپنے جذبہ و جوش میں 'مُتَوَفِّیکَ' کو زبانی موخّر کرتے رہے۔ پھر انہوں نے اسی جذبہ کی شدت سے علماء سے یہ مشورہ کرنا شروع کر دیا کہ کیوں نہ قرآن کے تازہ ایڈیشن میں اس فقرہ کو مؤخّر طبع کیا جائے۔ علماء نے کہا کہ بے شک یہ لفظ ہے تو مؤخّر، لیکن اگر اس کو طباعت میں پیچھے کیا گیا، تو لوگوں میں شور پڑ جائے گا۔ اور بڑا سخت اعتراض ہوگا۔ اس پر مولوی صاحب نے کہا کہ کچھ بھی ہو، میں یہ کام خود کروں گا۔ چنانچہ انہوں نے وعظ کر کے بہت سا روپیہ جمع کیا اور امرتسر پہنچے۔ لیکن وہاں تمام مطبع والوں نے اس طرح سے قرآن کریم کو طبع کرنے سے انکار کیا۔ اس پر وہ ایک سکھ مطبع والے کے پاس گئے اور بہت سا روپیہ اس غرض کیلئے پیش کیا۔ لیکن اس نے بھی مسلمانوں کے ڈر سے جرأت نہ کی اور انکار کر دیا''

مگر فرماتے ہیں:

''مولوی صاحب مذکور کے سر میں کچھ ایسا جنون سمایا ہوا تھا کہ انہوں نے اس غرض کے لئے مطبع کے پتھر وہاں سے خرید لئے اور یہ ارادہ کیا کہ وہ اپنے گاؤں میں طباعت کا انتظام کر کے تحریف کے ساتھ قرآن کریم طبع کرائیں گے۔ لیکن انکے گھر پہنچنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عجیب پُر ہیبت نشان ظاہر ہوا۔ مولوی صاحب اور ان کے اہل و عیال یکا یک طاعون کی لپیٹ میں آ گئے اور ایک ہی رات میں گھر کے سب نفوس موت کی نذر ہو گئے''

(حیات قدسی حصہ چہارم صفحہ ۵۔۱۲۴)

یہ نشان ایسے عبرتناک طور پر ظاہر ہوا کہ جس نے بھی دیکھا، اس پر خوف اور دہشت طاری ہوگئی۔ حکیم مولوی نظام الدین صاحب خود تعزیت کرنے والوں میں شامل تھے۔ ان کا بیان ہے کہ جب ہم تعزیت کیلئے گئے، تو دیکھا کہ جا بجا طباعت کے پتھر بکھرے پڑے ہیں اور ہر شخص کی زبان پر تھا کہ مولوی صاحب

اور انکے اہل وعیال کی تباہی دراصل اس بے ادبی کی وجہ سے ہوئی ہے جو انہوں نے حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی مخالفت میں قرآن پر ہاتھ ڈالنے کی جسارت کی۔ مولوی نظام الدین صاحب فرماتے ہیں کہ یہی امر ان کی احمدیت کی طرف راہنمائی کا موجب بن گیا۔ چنانچہ تدفین وغیرہ سے فارغ ہو کر انہوں نے پہلا کام یہ کیا کہ بیعت کر لی اور جماعت احمدیہ میں داخل ہو گئے [۱]

.........☆.........

خاکسار راقم الحروف کا اس واقعہ پر تبصرہ

خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہاں حق کے طالبوں کیلئے سوچنے کا ایک بہت بڑا مقام ہے: ایک طرف حضرت مرزا صاحب ہیں، جنہوں نے مخالفینِ احمدیت کے کہنے کے مطابق کلمہ بدل ڈالا، ختم نبوت پر ڈاکہ ڈالا اور قرآن کریم کے خلاف عقیدہ گھڑ کر گویا شریعت کو ہی بدل دیا (نعوذ باللہ من ذٰلک)۔ اب چاہئے تو یہ تھا کہ خدا آپ کو پکڑتا اور طاعون سے آپ اور آپ کے خاندان کو تباہ کر ڈالتا۔ لیکن خدا کے غضب کی لاٹھی کیوں اس بیچارے مولوی پر چل گئی، جو سراسر ''ثواب'' اور ''دین کی خدمت'' کی نیت سے صرف ایک آیت بدلنا چاہتا تھا؟ کیا صرف یہی ایک نشان آج کل کے مولویوں کیلئے کافی نہیں، جن کے نزدیک احمدی، حضرت مرزا صاحبؑ پر ایمان لا کر گویا مسلمان کہلانے کے ہی مستحق نہیں رہے اور اس قابل ہیں کہ ان سب کو تہ تیغ کر دیا جائے؟

فاعتبروا!

☆ ☆ ☆

---

(۱) حکیم مولوی نظام الدین، تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ، کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے یہ واقعہ حضرت مولانا راجیکی صاحبؓ سے بیان کیا جو آپ نے آگے اپنی سوانح ''حیات قدسی'' میں درج فرمایا ہے۔

عبرت کا نواں نشان

''وہ مولوی راستے ہی میں طاعون کا شکار ہو گیا''

ایک طبیب کو اپنی گستاخی کی سزا ملی

حضرت مکرم مولاداد خان صاحبؓ پنشنر فرماتے ہیں:

''۱۹۰۷ء کو میرے بڑے بھائی عبدالحکیم صاحب تپ سے بیمار تھے۔ان کا علاج ایک طبیب مولوی جو سلسلہ کا مخالف تھا، کر رہا تھا، اور اس کا بڑا بھائی شمس الدین احمدی تھا۔ وہ گاؤں موضع دودہ علاقہ سکر شکر میں ہے۔اس طبیب مولوی نے حضرت اقدسؑ کی شان میں ناملائم الفاظ استعمال کئے۔ میں موجود نہ تھا۔ بھائی جو بیمار تھے، انہوں نے روکا۔ جب میں باہر سے آیا تو وہ مولوی چلا گیا تھا۔ بھائی صاحب نے نہایت رنجیدہ لہجہ میں کہا کہ میں اس طبیب کا علاج نہیں کراتا، اس نے حضرت صاحب کی شان میں گستاخی کی ہے۔غرض وہ مولوی راستہ میں ہی طاعون کا شکار ہو گیا''

آگے یہ کہ آپکے بھائی کو اللہ تعالیٰ نے کس طرح محض حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعا سے باوجود ہر طرف سے مایوسی کا سامنا ہونے کے دوبارہ زندگی عطا فرمائی، اس بارے آپ فرماتے ہیں:

''پھر میں بھائی صاحب کو اپنے ساتھ بہاولنگر لے گیا۔ وہاں دو اسسٹنٹ سرجن علاج کرتے رہے۔مگر آخر انہوں نے جواب دے دیا کہ اب یہ بچ نہیں سکتے، علاج ترک کر دو اور پیسہ خراب نہ کرو۔تب میں نے بعد اس وقت ایک سال کے حضرت اقدس کے حضور خط لکھا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جواباً تحریر فرمایا کہ فکر نہ کرو، اللہ تعالیٰ مُردوں کو زندہ کر سکتا ہے اور ہم دعا کریں گے، تم بھی دعا کرو، انشاء اللہ صحت ہو جائے گی۔اس خط کے دوسرے دن میں نے دیکھا کہ انکا تپ جاتا رہا۔ میں نے کہا، اب آپکو تپ نہیں ہے۔ میں نے اٹھا کر بٹھایا اور خود سہارا دے کر بیٹھ گیا، تو بھائی صاحب نے کہا، میرا سینہ جو جلتا تھا، اب سرد ہے۔ میں نے کہا، میں نے حضرت اقدس کی خدمت میں دعا کیلئے لکھا تھا، حضور نے جواباً تحریر فرمایا ہے کہ ہم دعا کریں گے، خدا تعالیٰ شفا دے گا۔تب سن کر کہنے لگے:

’اوہو! ہن میں نہیں مردا، مسیح نے مردہ زندہ کیتا اے‘!
اس کے بعد وہ احمدی ہو گئے، یعنی بیعت کر لی اور پوری صحت ہو گئی“

(روایت حضرت مولا داد خان صاحبؓ،

بحوالہ رجسٹر روایات صحابہ، صفحہ ۸۴، ۸۵)

☆ ☆ ☆

غلامانِ احمد کے طاعون سے محفوظ رہنے کے

دو ایمان افروز واقعات

آخر پر دو اَیسے ایمان افروز واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے، جو بتاتے ہیں کہ جہاں اللہ تعالیٰ کے غضب کی لاٹھی مخالف لوگوں کو چُن چُن کر ہلاک کر رہی تھی، وہاں اسی وبا کے جراثیم حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کے مریدوں کو اپنی ہلاکت آفرینیوں سے بچنے کی ترکیبیں بتا رہے تھے۔ ان ہر دو واقعات کی دلچسپ روئداد جس طرح حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے رفیق، حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ، نے بیان فرمائی ہے، ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔

پہلا واقعہ

''جو شخص استغفار پڑھے ہم اسے کچھ نہیں کہتے''

شہر گجرات میں طاعون کا حملہ اور اس کا آسمانی علاج

پہلے واقعہ کے ضمن میں آپ فرماتے ہیں:

''سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں، جبکہ مَیں شہر گجرات میں مقیم تھا، طاعون نے شدید حملہ کیا اور جس محلّہ میں ہماری رہائش تھی، اس میں سے ہر روز نَو نَو، دس دس میتیں نکلنی شروع ہوگئیں۔ ہمارا مکان دو منزلہ تھا، اس لئے اوپر کی منزل میں مَیں اور مولوی الٰہی بخش صاحب تاجر کتب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رہتے تھے اور نیچے کی منزل میں مولوی صاحب کے گھر والوں کی رہائش تھی۔ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ اوپر کی منزل میں طاعون کے جراثیموں کے انبار لگے ہوئے ہیں، جو شکل میں بال کی طرح سیاہ اور کسی قدر لمبے ہیں''

آگے یہ کہ عالم خواب کے اندر ہی آپ کی ان جراثیم سے کیا بات ہوئی اور انہوں نے آپ کو اپنے ضرر سے بچنے کا کونسا آسمانی نسخہ بتایا، اس بارے میں آپ فرماتے ہیں:

''میرے خوفزدہ ہونے پر ان جراثیم نے مجھے کہا، جو شخص استغفار پڑھے ہم اسے کچھ نہیں

کہتے۔ چنانچہ جب میں نے استغفار پڑھنا شروع کیا، تو وہ کہنے لگے، 'دیکھا، اب ہم کچھ نہیں کہتے'۔ اس کے بعد جب میں بیدار ہوا، تو صبح کے وقت تمام احمدی دوستوں کو یہ رؤیاء سنائی اور استغفار پڑھنے کی تلقین کی۔ خدا کا فضل ہے کہ اس دعا کی برکت سے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نشان کے ماتحت اللہ تعالیٰ نے شہر گجرات کی تمام جماعت احمدیہ کو اس عذاب شدید سے کلی طور پر محفوظ رکھا۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک''

☆

دوسرا واقعہ

''ہماری قسم زیادہ سخت ہے''

پیر کوٹ (ضلع گوجرانوالہ) میں ظاہر ہونے والا نشان

دوسرا واقعہ جو آپ کے پیر کوٹ (ضلع گوجرانوالہ) میں قیام کے دوران ظاہر ہوا، پہلے واقعہ سے بھی زیادہ دلچسپ، ایمان افروز اور خدا تعالیٰ کی قدرتوں کا ایک زندہ نشان ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

''گجرات شہر کے قیام کے بعد ایک دفعہ ضلع گوجرانوالہ میں جبکہ مَیں اپنے سسرال، موضع پیر کوٹ، میں تھا، میری بیوی کے بھائی میاں عبداللہ خانصاحب کو ایک طاعون والے گاؤں میں سے گذرنے سے طاعون ہوگئی۔ جب غیر احمدی لوگوں کو معلوم ہوا تو کہنے لگے، 'مرزائی تو کہا کرتے ہیں کہ طاعون کا عذاب مرزا صاحب کی مخالفت کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ اب بتائیں کہ پہلے ان کے ہی گھر میں طاعون کیوں پھوٹ پڑی؟'

آپ فرماتے ہیں، میں نے جب ان کی ہنسی اور تمسخر کو دیکھا اور شماتتِ اعداء کا خیال کیا، تو بہت دعا کی۔ چنانچہ رات میں نے خواب میں دیکھا کہ

''ہمارے مکان کے صحن میں طاعون کے جراثیم بھرے پڑے ہیں، مگر ان کی شکل گجرات والے جراثیم سے مختلف ہے، یعنی ان کا رنگ بھورا اور شکل دو نقطوں کی طرح ہے۔ اُس وقت مجھے گجرات والے جراثیم کی بات یاد آ گئی کہ جو شخص استغفار کرے، ہم اسے کچھ نہیں

کہتے۔ چنانچہ میں نے ان کے سامنے بھی استغفار پڑھنا شروع کر دیا۔ اس پر یہ جراثیم مجھے کہنے لگے کہ ہماری قسم بہت سخت ہے، اس لئے ہم سے استغفار کرنے والے بھی نہیں بچ سکتے۔ تب میں نے حیران ہو کر دریافت کیا کہ پھر آپ سے بچنے کی کیا صورت ہے، تو انہوں نے کہا، ہمیں حکم ہے کہ جو شخص **لَا حَولَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیم** پڑھے، اسے ہم کچھ نہ کہیں''

آپ فرماتے ہیں، اس خواب سے بیدار ہو کر صبح مَیں نے تمام رشتہ داروں اور دیگر احمدیوں کو یہ خواب سنایا اور انہیں لاحول پڑھنے کی تلقین کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کی برکت سے میاں عبداللہ خان صاحب کو بھی شفا دی۔ اور دوسرے احمدیوں کو بھی محفوظ رکھا۔ مگر غیر احمدیوں میں کثیر التعداد لوگ اس عذابِ شدید کا شکار ہو گئے۔

(حیات قدسی۔ حصہ دوم، صفحہ ۴۵۔۴۴)

☆ ☆ ☆

زلازل کی آمد

اور غلامانِ احمد کی معجزانہ حفاظت

جس طرح اللہ تعالیٰ نے طاعون کے ظاہر ہونے کی خبر حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کو پہنچا کر لوگوں کو بیدار کیا، تاکہ وہ عذاب آنے سے قبل توبہ اور استغفار کر کے اپنے آپ کو اس سے بچالیں، اسی طرح اس عالم الغیب خدا نے زلازل کے آنے کی بھی خبر آپ کو دی۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:

"یادرہے کہ خدا نے مجھے عام طور پر زلزلوں کی خبر دی ہے۔ پس یقیناً سمجھو کہ جیسا کہ پیشگوئی کے مطابق امریکہ میں زلزلے آئے، ایسا ہی یورپ میں بھی آئے اور نیز ایشیا کے مختلف مقامات میں آئیں گے اور بعض ان میں قیامت کا نمونہ ہوں گے اور اس قدر موت ہوگی کہ خون کی نہریں چلیں گی۔ اس موت سے پرند چرند بھی باہر نہیں ہوں گے اور زمین پر اس قدر سخت تباہی آئے گی کہ اس روز سے کہ انسان پیدا ہوا، ایسی تباہی کبھی نہیں آئی ہوگی اور اکثر مقامات زیروزبر ہو جائیں گے کہ گویا ان میں کبھی آبادی نہ تھی"

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن، جلد۲۲، صفحہ ۲۶۸)

پھر زلازل کے بارے میں کی جانے والی اپنی انہی پیشگوئیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ نے ان کی مزید وضاحت کے طور پر فرمایا:

"میں نے براہین احمدیہ اور بہت سی اپنی کتابوں میں یہ خبر دی تھی کہ میرے زمانہ میں دنیا میں بہت سے غیر معمولی زلزلے آئیں گے اور دوسری آفات بھی آئیں گی اور ایک دنیا ان سے ہلاک ہو جائے گی۔ پس اس میں کیا شک ہے کہ میری پیشگوئیوں کے بعد دنیا میں زلزلوں اور دوسری آفات کا سلسلہ شروع ہو جانا میری سچائی کے لئے ایک نشان ہے۔ یادرہے کہ خدا کے رسول کی خواہ کسی حصۂ زمین میں تکذیب ہو، مگر اس تکذیب کے وقت دوسرے مجرم بھی پکڑے جاتے ہیں، جو اور ملکوں کے رہنے والے ہیں، جن کو اس رسول کی خبر بھی نہیں، جیسا کہ نوحؑ کے وقت میں ہوا کہ ایک قوم کی تکذیب سے ایک دنیا میں عذاب آیا بلکہ پرند چرند بھی اس عذاب سے باہر نہ رہے"

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن، جلد۲۲، صفحہ ۱۶۵)

کانگڑہ کا قیامت خیز زلزلہ
اور احمدی احباب کی معجزانہ حفاظت

اب ذیل میں آپ کی زندگی میں آنیوالے ایک قیامت خیز زلزلہ اور اس کی تباہ کاریوں کا تفصیلی تذکرہ کیا جاتا اور بتایا جاتا ہے کہ جہاں ہزاروں افراد بلکہ خاندانوں کے خاندان اس کی لپیٹ میں آکر ہلاک ہو گئے، وہاں خدا کے مامور کے غلاموں کو کس طرح معجزانہ رنگ میں اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا۔

چنانچہ جب خدا کے علم اور اس کی آسمانی تقدیر کے مطابق پہلے زلزلہ کا وقت قریب آیا، تو خدا تعالیٰ نے واضح طور پر آپ کو اس کی خبر دی۔ اس سلسلے کا پہلا الہام آپ کو دسمبر ۱۹۰۳ء میں ہوا، جسکے الفاظ یہ تھے:

''زلزلہ کا ایک دھکا''

اس میں گویا بتایا گیا کہ عنقریب زلزلہ کا ایک عظیم حادثہ رونما ہونے والا ہے۔ الہام کے الفاظ میں ''دھکا'' کا لفظ اس طرف اشارہ کر رہا تھا کہ وہ زلزلہ نہایت شدید اور مافوق العادت ہوگا۔ آپ نے یہ الہام ۲۴/۱۷ دسمبر ۱۹۰۳ء کی اخبار 'الحکم' اور یکم جنوری ۱۹۰۴ء کی اخبار بدر میں شائع فرمادیا۔

اس کے بعد یکم جون ۱۹۰۴ء کو آپؑ کو اسی آنے والے زلزلہ کے بارے میں جو دوسرا الہام ہوا، اس کے الفاظ میں پہلے الہامی الفاظ ''زلزلہ کا دھکا'' کے ساتھ مندرجہ ذیل عبارت کا اضافہ تھا:

عَفَتِ الدّیارُ مَحلُّھَا وَ مُقَامُھَا[ا]

یعنی

'رہائش کی عارضی اقامتگاہیں بھی تباہ ہو گئیں اور مستقل رہائش کی جگہیں بھی'

....

[ا] یہ عربی الہام دراصل ایک عرب شاعر، لبید بن ربیعہ العامری، کے شعری مجموعہ، بعنوان ''**سبعہ معلقہ**'' کے چوتھے قصیدہ کا ایک مصرعہ ہے۔ حضرت لبید بعد میں آنحضرت ﷺ کی زندگی میں ہی مسلمان ہو کر زمرہ صحابہ میں شامل ہو گئے تھے۔ بعض معترضین کا یہ اعتراض کہ ایک عرب شاعر کا شعر کس طرح وحی الٰہی بن سکتا ہے، اس کے جواب میں حضرت بانیٔ سلسلہ نے ایک مثال آنحضرت ﷺ کی زندگی کی دی ہے، اور بتایا ہے کہ کس طرح انسانی کلام کے ساتھ خدائی کلام کا توارد ہو گیا۔ جیسا کہ سورۃ المؤمنون، آیت: ۱۵ کے نزول کے وقت کاتب وحی، عبداللہ بن ابی سرح، کے منہ سے اچانک نکلا ہوا جملہ 'فَتبارَکَ اللّٰہُ اَحسَنُ الخالِقِینَ' وحی الٰہی بن کر کلام الٰہی میں ہمیشہ کیلئے محفوظ ہو گیا۔

(بحوالہ ''براہین احمدیہ''، جلد پنجم، روحانی خزائن، جلد ۲۱، صفحہ ۱۶۲)

جیسا کہ ان الفاظ اوران کے معانی سے ظاہر ہے، ان میں اس زلزلہ کی تباہ کاریوں کے ایک مجمل نقشہ کے بیان کے ساتھ واضح طور پر یہ بھی ظاہر ہو رہا تھا کہ اسکا حلقہ نفوذ ایک بہت بڑے علاقے تک وسیع ہوگا اور شہروں کے شہر اور دیہاتوں کے دیہات اس کی لپیٹ میں آ جائیں گے (یہ معنی 'عَفَتِ الدِّیَارُ' کے الفاظ سے پیدا ہو رہے تھے)۔ پھر یہ بھی بتایا گیا تھا کہ زلزلہ سے متاثر ہونے والا وہ علاقہ عارضی اور مستقل قسم کی اقامت گاہوں پر مشتمل ہوگا (یہ اشارہ 'محل' اور 'مقام' کے الفاظ میں ملتا تھا، کیونکہ 'مقام' کا لفظ تو مستقل آبادی پر بولا جاتا ہے، اور 'محل' عربی زبان میں ایسی جگہ کو کہتے ہیں، جہاں ایک مسافر کچھ عرصہ کیلئے ٹھہرے اور پھر آگے چلا جائے)۔ گویا اس الہام کے اندر زلزلہ کی عمومی خبر کے ساتھ اس مقام کی بھی نشاندہی فرمادی، جہاں یہ زلزلہ آنا مقدر تھا۔ آپنے یہ الہامات بھی قادیان سے نکلنے والے اخبارات، البدر اور الحکم، مورخہ یکم جون ۱۹۰۴ء میں شائع فرمادئے۔

تاہم جہاں اس زلزلہ اور اس کی تباہ کاریوں کی اخبار آپ کو مل رہی تھیں، وہاں آپ کو اس رحیم و کریم خدا کی طرف سے یہ یقین دہانی بھی موصول ہوئی کہ آپؑ کے مخلصین اور آپ کے ساتھ بیعت کا سچا تعلق رکھنے والے ان زلازل کی تباہ کاریوں سے محفوظ رہیں گے۔ چنانچہ چند دنوں بعد یعنی ۸ جون ۱۹۰۴ء کو دوبارہ انہی الفاظ میں آپ کو الہام ہوا، جس میں ایک اَور اہم جملے کا اضافہ تھا۔ پورا الہام یوں تھا:

عَفَتِ الدِّیَارُ مَحلُّھَا وَ مُقَامُھَا، انّی اُحَافِظُ کُلّ مَن فِی الدّار

گویا اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دلائی کہ جو تباہی آنے والی ہے، اس سے آپکی جماعت سے تعلق رکھنے والے لوگ کلیۃً محفوظ رہیں گے۔

الہام کا یہ دوسرا حصہ دراصل وہی ہے، جو آپؑ پر اُس وقت بھی نازل ہوا تھا، جب آپؑ کو طاعون کی خبر دی گئی تھی اور جس کی آپؑ نے اُس وقت یہ تشریح فرمائی تھی کہ ''الدّار'' سے مراد آپؑ کا گھر بھی ہے اور آپؑ کی جماعت بھی، یعنی ہر وہ شخص جو آپؑ کی جماعت میں ہے اور آپؑ سے خلوص اور عقیدت کا تعلق رکھتا ہے، طاعون سے محفوظ رہے گا۔ اور پھر جیسا کہ طاعون کے سلسلے میں ظاہر ہونے والے نشانات کے ذکر میں بتایا گیا ہے، بالفعل ایسا ہی ہوا کہ جہاں دوسرے لوگ لاکھوں کی تعداد میں طاعون سے ہلاک ہوئے، وہاں جماعت احمدیہ کے افراد غیر معمولی طور پر محفوظ رہے۔

یہ الہام بھی اخبار الحکم کے پرچہ نمبر ۱۹، ۲۰، مورخہ ۱۷/۱۰ جون ۱۹۰۴ء میں شائع کر دیا گیا۔

پھر جب اس زلزلہ کا وقت بہت ہی قریب آن پہنچا، تو ۲۶ اور ۲۷ فروری ۱۹۰۵ء کی رات کو اللہ تعالیٰ نے آپ کو کشفی رنگ میں اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی قیامت خیز تباہی کا منظر بھی دکھا دیا۔ یہ منظر اتنا دردناک اور دل ہلا دینے والا تھا کہ آپؑ بے چین ہو گئے۔ اسکے ساتھ ہی آپؑ کو ایک الہام بھی ہوا، جس کے الفاظ یہ تھے:

''موتا موتی لگ رہی ہے''

اس کشفی منظر اور الہام کی عبارت سے ظاہر ہوتا تھا کہ جو تباہی آنے والی ہے، اس میں وسیع پیمانے پر انسانی جانوں پر آفت آئے گی۔ چنانچہ آپ نے اسی وقت اٹھ کر مخلوق خدا کی بھلائی کے جذبہ سے 'الوصیة' کے عنوان سے ایک اشتہار تیار فرمایا۔ چونکہ کشف اور الہام میں ایسی کوئی تصریح موجود نہ تھی کہ یہ تباہی کس شکل وصورت میں واقع ہوگی اور چونکہ اُس وقت ملک میں طاعون کا دَور دَورہ بھی تھا، اس لئے آپ نے اسے طاعونی عذاب پر محمول کرتے ہوئے، جو کچھ تحریر فرمایا، وہ مندرجہ ذیل الفاظ میں ایک دردمندانہ نصیحت تھی۔ فرمایا:

''دوستو! خدا تعالیٰ آپ لوگوں کے حال پر رحم کرے۔ آپ صاحبوں کو معلوم ہوگا کہ میں نے آج سے قریباً نو ماہ پہلے الحکم اور البدر میں، جو قادیان سے اخبار نکلتے ہیں، خدا تعالیٰ کی طرف سے اطلاع پا کر یہ وحی الٰہی شائع کرائی تھی کہ ''عَفَتِ الدِّیَارُ مَحَلُّهَا وَ مُقَامُهَا'' یعنی یہ ملک عذاب الٰہی سے مٹ جانے کو ہے، نہ مستقل سکونت امن کی جگہ رہے گی اور نہ عارضی سکونت امن کی جگہ یعنی طاعون کی وبا ہر جگہ عام طور پر پڑے گی اور سخت پڑیگی.......اب میں دیکھتا ہوں کہ وہ وقت بہت قریب آ گیا ہے۔ میں نے اِس وقت جو آدھی رات کے بعد چار بج چکے ہیں، بطور کشف دیکھا کہ دردناک موتوں سے عجیب طرح پر شور قیامت برپا ہے۔ میرے منہ پر یہ الہام الٰہی تھا کہ

'موتا موتی لگ رہی ہے'

کہ میں بیدار ہو گیا اور اسی وقت جو ابھی کچھ حصہ رات کا باقی ہے، میں نے یہ اشتہار لکھنا شروع کیا۔ دوستو! اٹھو! اور ہوشیار ہو جاؤ کہ اس زمانہ کی نسل کے لئے نہایت مصیبت کا وقت آ گیا ہے۔ اب اس دریا سے پار ہونے کیلئے بجز تقویٰ کے اور کوئی کشتی

نہیں۔ مومن خوف کے وقت خدا کی طرف جھکتا ہے کہ بغیر اس کے کوئی امن نہیں''

پھر بڑے ہی ہمدردانہ رنگ میں فرمایا:

''ہمارا خدا بڑا رحیم و کریم ہے کہ رونے والوں پر اس کا غصہ تھم جاتا ہے مگر وہی جو قبل از وقت روتے ہیں نہ مُردوں کی لاشوں کو دیکھ کر۔ وہ خوف کرنے والوں کے سر پر سے عذاب کی پیشگوئی ٹال سکتا ہے۔ جاہل کہتا ہے کہ یہ پیشگوئی کیوں ٹل گئی۔ لیکن اگر خدا میں یہ عادت نہ ہوتی کہ دعا اور صدقہ اور خیرات اور گریہ و بکا سے ان بلاؤں کو دور کر دیتا جن کا اسنے ارادہ کیا ہے یا جن بلاؤں اور عذابوں کو نبیوں کی معرفت ظاہر کر چکا ہے تو دنیا کبھی کی ہلاک ہو جاتی''

(اشتہار بعنوان ''الوصیت''، مورخہ ۲۷ر فروری ۱۹۰۵ء
بحوالہ مجموعہ اشتہارات جلد ۳، صفحہ ۷-۵۱۵)

آپ نے یہ اشتہار اسی دن، یعنی ۲۷ فروری 1905ء، کو شائع کرا کر تمام جماعتوں میں بھجوا دیا۔ اس کے علاوہ یہی مضمون آپ نے اخبار الحکم مورخہ ۲۸ فروری میں بھی شائع فرما کر عوام کو الٰہی پیشگوئی کی عظمت اور ہیبت کا احساس دلایا۔ اس طرح پر ایک ماہ کے اندر اندر ملک کے دُور دُور حصوں تک اس الہام اور اس سے تعلق رکھنے والے کشفی نظارہ کی اطلاع ہوگئی۔

پھر جب وہ موعودہ زلزلہ بالکل سر پر آن پہنچا، یعنی خدا کے علم کے مطابق اس کے وقوع کی گھڑی بالکل قریب آ گئی، تو آپؑ کو مندرجہ ذیل الہام ہوا:

''موت دروازے پر کھڑی ہے''

(البدر، مورخہ ۶ر اپریل ۱۹۰۵ء، نیز الحکم ۱۰ر اپریل ۱۹۰۵ء)

یہ آخری الہام آپ کو ۳ر اپریل 1905ء کو ہوا۔

☆

اب خدا کی قدرت دیکھیں کہ جس دن آپ کو مذکورہ بالا الہام ہوا، اس سے اگلے ہی روز، یعنی ۴ر اپریل کی صبح کو خدا کی قہری تقدیر کے مطابق اچانک کانگڑہ کی خاموش پہاڑیوں میں ایک زبردست جنبش پیدا ہوئی۔ یہ جنبش کیا تھی، خدا کے غضب کی ایک لاٹھی تھی، جو ایک زبردست زلزلے کی صورت میں نازل

ہو کر ایسے برسنے لگی کہ قیامت کا منظر آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے موت اور تباہی کی وہ بارش برسی کہ کانگڑہ شہر سارے کا سارا مٹی کا ڈھیر بن گیا۔ اسکے علاوہ دھرم سالہ اور پالم پور جیسے بڑے بڑے خوبصورت شہر بھی اسکی لپیٹ میں آ گئے۔ غرض ہزاروں مربع میل کے رقبے پر پھیلا ہوا یہ علاقہ، جو ایک بہت بڑا حسین اور سرسبز وشاداب تھا، اور جو صحت افزا مقام سمجھا جاتا تھا، ایسی بری طرح متاثر ہوا کہ اس میں بنی ہوئی پختہ عمارتیں اور سیر وسیاحت کی غرض سے تعمیر شدہ عارضی عمارتیں پیوند خاک ہو گئیں۔ یہاں تک کہ کانگڑہ دیوی کا دو ہزار سالہ پرانا مندر بھی ملبے اور مٹی کا ڈھیر بن گیا۔ اسی طرح دھرم سالہ کی فوجی چھاؤنی اور وہاں انگیریزوں کی تعمیر کردہ عالیشان کوٹھیوں کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ اسی طرح ڈلہوزی اور بکلوہ کی چھاؤنیاں بھی بری طرح متاثر ہوئیں۔

یہ قیامتِ صغریٰ ایسے وقت میں ان شہروں پر ٹوٹی، جب اکثر لوگ ابھی اپنی خوابگاہوں میں آرام کی نیند سو رہے تھے۔ نتیجۃً ہزار ہا نفوس چشم زدن میں اپنے ہی مکانوں کے ملبے کے نیچے دب کر ہلاک ہو گئے۔ مجموعی طور پر جو تباہی ہوئی، اسکا نقشہ اس وقت کی اخباروں میں چھپنے والی رپوٹوں کے مطابق کچھ اس قسم کا تھا کہ اخبار ''بھارت'' نے لکھا:

''۴؍اپریل کی صبح ہندوستان اور دنیا کے بعض حصوں کو نہیں بھولے گی۔ وہ قیامت کا سماں، وہ ہولناک سین جب آنکھوں کے آگے آتا ہے، تو جان ہوا ہو جاتی ہے''

اخبار ''پبلک میگیزین'' میں تباہی اور بربادی کا منظر یوں بیان کیا گیا:

''اب ایک ایسے بھونچال سے ملک کو مقابلہ کرنا پڑا ہے، جس نے ہزاروں جانوں کو قتل اور زخمی کرنے کے علاوہ کروڑوں اربوں کی جائداد تباہ کر دی ہے''

اخبار ''وکیل''، امرتسر نے لکھا:

''یہ زلزلہ اس درجہ ہولناک اور مہیب تھا کہ اسے قیامتِ صغریٰ کہنا کچھ مبالغہ نہ ہو گا''

اخبار ''سول اینڈ ملٹری گزٹ''، لاہور، کے بیان کے مطابق اس زلزلہ سے قریبا بیس ہزار جانیں ضائع ہو گئیں۔

اس زلزلے کے جھٹکے اگرچہ دُور دُور تک مثلاً لاہور، امرتسر، گورداسپور اور قادیان میں بھی محسوس کئے گئے، تاہم کوئی خاص جانی یا مالی نقصان نہ ہوا۔

جونہی حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کو اس زلزلہ اور اسکی تباہ کاریوں کی خبر ملی، تو آپ کا دل درد سے بھر

گیا۔ چنانچہ آپ نے اسی وقت ایک اشتہار ''الدعوۃ'' کے نام سے شائع فرمایا، جس میں اپنے سابقہ الہامات اور پیشگوئیوں کا حوالہ دے کر لوگوں کو ایک بار پھر یہ باور کرانے کی کوشش فرمائی کہ یہ سب آفات ارضی وسماوی اس وجہ سے آرہی ہیں کہ لوگوں کو خدا پر ایمان نہیں رہا، اور جو اُن کی اصلاح کیلئے بھیجا گیا ہے، اُس کے ساتھ ہنسی اور ٹھٹھا کیا جارہا ہے۔ چنانچہ آپ نے منجملہ دیگر امور کے تحریر فرمایا:

''میں قسم حضرت احدیت جلشانہ کی کھا کر کہتا ہوں کہ میرے پر خدا نے اپنی وحی کے ذریعہ سے ظاہر فرمایا ہے کہ میرا غضب زمین پر بھڑکا ہے کیونکہ اس زمانہ میں اکثر لوگ معصیت اور دنیا پرستی میں ایسے غرق ہو گئے ہیں کہ خدا تعالیٰ پر بھی ایمان نہیں رہا، اور وہ جو اُس کی طرف سے اصلاح خلق کیلئے بھیجا گیا ہے، اس سے ٹھٹھا کیا جاتا ہے اور یہ ٹھٹھا اور لعن طعن حد سے گزر گیا ہے''

پھر فرمایا:

''پس خدا فرماتا ہے کہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ اپنے غریب گروہ کو ان درندوں کے حملوں سے بچاؤں اور سچائی کی حمایت میں کئی نشان ظاہر کروں۔ اور وہ فرماتا ہے کہ:

'دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا
اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کردیگا'

پس تم سوچ کر دیکھو کہ یہ دن کیسے ہیں جو تم دیکھ رہے ہو۔ سچ کہو کہ کیا کبھی تمہارے باپ دادوں نے سنا تھا کہ جس زور سے اب ملک کو طاعون کھا رہی ہے، کبھی پہلے بھی ایسا زور ہوا تھا۔ اور جس طرح ابھی ۴ راپریل ۱۹۰۵ء کو ایک شدید زلزلہ نے تمہارے دلوں کو ہلا دیا اور عام نقصان پہنچا دیا اور لوگوں کو دیوانہ سا کر دیا، کبھی پہلے بھی تم نے یا تمہارے بزرگوں نے اس ملک کو دیکھا تھا''

پھر آپؑ نے اس زلزلہ کے بارے میں اپنی ایک ماہ سے مسلسل شائع ہونے والی پیشگوئیوں اور الہامات کا حوالہ دیتے ہوئے بڑے دردمندانہ لہجے میں فرمایا:

''اب اے عزیزو! سوچ لو کہ کیا یہ زلزلہ جو ۴ راپریل ۱۹۰۵ء کی صبح کو اس ملک میں ظاہر ہوا، وہی نشان نہیں ہے، جس کی خدا نے پہلے سے خبر دی ہے۔ دیکھو کتابوں میں لکھا گیا

تھا کہ مہدی موعود کے زمانہ میں رمضان میں کسوف خسوف ہوگا اور مسیح موعود کی نسبت خود عیسائی صاحبوں کی انجیل میں ہے کہ مسیح کے وقت میں مری پڑے گی یعنی طاعون۔ اور ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ پر چڑھائی کرے گا اور سخت زلزلے آئیں گے۔ پس تم نے ان علامتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ پھر جب کہ تمام نشان ظاہر ہو چکے ہیں اور ان دونوں منصبوں کا مدعی میں ہوں، پس میرے بعد کس کا انتظار کرو گے؟"

اور آخر پر بڑے زور اور جلال سے فرمایا:

"میں خدا کی طرف سے ہوں۔ میں یہ پیشگوئی کرتا ہوں کہ میرے بعد قیامت تک کوئی ایسا مہدی نہیں آئے گا، جو جنگ اور خونریزی سے دنیا میں ہنگامہ برپا کرے اور خدا کی طرف سے ہو۔ اور نہ کوئی ایسا مسیح آئے گا جو کسی وقت آسمان سے اترے گا۔ اِن دونوں سے ہاتھ دھو لو۔ یہ سب حسرتیں ہیں، جو اس زمانہ کے تمام لوگ قبر میں لے جائیں گے۔ نہ کوئی مسیح اترے گا اور نہ کوئی خونی مہدی ظاہر ہوگا۔ جو شخص آنا تھا وہ آ چکا۔ وہ میں ہی ہوں جس سے خدا کا وعدہ پورا ہوا"

(اشتہار بعنوان "الدعوۃ"۔ مورخہ ۴ اپریل ۱۹۰۵ء،
بحوالہ مجموعہ اشتہار، جلد سوم، صفحہ ۵۲۱-۵۱۸)

........☆........

کانگڑہ کے قیامت خیز زلزلہ کے دوران

احمدیوں کے معجزانہ بچاؤ کے ایمان افروز واقعات

جیسا کہ مضمون کے شروع میں بتایا گیا ہے، موعودہ زلزلہ کے بارے میں حضرت بانی سلسلہ علیہ السلام پر نازل ہونے والے الہام کا دوسرا حصہ یہ تھا:

"اِنِّی اُحَافِظُ کُلَّ مَن فِی الدَّارِ"

یعنی

'میں ہر اس شخص کو جو تیری (روحانی) چار دیواری کے اندر ہے، محفوظ رکھوں گا'

چنانچہ آپ کے غلاموں کی حفاظت کا یہ آسمانی وعدہ کانگڑہ کے اس قیامت خیز زلزلے کے دوران جس حیرت انگیز رنگ میں پورا ہوا، اسے دیکھ کر دل خدا کی حمد سے بھر جاتا اور اس کی قدرتوں پر نثار ہونے لگتا ہے۔ دوسری طرف اس کی عظیم ہستی پر ایک نہ مٹنے والی شہادت قائم ہوتی ہے۔ یاد رہے کہ کانگڑہ، دھرم سالہ اور پالم پور کے شہر، جو اس زلزلہ سے سب سے زیادہ متأثر ہوئے، ان میں قریباً آدھ درجن کے قریب احمدی خاندان آباد تھے۔ اور وہ سب کے سب ایسے حیرت انگیز طور پر محفوظ رہے کہ ٹنوں ملبے کے نیچے دب جانے کے باوجود نہ کوئی جان ضائع ہوئی، نہ کسی اَور قسم کا کوئی نقصان پہنچا۔ اگر یہ خدا تعالیٰ کی قدرتوں کا عظیم شاہکار اور اس کے خارق عادت نشانوں میں سے ایک عظیم الشان نشان نہیں تو اَور کیا ہے؟ واقعات، جس طرح پر رونما ہوئے اور اسباب کی کڑیاں جس عجیب و غریب رنگ میں آپس میں ملتی چلی گئیں، انہیں دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی ایک خاص مشیئت جلوہ گر ہو کر اپنا کرشمہ دکھا رہی تھی اور زلزلہ پر مامور خدا کے فرشتے ایک ایک دیوار، بلکہ ایک ایک اینٹ اور ایک ایک پتھر کو حکم دے رہے تھے کہ کہاں گرنا ہے، کس رخ گرنا ہے، کس کو بچانا ہے اور کیسے بچانا ہے۔ اس مشیّت ایزدی کی بدولت اُس وقت پیدا ہونے والے مناظر کی جو حیران کن تصویر سامنے آتی ہے، اس کا صحیح ادراک کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اسے اُن غلامانِ احمد کے ذاتی مشاہدات کے آئینے میں دیکھا جائے، جو اس بلائے ناگہانی کے نزول کے وقت وہاں موجود تھے، اور جو اس کی خون آشام کچلیوں کی لپیٹ میں بھی آئے، مگر اس کا لقمۂ تر بننے سے خارق عادت طور پر محفوظ رہے، تا معلوم ہو کہ ان بندگانِ خدا کیلئے خدا کی نصرت کہاں سے پہنچی، کیسے پہنچی، اور جب آس پاس کے سارے لوگ اپنے ہی مکانوں کے ملبے کے نیچے دب کر اپنی زندگیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے، تو مسیح محمدی کے یہ غلام کیونکر اس موت کی وادی میں سے زندہ وسلامت نکل آئے؟

اب اگلے صفحات میں ان چشم دید اعجازی واقعات کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

☆

معجزانہ بچاؤ کا پہلا نشان

''مجھے ایک سوراخ سے ہوا آتی رہی''

معجزانہ بچاؤ کا پہلا واقعہ حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کے رفیق، حضرت مرزا معظم بیگ صاحبؓ، کا بیان کردہ ہے۔ آپ اُس وقت ابھی بچے تھے اور اپنے تایا مرزا رحیم بیگ صاحبؓ کے پاس دھرم سالہ میں مقیم تھے۔ آپ زلزلہ کا آنکھوں دیکھا، بلکہ اپنے اُوپر بیتا ہوا حال یوں بیان فرماتے ہیں:

''میں اس وقت نو (۹) سال کا تھا..... احمدی ہو جانے پر تایا جان مرزا رحیم بیگ صاحبؓ پر مخالفت کے باعث مختلف انواع کے مقدمات چل پڑے........ ان میں سے ایک قتل کا مقدمہ تھا، جس کی بہت سی پیشیاں اور مخالفین کی جانب سے بہت سے گواہ گذر چکے تھے اور وہ اچھی خاصی سنگین شکل اختیار کر چکا تھا۔ اور لطف یہ کہ ۴/اپریل ۱۹۰۵ء اس کے فیصلہ کی تاریخ مقرر ہو چکی تھی۔ تایا جان اس مقدمہ میں بریت کیلئے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں مسلسل دعا کی غرض سے لکھتے رہتے تھے اور حضور کی طرف سے بھی تسلی بخش جواب آرہے تھے۔ حضور کا آخری خط جو اُنکی ایک دردانگیز درخواستِ دعا کے جواب میں تھا، انہیں زلزلہ سے صرف ایک دو روز ہی قبل موصول ہوا۔ اس میں حضرت اقدسؑ نے تحریر فرمایا تھا:

''ہم دعا کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے آپ کو بری فرمائے گا''

آگے زلزلہ کا حال بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''زلزلہ کے دن ہم چھ افراد گھر میں تھے۔ خاکسار، تایا جان مرزا رحیم بیگ صاحب، ان کی اہلیہ یعنی میری تائی صاحبہ، میری سوتیلی والدہ اور ان کی والدہ۔ چھٹا شخص ہمارا ایک نومسلم خادم تھا۔ زلزلہ آنے پر ہم سب اپنے مکان کے ملبے کے نیچے دب گئے۔ مجھ پر تو اتنا بوجھ نہ پڑا۔ دوسرے، مجھے ایک سوراخ سے ہوا بھی پہنچتی رہی۔ لیکن تایا جان اور ان کی بیگم میرے قریب ہی ملبے کے نیچے یوں دبے پڑے تھے کہ ان کے کراہنے کی آوازیں تو آرہی تھیں لیکن وہ ہل نہ سکتے تھے اور نہ کسی کیلئے ان تک پہنچنا ممکن تھا۔ اسی حالت میں دو گھنٹے گزر گئے۔ لیکن اچانک زلزلے کا ایک اَور جھٹکا آیا، جس سے کمرے کا درمیانی ستون ٹوٹ کر

ان کے اوپر آ گرا۔اس ستون کا گرنا تھا کہ دونوں میاں بیوی کی آوازیں بند ہوگئیں۔اس حالت پر کچھ عرصہ اَور گذر گیا۔ یہاں تک کہ پولیس کے آدمیوں نے ہمیں نکالا‘‘

اب پولیس والوں کے وہاں پہنچنے اور ملبہ کے نیچے دبے ہوئے اس خاندان کے افراد کو زندہ نکالنے کا قصہ بھی عجیب معجزانہ رنگ رکھتا ہے، یعنی بتاتا ہے کہ خدا نے اپنے مامور کے غلاموں کی زندگیاں بچانے کے لئے کیسے کیسے حیران کن اسباب بہم پہنچائے اور کس طرح وہاں کی پولیس کے آدمیوں کو ان کے لئے فرشتگانِ رحمت بنا کر بھیج دیا، جیسا کہ آپ فرماتے ہیں:

’’پولیس والے اپنے کسی آدمی کو، جو ایک تھانیدار تھا، ڈھونڈنے آئے تھے۔ وہ ملحقہ مکان میں مع اپنے خاندان کے بیس فٹ گہرے ملبہ کے نیچے دب چکا تھا اور اسے نکالنا ان کے بس کی بات نہ تھی۔ البتہ میری سوتیلی والدہ جو اوپر کی منزل پر ہونے کی وجہ سے ملبہ کے نیچے دبنے سے بچ گئی تھیں۔ ان کی فریاد پر ان لوگوں نے ہم تینوں کو نکالا۔ میں تو صحیح سلامت نکل آیا، مگر میرے تایا جان اور تائی صاحبہ دونوں بے ہوش ہو چکے تھے۔تاہم جلد ہی خدائی نصرت سے ہوش میں آ کر انہوں نے دوبارہ زندگی پائی۔اب ہمارے نومسلم خادم کی سنئے۔ وہ بہت گہرائی میں مکان اور دو کانوں کے ملبہ کے نیچے دب چکا تھا۔مگر خدا کی قدرت دیکھیں کہ جب زلزلہ سے ۵، ۶ گھنٹوں کے بعد اسے نکالا گیا، تو گو وہ بری طرح زخمی تھا، مگر زندہ تھا۔ بعدازاں وہ بھی ٹھیک ہو کر کافی عرصہ زندہ رہا‘‘

آگے مقدمہ کی سنیں کہ وہ کس طرح حضرت مامور من اللہ کی دعاؤں کی برکت سے اسی زلزلہ کی بدولت ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔ یہ بھی ایمانوں کو تازگی بخشنے والی داستان ہے، جسے پڑھنے سے یوں معلوم ہوتا ہے جیسے یہ قیامت خیز زلزلہ آیا ہی اس غرض سے تھا کہ تا خدا کے ایک بندہ کو اس مصیبت سے نجات دلائے، جیسا کہ مرزا صاحب موصوف بیان فرماتے ہیں:

’’میرے تایا مرزا رحیم بیگ صاحب ہوش میں آتے ہی مجسٹریٹ کی کوٹھی پر پہنچے، کیونکہ اس دن آخری پیشی تھی اور فیصلہ سنایا جانا تھا۔مگر وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ نہ وہاں مجسٹریٹ ہے، نہ مدعی ہے، نہ اس کے جھوٹے گواہ۔ وہ سب کے سب لقمۂ اجل بن چکے تھے۔ مجسٹریٹ کے بارے میں پتہ چلا کہ وہ اپنے بنگلہ کے برآمدے میں سویا ہوا تھا۔ بنگلہ آبادی

سے باہر ایک کھلی جگہ پر واقع تھا۔ مگر زلزلہ آنے پر اس برآمدے کا ایک ستون نیچے گر پڑا اور وہ نیچے دب گیا۔ تایا جان کچھ دیر وہاں ٹھہرے، مگر جب وہاں کوئی بھی نہ پہنچا، تو وہ بھی واپس آ گئے اور اس طرح پر وہ مقدمہ ہمیشہ کیلئے ختم ہو گیا''

(بحوالہ اخبار الفضل، ربوہ۔ مورخہ ۳۰ر نومبر ۱۹۵۵ء)

.........☆.........

مکرم مرزا معظم بیگ صاحب اور آپکے خاندان کا تعارف

آپ ضلع کانگڑہ کے رہنے والے اور دھرم سالہ کے آریہ سکول میں پڑھتے تھے۔ ۱۹۰۵ء میں، جب زلزلہ آیا تھا، آپ کی عمر نو سال کی تھی۔ ۱۹۱۱ء میں مڈل کے امتحان میں فیل ہو جانے پر آپ قادیان آ گئے تھے۔ لھذا آپ کا بچپن قادیان کے مبارک ماحول میں ہی گذرا۔ ۱۹۱۷ء میں شادی کے بعد آپ حضرت مصلح موعودؓ کے ارشاد پر فوج میں بھرتی ہو گئے۔ جنگ عظیم کے دوران آپ عراق اور مڈل ایسٹ کے دیگر محاذوں پر رہے۔ آپ نے اپنی عمر کا ایک طویل حصہ گلگت میں گزارا۔ ریٹائر ہونے کے بعد آپ نے اپنی زندگی سلسلہ کیلئے وقف کر دی اور پھر ۱۹۵۳ تا ۱۹۵۷ ربوہ میں بطور افسر لنگر خانہ خدمات بجا لاتے رہے۔ آپ مرزا محمد صادق صاحب (ساکن محلہ دارالبرکات، ربوہ) کے بہنوئی تھے۔ آپ کی وفات ۱۹۷۰ میں اپنے بڑے صاحبزادے، مکرم مرزا مبارک بیگ صاحب (مالک برلاس ڈرائی کلینگ) کے ہاں راولپنڈی میں ہوئی۔ آپ کے صاحبزدگان میں سے مکرم مرزا مبارک بیگ صاحب اپنے حلقے کے صدر ہونے کے علاوہ بطور سیکرٹری جائداد اور قائمقام امیر جماعت احمدیہ راولپنڈی رہ چکے ہیں، جبکہ آپ کے منجھلے صاحبزادے، مرزا منیر بیگ صاحب، پہلے کوئٹہ میں اور پھر انگلستان میں اپنا کاروبار کرتے رہنے کے بعد اب پاکستان میں راولپنڈی میں اپنے کاروبار کے ساتھ ساتھ جماعتی خدمات بھی بجا لا رہے ہیں۔

آپ کے تیسرے اور سب سے چھوٹے صاحبزادے، ڈاکٹر مرزا امین بیگ صاحب، ۱۹۶۰ میں لاہور سے ایم۔ بی۔ بی۔ ایس اور انگلستان سے ایف۔ آر۔ سی۔ ایس کا امتحان پاس کرنے کے بعد ۱۹۷۲ سے بالٹی مور (امریکہ) میں بطور صدر جماعت خدمات بجا لا رہے ہیں۔

آپ نے اپنے تایا (مرزا رحیم بیگ صاحبؓ) کا تعارف یوں کروایا ہے:

''میرے تایا مرزا رحیم بیگ ضلع بھر میں سب سے خوش نصیب تھے، جن کو حضرت بانی سلسلہؑ پر ایمان لانے کی توفیق ملی۔ ان کے بارے میں یہ روایت قابل ذکر ہے کہ کانگڑہ کے ایک مجذوب ان کی پشت پر ہاتھ مار کر کہا کرتے تھے: 'مرزا! سلامت رہو۔ خوش ہو کہ مہدی مغلوں میں پیدا ہو گیا ہے اور وہ دریائے بیاس کے کنارے ظاہر ہو گا'۔ یہ حضرت بانی سلسلہؑ کے دعویٰ سے بہت پہلے کی بات ہے۔ ان

کے تایا کے قبول احمدیت کی تقریب یوں پیدا ہوئی کہ ۱۸۹۶ء میں ان کی ایک رشتہ کی بہن بیمار ہو گئی۔انہوں نے سنا کہ قادیان میں ایک حاذق حکیم (حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحبؓ) رہتے ہیں۔چنانچہ وہ اپنی اس ہمشیرہ کو علاج کی غرض سے قادیان لائے ،تو وہیں انہیں حضرت بانی سلسلہؑ کے دعویٰ کی بابت معلوم ہوا اور پھر آپؑ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔اگلے سال ان کے ہم زلف شہامد خان (والد بزرگوار خان صاحب ڈاکٹر مطلوب خان شہید، ۱۹۴۷ء) نے بھی بیعت کرلی"

☆

معجزانہ بچاؤ کا دوسرا نشان

"میری زبان پر لا الہ الا اللہ کا ورد جاری تھا"

معجزانہ بچاؤ کا دوسرا نشان، جو حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے ایک رفیق،حضرت مرزا برکت علی صاحبؓ، کے حق میں ظاہر ہوا،بھی خدائے پاک کی لامحدود قدرتوں کا ایک زبردست شاہکار ہے۔جن دنوں کانگڑہ کا زلزلہ آیا، آپؓ دھرم سالہ میں اپنے محکمہ میں سب ڈویژنل کلرک تھے۔آپ فرماتے ہیں:

"میں ایک مضبوط آہنی پلنگ پر سویا ہوا تھا۔زلزلہ آنے پر سامنے کی دیوار کیساتھ لگی ہوئی ایک چارپائی دیوار کے ہمراہ اوپر آگری اور دیوار کے ملبے کا سارا بوجھ برداشت کرتی رہی۔پچھلی طرف کی دیوار میں ایک کھڑکی تھی،جس کے اوپر والا پتھر میری چارپائی کے اوپر یوں گرا کہ اس نے اس دیوار کا سارا ملبہ اپنے اوپر لے لیا۔رہی چھت،تو اس سے بچاؤ کا سامان اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا کہ اس کی ایک لکڑی ٹوٹ کر قینچی کی طرز پر مسمار شدہ دونوں دیواروں کے بچے ہوئے حصہ،جو دو تین فٹ اونچا تھا،کے اوپر جم گئی اور چھت کا سارا بوجھ اس نے سنبھال لیا۔کچھ ملبہ میرے اوپر بھی گرا،مگر اس کا بوجھ اتنا نہ تھا کہ میرا دم گھٹ جاتا۔مجھے سانس آتا رہا۔جب مجھے باہر نکالا گیا،تو میں بے ہوش ہو چکا تھا۔یہ بے ہوشی میرے نکالے جانے کے فوراً بعد جاتی رہی اور میری زبان پر **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کا ورد جاری تھا"

(بحوالہ روزنامہ الفضل ،ربوہ ،۱۱را کتوبر ۱۹۵۵ء)

معجزانہ بچاؤ کا تیسرا نشان

”کسی بچے کو خراش تک نہ آئی“

معجزانہ بچاؤ کا تیسرا واقعہ مکرم ماسٹر عطا محمد صاحب (والد محترم مولوی نور محمد نسیم سیفی صاحب، رئیس التبلیغ مغربی افریقہ) کا بیان کردہ ہے۔ اُس وقت آپ اپنے چچا، حضرت مولوی وزیر الدین صاحبؓ (صحابی حضرت مسیح موعودؑ) کے پاس سوجان پور ٹیرہ، ضلع کانگڑہ، میں مقیم تھے۔ آپ بیان کرتے ہیں:

”میرے چچا، حضرت مولوی وزیر الدین صاحبؓ، سوجان پور میں ورنیکلر مڈل سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ وہ سکول کی دومنزلہ عمارت کے ساتھ ملحقہ ایک مکان میں رہائش رکھتے تھے۔ جس روز زلزلہ آیا، اس روز ہمارے ہاں تین مہمان آئے ہوئے تھے۔ دو احمدی دوست تھے، بابو محمد اسمٰعیل صاحب پوسٹ ماسٹر اور منشی امام الدین صاحب آف لمبا گاؤں، ضلع کانگڑہ، اور تیسرے انکے ایک زیر تبلیغ غیر احمدی دوست تھے۔ زلزلہ آنے پر چاروں طرف ایک قیامت برپا ہوگئی، مگر اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو اپنے فضل سے محفوظ رکھا۔ اسی طرح بورڈنگ ہاؤس میں رہنے والے تمام طلبہ، جو سکول کی دوسری منزل میں رہتے تھے، وہ بھی سب کے سب معجزانہ طور پر بچ گئے۔ زلزلہ آنے سے بعض بچے چارپائیوں سمیت سڑک پر آ گرے اور عمارت کا ملبہ ان کے اوپر گر پڑا، مگر کیا مجال کہ کسی بچے کو خراش تک بھی آئی ہو“

ماسٹر صاحب موصوف خود اپنے معجزانہ طریق سے بچنے کا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں:

”جس کمرے میں مَیں سویا ہوا تھا، اس کی دو دیواروں کا وہ حصہ، جو میرے سرہانے اور پائینتی کی طرف تھا، اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ اسی طرح چھت کے چار بالے، جو میرے سر کے عین اوپر تھے، وہ بھی اپنی جگہ پر قائم رہے۔ بقیہ چھت اور دیواریں گر پڑیں“

غرض آپ کو بھی خدا تعالیٰ نے اپنے خاص فضل اور اپنی خاص تقدیروں کو کام میں لاتے ہوئے بال بال محفوظ رکھا، بالکل ایسے ہی جیسے ایک مادر مہربان کسی تیز آندھی یا بارش کے وقت اپنے بچے کو کسی ادنیٰ سے ادنیٰ خراش سے بچانے کے لئے ہر ممکن وسیلہ بروئے کار لاتی اور اسے محفوظ کر دیتی ہے۔ **فالحمد للہ رب العالمین**! مکرم ماسٹر صاحب موصوف اس ضمن میں ایک نہایت دلچسپ مگر عبرت انگیز واقعہ کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

''جب حضرت بانی ٔسلسلہؑ نے وہ اشتہارات شائع فرمایا، جس میں الہام 'عَفَتِ الدّیار مَحلّھا وَ مُقامُھا' درج تھا اور اس کی کاپیاں چچا جان کو موصول ہوئیں، تو انہوں نے اس اشتہار کو دیواروں پر چسپاں کرنے کا کام میرے سپرد کیا۔ میں سکول کے گیٹ اور دو کانوں کی دیواروں پر وہ اشتہار لگا رہا تھا کہ ایک مسلمان سنار، حسن دین نامی، میرے پاس سے گذرا اور اشتہار دیکھ کر کہنے لگا کہ مرزائیوں (یعنی احمدیوں۔ ناقل) کی صف لپیٹی جائے گی۔ یہ سن کر میرے منہ سے بے اختیار نکلا کہ 'ہماری تو نہیں، البتہ تمہاری صف لپیٹے جانے کا وقت آ گیا ہے'۔ خدا کی قدرت کہ جب زلزلہ آیا تو وہ اور اس کے گھر کے اکثر افراد جو بیس کے لگ بھگ تھے، سارے کے سارے لقمہ اجل ہو گئے''

(بحوالہ روزنامہ الفضل، مورخہ ۱۴ر جنوری ۱۹۶۹ء)

........☆........

مکرم مولوی وزیرالدین صاحبؓ کا تعارف

آپ کا اصل وطن مکیریاں ضلع ہوشیار پور تھا۔ آپ حضور کے دعویٰ مسیحیت سے بہت پہلے حضور کے معتقد تھے۔ اور آپ کی سب سے پہلی تصنیف ''براہین احمدیہ'' پڑھتے ہی آپ سے بیعت کی درخواست کی۔ لیکن اس وقت حضورؑ کو ابھی بیعت لینے کا حکم نہیں تھا۔ بعد میں بیعت کا اعلان ہونے پر آپ نے بھی بیعت کر لی۔ آپ کا نام ''ضمیمہ انجام آتھم'' میں ۳۱۳ اصحاب کی فہرست میں شامل ہے۔ آپ تازیست گورنمنٹ مڈل سکول کانگڑہ میں ہیڈ ماسٹر رہے۔ آپ نے نومبر ۱۹۰۵ء میں وفات پائی۔

مکرم ماسٹر عطا محمد صاحب کا تعارف

مکرم ماسٹر عطا محمد صاحب ایک قابل اور ہر دلعزیز مدرس تھے اور عمر بھر محکمہ تعلیم پنجاب سے منسلک رہ کر تعلیمی خدمات بجالاتے رہے۔ ریٹائر ہونے کے بعد آپ نے اپنی زندگی سلسلہ کیلئے وقف کر دی اور پھر جماعت کے ادارہ مبلغین، ''جامعہ احمدیہ'' میں غیر ملکی طلبہ کو اردو پڑھانے پر مقرر ہوئے اور تاحیات اسی خدمت پر مامور رہنے کی توفیق پائی۔ آپ کو سلسلہ کے ایک جلیل القدر خادم اور داعی الی اللہ، مکرم مولانا نور محمد نسیم سیفی صاحب، رئیس التبلیغ مغربی افریقہ، کا باپ ہونے کا فخر حاصل ہے۔

☆ ☆ ☆

زلزلہ کانگڑہ کے سلسلے میں

خدائی تصرف کے دو عجیب وغریب واقعات

اس سلسلہ میں خدائی تصرف کے دو اَور ایسے واقعات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، جن سے پتہ لگتا ہے کہ اُس وقت خدا تعالیٰ کی خاص تقدیر جاری ہو کر عجیب وغریب کرشمے دکھا رہی تھی۔

پہلا واقعہ

''خدا کا عذاب سیکنڈوں کے اندر نازل ہونے والا ہے''

خدائی تصرف کا پہلا واقعہ یوں رونما ہوا کہ دھرم سالہ کے ڈسٹرکٹ بورڈ کے دفتر کا ایک ہندو ہیڈ کلرک پنڈت مولا رام، حضرت بانئ سلسلہ علیہ السلام سے خط وکتابت رکھتا تھا۔ اسکے بارے میں آتا ہے کہ

''۳ر اپریل ۱۹۰۵ء کو یعنی زلزلہ آنے سے ایک دن قبل اسے حضرت اقدس کا ایک خط ملا، جسے اس نے پڑھے بغیر اپنے تکیے کے نیچے رکھ دیا کہ صبح روشنی ہونے پر پڑھوں گا۔ صبح ہوتے ہی پہلی روشنی پڑنے پر اس نے وہ خط پڑھنا شروع کیا۔ اس میں لکھا تھا کہ خدا کا عذاب آسمان پر بھڑک رہا ہے۔ اور یہ عذاب سالوں میں نہیں، مہینوں میں نہیں، بلکہ سیکنڈوں میں زمین پر نازل ہونے والا ہے۔ ابھی وہ یہ خط پڑھ ہی رہا تھا کہ زلزلہ کا پہلا جھٹکا آیا، جس پر وہ بھاگ کر اپنے مکان سے باہر نکل آیا اور اس طرح پر اس کی جان بچ گئی۔ اور یوں اس نے حضرت بانئ سلسلہؑ کے خط کی برکت کی تاثیر اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لی۔ دوسرے، اس نے یہ معجزہ بھی دیکھ لیا کہ کس طرح حضورؑ کے کلمات لفظی اور معنوی طور پر اس کے سامنے پورے ہو گئے ہیں''

یہ واقعہ ''سیرۃ المہدی''، مصنفہ حضرت صاحبزادہ صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ میں بیان ہوا ہے، جس کے ساتھ یہ نوٹ بھی درج ہے کہ الٰہی تصرف کے اس قسم کے واقعات لوگوں کی زندگیوں میں بالخصوص اہل اللہ کے ساتھ اکثر دیکھنے میں آتے ہیں۔

(سیرۃ المہدی، حصہ سوم، صفحہ ۲۰۳)

☆

دوسرا واقعہ

اللہ تعالیٰ کی فعلی شہادت نے الہام کی تصدیق کردی

تصرف الٰہی کا دوسرا واقعہ خود حضرت بانئ سلسلہ علیہ السلام کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے، آپ کی سچائی کے اظہار کے لئے اللہ تعالیٰ نے جن زور آور حملوں کی خبر دی تھی، انہی کے عملی ظہور کے طور پر پہلے ملک میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑی اور پھر زلازل کا سلسلہ شروع ہو گیا، جن میں سے کانگڑہ میں آنے والا زلزلہ اس کی پہلی کڑی تھی۔ اب خدائی تصرف دیکھئے کہ جب کانگڑہ میں یہ زلزلہ آیا اور قادیان میں بھی اس کے جھٹکے محسوس کئے گئے، تو اس وقت، یعنی اس صبح کو، حضرت بانئ سلسلہؑ، براہین احمدیہ حصہ پنجم کا مسودہ تحریر فرما رہے تھے۔ دورانِ تحریر جب آپ اس الہام پر پہنچے کہ

"دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا"

اور اس کے ثبوت میں آپ کچھ تحریر فرمانے ہی لگے تھے کہ زلزلہ کا پہلا جھٹکا آیا، جسکے بارے میں بعد میں معلوم ہوا کہ یہ اسی زلزلہ کا جھٹکا تھا، جو کانگڑہ میں آیا تھا۔ اس طرح گویا اللہ تعالیٰ کی فعلی شہادت نے اس الہام کی عملی تعبیر ظاہر فرما دی۔ اس غیر معمولی تطابق پر حضورؑ کا اپنا تبصرہ ملاحظہ ہو۔ حضورؑ فرماتے ہیں:

"یہ قیامت ہمارے لئے نصرت الحق ہے۔ ہم صبح یہی مضمون لکھ رہے تھے اور اس الہام پر پہنچے تھے جو 'براہین احمدیہ' میں درج تھا کہ دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسکو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اسکی سچائی ظاہر کر دے گا۔ ہم یہ الفاظ لکھ ہی رہے تھے اور اسکے پورا ہونے کے ثبوت آگے درج کرنے تھے کہ یک دفعہ زلزلہ ہوا"

آگے فرماتے ہیں:

"یہ ایک زور آور حملہ ہے اور پیشگوئی میں حملوں کا لفظ جمع ہے جو عربی میں تین پر اطلاق پاتا ہے۔ اس واسطے خوف ہے کہ طاعون اور زلزلہ کے سوائے خدا جانے تیسرا حملہ کونسا ہے، جو ہماری سچائی کے واسطے خدا تعالیٰ نے ظاہر فرمانا ہے"

اور پھر اپنی جماعت کے لوگوں کو از راہِ نصیحت فرمایا:

”یہ ایک ہلاکت کا نشان ہے۔ جماعت کے سب لوگوں کو چاہئے کہ اپنی حالتوں کو درست کریں، توبہ اور استغفار کریں اور تمام شکوک وشبہات دور کر کے اور اپنے دلوں کو پاک وصاف کر کے دعاؤں میں لگ جائیں اور ایسی دعا کریں کہ گویا مر ہی جائیں تا کہ خدا تعالیٰ ان کو اپنے غضب کی ہلاکت کی موت سے بچائے“

(ملاحظہ ہو: اخبار البدر، مورخہ ۶ /اپریل ۱۹۰۵ء
بحوالہ ملفوظات جلد ۷، ص: ۳۳۳-۴)

☆..........

یہ مضمون ختم کرنے سے قبل یہ عاجز حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کے چوتھے جانشین اور سلسلہ احمدیہ کے چوتھے امام، حضرت مرزا طاہر احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، کا حضرت مسیح موعودؑ کی زلازل کے بارے میں پیشگوئیوں پر ایک عارفانہ تبصرہ درج کرنا چاہتا ہے، جس میں نہ صرف کانگڑہ کے زلزلہ میں بلکہ آئندہ آنے والی ان تمام زلزلہ انگیز اور بربادی افگن جنگوں میں بھی، جو انہی ’زور آور حملوں‘ کی عملی تعبیر میں دنیا میں برپا ہونگی، حضرت مسیح موعودؑ پر ایمان لانے والوں کے خاص طور پر محفوظ رہنے کا ذکر کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ:

”حضرت مسیح موعودؑ کا الہام بھی ہے، جو بدر جلد ۲ نمبر ۲۴ میں شائع ہوا ہے۔ ۱۱ جون ۱۹۰۶ء کا یہ الہام ہے: ایک زلزلہ کا نظارہ دکھائی دیا اور ساتھ ہی اس کے الہام ہوا ”لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ، لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَھَّارِ“ کہ ’آج کے دن بادشاہت کس کی ہے؟ اللہ ہی کی ہے‘۔ اللہ ہی کی بادشاہت ہے جو واحد ہے اور قہار ہے۔ تو اس زلزلہ سے مراد جنگیں تھیں جس کی پیشگوئیاں حضرت مسیح موعودؑ نے کی ہیں۔ ظاہری طور پر ایک کانگڑہ کا زلزلہ بھی آیا تھا، جو بہت ہی خوفناک تھا اور اس میں بھی اللہ کی بادشاہت سو فیصد احمدیوں کے حق میں ظاہر ہوگئی اور بڑی شان سے ظاہر ہوئی اور سارے زلزلہ میں، جس میں لاکھوں لوگ تباہ ہو گئے، ایک احمدی بھی نہ مرا۔ اور یہ ناممکن تھا کہ ایک بھی احمدی نہ مرتا۔ ایک گاؤں میں ایک احمدی کے متعلق خطرہ ہوا کہ وہ مر چکا ہے، وہ نکل نہیں رہا تھا۔ جب ملبہ کو اٹھایا گیا تو وہ اپنی چار پائی کے نیچے بالکل محفوظ پڑا تھا“

(خطبہ جمعہ“، فرمودہ ۱۷/اگست ۲۰۰۱ء، بمقام لندن۔
مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل، لندن، مورخہ ۲۱/ستمبر ۲۰۰۱)

.....باب پنجم.....

☆

معاندین احمدیت کے قاتلانہ منصوبے

اور

تصرفات الٰہیہ کے چمکتے ہوئے نشانات

کا ظہور

☆

کلام الامام

﴿ ۱ ﴾

’’جب مسیح موعود و مہدی معہود کے زمانہ میں اسلام دشمنوں کے نرغے میں آجائیگا یعنی ایک محاصرے کی سی کیفیت پیدا ہو جائیگی، تو اللہ تعالیٰ مسیح موعودؑ کو وحی کریگا کہ تم اور تمہارے ساتھی اللہ تعالیٰ کے کوہ طور پر ہونے والے جلوے یعنی چمکتے ہوئے نشانِ آسمانی کی پناہ میں آجاؤ اور یہی کیفیت تمہیں دشمنوں کے شر سے بچائیگی‘‘

(تفسیر سورۃ الکہف از حضرت مسیح موعودؑ)

﴿ ۲ ﴾

’’قانون قدرت صاف گواہی دیتا ہے کہ خدا کا یہ فعل بھی دنیا میں پایا جاتا ہے کہ وہ بعض اوقات بے حیا اور سخت دل مجرموں کی سزا ان کے ہاتھ سے دلواتا ہے۔ سو وہ لوگ اپنی ذلت اور تباہی کے سامان اپنے ہاتھ سے جمع کر لیتے ہیں۔ اور ان سے وہ امور مخفی رکھے جاتے ہیں، جب تک خدا تعالیٰ کی قضاء وقدر نازل نہ جائے‘‘

(استفتاء۔ روحانی خزائن جلد ۲۱، صفحہ ۱۱۵۔۶)

☆

مخالفین احمدیت کے قاتلانہ منصوبے

اور

تصرفاتِ الٰہیہ

اس باب کے اندر کچھ ایسے واقعات کا ذکر کیا جا رہا ہے، جو بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح اپنے عاجز بندوں کی حفاظت کے لئے اپنی قدرت کے عجیب وغریب کرشمے دکھاتا ہے۔کبھی ان پر اپنی پاک وحی نازل کر کے انہیں خبردار کرتا ہے کہ یہاں خطرہ ہے، لہٰذا یہاں ٹھہرنا خطرناک ہے، جیسا کہ مثلاً ایک بار جب آنحضرت ﷺ کسی دعوت پر تشریف لے گئے، تو دشمن نے منصوبہ بنایا کہ جب آپؐ اس مخصوص مقام پر تشریف فرما ہوں، جو آپ کے بیٹھنے کیلئے تیار کیا گیا تھا، تو اوپر سے ایک پتھر گرا کر آپ کو ہلاک کر دیا جائے، تو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو بتا دیا کہ یہاں بیٹھنا خطرناک ہے۔ چنانچہ آپ خاموشی سے وہاں سے اٹھ کر اپنے گھر تشریف لے گئے۔لوگ آپ کا انتظار کرتے رہے۔جب کافی دیر گذر گئی اور آپ واپس تشریف نہ لائے، تو لوگ آپ کے پاس گئے۔آپؐ نے انہیں فرمایا کہ یوں اللہ تعالیٰ نے آپ کو دشمن کے خطرناک منصوبہ سے اطلاع دے دی تھی۔ جب تحقیق کی گئی، تو یہ سب کچھ صحیح نکلا۔پھر کبھی ان کے دشمنوں پر خوف نازل کر کے انہیں ان کے بد ارادوں سے باز رکھتا ہے، جیسے مثلاً آنحضرت ﷺ کا ہی واقعہ ہے کہ جب حضور کسی شخص کے ساتھ ابوجہل کے مکان پر تشریف لے گئے اور اسے اس کا قرض واپس کرنے کو کہا، تو ابوجہل بلاچون وچرا اندر گیا اور اس شخص کا قرضہ لا کر اسے دے دیا۔ بعد میں جب قریش نے اسے طعنہ دیا کہ تم محمدؐ سے ڈر گئے، تو وہ کہنے لگا، کچھ نہ پوچھو کہ میرے ساتھ کیا ہوا۔مَیں نے دیکھا کہ محمد سے ساتھ ایک مست اونٹ کھڑا ہے اور اگر مَیں نے ذرا بھی پس وپیش کی، تو وہ مجھ پر حملہ کر دے گا۔اسی طرح کبھی حیوانات اور جمادات تک کو اپنی طبعی صفات کے اظہار سے روک دیتا ہے، تاکہ اس کے عاجز اور نیکوکار بندے ان کے ضرر سے محفوظ رہیں۔

اور یہ بتانے کیلئے کہ حفاظت غیبی کے یہ کرشمہ ہائے قدرت فی زمانہ حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام اور آپکے متبعین کے ذریعہ ظاہر ہو کر دنیا کو ایک قادر الکل ہستی کا ثبوت بہم پہنچا رہے ہیں، ذیل میں غلامانِ احمد کے حوالے سے بعض واقعات پیش کئے جاتے ہیں کہ کس طرح دشمنانِ احمدیت نے انہیں موت کے گھاٹ اتارنے کی پوری کوشش کی اور انسانی تدبیر کی حد تک وہ منصوبے کامیاب تھے۔مگر خدائے خیر

الماکرین نے ایسا تصرف فرمایا کہ دشمن کی ساری تدبیریں ناکام ہوگئیں۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ دشمنِ ناداں انہیں کمزور اور نہتہ سمجھ کر ان پر حملہ آور ہوا، مگر غیب سے کوئی ایسا مخفی سبب پیدا ہوگیا کہ بڑی احتیاط اور غور و خوض سے تیار کیا ہوا انسانی منصوبہ دھرے کا دھرا رہ گیا، یا وہ دشمنِ اپنے تیر کا خود ہی نشانہ بن گیا۔

حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام نے ایسے تمام واقعات کو تصرفاتِ الٰہیہ سے تعبیر کرتے ہوئے معین مثالیں دیکر اس کی وضاحت فرمائی ہے۔ جیسا کہ فرماتے ہیں:

’’کہتے ہیں دہلی میں ایک بزرگ تھا۔ بادشاہ وقت اس پر سخت ناراض ہوگیا۔ اس وقت بادشاہ کہیں باہر جاتا تھا۔ حکم دیا کہ واپس آکر میں تم کو ضرور پھانسی دونگا اور اپنے اس حکم پر قسم کھائی۔ جب اس کی واپسی کا وقت قریب آیا، تو اس بزرگ کے دوستوں اور مریدوں نے غمگین ہوکر عرض کی کہ بادشاہ کی واپسی کا وقت قریب آگیا ہے۔ اس نے جواب دیا، ہنوز دلی دور است۔ یہاں تک کہ بادشاہ عین شہر کے پاس آگیا۔ اور شہر کے اندر داخل ہونے لگا۔ تب لوگوں نے اس بزرگ کی خدمت میں عرض کی کہ اب تو بادشاہ شہر میں داخل ہونے لگا ہے۔ مگر پھر بھی اس بزرگ نے یہی جواب دیا کہ ہنوز دلی دور است۔ اسی اثنا میں خبر آئی کہ جب بادشاہ دروازۂ شہر کے نیچے پہنچا، تو اوپر سے دروازہ گرا اور بادشاہ ہلاک ہوگیا۔ معلوم ہوتا ہے، اس بزرگ کو کچھ منجانب اللہ معلوم ہو چکا تھا‘‘

اسی طرح فرماتے ہیں:

’’ایسا ہی شیخ نظام الدین کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ بادشاہ کا سخت عتاب ان پر ہوا اور حکم ہوا کہ ایک ہفتہ تک تم کو سخت سزا دی جائیگی۔ جب وہ دن آیا، تو وہ ایک مرید کی ران پر سر رکھ کر سوئے تھے۔ اس مرید کو جب بادشاہ کے حکم کا خیال آیا، تو وہ رویا، اور اس کے آنسو شیخ پر گرے، جس سے شیخ بیدار ہوا اور پوچھا کہ تو کیوں روتا ہے۔ اس نے اپنا خیال عرض کیا اور کہا کہ آج سزا کا دن ہے۔ شیخ نے کہا کہ تم مت غم کھاؤ، ہم کو کوئی سزا نہ ہوگی۔ میں نے ابھی خواب میں دیکھا ہے کہ ایک مارکھنڈ گائے مجھے مارنے کے واسطے آئی ہے۔ میں نے اس کے دونوں سینگ پکڑ کر اس کو نیچے گرا دیا ہے۔ چنانچہ اسی دن بادشاہ سخت بیمار ہوا اور ایسا سخت بیمار رہا کہ اسی بیماری میں مر گیا‘‘

فرماتے ہیں، یہ تصرفاتِ الٰہی ہیں، جو انسان کی سمجھ میں نہیں آ سکتے۔ جب وقت آتا ہے تو کوئی نہ کوئی تقریب پیدا ہو جاتی ہے۔ سب دل خدا کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے۔

(ملفوظات جلد ۸۔ص ۳۶ تا ۳۸)

☆ ☆ ☆

تصرف الٰہی کا پہلا نشان

''بٹالہ والا راستہ خطرناک ہے''

حضرت بانیٔ سلسلہؑ کو ملنے والی ایک آسمانی اطلاع

اس سلسلے کا سب سے پہلا واقعہ خود حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کی ذات سے تعلق رکھتا ہے اور یہ اُس وقت کا ہے جب آپؑ اپنے اوپر مولوی کرم الدین کی طرف سے بنائے جانے والے مقدمے کے سلسلے میں ضلعی صدر مقام، گورداسپور، میں تھے (مولوی کرم الدین ساکن بھیں کی طرف سے اٹھایا جانے والا یہ دوسرا فوجداری مقدمہ تھا، جس کا تفصیلاً ذکر اسی جلد کے پہلے باب میں کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مقدمہ کے دوران اپنی قدرت اور رحمت کے کیسے کیسے عظیم الشان جلوے دکھائے)۔ مقدمہ ختم ہونے پر حسب معمول آپ بٹالہ کے راستے واپس قادیان تشریف لانے والے تھے (یہ ۱۰/ اکتوبر ۱۹۰۳ء کی بات ہے) کہ آپؑ کو الہاماً بتایا گیا کہ 'راستہ بٹالہ والا خطرناک ہے'۔ چنانچہ باوجود اس کے کہ قادیان سے ایک رتھ بٹالہ بھجوا دیا گیا تھا، تا کہ آپؑ کے وہاں پہنچنے پر آپؑ اس پر سوار ہو کر قادیان تشریف لے آویں، آپؑ نے فرمایا: ''یکے لے آؤ''

آپ کے خدام کو پروگرام کی اس اچانک تبدیلی کی کوئی وجہ معلوم نہ تھی، تاہم حکم کی تعمیل میں فوراً تین یکوں کا انتظام کیا گیا، جن پر آپؑ اور آپؑ کے اکثر خدام سوار ہو کر کچے راستہ سے جو گورداسپور سے براہِ راست قادیان آتا تھا، قادیان کے لئے روانہ ہو گئے۔ راستہ میں آپؑ نے فرمایا کہ مجھے الہاماً (یا کشفاً) بتایا گیا ہے کہ بٹالہ والا رستہ خطرناک ہے۔

اب آپؑ اور آپؑ کے خدام، جو آپؑ کے ہمراہ تھے، وہ تو بخیریت قادیان تشریف لے آئے۔ اُدھر وہ

رتھ جو سابقہ پروگرام کے مطابق بٹالہ بھجوایا گیا تھا، اس پر وہ دوست سوار ہو گئے، جو بذریعہ ریل گاڑی بٹالہ پہنچے تھے۔ ان میں علاوہ دیگر دوستوں کے شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ، ایڈیٹر اخبار ’الحکم‘ بھی تھے۔ جب یہ اصحاب بٹالہ سے روانہ ہو کر نہر کے پُل پر پہنچے، تو وہاں انہوں نے دیکھا کہ پُل کے دونوں جانب کوئی میلہ سا لگا ہوا ہے۔ یہ ایک بناوٹی میلہ تھا، جو جیسا کہ جلد معلوم ہو گیا، بعض مخالفوں نے ایک منصوبہ کے تحت بنا رکھا تھا۔ اور اسمیں بٹالہ اور مسّانیاں کے لوگ شامل تھے۔ ان لوگوں کا پروگرام یہ تھا کہ جونہی مرزا صاحب (یعنی حضرت بانیٔ سلسلہؑ) پل پر پہنچیں گے، تو پُل کے دونوں اطراف کے لوگ آپ کو پکڑ کر نہر میں پھینک دیں گے اور اس طرح پر روز روز کا جھگڑا ختم ہو جائے گا۔ چنانچہ جب وہ رتھ پل کے قریب آیا، تو وہ لوگ دوڑ کر رتھ کو پڑ گئے، مگر جب دیکھا کہ رتھ میں مرزا صاحب نہیں بلکہ اَور لوگ ہیں تو وہ پیچھے ہٹ گئے اور ابتدائی ضربیں جو وہ لگا چکے تھے، ان پر معذرت اور افسوس کا اظہار کرنے لگے۔ اس طرح پر دشمنوں کا وہ منصوبہ جو انہوں نے خدا کے مامور کو جانی نقصان پہنچانے کی غرض سے تیار کیا تھا، خدا نے اپنے خاص تصرف سے اسے خاک میں ملا دیا۔ [۱]

(رجسٹر روایات صحابہ، نمبر ۱۰، صفحہ ۱-۲۸۰،
بحوالہ تذکرہ طبع چہارم، صفحہ ۷۵۷)

☆ ☆ ☆

تصرف الٰہی کا دوسرا نشان

’’وہ شیر کود کر اُسی پر حملہ آور ہو گیا‘‘

ایک دشمن کی ساحرانہ مکاری اور آپؑ کی آسمانی حفاظت

دوسرے نمبر پر حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کی ہی زندگی کا ایک اَور واقعہ درج کیا جاتا ہے، جو بتاتا ہے کہ کس طرح تصرف الٰہی کے نتیجے میں ایک ہندو، جو بدارادہ کے ساتھ آیا تھا اور حضور اقدسؑ کو نقصان پہنچانا چاہتا تھا، اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھا۔ اس واقعہ کے راوی، حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب

(بعدہٗ خلیفۃ المسیح الثانیؓ)، فرماتے ہیں کہ

''ایک دفعہ ایک ہندو، جو گجرات کا رہنے والا تھا، قادیان میں کسی بارات کے ساتھ آیا۔ یہ شخص علم توجہ کا بڑا ماہر تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ہم لوگ قادیان آئے ہوئے ہیں، چلو مرزا صاحب سے ملتے چلیں۔ اس کا منشا یہ تھا کہ لوگوں کے سامنے حضرت صاحب پر اپنی توجہ کا اثر ڈال کر آپؑ سے بھری مجلس میں کوئی بیہودہ حرکات کرائے۔ جب وہ مسجد میں حضورؑ سے ملا، تو اس نے اپنے علم سے آپؑ پر اپنا اثر ڈالنا شروع کِیا۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد یکلخت کانپ اٹھا، مگر سنبھل کر بیٹھ گیا اور اپنا کام پھر شروع کر دیا۔ اور حضرت صاحب اپنی گفتگو میں لگے رہے۔ مگر پھر اس کے بدن میں ایک سخت لرزہ آیا اور اس کی زبان سے بھی کچھ خوف کی آواز نکلی۔ مگر وہ سنبھل گیا''

ادھر یہ ہو رہا تھا، اور اُدھر خدا کا مامور اپنے گرد و پیش سے کلیۃً بے پرواہ اپنے صحابہ کے ساتھ مسجد مبارک میں بیٹھا محو گفتگو تھا۔ کسی کو کچھ پتہ نہ تھا کہ وہ ہندو کیا کر رہا ہے۔ مگر اچانک اس ہندو نے ایک ایسی حرکت کی کہ سب اہل مجلس کی توجہ اس کی طرف مبذول ہوگئی۔ ہوا یوں کہ وہی ہندو ایک زبردست چیخ مار کر مسجد سے نکل بھاگا، اور بغیر جوتا پہنے مسجد کی سیڑھیوں سے بھاگتا ہوا اتر گیا۔ اس پر مسجد میں موجود لوگ اس کے پیچھے دوڑے کہ پتہ کریں، وہ کیوں چیخ مار کر بھاگا ہے۔ جب وہ اسے پکڑ کر لے آئے اور اس کے ہوش ٹھکانے ہوئے، تو اس نے مندرجہ ذیل کہانی بیان کی:

''مَیں علم توجہ کا بڑا ماہر ہوں۔ مَیں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ مرزا صاحب پر اپنی توجہ ڈالوں اور مجلس میں ان سے کوئی لغو حرکات کرا دوں۔ لیکن جب مَیں نے توجہ ڈالی، تو مَیں نے دیکھا کہ میرے سامنے، مگر ایک فاصلہ پر ایک شیر بیٹھا ہے۔ مَیں اسے دیکھ کر کانپ گیا۔ لیکن مَیں نے اپنے جی میں اپنے آپ کو ملامت کی کہ یہ میرا وہم ہے۔ چنانچہ مَیں نے پھر مرزا صاحب پر توجہ ڈالنی شروع کی، تو مَیں نے دیکھا کہ پھر وہی شیر میرے سامنے ہے اور میرے قریب آ گیا ہے۔ اس پر پھر میرے بدن پر سخت لرزہ آیا۔ مگر مَیں پھر سنبھل گیا اور مَیں نے جی میں اپنے آپ کو بہت ملامت کی کہ یونہی میرے دل میں وہم سے خوف پیدا ہو گیا ہے۔ چنانچہ مَیں نے اپنا دل مضبوط کر کے اور اپنی طاقت کو جمع کر کے پھر مرزا صاحب

پر اپنی توجہ کا اثر ڈالا اور پورا زور لگایا۔اس پر نا گہاں مَیں نے دیکھا کہ وہی شیر میرے اوپر کود کر حملہ آور ہوا ہے۔ اُس وقت مَیں نے بے خود ہو کر چیخ ماری اور وہاں سے بھاگ اٹھا''

(بحوالہ ''سیرۃ المہدی''، حصہ اول،

(مصنفہ حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ، صفحہ ٦٣)

........☆........

(نوٹ: اس روایت کیساتھ یہ بھی بیان ہوا ہے کہ وہ ہندو بعد میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بہت معتقد ہو گیا تھا۔اور جب تک زندہ رہا، آپکو ایک بزرگ اور خدا رسیدہ انسان سمجھتا رہا۔ بلکہ اسکی حضورؑ سے خط و کتابت بھی ہوتی رہی۔

یہ واقعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے تفسیر کبیر میں بھی بیان فرمایا ہے۔ وہاں اس قدر اضافہ ہے کہ اسی ہندو سے بعد میں ہمارے ایک احمدی دوست، میاں عبدالعزیز صاحب مغلؓ، نے پوچھا کہ تم نے یہ نتیجہ کیونکر نکالا کہ حضرت مرزا صاحب ایک خدا رسیدہ انسان ہیں۔ یہ کیوں نہ سمجھا کہ آپ بھی مسمریزم کے بہت بڑے ماہر ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ مسمریزم کیلیئے توجہ کا ہونا ضروری ہے، جو کامل سکون اور کامل خاموشی چاہتا ہے۔مگر مرزا صاحب تو اپنے اصحاب کے ساتھ باتوں میں مشغول تھے۔اس سے مَیں نے یہ نتیجہ نکالا کہ ان کی قوت ارادی کا اس میں دخل نہیں، بلکہ کوئی آسمانی طاقت ہے، جو آپ کی حفاظت کر رہی ہے۔

(تفسیر کبیر جلد پنجم، حصہ سوم، صفحہ ٣٠٧)

☆ ☆ ☆

تصرف الٰہی کا تیسرا نشان

''آپ کے قتل کا منصوبہ کیا گیا ہے''

حضرت راجہ عطا محمد صاحبؓ

اور خدائی حفاظت

مکرم راجہ عطا محمد صاحبؓ، یاڑی پورہ۔ کشمیر۔ کے اولین صحابہ میں سے تھے۔آپ کے حضرت مہدی علیہ السلام کے ظہور کی خبر سن کر قادیان پہنچنے اور وہاں حضرت بانی سلسلہؑ کی بیعت سے مشرف ہونے کا

واقعہ ''درویشان احمدیت'' جلد اول میں بیان ہو چکا ہے۔اب جب آپ بیعت کرنے کے بعد واپس اپنے وطن تشریف لا رہے تھے،تو کس طرح مخالف مولویوں نے آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا،اس بارے میں آپ کے سوانح نگار لکھتے ہیں:

''جب راجہ صاحب قادیان سے واپس ہو کر گڑھی حبیب اللہ خان پہنچے،تو وہاں سے اپنے رفقاء سفر کو پاڑی پورہ کی طرف روانہ کر دیا۔اور خود مع فرزند،راجہ یار محمد خان،اور فقیر محمد خان۔ملازم۔گڑھی کے رئیس خان محمد حسین خان کے ہاں مقیم ہوئے۔ان دنوں گڑھی میں ملاؤں نے احمدیوں کو واجب القتل قرار دیا تھا۔جب ملاؤں کو راجہ صاحب موصوف کے رئیس محمد حسین کے ہاں قیام کا پتہ چلا،تو انہوں نے ان کے پاس آ کر اور انہیں ساتھ ملا کر راجہ صاحبؓ کے قتل کا منصوبہ بنایا۔اور محمد حسین کو کہا کہ آپ کا اس احمدی کو قتل کرنا بڑے ہی ثواب کا موجب ہوگا۔رئیس محمد حسین خان بھی اپنی سادگی میں ملاؤں کے کہنے میں آ کر تیار ہو گیا اور اپنے آدمیوں کو مقرر کر دیا کہ رات کو ان تینوں احمدی مہمانوں کو قتل کر دیں''

اب کس طرح خدائی نصرت پہنچ کر اس ناپاک منصوبے کو ناکام کرنے اور آپ اور آپ کے رفقاء کی جان بچانے کا موجب بنی،یہ ایمان افروز واقعہ جہاں قادر مطلق خدا کے قادرانہ تصرف کا آئینہ دار ہے، وہاں اس شخص کے منجانب اللہ ہونے کا ثبوت بھی ہے،جس کی غلامی سے مشرف ہو کر آپ واپس تشریف لا رہے تھے۔چنانچہ آپ کا سوانح نگار رقمطراز ہے:

''راجہ عطا محمد صاحبؓ کو ان حالات کی کچھ خبر نہ تھی۔وہ رات کو آرام سے سو گئے۔تھوڑی رات گذری،تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان کو خواب میں نظر آئے اور فرمایا کہ راجہ صاحب! آپ کے قتل کا منصوبہ کیا گیا ہے۔آپ اِس وقت اٹھ کر یہاں سے چلے جائیں۔ چنانچہ آپ اٹھے اور اپنے ساتھیوں کو جگایا اور چپ چاپ وہاں سے نکل کر رات کے وقت ہی سفر پر روانہ ہو گئے۔اور دوران سفر میں ہی نماز ادا کی۔جب نماز ختم کی،تو کیا دیکھا کہ گڑھی کے رئیس کا وزیر گھوڑا دوڑائے پیچھے آ رہا ہے اور کچھ کھانا بھی ساتھ لایا ہے۔اس نے دُور ہی سے راجہ صاحب کو جان کی سلامتی کی مبارک باد دی۔اور ملاؤں کی شرارت کا سارا قصہ سنا دیا۔اور تعجب سے پوچھا کہ آپ کو اس منصوبے کا کیسے علم ہوا؟ اور کس طرح رات کو

چلے آنے کا خیال پیدا ہوا۔ راجہ صاحب نے خواب کا سارا واقعہ سنا دیا، جس سے وزیر بڑا متاثر ہوا۔ جب دوبارہ راجہ عطا محمد صاحب قادیان گئے، تو پھر اسی خان کے پاس راستہ میں ٹھہرے اور خان نے اپنے پہلے فعل پر اظہار ندامت کیا اور اپنی غلطی کا اعتراف کر کے راجہ صاحب سے معافی مانگی اور راجہ صاحب کی عزت و مدارت کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

(ماخوذ از تاریخ احمدیت جموں وکشمیر، ص:۲۷ تا۲۹)

..........☆..........

تعارف: آپ راجہ شیر محمد خان صاحب جو مہاراجہ گلاب سنگھ کے زمانے میں ایک بہت بڑی جاگیر کے مالک تھے، کے بیٹے تھے اور اپنی اعلیٰ علمی و انتظامی صلاحیتوں کی بنا پر ریاست (کشمیر) میں وزیر کے عہدہ پر بھی فائز رہے۔ آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک اشتہار پڑھ کر اپنے چھوٹے بھائی، راجہ غلام حیدر، کو تحقیق حق کے لئے قادیان بھیجا۔ وہ وہاں ۲۱ دن ٹھہرے اور پھر حضورؑ کے دست مبارک پر بیعت کر کے واپس لوٹے۔ جب آپ نے اپنے بھائی کی زبانی حضرت مسیح موعودؑ کے حالات سنے تو آپ باوجود آنکھوں میں موتیا بند کی تکلیف ہونے کے اپنے بیس سالہ بیٹے، راجہ یار محمد خان صاحب، اور چند اور معتمد ملازمین کو ساتھ لے کر قادیان پہنچے اور حضور کے ہاتھ پر دستی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ آنکھوں کی تکلیف کے لئے حضور نے آپ کو لاہور جانے کا مشورہ دیا۔ اور فرمایا کہ آپ کی آنکھیں انشاء اللہ بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ علاج کے بعد دوبارہ قادیان تشریف لے گئے اور پھر کچھ عرصہ مزید رہ کر اور روحانی فیض سے فیضیاب ہو کر کشمیر واپس پہنچ گئے۔ مذکورہ بالا واقعہ اسی سفر کے دوران کا ہے۔ آپ چند ان ابتدائی صحابہ میں سے تھے، جنہیں حضورؑ نے اپنے نام پر بیعت لینے کی خصوصی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ آپ نے ۱۴ر اپریل ۱۹۰۴ء کو ۱۲۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اور اپنے آبائی قبرستان واقع ''ایمرچھ'' میں دفن ہوئے۔

☆ ☆ ☆

تصرفِ الٰہی کا چوتھا نشان

''قتل کا منصوبہ دھرے کا دھرا رہ گیا''

حضرت سید سرور شاہ صاحبؓ خدائی حفاظت میں

حفاظت سماوی کا یہ چوتھا واقعہ حضرت بانی سلسلہ علیہ السلام کے ایک ایسے رفیق سے تعلق رکھتا ہے، جو عالم بے بدل ہونے کے علاوہ تقویٰ وطہارت میں بھی ایک اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ آپکو اپنی بعض خوابوں، رؤیاء صالحہ اور کشوف کی بنا پر کس طرح علی وجہ البصیرت احمدیت قبول کرنا نصیب ہوئی، اس کا مفصل حال بھی ''درویشان احمدیت'' جلد اول میں بیان کیا جا چکا ہے۔ تاہم ابھی آپ مستقل طور پر قادیان تشریف نہ لائے تھے۔ اس دوران دشمنان حق نے آپ کے خلاف کیا منصوبہ بنایا اور قادر وقیوم خدا نے کس طرح اسے جڑ سے اکھیڑ کر اپنی زندہ ہستی پر ایک زندہ شہادت قائم فرمائی، یہ ایمان افروز داستان لکھتے ہوئے آپ کے سوانح نگار رقمطراز ہیں:

> ''آپ نے جب احمدیت قبول کر لی، تو آپ کے علاقے میں آپ کی سخت مخالفت شروع ہوگئی۔ چونکہ آپ بہت بڑے عالم تھے، اس لئے علماء دین آپ کے مقابلے میں آنے سے خوف کھاتے تھے۔ تاہم وہ آپ کو در پردہ قتل کرنے کی تدبیریں کرنے لگے۔ چنانچہ علاقہ کے ایک بہت بڑے رئیس، خواجہ فتح جو، کو اکسایا کہ وہ آپ کو اپنے ہاں موضع گھوڑی میں بلا کر ایک مباحثہ کا انتظام کرے اور اس بہانے آپ کو قتل کر دے۔ چنانچہ اس (خواجہ فتح جو) نے، جو بہت بڑا مالدار آدمی تھا، حتیٰ کہ علاقہ کے سلطان کو بھی اس کا دست نگر رہنا پڑتا تھا، آپ کے ماموں زاد بھائی اکرم خان کو ساتھ ملا کر ایک بہت بڑی رقم مظفر آباد کی پولیس کو اس غرض سے دی کہ پولیس اس منصوبہ میں دخل انداز نہ ہو۔ موعودہ رقم کا ایک حصہ وہ پولیس کو پہلے ہی دے چکا تھا۔ مزید دوصد روپے دینے کے لئے وہ مظفر آباد کے لئے روانہ ہوا۔ اس کا پروگرام یہ تھا کہ یہ رقم پولیس کو دے کر علی الصبح واپس گھوڑی آ کر مباحثہ میں شریک ہو''

مگر اپنے مامور کے غلام کو بچانے کے لئے آسمانی تقدیر بھی حرکت میں آچکی تھی۔ چنانچہ اس کی ایمان افروز روئداد آپ کے سوانح نگار، مؤلف اصحاب احمد، یوں بیان فرماتے ہیں:

''واپسی پر جب وہ مظفر آباد اپنی لڑکی کے ہاں ٹھہرا (دوسرے دن رمضان المبارک کی یکم تاریخ تھی) تو وہ اپنے کمرہ کی کنڈی لگا کر سو گیا۔ وہی رات اس کی زندگی کی آخری رات ثابت ہوئی۔ چنانچہ سحری کے وقت جب دروازہ کھٹکھٹایا گیا تو وہ بیدار نہ ہوا۔ اس کی لڑکی پہلے ہی چاہتی تھی کہ اس کا باپ روزہ نہ رکھے۔ اس لئے اس نے جگانے کی مزید کوشش کرنے سے منع کر دیا۔ لیکن دن چڑھے تک جب وہ بیدار نہ ہوا، تو تشویش ہوئی۔ آخر جب بزور دروازہ کھول کر لوگ کمرے میں داخل ہوئے، تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ مرا پڑا ہے۔ اس علاقے کے لوگ سوتے وقت پگڑی اتار کر پاس رکھ لیتے ہیں اور بیدار ہوتے ہی سر پر رکھ لیتے ہیں اور پسوؤں کی وجہ سے پاجامہ بھی اتار کر سوتے ہیں۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ بیدار ہو کر وہ پگڑی سر پر رکھ چکا تھا اور ایک پاؤں میں پاجامہ بھی ڈال چکا تھا اور دوسرے میں ڈالنے کے لئے اسے پکڑا ہوا تھا کہ اسی حالت میں خدا کی قہری تجلی نے اسے آلیا اور اس کی جان نکل گئی''

یہ ہے قدرت کا انتقام اور یہ ہے اس غیور خدا کی قادرانہ تجلی کا تابندہ نشان کہ اس نے اس کے مامور کے غلام کو گزند پہنچانے والے کو اتنی بھی مہلت نہ دی کہ وہ اس کے قریب پھٹک سکے۔

(ملخص از ''سیرۃ سرور''، اصحاب احمد، جلد پنجم)

.........☆.........

تعارف: آپ سلسلہ کے ایک بزرگ اور جید عالم اور حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کا تبحر علمی اس قدر بلند تھا کہ ہمعصر علماء آپ کے سامنے آنے سے کتراتے تھے۔ آپ نے متعدد رؤیاء صالحہ کی بنا پر احمدیت قبول کی، جن کا مفصل ذکر ''درویشان احمدیت'' جلد اول میں کیا جا چکا ہے۔ احمدی ہو جانے کے کچھ عرصہ بعد ہی آپ قادیان میں آگئے اور ایک لمبا عرصہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت میں گزارا۔ آپ کی اولاد میں آپ کے سب سے بڑے صاحبزادے، سید مبارک احمد شاہ صاحب، کچھ عرصہ مرکز سلسلہ، ربوہ، میں سلسلہ کی خدمت پر مامور رہنے کے بعد عرصہ تیس سال سے جرمنی میں مقیم ہیں۔ آپ کے ایک نواسے، مکرم برادرم سید کمال یوسف صاحب، واقف زندگی، جامعہ احمدیہ ربوہ سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد سالہا سال تک سکنڈے نیویا کے ممالک، ڈنمارک، سویڈن اور ناروے میں بطور مبلغ سلسلہ تاریخی خدمات سرانجام دینے کے بعد اس وقت اوسلو (ناروے) میں قیام پذیر ہیں۔

تصرف الٰہی کا پانچواں نشان

''میرا خدا اسے نہیں چھوڑے گا''

حضرت مولوی محمد حسین صاحبؓ کی حفاظت غیبی

اب قدرتِ خداوندی کا ایک اَور روشن نشان پیش کیا جاتا ہے، جس میں خدا تعالیٰ نے اپنے بندے کو بچانے کے لئے ایسی تدبیر فرمائی کہ جو انہیں قتل کرنا چاہتا تھا، اُس کے اپنے اوپر خدا کے غضب کی آری چل گئی۔ اس واقعہ کے راوی حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے ایک درویش غلام، حضرت مولانا محمد حسین صاحبؓ، ہیں جو 'سبز پگڑی والے مولوی صاحب' کے نام سے جماعت میں معروف اور مشہور ہوئے۔ آپ ہی کے ساتھ بیتا ہوا ایک واقعہ باب پنجم میں ''تصرفات الٰہیہ'' کے تحت بیان کیا جا چکا ہے۔ موجودہ واقعہ اُس وقت کا ہے، جب آپ اپنی فوجی ملازمت سے فارغ ہونے کے بعد مرکز (قادیان) کے حکم پر یو۔ پی (وسط ہند) کے علاقہ میں مسلمانوں کو ہندو بنانے کی ایک تحریک (جو ''شدھی'' کی تحریک کے نام سے معروف اور مشہور ہوئی) کے سدّ باب کیلئے وہاں رضا کارانہ طور پر تشریف لے گئے تھے۔

آپ نے وہاں پہنچ کر مرکزی نظام کے تحت آگرہ سے کچھ دُور ملکانہ مسلمانوں کے ایک گاؤں، موضع نگلہ گھنو، کو اپنا تبلیغی مرکز بنا کر کام شروع کر دیا۔ ابھی آپ کو وہاں پہنچے ہوئے تھوڑا عرصہ ہی ہوا تھا کہ آپ کو معلوم ہوا کہ بعض دیوبندی مولویوں نے علی گنج تحصیل کے ایک قصبہ رامپور میں آریوں کو مباحثہ کا چیلنج دیا ہے۔ چنانچہ آپ بھی اپنے گاؤں کے چند لوگوں کو ساتھ لے کر مناظرہ دیکھنے کی غرض سے وہاں تشریف لے گئے۔ مگر ان علماء میں سے وہاں کوئی بھی نہ پہنچا، جس پر مقامی مسلمانوں نے آپ سے درخواست کی کہ آپ ہی اب آریہ مناظروں سے بات کریں، ورنہ وہ سمجھیں گے کہ مسلمان بھاگ گئے۔ اس مناظرہ میں آپ نے جس طرح ان آریہ پنڈتوں کے دانت کھٹے کئے اور وید اور ستیارتھ پرکاش کے حوالوں سے انہیں لاجواب اور شرمسار کیا، اس سے سارے علاقہ میں اسلام کی دھاک بیٹھ گئی اور سب ہندو اور مسلمان یہ کہنے لگ گئے کہ قادیانی مولوی کا کوئی آریہ مقابلہ نہیں کر سکتا۔

یہ صورت حال دیکھ کر آریوں نے اپنی ایک خفیہ میٹنگ بلائی اور کہا کہ اگر یہ قادیانی مولوی یہاں رہا، تو ہم کسی ایک مسلمان کو بھی شدھ نہیں کر سکیں گے۔ چنانچہ انہوں نے اِس ''بلا'' سے چھٹکارا حاصل کرنے کے

لئے آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔جس کیلئے ''نگلہ گھنو'' کے قریبی گاؤں مجھولہ کے رہنے والے ایک منہ زور ٹھاکر،بھوپ سنگھ نامی،کو آپکے قتل پر آمادہ کر لیا گیا۔آریوں نے اس کے عوض اس کا دو ہزار روپیہ کا قرضہ،جو اس کے ذمہ تھا،چھوڑ دینے کا وعدہ کیا۔آگے اللہ تعالیٰ نے آپکی حفاظت کے غیب سے کیا سامان فرمائے،اس کی روئداد بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

''اس پنچایت (جسکی خفیہ کاروائی کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ناقل) میں ایک احمد پور کا پنڈت بھی تھا۔وہ اس رئیس پنڈت [ا] کے ہاں ٹھہرا اور میرے بارے میں سارا قصہ بھی بیان کر دیا۔پنڈت صاحب صبح سویرے ہی گھوڑی پر سوار ہو کر میرے پاس پہنچے اور کہنے لگے۔آپ اکیلے ہی دَورے پر نکل جایا کرتے ہیں،مگر فلاں شخص سے ہوشیار رہنا''

آپ نے اس شریف پنڈت کا تو شکریہ ادا کیا اور خود دعاؤں میں لگ گئے۔اتفاق سے اگلے روز ہی بھوپ سنگھ آپ کے پاس چوپال پر (یعنی وہ کچی سی بوسیدہ عمارت جسے آپ پہلے دن سے ہی مسجد اور رہائش کے طور پر استعمال کر رہے تھے۔ناقل) آ گیا اور مچلا بن کر یوں باتیں کرنے لگا،جیسے اسے کچھ پتہ ہی نہ ہو۔یہ گفتگو جس رنگ میں ہوئی،وہ بتاتی ہے کہ کس طرح خدا تعالیٰ کی تقدیر اس کرائے کے قاتل کے گرد گھیرا ڈالتی چلی آ رہی تھی۔چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

''بھوپ سنگھ مجھ سے پوچھنے لگا،مولوی صاحب!اب کدھر کا دورہ کرنا ہے؟میں نے کہا،جس طرف سے آریوں کی میٹنگ یعنی پنچایت کی خبر ملے گی،ادھر ہی جاؤں گا''

پھر آپ نے اپنی گفتگو کا رخ بدل کر اسے مزید ٹٹولنے کی خاطر اس طرح سے بات کی کہ اس کا اندرونہ ظاہر ہو جائے۔چنانچہ فرماتے ہیں،مَیں نے اس سے پوچھا:

''دو تین دن ہوئے،مجھولہ کی پنچایت کا پتہ چلا تھا،مگر وہ ان کی پرائیویٹ میٹنگ تھی۔چیدہ چیدہ ٹھاکر انہوں نے بلائے ہوئے تھے۔کیا آپ کو بھی مدعو کیا ہوا تھا؟کہنے لگا،مجھے بلایا تو

ا یہ رئیس پنڈت،حضرت مولوی صاحب موصوفؓ کا اس اعتبار سے ممنونِ احسان تھا کہ کچھ عرصہ پہلے ہی آپ نے اس کی جوان بیٹی کا دم اور دعا سے علاج کیا تھا اور اسے ایک خطرناک بیماری (جسے سب لوگ ''جن کی بیماری'' کہتے تھے،اور لا علاج قرار دے چکے تھے) سے نجات دلائی تھی۔(یہ واقعہ اپنی پوری تفصیل کے ساتھ ''درویشان احمدیت'' کی جلد دوم،کے اندر'باب دوم' میں بیان کیا جا چکا ہے)

تھا، مگر میں گیا نہیں۔ پھر بولا، اچھا، تو پھر آج رات کو ہمارے ہاں ناچ ہے۔ سب لوگوں نے آنا ہے۔ کیا آپ بھی آئیں گے؟ میں نے کہا کہ میں تو ایسی مجلسوں میں جانے سے دوسرے لوگوں کو بھی روکتا ہوں، تو پھر میں خود کیسے جاسکتا ہوں''

فرماتے ہیں، اس کے ساتھ اس قسم کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر وہ چلا گیا مگر خدا کی قدرت کہ یہی ناچ گانے کی محفل بھوپ سنگھ کے لئے پیغام اجل ثابت ہوئی۔ وہ اس طرح کہ ناچ گانے کے دوران آگے بیٹھنے پر اس کی بعض دیگر گاؤں والوں کے ساتھ لڑائی ہوگئی۔ اُس وقت تو بیچ بچاؤ ہوگیا، مگر اگلے دن جب وہ لوہار کی بھٹی پر اپنا کوئی آلہ بنوا رہا تھا، کہ رات والے تین نوجوان وہاں پہنچے اور اس کے سر پر لاٹھیاں مار مار کر اس کا کام تمام کر دیا۔ اس طرح پر خدا تعالیٰ نے آریوں کا منصوبہ خاک میں ملا کر اپنی قدرت کا نشان ظاہر فرمایا۔ چنانچہ ابھی آپ کو بھوپ سنگھ کے قتل کی خبر نہیں پہنچی تھی کہ فرماتے ہیں:

''مجھے صبح کے وقت جب اس تماشہ میں جانے والوں نے آکر بتایا کہ (رات) بھوپ سنگھ سے لڑائی ہوتے ہوتے بمشکل بچی، تو میرے منہ سے بیساختہ نکل گیا کہ میرا خدا تعالیٰ اسے نہیں چھوڑیگا۔ اسی دن دوپہر کو اس کے مرنے کی خبر آگئی''

آگے فرماتے ہیں:

''ہمارے حلقہ کے تھانے میں میرا ایک دوست نرائن سنگھ تھانیدار لگا ہوا تھا، جو ترنتارن، ضلع امرتسر، کا رہنے والا تھا۔ میرا پہلے ارادہ تو بنا کہ میں اس تک بھوپ سنگھ کی رپورٹ پہنچادوں مگر ابھی پہنچائی نہ تھی کہ وہ تھانیدار میرے پاس آیا اور کہنے لگا، مولوی صاحب! آپ کے حلقہ میں خون ہوگیا ہے اور آپ یہیں بیٹھے ہیں، آئیں چلیں۔ اور آپکے دوست انسپکٹر پولیس کے نام تار دے آیا ہوں۔ وہ بھی تھوڑی دیر تک وہاں آجائیں گے''

یہ انسپکٹر پولیس غلام محی الدین خان ایک احمدی تھے اور پہلے بھی آپ سے مل چکے تھے۔ چنانچہ جب آپ نے انہیں اور تھانیدار نرائن سنگھ کو مجھولہ کی پنچایت کا فیصلہ، بھوپ سنگھ کے سپرد کی جانے والی آپ کو قتل کرنے کی ڈیوٹی اور رات کو تماشے والا سارا حال بتایا، تو وہ بہت حیران ہوئے۔ اس کے بعد سے وہ سکھ تھانیدار آپ کی پہلے سے بھی زیادہ عزت کرنے لگا۔

(ملخص از ''میری یادیں'' ص ۹۷ تا ۹۸)

تصرف الٰہی کا چھٹا واقعہ

’’جو تیر خدا کے مامور کے غلام پر چلانا چاہا، وہ اسکے اپنے اوپر چل گیا‘‘

بڑا بولِ بولنے کی سزا

حضرت مولوی محمد حسین صاحبؓ کے ملکانہ کے علاقہ میں قیام کے دوران خدائی حفاظت کا اسی قسم کا ایک اَور نشان بھی آپ کے ہاتھ پر ظاہر ہوا۔اس کی روئداد بتاتے ہوئے آپ تحریر فرماتے ہیں:

’’ایک دفعہ نواب بقاء اللہ خان صاحب علی گنج والوں نے مجھے رقعہ بھیجا کہ میرے ماموں صاحب مولوی ہیں اور وہ آپ سے بات چیت کرنا چاہتے ہیں۔اس لئے آپ بدیدن رقعہ ھٰذا تشریف لے آئیں۔ان ایام میں بابو محمد اسماعیل صاحب فیروز پوری موضع گڑھی میں احمدی مبلغ تھے۔میں نے انہیں بھی وہاں پہنچنے کیلئے پیغام بھیج دیا۔اسی طرح میرے دو تین شاگرد بھی میرے ہمراہ چل دیئے۔ہم فرک (ایک چھوٹی سی گاڑی) پر سوار ہو کر شہر پہنچے۔ساتھ دو تین کتابیں بھی لے لیں۔شہر میں میرے چار پٹھان دوست جو علی گنج کے رہنے والے تھے، مل گئے، وہ بھی ساتھ ہو لئے۔وہ میرے اس طرح واقف ہو گئے تھے کہ آریوں سے میری گفتگو ہوتی رہتی تھی۔وہ سنتے تھے اور بہت خوش ہوتے تھے۔اس لئے وہ میری بہت عزت کرتے تھے۔میں نے انہیں بتایا کہ نواب بقاء اللہ خان صاحب نے اس کام کے لئے بلایا ہے‘‘

آگے کیا ہوا اور کس طرح یہ غیبی امداد آپ کیلئے ایک بہت بڑا سہارا ثابت ہوئی، آپ فرماتے ہیں:

’’ہم اکٹھے وہاں پہنچے۔نواب صاحب کے ماموں بڑے شریف آدمی تھے۔بڑی خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ان سے حیات و ممات مسیح کے مسئلہ پر گفتگو ہوئی۔مَیں ان کے دلائل کی قرآنی آیات سے تردید کرتا رہا۔ان کے عقلی دلائل کا عقلی دلائل کے رو سے جواب دیا، جس پر انہوں نے قدرے خاموشی اختیار کر لی۔تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے سوال کیا کہ کیا خدا تعالیٰ میں یہ قدرت نہیں کہ انہیں زندہ آسمان پر لے جائے۔میں نے کہا کہ خدا تعالیٰ میں یہ طاقت موجود ہے۔نہ صرف مسیح بلکہ ساری دنیا کو آسمان پر لے جائے۔مگر یہاں اسکو قدرت حاصل ہونے کا سوال نہیں، بلکہ سوال یہ ہے کہ آیا مسیح کا آسمان پر جانا

قرآن کریم سے ثابت ہے کہ نہیں۔ انہوں نے اقرار کیا کہ میں آپکے بیان کردہ دلائل پر ضرور غور کروں گا“

آپ فرماتے ہیں کہ نواب صاحب کے ماموں تو یہ دلائل سننے کے بعد خاموش ہو گئے مگر خود نواب صاحب (بقاء اللہ خان) بڑے تیش میں آ گئے۔ انہیں غصہ اس بات پر آیا کہ اتنے بڑے مجمع میں میرے ماموں کی ہتک ہوئی ہے کہ قادیانی مولوی نے انہیں خاموش کرا دیا ہے۔ چنانچہ وہ اس قدر سیخ پا ہوئے کہ کہنے لگے، میں اس قادیانی کو زندہ نہیں جانے دوں گا۔ آگے کیا ہوا، حضرت مولوی صاحب فرماتے ہیں:

”ادھر سارا مجمع حیران تھا کہ اس نواب کو کیا ہو گیا ہے۔ ماموں اس کے مناظرہ نہیں کر سکے اور غصہ پردیسیوں پر۔ اِدھر وہ نواب اِس قدر آپے سے باہر ہو رہا تھا کہ اندر سے پستول نکال لایا کہ میں ابھی انہیں ختم کر دونگا۔ ان پٹھان لڑکوں نے بڑی کوشش سے وہ پستول تو اس سے چھین لیا، مگر اب وہ تلوار لے کر میری طرف لپکا۔ وہ تلوار بھی ان لڑکوں نے چھین لی، جس سے ایک نوجوان کا ہاتھ بھی زخمی ہو گیا۔ اب وہ نواب بے حساب گالیاں دینے اور کہنے لگا کہ اگر پٹھانوں کے محلّہ میں تم کو میں نے دیکھ لیا تو جان سے مار دوں گا“

حضرت مولوی صاحب تو واپس آ گئے اور آپ کے وہ ساتھی بھی آپکو گھر پہنچا کر چلے گئے۔ مگر اس نواب سے اللہ تعالیٰ نے جس طرح انتقام لیا، وہ ایک دردناک اور عبرتناک داستان ہے۔ اس کی روئداد بتاتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

”(اس کی) ایک ہندو کے ساتھ پرانی دشمنی چلی آ رہی تھی۔ ایک دن اس ہندو نے اپنی ران پر روئی کا گدّا رکھ کر خود ہی گولی مار لی اور شور مچا دیا کہ نواب بقاء اللہ خان نے گولی ماری ہے۔ نواب کا مکان اس کے مکان کے قریب ہی تھا۔ آخر اس پر مقدمہ دائر ہو گیا۔ جس میں اسے بہت مالی نقصان بھی اٹھانا پڑا اور بعد میں چار سال کی سزا بھی بھگتنی پڑی“

غرض وہ شخص جو آپ کو اپنے شہر میں دیکھنے کیلئے تیار نہ تھا، خدا نے خود اسے ہی اس شہر سے اٹھا لیا۔ آپ کو اس کا افسوس تو ہوا، لیکن فرماتے ہیں، خدا تعالیٰ کے ماموروں کو گالیاں دینے والوں کا انجام اچھا نہیں ہوا کرتا۔ وہ اکثر حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کو گالیاں دیا کرتا تھا۔

(بحوالہ ”میری یادیں“ ص ۹۹ تا ۱۰۲)

تصرف الٰہی کا ساتواں واقعہ

''آپ نے تو میری کایا پلٹ دی ہے''

قتل کا ارادہ لے کر آنیوالا مسیح پاک کی غلامی میں

حضرت مولوی محمد حسین صاحبؓ کے ہاتھ پر ظاہر ہونے والا ایک تیسرا نشان اُس وقت کا ہے، جب آپ ملکانہ میں دو سال قیام کرنے کے بعد پھر مرکز کے حکم پر پونچھ، جموں اور کشمیر میں بھجوائے گئے۔ اس مہم میں آپ نے ریاست جموں کے ایک قصبہ بھدرواہ کو اپنا مرکز بنایا اور وہاں ایک شریف غیراز جماعت دوست اخون نامی کے مکان پر رہائش اختیار کی۔ لیکن اس مکان میں آئے ہوئے ابھی آپ کو دو ہی دن ہوئے تھے کہ شہر کے بعض لوگ مالکِ مکان کے پاس آئے اور کہنے لگے، تم نے ایک مرزائی کو جگہ دی ہے، اگر تم نے اسے فوراً نہ نکالا، تو سارا شہر تمہارا بائیکاٹ کر دیگا۔ اس دھمکی کا اس شریف مالکِ مکان پر تو کوئی اثر نہ ہوا، مگر ایک خطرے کی صورت ضرور پیدا ہوگئی۔ اس بارے میں آپ فرماتے ہیں:

''ابھی مجھے یہاں پہنچے ہوئے دوسرا دن ہی ہوا تھا کہ ایک نوجوان نے آکر بتایا کہ یہاں کے لوگوں نے آپ کو قتل کروانے کا منصوبہ بنایا ہے اور اس کام کی ذمہ واری ایک پٹھان ، عبدالرحمٰن خان نامی ، نے اپنے ذمہ لی ہے۔ وہ آپ کو موقع پاکر گزند پہنچائے گا۔ اور وہ جوش وخروش سے آپکی تلاش میں ہے۔ میں نے کہا کہ اگر میری موت مجھے بھدرواہ لے کر آئی ہے، تو اس سے کیا انکار ہوسکتا ہے۔ آپ نے مجھے اطلاع دے دی ہے، اس لئے آپ کا شکریہ، مگر اتنا احسان ضرور کر دیں کہ خان صاحب کی مجھے شناخت کروا دیں۔ وہ بولا کہ آپ ابھی عزیز درزی کی دوکان پر آجائیں۔ غالباً وہ ابھی وہیں بیٹھا ہوا ہوگا۔ میں آپ کو اشارے سے بتا دونگا''

یہ درزی ، جس کا یہاں ذکر آیا ہے، اس کے بارے میں آپ کو پہلے دن ہی پتہ چل چکا تھا کہ وہ احمدیت کا سخت مخالف ہے، جس پر آپ پہلے ہی دن کپڑا خریدنے کے بہانے اس کے پاس چلے گئے تھے اور اسے ایک قمیص سینے کے لئے دے دی تھی۔ اسکے ساتھ آپ کو اسے اچھی خاصی تبلیغ کرنے کا موقع بھی مل گیا۔ اب جب مذکورہ بالا اطلاع آپ کو ملی، تو آپ اس کی دوکان پر پہنچ گئے اور اس نوجوان پٹھان کو دیکھ لیا۔ جب آپ وہاں سے واپس لوٹے، تو فرماتے ہیں:

’’(میں) دریا کے کنارے دعا کرتے ہوئے جا رہا تھا۔ جب میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا، تو عبدالرحمٰن پٹھان بھی آ رہا تھا۔ میں بھی ذرا ہوشیار ہو گیا (اور) وہاں قبرستان کے قریب کھڑا ہو گیا۔ جب وہ میرے قریب آیا، تو میں نے اسے السلام علیکم کہا۔ میں نے کہا، خانصاحب! آپکی طبیعت اچھی ہے؟ اس نے کہا، اچھی ہے۔ میں نے کہا، آپ کا اسم شریف عبدالرحمٰن خان ہے؟ وہ بڑا حیران ہوا۔ پوچھنے لگا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میں خان ہوں اور عبد الرحمٰن ہوں؟ میں نے کہا، آپ جیسا میرا ایک دوست ہے، جس کا نام کرنل عبدالرحمٰن خان ہے۔ اس لئے محبت سے میں نے آپ کو اسی نام کا سمجھا۔ وہ کہنے لگا، میں تو آپ کا بڑا مخالف ہوں۔ میں نے کہا، مگر میرے دل میں تو آپ کی محبت جوش مار رہی ہے۔ اب خدا تعالیٰ ہی جانے کہ اس کی کیا وجہ ہے‘‘

آپ فرماتے ہیں، اسی طرح کی باتیں کرتے ہوتے جب میں نے اسے یہ بتایا کہ ہمارے لئے اپنے آقا اور دو جہان کے سردار، حضرت محمد ﷺ کا اسوہ بہترین مشعل راہ ہے اور اس پر عمل کرنے میں ہی ہم اپنی سعادت سمجھتے ہیں، تو وہ حیران ہو کر کہنے لگا، کیا آپ رسول پاک کو مانتے ہیں؟ آپ نے اسے جواب دیا کہ اس پاک رسول کو منوانے کے لئے ہی تو مرزا صاحب (حضرت بانی سلسلہؑ) آئے ہیں۔ اس کا یہ سننا تھا کہ وہ دریائے حیرت میں ڈوب گیا۔ آپ فرماتے ہیں:

’’(اس دوران) میں نے اسے مکمل تبلیغ کر کے آنحضرت ﷺ کی حضرت مسیح موعودؑ کے بارے میں کی گئی کافی پیشگوئیاں سنادیں۔ اسی طرح موجودہ مسلمانوں کی حالت زار، علماء کا باہمی اختلاف، انکی آپس میں کفر بازی، خدائی سلسلوں کی مخالفت، اور اکثریت کی گمراہی اور اقلیت کا صداقت قبول کر لینا، نیز حضرت صاحب کی نبوت کے فوائد بتا دیئے‘‘

ان باتوں کو سن کر عبدالرحمٰن خان کی تو جیسے آنکھیں کھل گئیں۔ یقیناً اسکے پیچھے اس دعا کا اثر بھی کام کر رہا تھا، جو آپ اس کے لئے کرتے چلے آ رہے تھے۔ چنانچہ وہ بولا:

’’مولوی صاحب! آپ نے تو میری کایا ہی پلٹ دی ہے۔ اگرچہ میں نے ابھی بیعت تو نہیں کی مگر غیر احمدی بھی نہیں رہا۔ اب مغرب کے وقت میں اپنے ایک دوست کو ساتھ لے کر آپکے ڈیرے پر آؤں گا۔ کیا آپ کو کوئی تکلیف تو نہیں ہوگی؟‘‘

آپ نے فرمایا، بلکہ اگر آپ تشریف نہ لائے، تو ضرور تکلیف ہوگی۔ یہ کہہ کر آپ نے اسے خدا حافظ کہا اور رخصت ہو کر واپس چل دیئے۔ جب آپ اپنے مکان پر (یعنی اخون صاحب کے ہاں جہاں آپ ٹھہرے ہوئے تھے) پہنچے، تو فرماتے ہیں:

''اخون صاحب ناراض کھڑے تھے کہ اتنی دیر کہاں رہے۔ اور کہنے لگے، مجھے اور میری اہلیہ کو آپکی بڑی فکر رہی ہے۔ اس جگہ کے لوگ خون کر کے ہضم کر جاتے ہیں اور آپکی تو مخالفت ہی بہت ہے۔ میں نے سنا ہے کہ ایک پٹھان آپکی تلاش میں پھر رہا ہے۔ وہ بڑا منہ زور ہے۔ میں نے کہا، آپکا شکریہ! آج رات بیگم صاحبہ کو کہیں کہ میرا کھانا دوگنا پکائیں۔ شاید میرا کوئی مہمان آجائے۔ جب ہم مغرب کی نماز سے فارغ ہوں، تو میرے کہنے کے بغیر ہی آپ کھانا لے آئیں۔ کہنے لگے کہ بہتر، مگر مہمان کہاں سے آئے گا۔ میں نے کہا، چاہے اسی جگہ کا ہو۔ آپ کھانا ضرور لے آنا''

اب جب شام ہوئی اور آپ نماز سے فارغ ہوئے، تو فرماتے ہیں:

''تھوڑی دیر کے بعد عبد الرحمٰن خان صاحب اپنے دوست جمال الدین کو ہمراہ لے کر پہنچ گئے۔ میں نے کہا کہ یہ پانی پڑا ہوا ہے، پہلے وضو کر کے نماز پڑھ لیں۔ انہوں نے اپنے حساب کے مطابق جلدی جلدی نماز پڑھ لی۔ اخون صاحب کھانا لے آئے۔ میں نے بڑے اصرار سے ان دونوں کو بھی شامل کرلیا۔ کھانے کے بعد سوال وجواب شروع ہو گئے۔ اس طرح رات کے بارہ بج گئے۔ اخون صاحب اور ان کی اہلیہ بھی بیٹھی سنتی رہیں۔ آخر جمال الدین صاحب کہنے لگے کہ مولوی صاحب! آپ کی باتیں تو ہمارے دل میں دھنس گئی ہیں۔ اب ہم ضرور سوچیں گے''

آپ فرماتے ہیں، اگلے روز عبد الرحمٰن خان اور اس کے دوست جمال الدین سمیت چار افراد بیعت کر کے جماعت میں شامل ہو گئے۔ اس طرح پر وہ جو آپ کے خون کا پیاسا تھا، آپ کے سچے دوستوں اور ہمدردوں میں شمار ہونے لگا۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے ایسا فضل فرمایا کہ دو ماہ کے قلیل عرصہ میں بعد ہ واہ کے پینتیس افراد نے بیعت کر لی۔ ان میں اچھی خاصی تعداد پڑھے لکھے نوجوانوں کی تھی۔

(ملخص از ''میری یادیں''، صفحہ ۲۰۸ تا ۲۱۱)

تصرف الٰہی کا آٹھواں واقعہ

''خبردار! کوئی شخص اسے ہاتھ تک نہ لگائے!''

حاجی محمد الدین تہالویؓ کی آسمانی حفاظت

آسمانی حفاظت کا یہ محیرّ العقول واقعہ حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کے ایک مرید، حضرت حاجی محمد الدین صاحب تہالویؓ، کا ہے۔ آپ ان خوش بخت افراد میں سے تھے، جنہیں ۱۹۰۳ء کے سفر جہلم کے دوران حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ اس واقعہ کی روئداد کچھ اس طرح ہے کہ احمدیت قبول کرنے کے بعد آپ جب اپنے وطن واپس لوٹے، تو آپ کے علاقے کے لوگ آپ کے سخت مخالف ہو گئے، اور قتل کی دھمکیاں دینے لگے۔ جب آپ نے اس قسم کی دھمکیوں کی کوئی پرواہ نہ کی اور ثابت قدمی کے ساتھ احمدیت پر قائم رہے، تو ان لوگوں نے ایک دن آپکو واقعی قتل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کیسے معجزانہ رنگ میں آپکی نصرت فرمائی، اس بارے میں آپکی نواسی محترمہ صائمہ مریم صاحبہ (حال مقیم امریکہ) تحریر کرتی ہیں:

''ایک بار قریبی بارہ دیہات سے لوگ اس نیت سے اکٹھے ہو گئے کہ آپ کو قتل کر دیں۔ آپ نے ان سے کہا کہ اگر مارنے ہی آئے ہو، تو میں دو نفل پڑھ کر دعا کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ آپ قریبی مسجد میں چلے گئے۔ وہاں دعا میں ایسے مشغول ہوئے کہ آپ کو وقت گزرنے کا احساس تک نہ رہا۔ باہر لوگوں نے سمجھا کہ آپ ڈر گئے ہیں۔ جب کافی دیر کے بعد آپ باہر نکلے، تو ایک گھوڑسوار آتا دکھائی دیا۔ اس نے للکار کر کہا کہ 'اس شخص کو کوئی ہاتھ تک نہ لگائے'۔ وہ شخص اتنا بارُعب معلوم ہوتا تھا کہ مجمع یہ سنتے ہی منتشر ہو گیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپکی جان محفوظ رہی''

آپ کی نواسی مزید تحریر کرتی ہیں کہ آپ بتایا کرتے تھے کہ میں اس کے بعد کئی بار دیہات میں گیا ہوں، لیکن میں نے اس شخص کو، جو گھوڑے پر سوار ہو کر آیا تھا، دوبارہ نہیں دیکھا۔

(بحوالہ الفضل انٹرنیشنل لندن، مورخہ ۶/اپریل ۲۰۰۱ء)

حضرت حاجی محمد الدین تہالویؓ کا تعارف:

آپ اپنے قبول احمدیت کی داستان یوں بیان فرماتے ہیں:

''ایک مقدمہ کے سلسلے میں [۱] حضور علیہ السلام ۱۹۰۳ء میں جب جہلم تشریف لائے، تو پہلی مرتبہ میں نے آپ کی زیارت کی، جبکہ عدالت سے باہر احاطہ کچہری میں کثرت سے لوگ جمع تھے۔ آپ حلقۂ خدام کے اندر کرسی پر بیٹھ کر تقریر فرما رہے تھے اور حضرت صاحبزادہ عبداللطیف شہید صاحبؓ کابلی آپکے کلمات سن کر زور زور سے رو رہے تھے۔ میں حضور کی تقریر اور اس نظارہ سے ایسا متأثر ہوا کہ بیعت کے بغیر لوٹنا محال ہوگیا''

(بحوالہ رجسٹر روایات صحابہ، نمبر ۱۳، ص: ۱۸۴)

نیز آپکو اپنی زندگی کے آخری سالوں میں قریباً سترہ سال تک قادیان میں بطور درویش، خدمت ادا کرنے کا بھی شرف حاصل ہوا۔ عدن والے ڈاکٹر محمد احمد صاحب آپ کے صاحبزادے تھے، جو آپ کی زندگی میں ہی وفات پا چکے تھے۔ آپ کی وفات ۱۹۶۵ء میں ۸۷ سال کی عمر میں پاکستان میں ہوئی۔

☆ ☆ ☆

---

[۱] یہ وہ مقدمہ ہے، جو مولوی کرم دین نے حضرت بانیٔ سلسلہؑ پر ''ازالہ حیثیت عرفی'' کا جہلم کی عدالت میں دائر کیا تھا۔ حضورؑ کے اس سفر کی مکمل روئداد اور مقدمہ کا حال باب اوّل میں زیر عنوان ''مولوی کرم الدین کا پہلا مقدمہ ازالہ حیثیت عرفی'' بیان کی گئی ہے۔

تصرف الٰہی کا نواں نشان

''مجھے دو رکعات نماز پڑھ لینے دو''

ڈاکٹر محمد رمضان صاحب کی حفاظتِ سماوی

حفاظت سماوی کا اسی قسم کا ایک اَور واقعہ احمدیت کے ایک مخلص اور فدائی، ڈاکٹر محمد رمضان صاحب ترک، کے حق میں بھی ظاہر ہوا۔ آپ ۱۹۳۵ء میں حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کے دوسرے جانشین، حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ، کے ہاتھ پر بیعت کر کے احمدیت میں داخل ہوئے تھے۔ آپکے بارے میں محترم مولوی محمد عرفان صاحب، امیر جماعت احمدیہ صوبہ سرحد، فرماتے ہیں کہ چونکہ مرحوم فطرۃً بہت ہی سعید، مخلص اور مخیّر واقع ہوئے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے آپکے ہاتھ میں شفا بھی رکھ دی تھی، اس وجہ سے موضع ''ٹل'' (ضلع کوہاٹ) میں جہاں آپکی پریکٹس تھی، آپکی بہت شہرت ہوگئی۔ لوگ دُور دُور سے آپکے پاس آنے لگے۔ اس پر بعض مخالفین کو آپ کی یہ ہردلعزیزی بالکل پسند نہ آئی، لہٰذا انہوں نے احمدیت کو بہانہ بنا کر آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنالیا۔

یہ منصوبہ قتل کی نیت سے آنے والوں کی تمام تر تیاری کے باوجود کس طرح ناکام ہوا، مخالفین پر کیسا رعب خداوندی طاری ہوا، اور قادر مطلق خدا نے اپنی معجزانہ قدرت کا کرشمہ دکھا کر آپ کی جان کی کیسے حفاظت فرمائی، یہ ایمان افروز داستان راوی نے یوں بیان فرمائی ہے:

''ایک رات اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے وہ لوگ مسلح ہو کر آپ کے مکان پر پہنچ گئے۔ جب ان کے نوکر نے انہیں دیکھا، تو دروازہ نہ کھولا۔ مگر آپ نے ان کی نیت کو دیکھ کر نوکر سے کہا کہ دروازہ کھول دو اور انہیں بیٹھک میں بٹھاؤ۔ نوکر نے ایسا ہی کیا۔ اتنے میں ڈاکٹر صاحب موصوف بھی تیار ہو کر بیٹھک میں تشریف لے آئے اور اُن لوگوں سے کہنے لگے کہ تم مجھے قتل کرنے کے لئے ہی آئے ہو، نا! تو مجھے دو رکعات نماز نفل پڑھ لینے دو، اسکے بعد تم جو چاہو کر لینا۔ چنانچہ آپ نے انکی اجازت کیساتھ وہیں نفل پڑھنے شروع کر دئے۔ ابھی آپ سجدہ میں ہی تھے کہ ان لوگوں کو خدا جانے کیا خیال آیا کہ اٹھ کر چلے گئے۔ اس طرح پر اللہ تعالیٰ کے غیبی ہاتھ نے ڈاکٹر صاحب مرحوم کو ان کی دست برد سے بچا کر اپنی قدرت کا نشان دکھایا''

فالحمد لله علیٰ ذٰلک

(بحوالہ روزنامہ الفضل، ربوہ، مورخہ ۲۵ ستمبر ۱۹۷۳ء)

☆........☆........

ڈاکٹر محمد رمضان صاحب کا تعارف:

ڈاکٹر محمد رمضان صاحب ترک ۱۹۰۸ء میں نتھیا گلی سے پانچ میل دُور ایک گاؤں نسلی میرا میں پیدا ہوئے۔ ابھی نوجوان ہی تھے کہ عیسائی ہو گئے۔ اور بنوں کے عیسائی مشن میں رہنے لگے۔ پھر وہیں ایک باغیرت مسلمان شخص، مولوی عبدالکریم صاحب پشاوری، کی سعی بلیغ کے نتیجہ میں دوبارہ اسلام قبول کر لیا۔ ڈاکٹری پاس کر لینے کے بعد آپ نے ''ٹل''، ضلع کوہاٹ میں پریکٹس شروع کر دی۔ وہاں آپ کا تعلق مولوی یحیی الدین صاحب، جنہوں نے انہی دنوں احمدیت قبول کی تھی، سے ہو گیا۔ وہ آپ کو کوہاٹ میں مقیم مربی سلسلہ احمدیہ، مولوی چراغ دین صاحب، کے پاس لے گئے۔ چنانچہ ان کی تبلیغ نیز صوبہ سرحد کے سابق امیر، محترم قاضی محمد یوسف صاحب مرحوم، کے نیک اثر کے تحت آپ نے بالآخر ۱۹۳۵ء میں احمدیت قبول کر لی۔ احمدیت میں آ کر آپ پر اخلاص اور فدائیت کا ایک اَور ہی رنگ چڑھا۔ آپ نے ایبٹ آباد کی احمدیہ مسجد کی تعمیر کے لئے نہ صرف اپنی زمین دی بلکہ ایک ہزار روپیہ نقد اور ایک ہزار کا عمارتی سامان خرید کر کے دیا۔ نیز تعمیر کے آخری مرحلہ تک اس کی نگرانی کے فرائض بھی ادا کرتے رہے۔ ۱۹۷۳ء میں آپ کی وفات ہوئی۔ آپ نے اپنے پیچھے پانچ لڑکے اور سات لڑکیاں یادگار چھوڑی ہیں۔

☆ ☆ ☆

تصرف الٰہی کا دسواں نشان

''تیس مسلح آدمیوں کی حفاظت''

چودھری محمد شریف نوشہروی کی آسمانی حفاظت

حفاظت سماوی کا اسی قسم کا ایک اَور محیر العقول اور نرالا واقعہ احمدیت کے ایک اَور فدائی، چودھری محمد شریف صاحب نوشہروی مرحوم، کے حق میں بھی ظاہر ہوا۔ چنانچہ آپ اپنی قبولِ احمدیت کی خودنوشت داستان میں بیان فرماتے ہیں کہ

''میرے والد صاحب ۱۹۴۷ء میں پاکستان آتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔ اور میں اپنی والدہ، پانچ چھوٹے بھائیوں اور دو چھوٹی بہنوں کا واحد کفیل رہ گیا۔ ۱۹۵۳ء میں احمدیت کے خلاف فسادات میرے سامنے گذرے۔ میں کبھی کبھار دعا کیا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ احمدیت کا معاملہ میرے لئے واضح فرمادے۔ ایک رات والد مرحوم نے خواب میں آکر کہا:

'بیٹے! مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اپنے تمام دعاوی میں سچے ہیں۔ ہم تو ماننے سے رہ گئے تھے، لیکن تم ضرور قبول کر لینا' ''

آپ بتاتے ہیں، جب میں نے والدہ صاحبہ سے اپنے احمدی ہونیکی اجازت مانگی، تو وہ سخت ناراض ہوئیں اور کہا کہ میں تمہیں اپنا دودھ نہیں بخشوں گی۔ میں یہ کہہ کر کہ آپ سمجھ لیں، آپ کا ایک بیٹا تھا، جو فوت ہو گیا ہے، ربوہ چلا گیا۔ آگے فرماتے ہیں:

''جب ربوہ سے میں واپس پہنچا، تو گاؤں میں میرے 'مرزائی' ہونے کی تشہیر ہو چکی تھی۔ لوگ باتیں کرنے لگے اور مجھے واپس اپنے (دین) میں لانے کی تجویزیں کرنے لگے''

آگے یہ کہ انہیں اپنے ہی گاؤں کے مخالف لوگوں کی طرف سے کیا کیا تکلیفیں پہنچائی گئیں، اور انہیں احمدیت سے واپس لانے کیلئے کیا کیا جتن کئے گئے، اس کا تفصیلی تذکرہ ''**درویشان احمدیت**'' کی جلد اوّل کے اندر ''ینصرک رجال نوحی الیھم من السماء' کے عنوان کے تحت کیا گیا ہے۔ یہاں عنوان زیرِ بحث کی مناسبت سے اس قدر بتانا کافی ہو گا کہ گاؤں والوں کی طرف سے فساد اِس حد تک

بڑھ چکا تھا کہ آپ فرماتے ہیں، ایک رات مجھے یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ وہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے۔ چنانچہ میں نے اپنے بھائی کو نزدیکی گاؤں میں بھیجا کہ وہاں جا کر ہمارے ایک اَور عزیز کو بلا لائے۔ اس پر میرا بھائی گیا اور راتوں رات اس عزیز کو ساتھ لے کر واپس پہنچ گیا۔ آگے لکھتے ہیں:

''دوسری طرف گاؤں والوں نے اس راستہ پر، جو میرے گھر کو جاتا تھا، ایک آدمی بٹھا دیا، تا انہیں معلوم ہو جائے کہ کتنے لوگ میری مدد کے لئے آئے ہیں۔ اس آدمی نے رپورٹ دی کہ تیس مسلح آدمی میرے گھر آئے ہیں''

آگے فرماتے ہیں کہ وقت اسی طرح گذرتا چلا گیا اور کوئی بدمزگی پیدا نہ ہوئی، یہاں تک کہ میں خود ہی حالات کی تنگی کی وجہ سے گاؤں چھوڑ کر محمود آباد اسٹیٹ (واقع سندھ) میں چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے یاوری فرمائی اور وہاں پہنچ کر میری مالی حالت اچھی ہو گئی۔ تاہم تیس مسلح آدمیوں کی رپورٹ، جو میرے گاؤں کے لوگوں کو ان کے جاسوسی پر مقرر کردہ آدمی نے پہنچائی تھی، میرے لئے عقدۂ لاینحل بنی رہی، یعنی یہ کہ وہ کون لوگ تھے، کب اور کیسے آئے تھے اور کس کے کہنے پر آئے تھے۔ حتیٰ کہ آپ فرماتے ہیں:

''کچھ عرصہ بعد جب میں گاؤں گیا، تو اس شخص سے جس کو گاؤں والوں نے میری نگرانی کے لئے راستہ میں بٹھایا تھا، میں نے پوچھا کہ سچ سچ بتاؤ، اس رات کتنے آدمی میرے گھر آئے تھے۔ وہ کہنے لگا کہ تیس آدمی قطار میں بندوقیں کندھوں سے لگا کر آرہے تھے۔ میں نے گنتی کی تھی۔ آگے آگے آپ کا بھائی جا رہا تھا۔ میں نے کہا: 'خدا کی قسم! اُس دن میرے پاس صرف میرا ایک بھائی اور ایک عزیز آیا تھا'۔ اس کی یہ بات سن کر مجھے یقین ہو گیا کہ وہ میرے رب کی طرف سے غیبی امداد تھی''

(ملخص از الفضل انٹرنیشنل، لندن، مورخہ ۱۰ مئی ۲۰۰۲ء

بحوالہ روزنامہ الفضل ربوہ، مورخہ ۲ جولائی ۲۰۰۱ء)

☆ ☆ ☆

تصرف الٰہی کا گیارھواں واقعہ

''خدا کی نصرت غیبی نے ایک داعی الی اللہ کی جان بچائی''

سنگا پور میں ایک بندۂ خدا کے لئے آسمانی نصرت کا نزول

ذیل کا واقعہ حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کی روحانی فوج کے ممالک غیر میں متعین ایک سپاہی کے حق میں نازل ہونے والی نصرت الٰہی سے تعلق رکھتا ہے ،یعنی بتاتا ہے کہ جب ایک موقع پر ان کے دشمن انہیں ادھ موآ کر کے چلے گئے ،تو پھر کس طرح ایک اجنبی ملک میں خدا کی نصرت ان کی جان بچانے کے لئے غیب سے پہنچ گئی۔ قدرت خداوندی کا یہ نشان ، جو سلسلہ کے مبلغ ،حضرت مولانا غلام حسین صاحب ایاز ، کے حق میں نازل ہوا، اُس وقت کا ہے جب خدا کا یہ بندہ خدا کے دین کی خاطر اپنے وطن سے بہت دور ایک غیر ملک ۔سنگا پور۔ میں دعوت الی اللہ کا مقدس فریضہ بجا لا رہا تھا۔ مرکز سلسلہ کی طرف سے بطور مبلغ اسلام بھجوائے جانے والے اور خدا کے دین کی خاطر اپنے عزیز و اقارب کو چھوڑ کر دیار غیر میں آنیوالے اس داعی الی اللہ پر کیا بیتی اور خود اسلام کے نام لیواؤں نے آپکی تبلیغ میں روک ڈالنے بلکہ آپکو جان سے مار ڈالنے کیلئے کیا منصوبہ بنایا، اسکی مکمل روئداد جیسا کہ مبلغ سلسلہ ،مکرم مولوی محمد صدیق صاحب فاضل امرتسری، نے اپنی ''روح پرور یادوں'' میں بیان فرمائی ہے، ذیل میں درج کی جاتی ہے۔آپ تحریر فرماتے ہیں:

''۱۹۴۱ء کا ذکر ہے کہ ایک روز سنگاپور کی جامع مسجد میں ایک ہندوستانی عالم، عبدالعلیم صدیقی ، کا لیکچر تھا۔ سنگاپور احمدیہ مشن کے پہلے مبلغ انچارج ،مکرم مولانا غلام حسین صاحب ایاز مرحوم ،کو جب اس جلسہ کا علم ہوا، تو آپ بھی دو تین مقامی احمدیوں کو ساتھ لے کر وہاں پہنچ گئے۔ مولوی عبدالعلیم صدیقی نے دوران تقریر جب یہ کہا کہ 'مرزائیوں کا قرآن اَور ہے، وہ نہیں جو کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا تھا'، تو مکرم مولانا غلام حسین صاحب ایاز بڑی جرأت سے مجمع میں کھڑے ہو گئے اور سب کے سامنے اپنے بیگ سے قرآن کریم نکال کر مولوی صدیقی کو چیلنج کیا کہ 'دیکھو! یہ ہے ہمارا قرآن کریم۔ آپ اپنا قرآن کریم نکال کر

مقابلہ وموازنہ کرلیں۔اگر ذرہ بھر بھی فرق ہو، تو بیشک ہمیں ملزم اور کافر قرار دیں۔ورنہ اس صریح غلط بیانی سے باز رہیں‘‘

آگے فرماتے ہیں:

’’مولوی صدیقی جو پہلے ہی مجمع کو مشتعل کر چکا تھا، مولانا ایاز صاحب کا مطالبہ سن کر بجائے اپنی غلطی تسلیم کرنے کے اَور بھی بپھرا اور پبلک کو مزید اشتعال دیتے ہوئے کہنے لگا کہ یہ شخص کافر اور مرتد ہے اور اسلام میں اس کی سزا قتل ہے۔کوئی ہے، جو مسلمانوں کو اس کافر سے نجات دلائے۔اس پر مجمع میں سے بعض لوگوں نے مکرم مولانا ایاز صاحب کو وہیں پر مارنا پیٹنا شروع کر دیا اور ادھموآ کر کے پھر انہیں گھسیٹتے ہوئے مسجد کی سیڑھیوں تک لے گئے اور وہاں سے دھکا دیکر نیچے گرا دیا۔وہاں سے سطح زمین بارہ چودہ فٹ نیچی تھی۔چنانچہ آپ سر کے بل گرے اور لڑھکتے ہوئے سڑک پر جا پڑے اور پھر گرتے ہی بیہوش ہو گئے‘‘

اب یہ ایسی صورت تھی کہ آپ کے بچنے کی کوئی امید نہ تھی۔رات کا وقت تھا۔ملک اجنبی تھا۔باشندے اجنبی تھے۔اور جن مسلمانوں سے ہمدردی کی کچھ امید ہو سکتی تھی، وہ انہیں اپنی طرف سے مار کر گھروں کو جا چکے تھے۔خود آپ کے احمدی ساتھیوں کو بھی مارا پیٹا گیا تھا اور وہ اپنی جانیں بچا کر موقع سے بھاگ گئے تھے۔ظاہر ہے کہ اگر آپ اسی حالت میں زیادہ دیر تک پڑے رہتے، تو آپ کی موت کا واقع ہو جانا یقینی امر تھا۔مگر اللہ تعالیٰ نے اُس وقت ایک ایسے شخص کو آپ کے لئے فرشتۂ رحمت بنا کر بھیج دیا، جس کا عام حالات میں وہاں سے گذرنا بعید از قیاس تھا۔وہ فرشتۂ رحمت کون تھا اور کیسے وہاں پہنچا، اس کے بارے میں مکرم مولانا امرتسری صاحب مرحوم رقمطراز ہیں:

’’چنانچہ مولانا صاحب اسی بیہوشی کے عالم میں سڑک کے ایک طرف پڑے رہے۔نہ کسی نے پولیس کو اطلاع دی اور نہ خود اٹھا کر ہسپتال پہنچایا۔اس اثنا میں ایک احمدی فوجی افسر، کرنل تقی الدین صاحب، جو وہاں کی انگریزی فوج میں کرنل تھے، اپنے کسی کام کے سلسلے میں اپنی فوجی جیپ میں کہیں جاتے ہوئے وہاں سے گزر پڑے۔انہوں نے جونہی سڑک پر ایک شخص کو بیہوش دیکھا، تو محض انسانی ہمدردی کے جذبہ سے اپنی جیپ روک لی۔وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ یہ تو ان کے اپنے دینی بھائی مولانا غلام حسین صاحب ایاز

ہیں۔ چنانچہ انہوں نے فوری طور پر آپ کو جیپ میں ڈالا اور ہسپتال پہنچایا۔ جہاں ایک لمبا عرصہ زیر علاج رہنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحت اور زندگی عطا فرمائی‘‘

فالحمد لله على ذٰلک

........☆........

حضرت مولانا غلام حسین صاحب ایاز کا تعارف:

حضرت مولوی محمد حسین صاحب ایاز سلسلہ عالیہ احمدیہ کے ایک فدائی اور نڈر مبلغ تھے۔ آپ کو سنگاپور کا پہلا مبلغ ہونے کا فخر حاصل ہے۔ آپ کی زندگی میں ہی سنگاپور میں ایک مضبوط جماعت قائم ہوگئی تھی۔ تاہم خلافت رابعہ کے دور میں اس میں مزید جلا پیدا ہوئی۔ حضورؒ نے ۱۹۸۳ء میں اپنے دورۂ بلاد شرقیہ بعیدہ کے دوران اس ملک کا پہلی بار دورہ فرمایا۔ اور وہاں ایک شاندار مسجد کا سنگ بنیاد رکھا۔ جو اس وقت تعمیر ہوکر ان مبلغینِ سلسلہ کی قربانیوں کی یاد دلا رہی ہے، جنہوں نے ابتدائی ایام میں اپنے خونوں سے اس ملک میں احمدیت کی تاریخ رقم کی۔ جولائی ۱۸۸۹ء میں حضورؒ کے دوسرے دورہ کے وقت سنگاپور کی جماعت میں مزید جلا پیدا ہوئی۔

محترم مولانا ایاز صاحب مرحوم کی اولاد میں آپ کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا ہیں۔ سب سے بڑی بیٹی، مکرمہ خیرا لنساء صاحبہ، سلسلہ کے ایک فدائی، ملک عبداللطیف ستکوہی صاحب (مالک مقبول پیپر مارکٹ، لاہور) سے بیاہی گئیں، جبکہ چھوٹی بیٹی امۃ النصیر بیگم صاحبہ، لاہور کے ہی ایک اور احمدی دوست ندیم احمد کے ساتھ بیاہی گئیں۔ اول الذکر کے آگے سات بیٹے ہیں اور وہ اس وقت لاہور میں پیپر ملوں کے مالک ہیں۔ آپ کا بیٹا، عزیزم نسیم احمد ایاز، گذشتہ تیس سال سے جرمنی میں مقیم ہے۔ خاکسار نے جب ان سے اپنے والد مرحوم و مغفور کے حالات دریافت کرنے کیلئے رابطہ کیا، تو انہوں نے بتایا کہ ابا جان کو جب مذکورہ بالا حادثہ پیش آیا تھا، اُس وقت مَیں سات سال کا تھا۔ مزید بتایا کہ ابا جی کی وفات کے بعد ایک بار ربوہ میں سنگاپور کے رہنے والے ایک ہندوستانی دوست محمد علی آئے اور مجھے بھی ملے۔ وہ بتاتے تھے کہ وہ اس حادثہ کے وقت اس مسجد میں جسے مسجد سلطان کہا جاتا ہے، موجود تھے۔ آپ کو زدوکوب کرنے کے بعد مسجد کی دوسری منزل سے نیچے گرادیا گیا، جسکے نتیجے میں آپکے سر کی ہڈی اور ایک بازو بھی ٹوٹ گیا تھا۔ اُس وقت وہ (محمد علی صاحب) غیر احمدی تھے۔ بعد میں انہوں نے بھی احمدیت قبول کر لی۔ گویا دشمن کا منصوبہ ناکام ہوکر احمدیت کے فروغ کی صورت میں شیریں پھلوں سے لادا گیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک!

(حضور رحمہ اللہ تعالیٰ کا پہلا دورہ سنگاپور: از ۸ تا ۱۴ ستمبر ۱۹۸۳ء۔ دوسرا دورہ: از ۱۸ تا ۲۴ جولائی ۱۹۸۹)

☆ ☆ ☆

تصرف الٰہی کا بارھواں واقعہ

ایک عیسائی عورت کا دام تذویر اور

ایک 'داعی الی اللہ' کی آسمانی حفاظت

ممالک غیر میں ایک اَور داعی الی اللہ کو قتل کرنے کی کوشش کیسے ناکام ہوئی، اور اللہ تعالیٰ نے اس کی جان کیسے محفوظ رکھی، یہ واقعہ جو حضرت مولانا محمد صدیق صاحب فاضل امرتسری نے خود اپنے بارے میں اپنی کتاب ''روح پرور یادوں'' میں بیان فرمایا ہے، اُس وقت کا ہے، جب آپ حضرت مولوی نذیر احمد علی صاحب کے دورِ امارت میں سیرالیون پہنچے تھے۔ حضرت مولانا علی صاحب کی تبلیغ اور دعاؤں کے نتیجہ میں جب سیرالیون کے ایک پیراماؤنٹ چیف مسٹر بائیو (Bayo) مسلمان ہو گئے اور ان کے ساتھ انکی ریاست کے پانچ صد افراد نے بھی اسلام قبول کرلیا، تو ان کی تعلیم و تربیت کیلئے ایک اضافی مبلغ کی ضرورت محسوس ہوئی، جس پر آپ کو جو اُس وقت انگلستان میں تھے، مرکز سے ارشاد موصول ہوا کہ آپ بلا تاخیر سیرالیون پہنچ جائیں۔ آپ کو وہاں پہنچے ہوئے ابھی چند ماہ ہی ہوئے تھے کہ فرماتے ہیں:

''جون ۱۹۴۰ء کا ذکر ہے کہ ٹونگے (Tongay) سیرالیون، میں خاکسار سے چند نوجوان طالب علم قرآن کریم پڑھا کرتے تھے۔ اور میری نگرانی میں ہی ایک علیحدہ عمارت میں مقیم تھے۔ ان میں موسیٰ فولانامی ایک نوجوان اکثر دوسروں سے کوئی نہ کوئی جھگڑے کی صورت پیدا کئے رکھتا تھا۔ تاہم اسکے خاندان کے لوگوں کی شرافت اور احمدیت سے تعلق کی وجہ سے مَیں اسے اپنے ساتھ رکھنے پر مجبور تھا''

آگے فرماتے ہیں:

''میرا قیام لوکل احمدی پیراماؤنٹ چیف بائیو کے بنگلے کے ہی ایک حصے میں تھا۔ ایک روز اس لڑکے نے موقع پاکر چیف بائیو کی ایک عیسائی بیوی کی مدد سے، جس کے ساتھ اسکا پوشیدہ تعلق تھا، چیف کی ایک بیش قیمت گھڑی چرالی۔ چیف بائیو نے لڑکے سے گھڑی برآمد کرا لینے کے بعد مجھے پیغام بھیجا کہ وہ مجرم کو پولیس کے حوالے کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے اس میں کچھ تردّد کیا اور لڑکے کو محض وعظ و نصیحت اور تنبیہ کرنے پر اکتفا کی، کیونکہ میرے نزدیک اس لڑکے میں بعض خوبیاں بھی اُبھر رہی تھیں، اور وہ بڑا ذہین اور ہوشیار تھا، اور مَیں

نہ چاہتا تھا کہ وہ ضائع ہو جائے“

آگے اس لڑکے نے کیا شرارت کی اور چیف کی اسی عیسائی بیوی کے ساتھ مل کر آپکو ہلاک کرنے کی کیا کوشش کی، یہ روئداد بتاتی ہے کہ دیارِ غیر میں بالخصوص افریقہ کی ان پسماندہ اقوام کے اندر تبلیغ کا کام کتنا مشکل ہے اور ہمارے مبلغین کی کتنی بڑی قربانی ہے کہ وہ محض خدا کی خاطر اپنی جانوں کو خطرے میں ڈال کر انہیں دعوت حق پہنچا رہے ہیں۔ کیا ہمارے ملک کے وہ علماء، جن کا کام محض ایک کلمہ گو جماعت کو دائرۂ اسلام سے خارج کرنا رہ گیا ہے، انہوں نے بھی ان ممالک میں جا کر کسی ایک کافر کو مسلمان بنانے کی کوشش کی؟ اب اصل موضوع کی طرف لوٹتے ہوئے مولانا محمد صدیق صاحب کا بیان کردہ واقعہ درج کیا جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

”اس کے بعد چیف نے مجھے پیغام بھیجا کہ یا تو مَیں سرِ عام اس لڑکے کو کم از کم دس بید لگاؤں یا فوراً اسے ان کی ریاست سے باہر بھیج دوں۔ (اس پر) میں نے چیف کی پولیس کے ایک کانسٹیبل اور دوسرے طالبعلموں کی موجودگی میں اس لڑکے کو سزا دلوا دی اور بعد میں اسے اچھی طرح سمجھا دیا کہ اسے مجبوراً محض اس کی بہتری کیلئے سزا دی گئی ہے۔ اور یہ کہ جرم کے بعد سزا تو بہر حال بھگتنی ہی پڑتی ہے۔ اب وہ اپنی اصلاح کر کے گزشتہ بدنامی کا داغ دھو ڈالے۔ اس طرح بات آئی گئی ہوگئی اور چیف بائیو صاحب بھی خوش ہو گئے۔ لیکن ان کی اس عیسائی بیوی نے موقع پا کر از راہِ شرارت اس لڑکے کو میرے خلاف اکساتے ہوئے کہا کہ تمہیں بید لگانے میں میرے خاوند (یعنی چیف بائیو) کا ہرگز کوئی دخل نہیں تھا، دراصل تمہارے استاد خود در پردہ تمہارے دشمن ہیں۔ انہوں نے محض چیف کو خوش کرنے کیلئے از خود تمہیں سرِ عام سزا دیکر تکلیف پہنچائی اور بدنام کیا ہے۔ آؤ ہم دونوں مل کر کسی طریق سے اس احمدی مبلغ کو ختم کر کے اپنے رستہ سے ہٹا دیں“

آپ فرماتے ہیں، یہ عورت اُسی امریکن مشن کی تعلیم یافتہ تھی، جو اُس ریاست میں احمدیت کے فروغ پا جانے کے بعد اس سال مجبوراً بند کر دیا گیا تھا، اور جسکے عیسائی ممبران اب ہر قیمت پر ہمیں دکھ دینے اور نقصان پہنچانے پر تلے ہوئے تھے۔ آگے فرماتے ہیں:

”ان ایام میں میرا کھانا بھی طالب علم ہی پکایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک روز جبکہ ایک طالب

علم، عزیز عقیل تیجان، میرے لئے کھانا تیار کر رہا تھا، اس لڑکے موسیٰ فولا نے چیف کی اسی (عیسائی) بیوی کی مدد اور مشورہ سے ایک نہایت زہریلی بوٹی کا تیل ہنڈیا میں ڈال دیا، جس سے پیٹ پھول جاتا اور مریض پانی پی پی کر ایک ماہ کے اندر اندر مر جاتا ہے‘‘

آپ فرماتے ہیں، اس قسم کے جرائم میں وہاں کی عورتیں مردوں کی نسبت زیادہ ماہر ہوتی ہیں اور ایسی خطرناک جنگلی بوٹیوں کا زیادہ علم رکھتی ہیں۔ آگے یہ بتاتے ہوئے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اس عیسائی عورت کے اس منصوبہ کو ناکام بنا کر آپ کی جان کو محفوظ رکھا، فرماتے ہیں:

’’عزیز عقیل تیجان نے اچانک موسیٰ فولا کو یہ حرکت کرتے ہوئے دیکھ لیا اور فوراً آکر مجھے رپورٹ کر دی کہ موسیٰ نے کوئی مشکوک چیز ہنڈیا میں ڈال دی ہے۔ چنانچہ تحقیق کرنے پر موسیٰ نے سارا راز کھول کر اپنے جرم کا اعتراف کر لیا کہ میں نے چیف کی اس عیسائی بیوی کے اکسانے پر ایسا کِیا تھا، جس کو یہ شکایت ہے کہ احمدی مبلغین نے اس کے خاوند چیف بائیو کو عیسائیت سے ہٹا کر ایک نئی مذہبی ڈگر (یعنی اسلام) پر ڈال دیا ہے‘‘

آپ فرماتے ہیں، تاہم میں نے اس نامناسب واقعہ کو پیراماؤنٹ چیف بائیو سے مخفی رکھنا ہی مناسب خیال کِیا اور اس کے بعد خاموشی سے دو لڑکوں کے ساتھ موسیٰ فولا کو ہمسایہ ریاست میں اس کے خاندان کے پاس بھیج دیا۔ جس طالبعلم یعنی عقیل تیجان نے آپ کو اس خطرناک منصوبے سے قبل از وقت آگاہ کر کے اپنے اخلاص اور وفاداری کا ثبوت دیا تھا، اس کے بارے میں آپ فرماتے ہیں کہ اسے اللہ تعالیٰ نے یوں نوازا کہ وہ دو تین سال آپ سے دینیات، عربی اور انگریزی کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ کی سفارش پر گورنمنٹ ٹیچرز ٹریننگ کالج مکبورکا میں داخل کر لیا گیا، جہاں سے فارغ ہونے کے بعد وہ آپ کی زیر نگرانی پہلے کئی احمدیہ پرائمری سکولوں میں بطور ہیڈ ٹیچر کام کرتا رہا اور پھر اسی ریاست (ٹونگے) میں ایک احمدیہ ہائی سکول کا ہیڈ ماسٹر لگ گیا۔ **فالحمد للہ علیٰ ذٰلک**

(ملخص از ’’روح پرور یادیں‘‘۔ ص۲۴۳ تا ۲۴۵)

........☆........

پیراماؤنٹ چیف بائیو کا تعارف:

پیراماؤنٹ چیف بائیو پہلے عیسائی تھے۔ اچانک وہ ایک مزمن بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ جب مولانا نذیر احمد علی صاحب نے انہیں اسلام کا پیغام پہنچایا، تو انہوں نے آپکا اپنے ہیڈ پادری ریورنڈ لیڈر (Leader) سے برسرعام

مباحثہ کروایا۔اس مباحثہ میں عیسائیوں کو بُری طرح شکست ہوئی ،جس پر چیف نے حضرت مولانا صاحب سے کہا کہ وہ اور انکی ریاست کے دیگر لوگ بھی اسلام قبول کرلیں گے، بشرطیکہ آپ انکی صحتیابی کا ذمہ لے لیں۔آپ نے یہ شرط منظور کرلی اور دعاؤں میں مصروف ہو گئے۔ نیز مقامی احمدیوں کو بھی دعا کیلئے کہا۔اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں بھی دعا کیلئے لکھ دیا۔اللہ تعالیٰ کا ایسا فضل ہوا کہ چند دنوں کے اندر اندر بعض معمولی دوائیوں کے استعمال سے چیف موصوف کوافاقہ ہونا شروع ہوگیا۔ وہ پہلے چل بھی نہ سکتے تھے۔اب انہوں نے چلنا شروع کر دیا۔ جب انکی صحت خاصی سنبھل گئی ،تو انہوں نے خود ہی اسلام قبول کرنے کی خواہش کی، جسے حضرت مولانا موصوف نے اس شرط پر مرکز میں بھیجنا منظور کیا کہ وہ شراب ترک کر دینگے ، نیز چار سے زائد بیویاں بھی چھوڑ دینگے۔ چیف بائیو نے ان شرائط کو خوشی سے قبول کیا۔ چنانچہ ان کی بیعت حضور کی خدمت میں بھجوادی گئی ۔حضورؓ نے ان کی بیعت قبول فرماتے ہوئے ان کا اسلامی نام صلاح الدین رکھا۔

☆ ☆ ☆

تصرف الٰہی کا تیرھواں واقعہ
''موت گھوڑے کے سموں تلے کچلی گئی''

اللہ تعالیٰ کی لا محدود قدرتوں کا عظیم شاہکار

۱۹۷۴ء میں پاکستان کے اندر جماعت احمدیہ کے خلاف اٹھنے والے ملک گیر خونی فسادات کے وقت جب معصوم احمدیوں کیساتھ خون کی ہولی کھیلی جارہی تھی اور جب حکومت بجائے انکی جانوں اور اموال کا تحفظ کرنے کے خاموش تماشائی بنکر تماشا دیکھ رہی تھی ،تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے ایک مربیٔ سلسلہ ،مکرم مولوی عبدالوہاب احمد صاحب شاہد، جواُن ایام میں ضلع ساہیوال میں بطور مربی سلسلہ متعین تھے، کے حق میں غیبی حفاظت کا ایک ایسا کرشمہ دکھایا، جسے سوائے اسکے کہ خدا کی لامحدود قدرتوں کا عظیم شاہکار قرار دیا جائے ،اسکی کوئی اَور توجیہ ممکن نہیں ۔ یاد رہے ،یہ وہ ایام تھے جب فسادات زوروں پر تھے ،اور مربیانِ سلسلہ جہاں بھی تھے ،اپنی بساط کے مطابق اور اپنی جانوں کو ہتھیلی پر رکھ کر احمدی گھروں کی حفاظت میں کوشاں تھے۔اس سلسلہ میں برادرم عبدالوہاب صاحب ،، حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ سے اپنی ایک ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ایک مرتبہ یہ عاجز حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا،تو آپ نے

فرمایا۔ ’چودھری مسعود احمد باجوہ صاحب، نائب امیر ضلع، کہتے ہیں کہ اپنے مربی سلسلہ مولانا عبدالوہاب صاحب کو سمجھائیں کہ وہ احتیاط کیا کریں۔ یہ اپنے آپکو بڑے بڑے خطرات میں ڈال دیتے ہیں، کیا کرتے ہیں آپ؟‘ عاجز نے عرض کی، ’حضور جہاں اِکا، دُکا احمدی گھروں کو جلوس والے گھیرے میں لے لیتے ہیں، وہاں ان کی تسلی کیلئے پہنچتا ہوں اور انکی حفاظت کی کوشش کرتا ہوں۔ یہ سن کر حضور نے دعا دی اور فرمایا: ’وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ۔ اللہ آپ کیساتھ ہو اور آپ کا محافظ ہو۔ میری دعائیں آپکے ساتھ ہیں‘ ‘‘[۱]

آگے جس طرح آپنے اپنے آقا کی دعا کا اعجازی نشان دیکھا، اس بارے میں فرماتے ہیں:

’’ایک دفعہ، ڈاکٹر چودھری محمد نواز صاحب اور چودھری عبدالستار صاحب، سینٹری انسپکٹر [۲] پر حملہ کی خبر پا کر میں حویلی لکھا پہنچا۔ بس پر سے اترتے ہی مجھے ایک جلوس نے گھیر لیا اور چاروں طرف سے آوازیں آنے لگیں: ’اسکی تکا بوٹی کر دو، جنت تمہاری ہے‘۔ میں بھی اپنا یہ آخری وقت جان کر کلمۂ شہادت پڑھنے اور درود شریف کا ورد کرنے لگا۔ اِدھر ’جنت کے امیدواروں‘ نے سنگ باری شروع کر دی۔ عین اُس وقت میری زبان سے یہ کلمات نکلے کہ ’اے اللہ! تیرے سوا میرا کون ہے۔ آج موت کے منہ سے نکال کر اپنے قادر اور محیی ہونے کا نشان دکھا‘!

تقدیر یہی ہے تو تقدیر بدل دے ☆ تو مالک تحریر ہے تحریر بدل دے‘‘

اس کے بعد کیا ہوا اور تقدیر خداوندی نے تدبیر انسانی پر کیسے غلبہ پایا، یہ ایمان افروز داستان، جیسا کہ

---

[۱] مکرم مولانا عبدالوہاب صاحب نے خاکسار راقم الحروف کو جرمنی میں ایک ملاقات کے موقع پر اپنی اس ’’کوشش‘‘ کی تفصیل یوں بتائی کہ میں بعض احمدی نوجوانوں کو ساتھ لیکر اور بھیس بدل کر ان جلوسوں میں خود شامل ہو جایا کرتا تھا اور پھر حسب حالات اور ضرورت اپنے آدمیوں کی مدد کرتا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک بہت بڑا خطرہ مول لینے کے مترادف تھا۔

[۲] ڈاکٹر چودھری محمد نواز صاحب ان دنوں بطور میڈیکل پریکٹیشنر حویلی لکھا میں پریکٹس کرتے تھے۔ آپ ۱۶ سال تک امیر ضلع اوکاڑہ رہے۔ اِس وقت آپ قصور میں پریکٹس کر رہے ہیں جبکہ دوسرے دوست، چودھری عبدالستار صاحب، حویلی لکھا میں سینٹری انسپکٹر تھے اور اُن ایام میں نئے نئے احمدی ہوئے تھے۔ اِس وقت آپ حویلی لکھا کی جماعت احمدیہ کے سیکرٹری مال اور زعیم مجلس انصار اللہ ہیں۔

اخبار الفضل انٹرنیشنل، مورخہ ۱۳ جون ۲۰۰۳ء، میں دیئے گئے اپنے بیان میں آپ نے بتائی ہے، سننے کے قابل ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''یہ الفاظ ابھی میری زبان پر آئے ہی تھے کہ ایک جھٹکے کیساتھ کسی غیر مرئی چیز نے مجھے اٹھا کر ایک تانگے پر پھینک دیا۔ مجھے اب تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ تانگہ اُس وقت کہاں سے اور کیسے نمودار ہوا تھا، لیکن بغیر اسکے کہ میں کچھ کہتا، وہ سرپٹ دوڑتا اور جلوس کو چیرتا ہوا چلتا چلا گیا۔ ادھر ہر طرف چیخ وچنگھاڑ ہونے لگی۔ کوئی ادھر گرتا جا رہا تھا اور کوئی ادھر گرتا جا رہا تھا۔ مجھے یوں لگا، جیسے موت جو میرے جسم کے چیتھڑے اڑا دینے اور بزعم خویش جلوس کے جیالوں کے لئے 'جنت کے دروازے کھولنے' کا اعلان کر چکی تھی، اب گھوڑے کے سموں تلے کچلی جا رہی ہے۔ اور یقیناً کچلی گئی۔ کیونکہ تانگہ بان نے آن کی آن میں مجھے 'وساوے والا' میں مکرم میاں محمد جہانگیر خان وٹو صاحب [۱] کے گھر پہنچا دیا''

یوں ایک کمزور اور نحیف زندگی موت کی خون آشام کچلیوں سے نجات پانے میں کامیاب ہوگئی۔ اب جب آپ اندر پہنچے، تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ منجملہ دیگر احمدی احباب کے، جو اُن خطرناک حالات میں اپنی حفاظت کی خاطر وہاں جمع ہو چکے تھے، وہ دونوں احمدی دوست بھی، جن کی جانیں بچانے کی خاطر آپ نے اتنا بڑا خطرہ مول لیا تھا، مع اہل خانہ وہاں موجود ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''مَیں انہیں وہاں دیکھ کر اَور بھی حیران ہوا اور خدا کا شکر بجا لایا۔ تاہم اب یہ اطمینان ہو جانے پر کہ جس مقصد کیلئے آیا تھا، وہ تو پورا ہو گیا ہے، میں اس عجیب، دلآویز مگر محیر العقول منظر کا، جو میری آنکھوں کے سامنے تھوڑی دیر پہلے پیدا ہوا تھا، تصور کر کے دل ہی دل میں اپنے قادر مطلق خدا کے حضور تشکر کے جذبات میں گم ہو گیا''

یہ کہ وہ تانگے والا کون تھا، کہاں سے آیا تھا اور اسے کس نے عین اُس موقع پر کہ جہاں خدا کے ایک بندہ کے گرد موت گھیرا ڈالے کھڑی تھی، بھجوا دیا، اس بارے میں آپ فرماتے ہیں:

---

[۲] میاں محمد جہانگیر صاحب وٹو، ایک مخلص احمدی اور ضلع اوکاڑہ کے سرکردہ زمیندار تھے۔ اور اب وفات پا چکے ہیں۔ منظور وٹو صاحب، جو نواز شریف کے عہد حکومت میں پنجاب کے وزیر اعلیٰ رہے، آپ ہی کے بیٹے ہیں، مگر افسوس ہے کہ وہ دنیاوی جاہ وحشمت کی خاطر احمدیت سے اپنا تعلق توڑ چکے ہیں۔

''اس سارے واقعہ کی توجیہ جیسے اُس وقت میرے لئے معمہ تھی، آج بھی معمہ ہے۔ یعنی میں آج تک نہیں سمجھ سکا کہ وہ رحمت کا فرشتہ بن کر آنے والا تانگہ بان کون تھا اور کہاں سے آیا تھا، یا اسے کس نے بھیجا تھا، کیونکہ خود مکان پر موجود مقامی احمدی احباب بھی اسے نہ جانتے تھے۔ میرا ماجرا سن کر وہ خود حیران تھے اور سب یہی کہنے لگے کہ اس رنگ اور حلیے کا اس علاقے میں نہ تو کوئی تانگہ ہے، نہ تانگے والا۔ زیادہ حیرت اس بات سے بھی ہوئی کہ جب میں نے اس تانگہ بان کو کرائے کے پیسے دینے چاہے، تو اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ نام و پتہ پوچھا کہ بعد میں جا کر شکریہ ادا کر دوں گا، تو اس نے جواب دیا، میرا کوئی نام و پتہ نہیں، میں نے جو کام کرنا تھا، یا یہ کہا کہ جو کام میرے سپرد تھا، وہ میں نے کر دیا ہے، اور بس۔ اور پھر تلاش بسیار کے باوجود آج تک وہ تانگے والا کہیں دکھائی نہیں دیا۔ دل یقین کی آواز سے کہتا ہے کہ یہ آقا کی دعا کا معجزہ اور قادر خدا کا بھیجا ہوا کوئی فرشتہ تھا۔ اور بس''

(بحوالہ اخبار الفضل انٹرنیشنل، مورخہ ۱۳ جون ۲۰۰۳ء)

☆........

مکرم مولانا عبدالوہاب صاحب شاہد کا تعارف:

برادرم مکرم مولوی عبدالوہاب صاحب، ۱۹۶۷ء میں جامعہ احمدیہ سے ''شاہد'' کی ڈگری لینے اور کچھ عرصہ پاکستان کی جماعتوں میں بطور مربی کام کرنے کے بعد ۱۹۷۶ء میں تنزانیا (مشرقی افریقہ) میں تشریف لے گئے اور دس سال تک اعلاء کلمۃ اللہ کا فریضہ ادا کرنے کے بعد واپس تشریف لے آئے۔ مذکورہ بالا واقعہ ان کے تنزانیا جانے سے پہلے کا اور ۱۹۷۴ء میں جماعت کے خلاف اٹھنے والے ملک گیر فسادات کے دوران کا ہے۔ اُس وقت آپ اوکاڑہ، ضلع ساہیوال، میں ضلع کے مربی تھے۔ نیز انہوں نے ۲۰۰۴ء کے جلسہ سالانہ جرمنی کے موقعہ پر جب آپ بطور مرکزی نمائندہ تشریف لائے، خاکسار کی خواہش پر اپنا یہ واقعہ زبانی بھی سنایا۔ ساتھ ہی آپ نے مکرم چودھری محمد نواز صاحب، امیر صاحب ضلع، کا اس پر دلچسپ تبصرہ بھی سنایا، جو انہوں نے آپ کی زبانی یہ واقعہ سن کر اس پر کیا۔ انہوں نے کہا:

''وہ تانگے والا ملتا کیسے؟ وہ تو حضور کی دعاؤں سے کوئی فرشتہ غیب سے مولانا وہاب صاحب کو موت کے منہ سے نکالنے آیا تھا اور پھر چلا گیا''

☆ ☆ ☆

تصرف الٰہی کا چودھواں نشان

''ڈاکو ہمیں گھسیٹ کر نہ لے جا سکے''

حفاظت سماوی کی ایک اَور محیر العقول داستان

اب مولانا عبدالوہاب صاحب شاہد ہی کا بیان کردہ حفاظت غیبی کا ایک اَور معجزانہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے، جو پاکستان کے اندر رونما ہوا اور جس میں خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کا ایک اَور رنگ دکھایا۔ اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

''جنوری ۱۹۹۱ء کی بات ہے کہ خاکسار محترم سید احمد علی شاہ صاحب (ایڈیشنل ناظر اصلاح و ارشاد مقامی۔ ناقل) کے ہمراہ صوبہ سندھ میں ضلع نواب شاہ اور ضلع سکھر کی جماعتوں کے سالانہ جلسوں میں بطور مرکزی نمائندہ شریک تھا۔ ان ضلعی جلسوں کے علاوہ مکرم ہدایت اللہ صاحب، صدر جماعت احمدیہ مسن باڈہ، نے اپنے ہاں مقامی طور پر بھی ایک جلسے کا پروگرام رکھ لیا۔ چنانچہ ہم ۹ جنوری کو مسن باڈہ (ضلع لاڑکانہ) میں پہنچ گئے۔ جلسہ کا پروگرام مغرب و عشاء کی نمازوں کے بعد شروع ہونا تھا۔ مگر عشاء کی نماز سے فارغ ہوتے ہی یکدم شور پڑ گیا کہ ڈاکو آ گئے ہیں۔ اس پر مسجد کے سارے دروازے بند کر دئے گئے۔ صرف مستورات کے حصہ میں ایک عقبی دروازہ کھلا رکھا گیا تا کہ احباب اس میں سے نکل کر اپنی اپنی محفوظ جگہوں میں چلے جائیں''

اب سندھ میں ڈاکو مال لوٹنے کی بجائے اس غرض سے آتے ہیں کہ لوگوں کو پکڑ کر لے جائیں اور پھر انہیں یرغمال بنا کر ان کے اہل خانہ سے بھاری رقمیں وصول کریں۔ یہاں بھی وہ اسی نیت سے آئے تھے اور چونکہ وہ مسلح تھے، ان کا مقابلہ کرنا اپنے آپ کو موت میں ڈالنے کے مترادف تھا۔ چنانچہ احباب جماعت، جو اس موقع کی نزاکت کو سمجھتے تھے، ہر ایک کو اپنی جانیں بچانے کی فکر پڑ گئی اور وہ جیسے تیسے بھی ہو سکا، مسجد سے نکل کر باہر جانے شروع ہو گئے۔ مکرم مولانا عبدالوہاب صاحب فرماتے ہیں:

''مَیں نے بھی سوچا کہ ہم بھی نکل کر کسی محفوظ جگہ پر چلے جائیں، مگر جب مَیں نے مکرم مولانا سید احمد علی شاہ صاحب کی طرف نگاہ کی، تو دیکھا کہ وہ اپنی پگڑی محراب میں رکھ کر پچھلی صف میں سر پر مفلر باندھے نماز میں مصروف ہیں۔ اس پر میری توجہ بھی اللہ تعالیٰ کے

پاک کلام :وَ مَن دَخلہ ٗ کَانَ آمناً کی طرف مبذول ہوئی اور میں نے بھی دل میں یقین کرلیا کہ باہر جانے سے نہیں، بلکہ خدا کے گھر کے اندر رہتے ہوئے ہی ہماری حفاظت ہوگی۔ چنانچہ مَیں نے بھی نماز پڑھنی شروع کردی''

اب خدا نے آپکی کیسے حفاظت فرمائی، یہ ایک ایسی ایمان افروز داستان ہے، جس کی مادی لحاظ سے کوئی توجیہ نہیں کی جاسکتی، سوائے اس کے کہ اسے خدا کی معجزانہ قدرت کے ایک غیر معمولی اور نادرالوقوع نشان پر محمول کیا جائے۔ جیسا کہ مکرم مولانا موصوف فرماتے ہیں:

''ڈاکوؤں نے جب مسجد کے دروازے بند دیکھے، تو وہ مسجد کا ایک دروازہ توڑ کر اندر آ گئے۔ ہم دونوں اُس وقت سجدہ کی حالت میں تھے۔ اِس پر دو ڈاکوؤں نے ہمیں گھسیٹنا شروع کردیا ، مگر ہم نے دیکھا کہ جتنا زور وہ ہمیں سجدہ سے اٹھانے میں لگا رہے تھے، اس سے کئی گنا زیادہ زور کے ساتھ کوئی غیبی طاقت ہمیں سجدہ گاہ سے چمٹائے رکھ رہی تھی۔ جب کافی کھینچا تانی کے باوجود وہ ڈاکو ہمیں اٹھا کر لیجا نہ سکے، تو ناکام ہو کر مسجد سے باہر نکل گئے اور باہر سے ہمارے صدر صاحب کے بیٹے، عزیزم فرحت اللہ، کو پکڑ لیا اور پھر فائرنگ کرتے ہوئے اسے ساتھ لے کر رات کی تاریکی میں روپوش ہوگئے''

فرماتے ہیں، اس طرح پر اللہ تعالیٰ نے اس آڑے وقت میں اپنی قدرت کے غیبی ہاتھ سے ہماری حفاظت فرمائی۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے فرحت اللہ کو بھی ڈاکوؤں کے چنگل سے آزاد کرانے کے سامان پیدا فرمادئے۔ **فالحمد للہ علیٰ ذٰلک!**

(مکتوب نمبر ۱۱۴، مورخہ ۱۲؍جون ۲۰۰۳ء)

☆ ☆ ☆

تصرف الٰہی کا پندرہواں واقعہ

"کتے ہمارے قریب آکر کھڑے ہو گئے"

دو داعیان الی اللہ خدائی حفاظت میں

حفاظت سماوی کا ایک نرالا اور بہت ہی دلچسپ واقعہ متحدہ ہندوستان میں دو درویشان احمدیت کو اُس وقت پیش آیا، جب وہ دعوت الی اللہ کی غرض سے ضلع ہوشیار پور کے ایک رئیس کے پاس گئے۔ چنانچہ اس واقعہ کے راوی، مکرم ٹھیکیدار غلام رسولؓ صاحب، جو اِن دو مجاہدین میں سے ایک تھے، پہلے اس کا پس منظر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ (حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کے اولوالعزم فرزند اور آپ کے دوسرے جانشین، حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب) نے مکیریاں ضلع ہوشیار پور میں تبلیغ کا مرکز کھولا اور احباب جماعت کو دو دو، تین تین ماہ وقف کر کے وہاں جانے کا ارشاد فرمایا، تو خاکسار نے بھی اپنے آپ کو وقف کیا۔ ہمارے گروپ میں میرے علاوہ منشی امام الدینؓ صاحب سیکھوانی (والد ماجد مولانا جلال الدین صاحب شمس، سابق امام مسجد فضل، لندن) اور چوہدری امام الدین صاحب (والد ماجد چوہدری ظہور احمد صاحب، جو ایک لمبا عرصہ بطور ناظر دیوان سلسلہ کی خدمت بجالاتے رہے، ناقل) تھے"

اب حفاظت سماوی کا وہ نرالا اور محیر العقول سانحہ انہیں کیونکر پیش آیا، اس بارے میں فرماتے ہیں:

"ایک دن ہمارے امیر وفد سید محمد حسین شاہ صاحب نے ہمیں موضع بھنگالہ رائے جانے کیلئے کہا۔ چنانچہ میں اور مولوی امام الدین صاحبؓ ایک وفد کی صورت میں روانہ ہو گئے۔ ابھی ہم دونوں بھنگالہ رائے کے قریب پہنچے ہی تھے کہ ہمیں ایک خسر املا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ ہم بھنگالہ جا رہے ہیں، تو وہ کہنے لگا، کل اسی جگہ تمہارے امیر کو لوگوں نے مارا ہے۔ ان کے منہ پر گند ملا ہے اور ان کے کپڑے خراب کئے ہیں۔ آپ کیوں وہاں جا رہے ہیں؟"

یہ بات سن کر بجائے اس کے کہ ان داعیان الی اللہ کے حوصلے پست ہو جاتے، وہ اَور بھی مومنانہ جرأت کے ساتھ آگے بڑھے اور سیدھے وہاں کے رئیس، جو رائے صاحب کہلاتے تھے، کی کوٹھی پر پہنچ

گئے ۔ وہاں آپ نے کیا دیکھا اور رائے صاحب نے آپ سے کیا سلوک کیا، اس بارے میں فرماتے ہیں:

’’وہ سامنے کرسی پر بیٹھا تھا۔ ہم نے اندر داخل ہوتے ہی اسے السلام علیکم کہا۔ اس کا تو اُس رئیس نے کوئی جواب نہ دیا، مگر جونہی ہم نے کہا: رائے صاحب! ہم کوئی سوال کرنے نہیں آئے، ایک پیغام لے کر آئے ہیں۔ اگر آپ دو منٹ کے لئے ہماری بات سن لیں، تو آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔ تو ہماری اتنی سی بات کہنے پر وہ غصے میں آ کر کہنے لگا: یہاں سے نکل جاؤ، دوڑ جاؤ۔ میں نے کہا، رائے صاحب! ہم نے نکلنا تو ہے ہی، لیکن آپ ہماری بات تو سن لیں۔ اِس پر اُس نے اپنے ایک نوکر کو آواز دی اور کہا کہ ان لوگوں کو دھکے مار کر یہاں سے نکال دو۔ منشی امام الدین صاحب نے یہ صورتحال دیکھی تو کہنے لگے، چلو، واپس چلیں ۔ مگر مَیں نے کہا، جو کچھ یہ کرنا چاہتے ہیں، پہلے وہ تو کرلیں۔ پھر ہم واپس چلے جائیں گے‘‘

آگے فرماتے ہیں:

’’ابھی ہم کھڑے ہی تھے کہ ان کا ایک اَور نوکر ہمارے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میاں صاحب! یہاں سے چلے جاؤ۔ ہم اس نوکر سے بات کر ہی رہے تھے کہ رائے صاحب نے اس نوکر کو گالی دے کر کہا کہ اگر یہ نہیں نکلتے، تو شکاری کتے ان پر چھوڑ دو۔ وہ نوکر جو اپنے مالک کے تیور دیکھ چکا تھا، اندر گیا اور جا کر کتوں کو چھوڑ دیا۔ کتے ہمارے قریب آئے اور کھڑے ہو گئے، انہوں نے ہماری طرف دیکھا تک نہیں۔ اب میں نے منشی امام الدین صاحب کو کہا کہ اب ہمارا کام ہو گیا ہے، اب ہم واپس چلتے ہیں‘‘

واپس پہنچ کر ان کی اپنے امیر وفد سے جو گفتگو ہوئی، اسے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’شام کو جب ہم واپس اپنے مرکز میں پہنچے اور اپنی رپورٹ لکھوائی، تو ہم نے شاہ صاحب سے دریافت کیا کہ قبلہ! کل آپ نے اپنی رپورٹ کیوں نہ بتائی؟ سنا ہے کہ آپ کو لوگوں نے مارا بھی ہے اور کپڑے بھی پھاڑے ہیں۔ اور پھر صبح صبح آپ نے ہمیں وہاں بھیج دیا۔ اب شاہ صاحب کا جواب بھی سن لیں۔ کیا عجیب مومنانہ لطافت سے مرصع جواب تھا وہ! فرمانے لگے:

’میں نے اسی لئے تو آپ کو وہاں بھیجا تھا کہ آپ بھی اتنے بڑے ثواب سے

محروم نہ رہیں'

مکرم ٹھیکیدار صاحب موصوف آگے لکھتے ہیں:

''ہماری رپورٹیں ساتھ ساتھ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں پہنچائی جا رہی تھیں ۔ یہ رپورٹ بھی ہمارے مرکز (قادیان) پہنچنے سے پہلے وہاں پہنچ چکی تھی۔ پھر جب ہم اپنا وقف پورا کر کے واپس قادیان آئے، تو حضور نے خاص طور پر مجھے قصر خلافت میں بلا کر یہ واقعہ زبانی سنا۔ پھر اپنی خوشنودی کا سرٹیفکیٹ عطا فرمایا، جو افسوس ہے، تقسیم ملک کے ہنگاموں میں ضائع ہو گیا''

(بحوالہ مکتوب نمبر ۷۷)

تعارف: ٹھیکیدار غلام رسول صاحب ،ایک لمبا عرصہ بہاولپور کے علاقہ میں ٹھیکیداری کا کام کرتے رہے۔ تقسیم ملک کے بعد آپ مستقل طور پر ربوہ میں آکر آباد ہو گئے اور بھٹہ کا کاروبار کرنے لگے۔ آپ کا بھٹہ ربوہ کے دو ابتدائی بھٹوں میں سے ایک تھا۔

☆ ☆ ☆

تصرف الٰہی کا سولھواں نشان

''کتے اپنی جگہ پر خاموش بیٹھے رہے''

خدا کا بندہ خدائی حفاظت میں

یہ عاجز، راقم الحروف، بھی اپنے ساتھ بیتا ہوا ایک اسی قسم کا واقعہ بیان کرنا چاہتا ہے، جس سے غیر ذوی العقول پر تصرف الٰہی کی ایک اَور شہادت قائم ہوتی ہے۔ اس واقعہ کی سرگذشت یوں ہے کہ

''خاکسار جن دنوں اسلام آباد (پاکستان) میں بطور مربی مقیم تھا (یہ ۸۔۷۷۔۱۹۷۷ کی بات ہے)، تو مرکز سے حکم موصول ہوا کہ میں مسلمان ممالک کے سفراء سے مل کر مکرم وکیل اعلیٰ، مکرم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب، جو بیرونی ممالک میں قائم شدہ مراکز تبلیغ کے نگران تھے، سے ان کی ملاقات کیلئے ایک تقریب پیدا کروں۔ اس سلسلہ میں مجھے بعض مسلمان سفارتخانوں کی تلاش میں کافی تگ ودو کرنی پڑی، کیونکہ میں ابھی وہاں نیا نیا آیا تھا اور سفارت خانے بھی سابق دارالحکومت کراچی سے یہاں نئے نئے منتقل ہوئے تھے۔ اپنی اس مہم کے دوران ایک دن سڑک پر چلتے ہوئے مجھے ایک مسلمان سفارت خانے کا بورڈ نظر آیا۔ میں فوراً اس طرف لپکا۔ باہر کا بڑا گیٹ کھلا ہی تھا، جیسا کہ عموماً سفارتخانوں میں ہوتا ہی ہے۔ میں بے دھڑک اندر چلا گیا۔ چند قدموں کے فاصلے پر میں نے دائیں جانب ایک چھپّر کھٹ کے نیچے دو کتے بیٹھے ہوئے دیکھے۔ میں حیران تو ہوا کہ سفارتخانے میں کتوں کا کیا کام، مگر میں انہیں دیکھ کر آگے بڑھ گیا۔ کتے بھی مجھے دیکھ کر کچھ عجیب سی آوازیں نکالنے لگے، تاہم ان میں سے کوئی بھی نہ بھونکا، نہ میری طرف بڑھا''

اب آگے کوٹھی نما بنگلے کی جب میں نے گھنٹی بجائی، تو اندر سے ایک غیر ملکی وضع قطع کی ایک خاتون نکلی۔ پہلے تو وہ یہ دیکھ کر حیران ہوئی کہ ایک اجنبی یہاں کیسے آ گیا۔ دوسرے یہ کہ میں کتوں سے بچ کر کیسے نکل آیا۔ کتے بھونکے بھی نہیں تھے۔ دراصل جیسا کہ مجھے جلد معلوم ہو گیا:

''یہ سفارتخانہ نہیں تھا، بلکہ اس ملک کے سفیر کی جائے رہائش تھی۔ جب میں نے بتایا کہ میں سفیر صاحب سے ایک ضروری کام سے ملنا چاہتا ہوں، تو وہ خاتون، جو غالباً سفیر صاحب کی بیگم تھی، کہنے لگی کہ یہ سفارتخانہ نہیں۔ پھر اس نے مجھے سفارتخانے کا پتہ بتایا اور جب میں

واپس ہونے لگا، تو وہ مجھے بڑے گیٹ تک خود چھوڑنے آئی اور انگریزی زبان میں بولی:

"You are lucky, my dogs have done you no harm"

مَیں نے جب پوچھا کہ کیا کتے بندھے ہوئے نہیں تھے، تو وہ کہنے لگی، یہی بات تو مجھے حیران کر رہی ہے۔ ہم کتوں کو اپنی حفاظت کے خیال سے دن کو بھی کھلا رکھتے ہیں، کیونکہ یہاں کسی اجنبی کا کام ہی نہیں‘‘

میں اس غیبی حفاظت پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالایا، اور دیر تک شکر بجالاتا اور سوچتا رہا کہ اگر آج خدا تعالیٰ کی یہ خاص حفاظت میرے شامل حال نہ ہوتی، تو میرا کیا حشر ہوتا۔ یہ ایسا واقعہ ہے، جو مَیں جب بھی یاد کرتا ہوں، میری روح خدا کے آستانہ پر شکر کے جذبات سے لبریز ہو کر گر جاتی ہے۔ گھر میں بھی آ کر یہ واقعہ سنایا اور اس کے بعد اکثر اسے خدا تعالیٰ کے منجملہ دیگر احسانات کے یاد کیا جاتا ہے۔ فالحمدللہ۔

........☆........

تعارف: خاکسار، فضل الٰہی انوری، پنجاب یونیورسٹی سے بی ایس سی اور جامعہ احمدیہ، ربوہ، سے شاہد کی ڈگری لینے کے بعد ۱۹۵۶ء میں غانا (مغربی افریقہ) میں بھجوایا گیا۔ وہاں چار سال خدمات بجالانے کے بعد ۱۹۶۰ء میں واپس ہوا اور پھر چار سال جامعہ احمدیہ میں استاذ الجامعہ کی حیثیت سے کام کیا۔ ۱۹۶۴ء میں پہلی بار جرمنی بھجوایا گیا۔ ۱۹۶۸ء میں خاکسار کی تعیناتی نائیجیریا (مغربی افریقہ) میں بطور امیر و مشنری انچارج ہوئی، جہاں ۱۹۷۲ء تک کام کرنے کی توفیق ملی۔ ۱۹۷۰ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے پہلے دورہ مغربی افریقہ کے وقت خاکسار وہیں تھا۔ ۱۹۷۲ء میں خاکسار کی تعیناتی دوبارہ جرمنی میں بطور امیر و مشنری انچارج ہوئی اور ۱۹۷۷ء تک خدمات بجالانے کی توفیق ملی۔ خاکسار کے اسی دور امارت کے دوران ۱۹۷۴ء میں یورپ میں اسائلم کا پہلا کیس جرمنی میں داخل ہوا، جہاں اب اس وقت یورپ کی سب سے بڑی جماعت قائم ہو چکی ہے۔ ۱۹۷۷ء میں خاکسار مرکز سلسلہ پہنچا۔ جہاں پہلے ایک سال مربی کے طور پر اسلام آباد میں رہا۔ مذکور بالا واقعہ اسی دوران کا ہے۔ ۱۹۷۹ء تا ۱۹۸۲ء خاکسار کو بطور ایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد، تعلیم القرآن اور سیکریٹری حدیقۃ المبشرین خدمات سرانجام دینے کی سعادت نصیب ہوئی۔ ۱۹۸۲ء میں خاکسار کی تعیناتی گیمبیا (مغربی افریقہ) میں اور ۱۹۸۳ء میں دوبارہ نائیجیریا میں بطور امیر و مشنری انچارج ہوئی۔ ۱۹۸۶ء میں واپس پاکستان پہنچا اور دو سال مزید جامعہ احمدیہ ربوہ میں استاذ الجامعہ کی حیثیت سے کام کرنے کے بعد ۱۹۸۸ء میں ریٹائر ہوا۔ اس کے بعد سے خاکسار جرمنی میں مقیم ہے۔

☆ ☆ ☆

تصرف الٰہی کا سترہواں نشان

''اے بندوق تو مت چل''

ارض مقدسہ میں خدائی حفاظت کا نشان

اسی تسلسل میں تصرف الٰہی کے ایک اور محیر العقول واقعہ کا بیان بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔اس سے حیوانی دلوں پر تو نہیں البتہ مشینی دلوں پر خدائی تصرف کی ایک عجیب وغریب شہادت قائم ہوتی ہے۔ یہ واقعہ سلسلہ کے ایک جلیل القدر خادم اور میدان تبلیغ کے ایک کامیاب شہسوار، حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری، کا بیان کردہ ہے۔آپ ہی کے ساتھ بیتا ہوا یہ واقعہ آپ کو اُس وقت پیش آیا، جب آپ اعلاءکلمۃ اللہ کی خاطر اپنے وطن سے بہت دُور دیارِ غیر میں مقیم کبابیر (فلسطین) کے مقام پر اعلاءکلمۃ اللہ کا مقدس فریضہ سرانجام دے رہے تھے۔ارض مقدسہ (حیفہ) میں جبل الکرمل پر واقع یہ قصبہ (کبابیر) آج بھی جماعت احمدیہ کے فعّال مرکز کے طور پر دعوت الی اللہ کا فریضہ سرانجام دے رہا ہے۔آپ اس دلچسپ واقعہ کی روئداد یوں بیان فرماتے ہیں:

''میں ایک بار ایک احمدی دوست کے ساتھ ایک تبلیغی پروگرام سے رات کے وقت واپس کبابیر آرہا تھا کہ ایک جنگل میں سے گزرتے ہوئے یہ محسوس ہوا کہ جیسے جھاڑیوں میں کچھ حرکت ہوئی ہے، لیکن یہ سمجھ کر کہ شاید کوئی جانور ہو، زیادہ توجہ نہ دی اور ہم آگے گزر گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہمیں دو دھماکوں کی آواز سنائی دی۔لیکن اسے بھی اتفاق سمجھ کر ہم نے کوئی توجہ نہ دی، یہاں تک کہ ہم اپنے مکان پر پہنچ گئے''

اس واقعہ کو خالص آسمانی حفاظت کے ایک محیر العقول اور نادر الوقوع مظاہرہ کے طور پر بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

''بظاہر یہ ایک معمولی واقعہ تھا، جو یاد بھی نہ رہا، لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ تو گویا موت کا سفر تھا، جو اللہ تعالیٰ کی تائید کے سایہ میں حفاظت سے طے ہوگیا۔یعنی کافی عرصہ بعد اس واقعہ کی حقیقت کا انکشاف ہوا، جو اس طرح پر تھی کہ کچھ معاندین احمدیت عرصہ سے مجھے قتل کرنے کی کوشش میں تھے۔ اُس رات اُن میں سے دو نوجوان بندوقوں سے مسلح ہو کر اور پوری تیاری کے ساتھ میری تاک میں جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں اور میرا

ساتھی باتیں کرتے ہوئے جب ان کے پاس سے گزرے، تو پہلے ایک نے مجھ پر بندوق چلائی، لیکن وہ نہیں چلی۔ پھر دوسرے نوجوان نے بندوق چلانے کی کوشش کی، لیکن اس کی بندوق بھی نہ چل سکی۔ اِدھر ہم ان قاتلانہ کوششوں سے کلیۃً بے خبر اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے سایہ میں آگے بڑھتے چلے گئے۔ ہمارے گزر جانے کے بعد جب ان دونوں نوجوانوں نے اپنی بندوقوں کو دوبارہ چلا کر دیکھا، تو انہوں نے بالکل ٹھیک کام کیا، یعنی ان میں قطعاً کوئی خرابی نہ تھی۔ صرف بات یہ ہوئی تھی کہ جس وقت اُن کا رخ دو درویشان احمدیت کی طرف تھا، تو اللہ تعالیٰ کی غالب تقدیر نے انہیں چلنے سے روک دیا، اور جب یہ درویشان سلامتی کے ساتھ آگے گزر گئے، تو ان بندوقوں نے بالکل ٹھیک کام کیا۔ وہ دونوں دھما کے انہیں بندوقوں کے چلنے کے تھے''

گویا اللہ تعالیٰ، جو خشکی اور تری کا مالک ہے اور جس کا تصرف کائنات کے ذرّہ ذرّہ پر ہے، اس نے اپنے بندوں کی خاطر یہاں بھی اپنی لامحدود قدرتوں کا ایسا مظاہرہ کیا کہ جس نے بھی یہ سنا، وہ دنگ رہ گیا۔ اوپر کے دو واقعات بھی اسی تصرف الٰہی کی دو درخشندہ مثالیں ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ان دونوں واقعات میں حیوانی دل تھے، جنہیں خدا نے اپنی فطرتی خصلت کو بروئے کار لانے سے روک دیا۔ اور اس واقعہ میں مشینی دل تھے، جو خدا کے حکم سے اپنا کام کرنے سے روکے گئے تھے۔

خاکسار راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ یہ بالکل اسی طرح کے واقعات ہیں، جیسے جب اللہ کے پاک نبی، حضرت ابراہیم علیہ السلام، کو آگ میں ڈالا گیا، تو خدا نے آگ کو آواز دی کہ

يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَّ سَلامًا عَلىٰ إِبرَاهِيم

یعنی اے آگ! بیشک تیرا کام جلانا ہے۔ مگر مَیں آج تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تو بالکل ٹھنڈی ہو جا اور میرا بندہ ابراہیم سلامت رہے۔

.........☆.........

تعارفی نوٹ:ا) حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری، فاضل، کا شمار سلسلہ کے ان جید علماء میں ہوتا ہے، جنہیں مختلف حیثیتوں سے سلسلہ کی نمایاں خدمات بجالانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ آپ ۱۹۲۲ء میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کرنے کے بعد پہلے برصغیر کے اندر ایک کامیاب داعی الی اللہ کے طور پر مصروف رہے۔ پھر ۱۲/اگست ۱۹۳۱ء کو آپ حضرت المصلح الموعودؓ کے ارشاد پر فلسطین کیلئے روانہ ہوئے اور فروری ۱۹۳۶ء تک وہاں

مقیم رہے۔ مذکورہ والا واقعہ آپ کے اسی دورانِ قیام کا ہے۔ آپ نے اپنی امتیازی دینی خدمات کی بدولت حضرت المصلح الموعودؓ کی طرف سے ''خالد احمدیت'' کا اعزازی خطاب ملا۔ لندن مسجد کے موجودہ امام، مکرم برادرم مولوی عطاء المجیب راشد صاحب، آپ ہی کے صاحبزادے ہیں۔

۲) کبابیر (فلسطین) میں اس وقت ہماری ایک مضبوط اور فعال جماعت قائم ہے۔ خالص فلسطینی عربوں پر مشتمل یہ جماعت اپنے دیگر دینی وتربیتی پروگراموں کے علاوہ ایم۔ ٹی۔ اے (جماعت احمدیہ کا عالمی نشریاتی ادارہ مسلم ٹیلیویژن احمدیہ) پر بھی عربی زبان میں مختلف قسم کے دینی، تربیتی اور اصلاحی پروگرام نشر کرتی ہے، جو عالم عرب میں بڑے شوق اور ذوق سے دیکھے اور سنے جاتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

تصرف الٰہی کا اٹھارھواں واقعہ

۱۹۴۷ء کے تقسیم برصغیر کے خونچکاں حالات

اور

زیرہ کے احمدیوں کا معجزانہ بچاؤ

۱۹۴۷ء میں برصغیر ہندو پاکستان کے اندر بپا ہونے والے فرقہ دارانہ فسادات، جن کا کسی قدر حال باب ششم میں نشان نمبر ۸ کے تحت بیان کیا جا چکا ہے، تاریخ انسانی کا ایک ایسا باب ہے، جسے پڑھ کر کل کا مؤرخ بھی اسی طرح خون کے آنسو بہائے گا، جس طرح کہ اس سے قبل ہر وہ مؤرخ بہا چکا ہے، جس نے انہیں ضبط تحریر میں لانے کیلئے قلم اٹھایا۔ ان حالات کو پڑھ کر یہ باور کرنا مشکل ہے کہ وہ انسان، جسے اشرف المخلوقات ہونے کا دعویٰ ہے، کس طرح اچانک خونخواری اور سفاکی میں اتنا آگے نکل گیا تھا کہ درندے بھی اس سے پناہ مانگنے لگے۔ انسانوں نے انسانوں کے جسموں کے اس طرح پرخچے اڑائے، عورتوں کو اپنی ہوس اور درندگی کا اس طرح نشانہ بنایا اور معصوم بچوں کے جسموں کو برچھیوں اور نیزوں سے اس طرح چھلنی کیا کہ ایک شقی سے شقی انسان بھی ان دلخراش مناظر کو دیکھ کر لرز اٹھتا ہے۔ مگر یہ سب کچھ ہوا بیسویں صدی کے معزز انسان کی آنکھوں کے سامنے ہوا، برصغیر کی اس سرزمین پر ہوا، جسکے اندر کئی تہذیبوں نے جنم لیا اور جس پر حضرت گوتم بدھ، راجہ رامچندر جی اور سری کرشن جی مہاراج جیسے خدا تعالیٰ کے اوتار پیدا ہوئے۔

آگ اور خون کی یہ ہولی سب سے زیادہ صوبہ پنجاب کے اندر کھیلی گئی۔ مسلح غنڈوں کے لشکروں کے لشکر آتے ،غل غپاڑہ کرتے ہوئے آتے۔ پہلے ایک گاؤں پر حملہ آور ہوتے ،وہاں نہتے مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کی تکا بوٹی کرتے۔ پھران کے گھروں کولوٹتے ،اور پھرانہیں نذر آتش کرتے اور شور مچاتے ہوئے اگلے گاؤں کا رخ کرتے۔ ضلع فیروز پور کا ایک ایسا ہی قصبہ،زِیرہ، جواس قسم کے خطرات سے گھر چکا تھا، کا ذکر کرتے ہوئے اسی گاؤں کے ایک احمدی مکین، جناب ثاقب زیروی صاحب، بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے نازک وقت میں ان کی حفاظت کا کیا اور کیسے سامان پیدا فرمائے۔ یہ کہ خدا تعالیٰ نے کس طرح اپنے تصرفِ خاص سے مسلح غنڈوں کا رُخ کسی اَور طرف پھیر کر آپ اور آپکے گھر کے دیگر افراد کو بشمول آپ کے ضعیف والدین کے ہر طرح محفوظ رکھا، بلکہ پہلے سے اسکی بشارت بہم پہنچادی۔ یہ واقعہ جناب ثاقب زیروی صاحب نے خاکسار راقم الحروف کو اُس وقت سنایا، جب یہ عاجز ۱۹۹۹ء میں لاہور میں آپ کے دولت خانہ پر آپ کی وفات سے چند سال پیشتر حاضر ہوا تھا۔ آپ فرماتے ہیں:

”زیرہ میں جب حالات سنگین ہو گئے اور ہمیں یہ خطرہ ہوا کہ کسی وقت بھی زیرہ پر حملہ ہو سکتا ہے،تو ہم سب کمروں سے نکل کر ایک ایسی جگہ جمع ہو گئے، جسے بیت الدعا کہتے تھے۔ وہاں بیٹھ کر ہم دعائیں کرنے لگے۔ سکھوں کے حملے کا یہ طریق ہوتا تھا کہ پہلے سیٹیاں بجتی تھیں۔ پھر گھوڑوں کے دوڑنے کی آواز آتی اور پھر حملہ کر دیتے۔ میرے والد محترم (جو صحابی تھے) نے مجھے کہا کہ بیٹا! کیا تم اس بات کیلئے تیار ہو کہ اگر حملہ ہو جائے،تو تم اپنی بیوی کو اپنے ہاتھوں ذبح کر دو گے، میں تمہاری امی کو ذبح کرونگا، کیونکہ بصورت دیگر وہ سکھوں کے جوروستم کا نشانہ بنیں گی ،اور یہ ہماری غیرت گوارا نہیں کر سکتی۔ مَیں نے کہا، میاں جی، آپ کا جو حکم ہے، مَیں اس کیلئے تیار ہوں“

آگے یہ بتاتے ہوئے کہ اِدھر جونہی موت اپنے لاؤ لشکر سمیت آن پہنچی ،خدا کے فرشتے بھی اپنے بندوں کی حفاظت کے لئے آ گئے ،فرماتے ہیں:

”دو بجے کے قریب ہمیں سیٹیاں بجنے کی آواز سنائی دی۔ پھر گھوڑوں کے دوڑنے کی۔ یہ آوازیں کوئی ڈیڑھ گھنٹہ تک آتی رہیں۔ پھر اچانک خاموش ہو گئیں۔ اسی دوران کہ جب ہم موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے منڈلاتا دیکھ رہے تھے، مجھے اونگھ آ گئی۔ اس حالت میں

میرے کانوں میں یہ آیت سنائی دی:

وَلَلآخِرَۃُ خیرٌ لکَ مِنَ الاُولیٰ[۱]

اسکے ساتھ ہی مَیں اونگھ سے بیدار ہو گیا۔مَیں نے میاں جی سے اسکے معنی پوچھے۔انہوں نے فرمایا، اسکے معنی یہ ہیں کہ اگر شہید ہو گئے، تو ظاہر ہے، جنت میں جائیں گے، جو بہتر ٹھکانا ہے۔اور اگر زندہ رہے، تو اللہ تعالیٰ بہتر اور خوشی کی زندگی عطا فرمائے گا"

فرماتے ہیں، اس سے قبل مَیں نے اپنی پنڈلی کے زخم سے نکلنے والے خون سے ایک خط لکھ کر موؔگا میں اپنے بعض مسلمان عزیزوں کو لکھا تھا کہ کچھ ہو سکے، تو ہمیں نکال کر لیجاؤ۔چنانچہ اسی دن شام چار بجے کے قریب کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ابا جان دروازہ کھولنے گئے، تو آنیوالے شخص نے ایک خط ہمارے سامنے پھینکا اور پوچھا، کیا یہ آپ نے لکھا ہے؟ یہ وہی خط تھا، جو میں نے اپنے لہو سے لکھا تھا۔اُس وقت موؔگا میں مسلمان فوج کا کیمپ تھا، جہاں سے دس نوجوان ایک جیپ اور ایک ٹرک لے کر آ گئے۔چنانچہ انہوں نے زیرہ، فیروز پور اور ارد گرد کے دیہات سے لٹ پٹ کر آنیوالے اٹھارہ ہزار مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو، جن میں ہمارے گھر کے افراد بھی تھے، اپنے ساتھ لے جا کر بخیریت پاکستان پہنچا دیا۔[۲]

(بحوالہ مکتوب نمبر ۱۰۲، مورخہ ۱۵ نومبر ۱۹۹۹ء)

[۱] یہ قرآن کریم کی سورۃ الضّحیٰ کی آیت نمبر ۳ ہے، جس میں اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے بطور پیشگوئی فرماتا ہے کہ تیری زندگی کے آئندہ سال تیرے لئے بیشمار برکتوں اور رحمتوں کے سال ثابت ہونگے۔انہی الفاظ میں یہ الٰہی پیغام خدا کے اِن بندوں کو بھی ملا، اور اس طرح پر اس بزرگ و برتر خدا نے اس نازک وقت میں انہیں تسلی دلائی کہ وہ نہ صرف ان کی حفاظت فرمائے گا، بلکہ انہیں زندہ رکھ کر انہیں دین اسلام کی پہلے سے بہتر خدمات کی توفیق عطا فرمائے گا۔اور جیسا کہ آخر پر دئے گئے تعارفی نوٹ سے ظاہر ہے، عملاً ایسا ہی ہوا۔آپ کو جماعت پر آنے والے ایک نازک دَور میں سلسلہ کی خاص خدمت کی توفیق ملی۔بلکہ اگر آپ کے ایم۔ٹی۔اے کو دئے گئے انٹرویو کو دیکھا جائے، تو آپ بطور ایک بلند پایہ ادیب اور قادر الکلام شاعر ایک ایسے مقام پر پہنچے کہ سربراہان مملکت پاکستان بھی آپ سے ملنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔یہ سب کچھ یقیناً آپ کو اُس نازک وقت میں ملنے والی آسمانی بشارت کی عملی تعبیر تھا۔

[۲] یہ سارے حالات مکرم ثاقب صاحب زیروؔی نے ایم۔ٹی۔اے۔انٹرنیشنل، پر دئے جانے والے اپنے ایک انٹرویو میں بھی بیان فرمائے ہیں۔چھ نشستوں پر مشتمل اس انٹرویو کا سمعی بصری ریکارڈ دو ڈیو کیسٹوں میں ایم۔ٹی۔اے ادارہ کی طرف سے دستیاب ہے۔

جناب ثاقب زیروی صاحب کا تعارف:

مکرم ثاقب صاحب زیروی (آپ کا اصل نام محمد صدیق تھا) زیرہ، ضلع فیروز پور، کے اولین صحابی، حضرت حکیم مولوی اللہ بخش صاحبؓ، کے لائق صد افتخار فرزند اور ملک کے نامور ادیب اور شاعر تھے۔آپ کو جس نمایاں رنگ میں اور جس خوبی کے ساتھ بطور ایک ادیب اور شعلہ بیان شاعر (آپ پاکستان کے ادبی رسالہ ''لاہور'' کے ایڈیٹر اور ملک کی ادبی محفلوں کے ایک مقبول ستارے تھے) ملک وقوم کی خدمت ادا کرنے اور پھر جس بلند حوصلگی، غیرت دینی اور جرأتِ ایمانی کے ساتھ آخری دم تک مملکت خداداد پاکستان پر مسلط دو مطلق العنان عامروں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کران کی چیرہ دستوں کا پردہ فاش کرنے اور ان کے دورِ حکومت کے تلخ واقعات کو عوام کے سامنے رکھنے کی توفیق ملی، یہ آپ کا ایک ایسا کارنامہ ہے، جس کیلئے نہ صرف ساری جماعت احمدیہ، بلکہ ملت اسلامیہ کا ہر فرد ان پر بجا طور پر فخر کرتا رہے گا۔

☆ ☆ ☆

تصرف الٰہی کا انیسواں واقعہ

''سفید مصلّٰی''

حفاظت و نصرت سماوی کی ایک دلگداز داستان

اب انسانی منصوبوں کے مقابل پر تصرف الٰہی کا ایک اَور ایسا واقعہ بیان کیا جاتا ہے، جو خدائے قادر وقدوس کے درخشندہ نشانوں میں سے ایک زندہ نشان کے طور پر تاریخ کے صفحات پر لکھا اور یاد کیا جاتا رہے گا۔ یہ ضلع مردان کے رہنے والے ایک مخلص احمدی خاندان کے وجودوں میں ان ایام میں ظاہر ہوا، جب ۱۹۷۴ء میں پاکستانی حکومت ایک خاص منصوبے کے ماتحت ملک کے احمدیوں کا صفایا کرنے کا پُورا تہیہ کر چکی تھی اور احمدیوں کے خلاف ملک گیر فسادات بھڑکانے کے بعد ان کے تحفظ سے کلیۃً کنارہ کش ہو کر ان کے کشت وخون کا تماشا دیکھ رہی تھی۔ اُس وقت یہ خاندان اپنا گھر بار درندہ صفت غیر احمدی مخالفوں کی نذر کر دینے کے بعد اپنے کنبہ کی ننھی ننھی معصوم جانوں کو لے کر کس طرح ماہ جون کی ایک تپتی رات ہجرت کرنے پر مجبور ہو گیا، اور پھر خدا نے غائبانہ رنگ میں اس کی نجات کے کیا سامان فرمائے، یہ ایمان افروز اور دلگداز داستان بیان کرتے ہوئے، اس خاندان کے سربراہِ اعلیٰ، مکرم صوبیدار عبد الغفور خان صاحب، تحریر فرماتے ہیں:

''ہمارا مکان ٹوپی کے قریب ایک چھوٹے سے گاؤں خوشحال آباد میں تھا۔ یکم جون ۱۹۷۴ء سے ہی ہم پاکستان بھر میں احمدیوں کے خلاف اٹھنے والے فسادات کی خبریں سن رہے تھے۔ خود ہمارے اپنے علاقے میں بھی بعض وارداتیں ہو چکی تھیں۔ جن کی اطلاع ہم پولیس اور علاقے کے دیگر اعلیٰ حکام کو مسلسل پہنچا رہے تھے اور یہ افسران بظاہر ہمیں ہر قسم کی حفاظت کا وعدہ دیتے چلے آ رہے تھے۔ اس دوران پولیس کے حفاظتی دستے بھی آتے اور جاتے رہے۔ مگر ۹ جون کی صبح کو ٹوپی سے اٹھنے والے شور وغوغا اور رائفلوں، برین گنوں اور دیگر خودکار اسلحہ کی آوازیں سن کر ہمارے دل دہل گئے۔ اس کے ساتھ بموں کے دھماکوں کی آوازیں بھی سنائی دیں۔ اور ہم نے محسوس کر لیا کہ ٹوپی کے احمدیوں پر قیامتیں ٹوٹ پڑی ہیں۔ چنانچہ ہم بھی اپنی جگہ پر چوکس ہو گئے۔ مگر ابھی ہم اپنی خود حفاظتی کی تدبیریں کر رہی

رہے تھے کہ ہمیں بلوائیوں کا ایک جم غفیر خوشحال آباد کی طرف بڑھتا ہوا دکھائی دیا۔ یہ دیکھتے ہی پولیس کے جو آدمی اس وقت ہماری حفاظت پر متعین تھے، وہ یہ کہہ کر واپس چلے گئے کہ ہمیں فائر کرنے کا حکم نہیں۔ ادھر تھوڑی دیر میں بائیس ہزار کا مسلح ہجوم ہمارے مکان کے گرد جمع ہو گیا۔ اس وقت مکان میں میرے علاوہ میرے دو لڑکے، اعجاز احمد خان اور امتیاز احمد خان، میرا داماد فیض محمد خان، میرے تین بھانجے، نذیر محمد، نور محمد اور وزیر محمد، دو بھتیجے، نثار محمد خان اور شیر امان خان اور میرا نواسہ، ہمایوں خان، موجود تھے۔ میں نے اپنی بیوی، تین لڑکیوں اور دو کمسن نواسوں کو ایک غیبی اشارہ کی بنا پر پہلے ہی قریب کے ایک عزیز، غیر احمدی دوست، کے ہاں بھجوا دیا تھا''

آگے حملے کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ایک بجے دن کا وقت تھا، جب بلوائیوں نے باقاعدہ حملہ شروع کیا، جو رات دس بجے تک جاری رہا۔ اس دوران میرے دو بھانجے، نذیر محمد اور نور محمد شہید ہو گئے۔ میرا داماد، فیض محمد خان، بھی گولیوں سے چھلنی ہو گیا اور بظاہر اس کے بچنے کی کوئی امید نہ رہی۔ چونکہ بلوائیوں کی تعداد میں برابر اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا اور ان کا ہر حملہ پہلے حملہ سے شدید تر تھا اور رات کا ایک حصہ بھی گذر چکا تھا، اس لئے خدشہ تھا کہ اگر اسی حالت میں صبح ہو گئی، تو ہمارا دشمن کے نرغہ سے نکلنا مشکل ہو جائے گا۔ اس خیال سے ہم اپنا مکان اور مال و متاع سپرد خدا کر دینے اور ہر سہ شہیدان (نذر محمد، نور محمد اور فیض محمد) پر آخری نظر ڈالنے کے بعد اپنی خواتین اور معصوم بچیوں اور بچوں کو لے کر نکل کھڑے ہوئے۔ یہ نو اور دس جون کی درمیانی رات تھی اور رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ اگرچہ مسلح دشمن کے نرغے سے بچ نکلنا بجائے خود ایک جان جوکھوں کا کام اور ایک دشوار گذار مرحلہ تھا، جو محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے بخیریت طے ہو گیا، مگر راستے کی دشواری، بے سروسامانی اور اندھیری رات کا تصور کر کے ہمارے دل دہل رہے تھے۔ اس کے ساتھ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جا رہے تھے، ہماری بھوک، پیاس اور تھکاوٹ میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ پھر ہمارے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ دن نکلنے سے پہلے پہلے ہم دشمن کی سرحدوں کو عبور کر کے نسبتاً محفوظ علاقے میں آجائیں۔

قریباً چار گھنٹوں کی مسافت طے کرنے کے بعد یہ قافلہ جنگل اور بیابانی راستوں پر سے گذرتا ہوا ایک پہاڑ پر چڑھنے میں کامیاب ہو گیا، مگر فرماتے ہیں:

''اُس وقت پیاس کی شدت اور تھکاوٹ اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ جونہی ہم اس پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے، میری دو لڑکیاں بیہوش ہو کر گر پڑیں۔ اب ہمارے لئے آگے بڑھنا عملاً ناممکن ہو گیا اور ہم ناچار اور لاچار ہو کر وہیں بیٹھ گئے اور خیال کرنے لگے کہ اب یہ ہماری زندگی کے آخری لمحات ہیں کیونکہ پہاڑ کی چوٹی پر پانی ملنے کی رہی سہی امید بھی ختم ہو چکی تھی۔ دوسرے، ابھی ہم اپنے آپ کو کسی اعتبار سے بھی محفوظ نہ سمجھتے تھے۔ اُس وقت میرے منہ سے نکلا تو یہ نکلا کہ

'اے خدا! اے الٰہ العالمین! اگر تجھے ہماری موت ہی منظور تھی، تو ہمیں تُو وہیں ہمارے گھروں میں ہی دے دیتا، تا کہ ہمارا نام شہیدوں میں تو لکھا جاتا اور اگر تو اپنے دست قدرت سے ہمیں موت کے منہ سے بچا کر لے ہی آیا ہے، تو اپنی معجزانہ قدرت کا نشان دکھا اور ہمیں اپنے فضل کا پانی پلا'''

درد، رقت اور سوز و گداز سے بھری ہوئی یہ دعا خدا کے حضور کتنی جلدی اور کیسے معجزانہ رنگ میں قبول ہوئی، اس کا ذکر کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

''اس میری آواز میں ایک عجیب رقت تھی۔ میرا جسم تھر تھرا رہا تھا اور میں تاروں بھرے آسمان کی طرف نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھ رہا تھا۔ اچانک اس دھندلکے میں مجھے کچھ فاصلے پر پڑی ہوئی صراحی نما کوئی چیز نظر آئی۔ پہلے تو میں نے خیال کیا کہ یہ کوئی پتھر کا سایہ ہوگا، مگر پھر میں نے اپنے بیٹے اعجاز کو کہا کہ دیکھو تو سہی، وہ کیا پڑا ہے۔ جب اعجاز وہاں پہنچا، تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ایک پختہ سفید مصلّیٰ ہے، جس کے قریب مٹی کا ایک کوزہ رکھا ہے، جو ٹھنڈے اور میٹھے پانی سے بھرا ہوا تھا۔ اس پانی کا ملنا تھا کہ ہم سمجھے، دنیا جہان کی نعمتیں مل گئی ہیں۔ چنانچہ وہ پانی فوراً اُن بے ہوش بچیوں کے مونہوں میں ڈالا گیا، مگر بمشکل ایک بچی کو پلایا تھا کہ وہ ختم ہو گیا۔ اب ایک طرف تو رحمت خداوندی نے یہ کرشمہ دکھایا کہ اس جنگل بیابان میں پانی سے بھرا ہوا کوزہ پیدا کر دیا، جیسے ابھی ابھی غیب سے اترا ہو۔ دوسری طرف

وہ پانی اتنا تھوڑا تھا کہ دو بچیوں کے لئے بھی کافی نہ ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جذبات پہلے سے بھی زیادہ گداز ہو کر آستانہ الوہیت پر بہ پڑے اور دل سے یہ آواز نکلی کہ

'اے خداوند کریم! ہم نے تیرے راستے میں بخل سے کام نہیں لیا۔ اپنا سب مال و متاع بلکہ اپنی جانیں بھی تیری خاطر قربان کر آئے ہیں۔ تُو رزّاق ہوتے ہوئے کیوں بخل سے کام لے رہا ہے۔ پانی دیا بھی، تو اتنا کم۔ کیا یہی تیری شان بے نیازی ہے؟'

آپ کے منہ سے نکلے ہوئے ان احتجاجی مگر درد اور پیار بھرے کلمات نے درگاہ الٰہی کی دہلیز کو کچھ اس طرح ہلا کر رکھ دیا کہ فرماتے ہیں:

''یہ کلمات کچھ اس سوز اور درد سے میری زبان سے نکلے کہ میں یقین کرتا تھا کہ ضرور رحمت خداوندی کو کھینچ لائیں گے۔ ابھی میں یہ کہہ ہی رہا تھا کہ میرا چھوٹا لڑکا، امتیاز، جو زخموں، پیاس اور تھکاوٹ سے چُور ہو چکا تھا، پیٹھ کے بل چت لیٹ گیا اور بے چارگی کے عالم میں اس نے اپنے دونوں ہاتھ پیچھے کو پھیلا دئے۔ مگر جونہی اس نے ایسا کیا، اسے محسوس ہوا، جیسے اس کے ہاتھ کسی حوض میں پڑ گئے ہوں۔ وہ فوراً یہ دیکھنے کے لئے اٹھا کہ وہ کیا چیز ہے کہ دیکھتے ہی چلا اٹھا، 'بابا پانی مل گیا ہے'۔ میں یہ آواز سنتے ہی بھاگ کر اس کی طرف گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک خوبصورت چھوٹا سا حوض ہے، جس کے اندر شفاف پانی تاروں کے دھندلکے میں جھلمل کر رہا ہے۔ میں نے فوراً اپنا ہاتھ اُس حوض میں ڈال دیا اور اَلحمدُلِلّٰہ، اَلحمدُلِلّٰہ کا ورد کرتے ہوئے اُس کے اندر ڈالتا چلا گیا۔ اِدھر آنکھیں تشکر کے آنسو بہاتی چلی جا رہی تھیں۔ چنانچہ ہم سب نے وہ پانی پیا اور خوب سیر ہو کر پیا۔ اور اس پاک پروردگار کے حضور سجدات شکر بجا لائے، جس نے اپنی معجزانہ قدرت سے اس ویرانے میں ہمارے لئے آبِ حیات پیدا کر دیا تھا۔ اور جو روحانی لذت اور قوت اس سے حاصل ہوئی، وہ حد بیان سے باہر ہے۔

وَالحمدُ لِلّٰہ عَلٰی ذٰلِک''

پہاڑ کی چوٹی پر زندہ خدا کی قدرت کا یہ زبردست نشان دیکھنے کے بعد یہ قافلہ اپنی نامعلوم منزل کی

طرف روانہ ہو پڑا۔اور پھر راستے میں آنے والی صعوبات کا مقابلہ کرتے ہوئے ایک ایسے علاقہ میں پہنچ گیا، جہاں وہ اپنے آپ کو محفوظ سمجھتا تھا۔اس بارے میں صوبیدار صاحب لکھتے ہیں:

''دونوں چھوٹے بچے، بلال اور مریم صدیقہ، جو فائرنگ کے شور اور شدت پیاس سے نڈھال ہو کر شروع میں ہی بے ہوش ہو گئے تھے، ہمارے تربیلہ ڈیم پہنچنے تک بدستور بے ہوش رہے۔ کچھ تھوڑی سی کوشش سے بلال تو ہوش میں آ گیا، مگر مریم صدیقہ مسلسل بے ہوش رہی۔ ماں کا دودھ تو صدمہ کی وجہ سے پہلے ہی خشک ہو چکا تھا۔راولپنڈی پہنچنے پر اسے بوتل میں ڈال کر دودھ پلانے کی کوشش کی گئی، مگر وہ نہ پی سکی۔اسی حالت میں ہم نے اپنا سفر جاری رکھا۔ یہاں تک کہ چونیاں میں اپنے ایک عزیز، کرنل احمد خان صاحب، کے پاس پہنچ گئے۔انہوں نے فوجی ڈاکٹروں کے ذریعے بچی کو ہوش میں لانے کی کوشش کی۔ چنانچہ ان کی مسلسل تگ و دو اور ایک ہفتہ کی محنت اور طبی امداد کے بعد اس ننھی سی جان میں زندگی کے آثار دکھائی دئے۔ یوں جان تو بچ گئی، مگر صدمے سے اس کے اعصاب کو زبردست نقصان پہنچ چکا تھا، جسکا سب سے زیادہ اثر اسکی دونوں آنکھوں پر ظاہر ہوا۔ آنکھوں کی پتلیاں اپنی جگہوں سے ٹل گئی تھیں، جسکی وجہ سے بینائی نہ ہونے کے برابر رہ گئی''

آخر پر لکھتے ہیں:

''اس واقعہ کو اب چار سال سے زیادہ کا عرصہ گذر چکا ہے، مگر میں جب بھی اس کا تصور کرتا ہوں، میری روح آستانہ رحمت پر گداز ہو کر گر پڑتی ہے۔ یہ وہ دولت ایمان ہے، جو ہمیں احمدیت کی بدولت حاصل ہوئی ہے''

اس معصوم قافلہ کی نجات کا موجب بننے والی چیزیں، یعنی لوٹا، مصلیٰ اور حوض، ان کے بارے میں خاکسار راقم الحروف کے استفسار پر مکرم صوبیدار صاحب نے مجھے بتایا کہ

''قدرت خداوندی کا یہ کرشمہ دیکھنے کے بعد نہ ہمیں لوٹے کا کچھ خیال رہا اور نہ حوض کے بارے میں ہم نے تحقیق کی ضرورت محسوس کی، البتہ بعد میں میرے ہم زلف، کرنل احمد خان، کو تحقیق کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ وہ ہماری نشاندہی پر عین اُس مقام پر پہنچ گئے، جہاں ہم نے وہ چیزیں دیکھی تھیں۔انہوں نے دیکھا کہ جسے ہم سفید مصلیٰ کہہ رہے تھے، وہ ایک

پختہ چبوترہ تھا۔ اسی طرح پختہ سیمنٹ کا بنا ہوا ایک حوض بھی وہاں موجود تھا، جو اس وقت خشک تھا، تاہم اب تک کسی کو معلوم نہیں کہ پہاڑی کی چوٹی پر یہ چیزیں کس نے اور کیوں بنائی تھیں‘‘

..........☆..........

خاکسار راقم الحروف کا اس سارے واقعہ پر تبصرہ اور صوبیدار عبدالغفور صاحب کا تعارف

خاکسار راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ بیس بائیس ہزار کے مسلح ہجوم کے گھیرے میں سے اس خاندان کا زندہ بچ نکلنا ویسے ہی ایک بہت بڑے معجزے سے کم نہ تھا۔ مگر ایک ویران اور بے آباد پہاڑ کی چوٹی پر تازہ اور میٹھے پانی سے بھرے ہوئے لوٹے اور حوض کا ملنا اس قادر مطلق خدا کی قدرت اور رحمت کا یقیناً ایک عظیم کرشمہ تھا، ایسے ہی جیسے چار ہزار سال قبل مکہ کی بے آب وگیاہ اور ویران وادی میں حضرت ہاجرہ اور اس کے بیٹے (حضرت اسمٰعیل) کیلئے آبِ زمزم جیسا ہمیشہ جاری رہنے والا چشمہ پیدا ہو گیا تھا۔ ورنہ جیسا کہ مکرم صوبیدار صاحب نے بتایا، ان کا اس راستے پر پہلے بھی کئی بار گذر ہو چکا تھا، مگر انہیں وہاں اس سے قبل اس قسم کی کوئی چیز نظر نہ آئی تھی اور نہ وہاں ایسی چیزوں کی موجودگی کا کوئی امکان یا تصور تھا۔ پھر یہ بھی نہیں تھا کہ چند روز پہلے بارش ہوئی تھی، تا گمان ہوتا کہ حوض بارش کے پانی سے بھر گیا تھا۔ بلکہ جیسا کہ آپ نے اپنی تفصیلی سرگذشت میں بیان کیا ہے، جون کا یہ گرم ترین مہینہ ابھی تک اپنی پہلی بارش کو ترس رہا تھا۔ اور مٹی کے لوٹے کا پانی تو جون جیسے گرم موسم میں ایک ہی دن میں خشک ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر از روئے تنزل یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ یہ چیزیں وہاں پہلے ہی سے موجود تھیں، تو یہ معجزہ کیا کم تھا کہ خدا رات کی تاریکی میں اس جاں بلب قافلے کو عین اُس مقام پر لے آیا اور ان کی دونوں بچیاں عین اُس جگہ پر بے ہوش ہو کر گر پڑیں، جہاں ان کیلئے آبِ حیات کے چشمے پھوٹ رہے تھے۔ پس یقیناً اس سارے واقعہ کے پیچھے اس لامحدود قدرتوں والے خدا کا زبردست ہاتھ کام کر رہا تھا، جسکے آگے کوئی بات انہونی نہیں اور جو اپنے بندوں کو بچانے کے لئے صحراؤں میں دریا اور ویرانوں میں لذیذ کھانے پیدا کر دیا کرتا ہے۔

فسبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم

..........☆..........

مزید برآں یہ کہ خاکسار راقم الحروف جب جرمنی میں چار سال خدمت دین کا فریضہ بجالانے کے بعد اوائل ۱۹۷۷ء میں واپس پاکستان پہنچا، تو صوبیدار عبدالغفور صاحب، جو اُس وقت شاہتاج شوگر ملز، منڈی بہاؤالدین، ضلع گجرات میں ملازم تھے، انہوں نے مجھے یہ سارا واقعہ زبانی سنایا۔ پھر خاکسار کے کہنے پر انہوں نے یہ جملہ واقعات لکھ کر خاکسار کو بھجوادئے۔ اُس وقت وہ بچی، مریم صدیقہ، اپنی عمر کے پانچویں سال میں تھی۔ اس کی بینائی کافی حد تک بحال ہو چکی تھی، اگرچہ پتلیاں ابھی تک اپنی اصل جگہ پر واپس نہیں آئی تھیں۔ خاکسار ایک رات ان کے ہاں ٹھہرا۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ ان کا داماد، فیض محمد خان، جسے وہ مردہ سمجھ کر چھوڑ آئے تھے، اور جسے بلوائی بھی مردہ سمجھ کر اوران کے گھر کا سارا اثاثہ لوٹنے کے بعد چلے گئے تھے، معجزانہ طور پر بچ رہا۔ بعد میں وہ بچتا بچاتا ان کے پاس پہنچ گیا۔ صوبیدار صاحب کا بیٹا، اعجاز احمد خان، لندن جاتے ہوئے خاکسار کو ۱۹۷۶ء میں فرانکفورٹ میں ملا تھا۔ اُس وقت وہ پاکستان سے سیدھا جرمنی پہنچا تھا اور اس نے راقم الحروف کو اپنے والدین اور بہن بھائیوں کی اس دلگداز داستان کے بعض حصے بھی سنائے تھے۔ پھر خاکسار کے پاکستان پہنچنے پر شاہتاج شوگر ملز میں خاکسار کی صوبیدار صاحب موصوف سے ملاقات بھی ہوگئی۔ اِس وقت فیض محمد خان اور ان کی بیگم مع اپنے دیگر بچوں کے جرمنی میں آباد ہو چکے ہیں۔ بچی مریم صدیقہ کی شادی ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے دین و دنیا میں خوشیاں پہنچائے۔ آمین! صوبیدار عبدالغفور خان اور آپ کے خاندان کے باقی افراد نقل مکانی کر کے امریکہ میں آباد ہو چکے ہیں۔ جبکہ ان کی دو بیٹیاں، عزیزہ امۃ القدوس صاحبہ (اہلیہ برادرم اجمل خان صاحب) اور امۃ القیوم صاحبہ (اہلیہ فیض محمد خان صاحب) جرمنی میں اپنے اپنے گھروں میں خوشی سے بس رہی ہیں۔ خاکسار کا ان سے اکثر رابطہ رہتا ہے۔ خاکسار نے ایک دفعہ جب عزیزہ امۃ القدوس سے پوچھا کہ کیا پہاڑی کے اوپر بیہوش ہونے والی دو بہنوں میں سے ایک آپ تھیں، تو اس نے مسکراتے ہوئے بتایا کہ نہیں انکل! وہ دونوں میری بڑی بہنیں تھیں، جو ویسے بھی کمزور دل کی واقع ہوئی ہیں۔ مَیں اگرچہ سب سے چھوٹی تھی، تاہم خدا نے مجھے ہمت دئے رکھی، ورنہ پیاس اور تھکاوٹ کی شدت سے تو میرا بھی برا حال ہو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

تصرف الٰہی کا بیسواں نشان

’’نوشتۂ دیوار‘‘

ایک داعی الی اللہ کی آسمانی حفاظت

برصغیر ہندو پاکستان کے اندر آسمانی حفاظت کے ان واقعات کے ذکر کے بعد اب ممالک غیر کے اندر ظاہر ہونے والا ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ یہ واقعہ، جو ایک بے نفس اور بے لوث مجاہد اسلام، حضرت مولانا محمد صادق صاحب سماٹری مرحوم، کے حق میں ظاہر ہوا، بتاتا ہے کہ وہ خدا جس کے حکم اور ارادے سے یہ آسمانی تقدیریں نازل ہوتی ہیں، اس کا تصرف کائنات کے ہر ذرے پر ہے، اور وہ چاہے تو اپنے ایک بندے کو بچانے کیلئے دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں کو تباہ و برباد کر کے رکھ دے۔۔ چنانچہ یہ داعی الی اللہ، جن کے حوالے سے اس تقدیر الٰہی کا ذکر کیا جارہا ہے، سالہا سال تک انڈونیشیا کے ممالک جاوا سماٹرا وغیرہ میں اعلاء کلمۃ اللہ میں مصروف رہ کر سلسلہ کی خدمت کرتے رہے۔ آپ کا وجود اسلام کی چلتی پھرتی تصویر تھا۔ علاوہ ازیں آپ کا علمی اور روحانی پایہ اس قدر بلند تھا کہ وقت کے علماء آپ کا سامنا کرنے سے خوف کھاتے تھے۔ پھر آپ جہاں بھی رہے، علم وحکمت کے موتی بکھیرتے اور سعید روحوں کو دولت ایمان سے بہرہ ور فرماتے رہے۔ آپ کے اپنے رشحات قلم کی مرحون منت یہ ایمان افروز اور روحوں کو جلا بخشنے والی داستان بھی آپ کے اس روحانی مقام کا پتہ دیتی ہے، جو آپ کو حضرت بانی سلسلہ علیہ السلام کے ایک ادنیٰ غلام کی حیثیت سے عنداللہ حاصل تھا۔ اب اس واقعہ کی تفصیل ملاحظہ ہو۔ آپ فرماتے ہیں:

’’یہ واقعہ اس زمانے کا ہے، جب جنگ عظیم دوم پورے زوروں پر تھی اور اس کا دائرۂ کارزار یورپ سے نکل کر مشرق بعید کے ممالک تک وسیع ہو چکا تھا۔ اُس وقت جاپان، جو ایک بہت بڑی طاقت بن کر اتحادیوں کے برخلاف برسر پیکار تھا، انگریزی مقبوضات پر قبضہ کرتے ہوئے انڈونیشیا تک پہنچ چکا تھا۔ اور پھر ان ممالک پر اپنا تسلط جما کر اس نے قتل وغارت گری کا وہ بازار گرم کیا کہ الامان والحفیظ! ۔ جاپانی فوجی جس کو چاہتے پکڑ کر لیجاتے۔ اسے قید میں ڈال دیتے یا قتل کر دیتے، انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں تھا۔ کسی کے متعلق ذرا سی شکایت بھی اس کی موت کا بہانہ بن جاتی۔ اس بارے میں نہ کوئی تحقیق ہوتی نہ تفتیش۔ بس فیصلہ سنا دیا جاتا، بلکہ فیصلہ سنانا بھی ضروری نہ سمجھا جاتا تھا۔ اس طرح پر ہزارہا

انڈونیشی موت کے گھاٹ اتارے جا چکے تھے"

حالات کے اس پس منظر میں آپ اپنے بارے میں بیان فرماتے ہیں:

"میرے متعلق بھی جاپانی حکومت نے قتل کا فیصلہ کیا۔ اطلاع دینے والے نے بتایا کہ میرے بارے میں یہ فیصلہ دو شکایات کی بنا پر کیا گیا تھا: اوّل، یہ کہ جماعت احمدیہ انگریزی حکومت کی مداح ہے۔ دوم، یہ کہ تمام علماءِ اسلام سماٹرا نے فتویٰ دیا تھا کہ انگریزوں اور امریکہ کے خلاف جنگ 'جہاد فی سبیل اللہ' ہے۔ مگر میں نے ایسا فتویٰ دینے سے انکار کیا ہے۔ بلکہ اس کے خلاف ایک مضمون لکھا ہے"

یہ شکایات اس لحاظ سے درست تھیں کہ حضرت بانی سلسلہ علیہ السلام نے انگریزی حکومت کے عدل و انصاف کی تعریف فرمائی ہے۔ دوسرے، یہ بھی درست تھا کہ آپ (حضرت مولانا صادق صاحب) نے دیگر انڈونیشی مسلمانوں کی طرح انگریزوں کے خلاف کوئی فتویٰ نہیں دیا تھا۔ پھر یہ بھی درست تھا کہ آپ نے ایک مضمون لکھا تھا کہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ جس حکومت کے ماتحت ہو، اس کا وفادار ہو کر رہے۔

آپ بتاتے ہیں کہ اطلاع دینے والے دوست نے مجھ سے اور جماعت کے جنرل سیکرٹری، طاہر سوتن مہاراجو صاحب، سے پختہ عہد لیا کہ یہ بات کسی کو نہ بتائی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ البتہ آپ نے جماعت پاڈانگ کو تحریک کی کہ نماز تہجد کی ادائیگی کا التزام کیا جائے اور دعا کی جائے اور اگر کسی دوست کو کوئی خواب یا کشف یا کوئی نظارہ نظر آئے، تو آپ کو بتایا جائے۔ یہ تحریک کرنے کے بعد آپ خود بھی ہمہ تن دعا بن گئے اور ہر آن اپنے مولا پر نظر رکھنے لگے کہ وہ کیا کرشمہ دکھاتا ہے۔

اس دوران آپ نے ایک رات ایسا نظارہ دیکھا، جس میں آپ کو جاپانی حکومت کے المناک انجام کا اجمالی نقشہ دکھایا گیا۔ آپ نے دیکھا کہ دیوار پر موٹے حروف میں یہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں:

"دانی ایل نبی کی کتاب کی پانچویں فصل پڑھیں"

چنانچہ جب آپ فجر کی نماز کے لئے بیدار ہوئے، تو جماعت کے دوستوں کو اس خواب کے متعلق بتایا۔ اس پر بائیبل منگوا کر کتاب "دانی ایل" میں پانچویں فصل یعنی پانچویں باب کو دیکھا گیا تو اسکے اندر مندرجہ ذیل مضمون بیان کیا گیا تھا:

"بخت نصر (مراد بادشاہ نبوکدنضر) کے بعد اس کا بیٹا، بیلشضر، تخت نشین ہوا۔ وہ بت پرست،

ظالم اور شرابی تھا۔ ایک دفعہ اس نے اپنے تمام امراء کی ضیافت کی اور سونے کے ان برتنوں میں، جو اس کا باپ یوروشلم کی ہیکل سے لوٹ کر لایا تھا، شراب ڈال کر ساری رات پیتا اور بتوں کی پوجا کرتا رہا۔ اس دوران اس نے دیکھا کہ ایک ہاتھ نکلا ہے اور وہ شاہی محل کی دیوار پر کچھ لکھ کر غائب ہو گیا ہے۔ بادشاہ یہ منظر دیکھ کر بڑا بے چین ہو گیا۔ اس نے وہ نوشتہ پڑھنے کی کوشش کی، مگر نہ پڑھ سکا۔ پھر اس نے نجومیوں اور فالگروں کو بلا کر اس تحریر کو پڑھوانے کی کوشش کی، مگر وہ بھی نہ پڑھ سکے۔ تب اسنے اپنی ماں کے کہنے پر دانی ایل کو بلوایا اور کہا کہ اگر تو نے یہ نوشتہ پڑھ لیا، تو میں تجھے زریں طوق پہناؤں گا اور ارغوانی خلعت عطا کروں گا۔ نیز تجھے تیسرے درجے کا حاکم بناؤں گا۔ دانی ایل آیا۔ اس نے کہا: اے بادشاہ! تو اپنا انعام اپنے پاس ہی رکھ۔ البتہ جو نوشتہ ہے، وہ یہ ہے: 'منے منے۔ تقیل و فریسن'۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ 'خدا نے تیری مملکت کا حساب کیا اور اسے تمام کر ڈالا۔ تو ترازو میں تولا گیا اور کم نکلا۔ اور تیری مملکت تقسیم ہوئی اور مادیوں اور فارسیوں کو دی گئی' ''

(خلاصہ بیان کتاب دانی ایل، باب ۵)

آپ نے یہ پڑھ کر فرمایا کہ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جاپانی حکومت کا بھی وہی حشر ہونے والا ہے، جو بیلشضر کی حکومت کا ہوا تھا۔ ظاہر ہے یہ ایک بہت بڑی آسمانی خبر تھی، جو عالم الغیب خدا نے آپ کو بہم پہنچائی۔ تاہم اس کا پورا ہونا ایک ایسی تقدیر الٰہی تھی، جو بھی صیغۂ راز میں پڑی ہوئی تھی اور کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ کیسے حقیقت بنے گی۔

اس اثنا میں جاپانی حکومت اپنے اس منحوس فیصلے کے مطابق ۲۳ اور ۲۴ اگست ۱۹۴۵ء کی درمیانی رات کو ۶۵ آدمیوں کے قتل کرنے کا منصوبہ بنا چکی تھی۔ ان میں سر فہرست مکرم مولانا محمد صادق صاحب کا نام تھا۔ اب خدا کی قدرت دیکھئے کہ اِدھر جاپانی حکومت نے یہ پروگرام بنایا، اُدھر اللہ تعالیٰ کی نصرت انکی جان بچانے کے لئے آن پہنچی۔ اور وہ اس طرح ہوا کہ اس فیصلے کی تنفیذ سے صرف آٹھ دن قبل امریکہ نے جاپانی شہروں، ہیروشیما اور ناگاساکی، پر ایٹم بم برسائے، جو دنیا میں ہونے والا پہلا ایٹمی تجربہ تھا اور جسکے نتیجے میں جاپانی حکومت نے وہ تباہی دیکھی، جس کا وہ تصور بھی نہ کر سکتے تھے[ا] چنانچہ اس کا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ جاپانیوں نے اتحادی طاقتوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ یہ ۱۴ راگست ۱۹۴۵ء کا دن تھا۔ اسکے ٹھیک آٹھ دنوں بعد یعنی ۲۲ راگست کو انڈونیشیا میں مقیم جاپانی فوجی کمانڈ کو اپنی حکومت کی طرف سے حکم ملا

کہ وہ جملہ فوجی کاروائیاں فوری طور پر ترک کر کے واپس آجائے۔اس طرح جاپانی فوج اپنے اس منحوس فیصلہ کی تنفیذ سے صرف ایک دن پہلے انڈونیشیا چھوڑ کر واپس چلی گئی۔اور یوں اس کا ۶۵ آدمیوں کو قتل کا ظالمانہ پروگرام دھرے کا دھرارہ گیا۔

کیا یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا زبردست نشان نہیں کہ اسنے اپنے ایک بندے کی خاطر ایک پوری کی پوری حکومت کو، جسکی طاقت کے سامنے اتحادی فوجیں دم توڑتی چلی جارہی تھیں، تہ و بالا کر کے رکھ دیا اوراسے شکست قبول کرنے پر مجبور کردیا؟

(ملخص از ’برہان ہدایت‘)

........☆........

حضرت مولانا محمد صادق صاحب فاضل کا تعارف:

یہ وہ مجاہد اسلام ہیں، جنہیں سالہا سال تک جاوا ،سماٹرا اور انڈونیشیا وغیرہ ممالک میں رہ کر لکھوکھہا انسانوں تک مسیح کی آمد ثانی اور ظہورامام مہدی علیہ السلام کا پیغام پہنچانے کی سعادت نصیب ہوئی۔آپ پہلی بار ۱۹۳۶ء میں ان ممالک میں تشریف لے گئے اور پھر وقفہ وقفہ سے کئی بار گئے۔اسی وجہ سے آپ کے نام کے ساتھ ’سماٹری‘ کا لاحقہ استعمال ہونے لگا۔جب آپ مرکز سلسلہ میں واپس آچکے تھے،تو خاکسار کو بھی آپ سے ملنے اور علمی استفادہ کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔آپ ایک متبحر عالم اور انتہائی ملنسار انسان تھے۔

☆ ☆ ☆

[۱] ان ہر دو جاپانی شہروں کی ایٹم بم سے ہونے والی تباہی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ہیروشیما پر گرائے جانے والے بم کے پھٹنے سے جومہیب شعلہ پیدا ہوا،اس کا درجہ حرارت تین لاکھ سنٹی گریڈ تھا۔ بم پھٹنے کے ساتھ ہی پہلے گلابی اور سفید رنگ کی آگ کا نو ہزار میٹر (نو کلومیٹر) بلند ایک مینار سا بن گیا،جس کی گولائی پانچ سو ساٹھ میٹر تھی۔اس بے پناہ آگ نے ساڑھے تین کلومیٹر کے علاقے تک جو چیز بھی تھی،خواہ وہ عمارت تھی، پتھر تھے یا لکڑی تھی،جل کر راکھ بنادی۔اس کے نتیجہ میں ایک لاکھ چالیس ہزار انسان فوری طور پر موت کے منہ میں چلے گئے۔چھہتر ہزار عمارتیں جل کر خاکستر ہوگئیں۔ اسکے نصف گھنٹہ بعد تابکاری اثرات کا عمل شروع ہوگیا۔دھوئیں اور راکھ کا یہ طوفان، جسے ’’سیاہ بارش‘‘ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے،شہر کے اوپر موت برسانے لگا۔گویا ایک دوسری قسم کی تباہی شروع ہوگئی،جس میں براہ راست آگ کی لپیٹ میں آنے سے بچ جانے والے موت کا شکار ہونے لگے۔جو بچ رہے،ان میں اکثر وہ تھے، جو زندگی بھر کیلئے اپاہج بن گئے۔غرض ایک ایسی تباہی پیدا ہوئی، جو اس سے قبل دنیا نے نہ دیکھی تھی، نہ اس کا تصور کیا تھا۔

تصرف الٰہی کا اکیسواں نشان

"اللہ تعالیٰ کے بھید نرالے ہیں"

ایک مردِ خدا ۔ بمقابلہ ۔ ایک آمرِ مطلق

آخر پر حفاظتِ سماوی کا ایک اَور نشان پیش کیا جاتا ہے، جو بتاتا ہے کہ جسے خدا رکھنا چاہے، اس کا کوئی بال بھی بیکا نہیں کرسکتا۔ یہ واقعہ، جو خلافتِ رابعہ کے دَور کا تاریخی اہمیت رکھنے والا ایک عظیم الشان سانحہ ہے، اور جو خود حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے وجود میں ظاہر ہوا، ایک ڈکٹیٹر کی ناکامی اور نامرادی اور ایک مردِ خدا کے تعلق باللہ اور توکل علی اللہ کی عظیم یادگار کے طور پر دنیا کو ایک قادر و توانا خدا کی ہستی کا ثبوت بہم پہنچاتا رہے گا۔ یہ بھی ۱۹۷۴ء میں احمدیوں کے خلاف بھڑکائے گئے ان ملک گیر ہنگاموں کی پیداوار ہے، جن کا ذکر اوپر کے واقعہ میں کیا گیا ہے۔ البتہ یہ اُس وقت کا ہے، جب ان ہنگاموں کا محرک اور موجد اپنے مقدر انجام کو پہنچ چکا تھا اور اس کا خلف رو، یعنی جنرل محمد ضیاء الحق، پاکستان کے فوجی سربراہ کی حیثیت سے اپنی طاقت کے عروج پر تھا۔ جیسا کہ دنیا جانتی ہے، ذوالفقار علی بھٹو کے دورِ اقتدار میں پاکستان کی قومی اسمبلی کے ایک خفیہ اجلاس میں ایک قرارداد پاس کی گئی، جس کا مطلب یہ تھا کہ آئندہ ہر احمدی (یعنی ہر وہ شخص جو حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کو زمانے کے "مصلح ربّانی" کے طور پر مانتا اور آپ کے ساتھ رشتۂ بیعت میں منسلک ہے) قانون اور دستور کے رو سے "غیر مسلم" تصور کیا جائیگا۔ بعد میں اس قرارداد کو دستورِ پاکستان کا حصہ قرار دے کر اسے قانونی حیثیت دے دی گئی۔ جولائی ۱۹۷۷ء میں جب جنرل ضیاء الحق، کمانڈر انچیف افواج پاکستان، نے بھٹو حکومت کا تختہ الٹ کر اقتدار پر قبضہ کرلیا، تو اسی قرارداد کو بنیاد بناتے ہوئے اس نے بطور چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر ایک ایسا آرڈیننس جاری کیا، جس کے مطابق احمدیوں کو مذہبی آزادی کے جملہ حقوق سے محروم کر کے ان کا اسلامی شعار پر مبنی ہر عمل، دستور پاکستان کی خلاف ورزی شمار کیا جانے لگا۔ اسکے نتیجہ میں ان کے لئے بھاری سزاؤں بصورت جرمانہ، قید، حتیٰ کہ سزائے موت تک کا اعلان کر دیا گیا۔ اس اعتبار سے احمدیوں کا اپنے آپ کو مسلمان کہنا، کلمہ طیبہ پڑھنا، مسجد میں یا کسی جگہ ان کا اذان دینا، بلکہ اپنی مسجد کو مسجد کہنا بھی 'قابل دست اندازیٔ پولیس' جرم متصور کیا جانے لگا۔ ان "جرموں" کی سزا کے طور پر بیشمار احمدیوں کو بھاری جرمانوں کی سزائیں دی گئیں، انہیں قید کر کے جیلوں میں ڈال دیا گیا، یا ان کے خلاف مقدمات کا ایک لمبا اور تکلیف دہ سلسلہ

چل پڑا، جو ابھی تک جاری ہے۔

۲۶/اپریل ۱۹۸۴ء کو جاری ہونے والے اس خلافِ شرع، خلافِ اخلاق، خلافِ دستور اور خلافِ حقوق انسانی آرڈیننس [ا] کا مطلب یہ بھی تھا کہ اب احمدیوں کے سربراہ یعنی حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کی زبان پر پہرے بٹھا دئے گئے ہیں، کیونکہ اگر وہ بطور امام جماعت احمدیہ عالمگیر اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں اسلام کا لفظ بھی منہ پر لاتے ہیں، تو قانونی گرفت میں آجائیں گے، جسکی کم از کم سزا تین سال قید ہو سکتی تھی۔ اس نہایت پُر از خطرات صورت حال کا جب جماعت کی اعلیٰ مشاورتی سطح پر جائزہ لیا گیا، تو سب نمائندگانِ جماعت کا مشورہ یہی تھا کہ آپ (یعنی حضرت خلیفۃ المسیح) جس قدر جلد ممکن ہو، ملک چھوڑ کر باہر چلے جائیں۔ چنانچہ آپ مزید انتظار کئے بغیر اپنے اہل خانہ (اپنی اہلیہ اور چار بچیوں) کو ساتھ لیکر پہلے بذریعہ کار کراچی پہنچے۔ وہاں سے آگے بذریعہ ہوائی جہاز انگلستان پہنچنے کا پروگرام تھا۔ آپ کی فلائٹ پہلے ہی KLM کے امسٹرڈم جانے والے جہاز پر ۳۰/اپریل کیلئے مخصوص ہو چکی تھی۔ جہاز کی پرواز کا وقت رات دو بجے تھا۔ چنانچہ آپ معمول کے مطابق ''چیک۔اِن'' کے بعد ویٹنگ ہال میں ہوائی جہاز کی پرواز کے اعلان کا انتظار کرنے لگے۔ لیکن اعلان ہوا، تو یہ کہ جہاز کی روانگی میں تاخیر ہوگئی ہے۔ اس تاخیر کی وجہ جیسا کہ بعد میں معلوم ہوا، جنرل ضیاء الحق کا اپنے ہاتھوں کا لکھا ہوا ایک حکمنامہ تھا، جس کا مفہوم سمجھنے کی ائر پورٹ کا حفاظتی عملہ ناکام کوشش کر رہا تھا۔ آخر قریباً دو گھنٹوں کی تاخیر کے بعد جہاز کو پرواز کی اجازت دے دی گئی۔ اور یوں وہ جہاز اپنی متاعِ عزیز کو لے کر خراماں خراماں پرواز کرتا ہوا اپنی یورپی منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہوگیا۔ ایمسٹرڈم (ہالینڈ) بخیریت پہنچ جانے کے بعد حضور اس سے اگلی پرواز پر لندن کے لئے روانہ ہوگئے۔ اب آپ بخیر و عافیت نگلستان پہنچ چکے تھے۔

ا اس آرڈیننس کا ایک اور مضحکہ خیز نتیجہ یہ بھی نکلا کہ اس سے شر پسند ملاؤں کو احمدیوں کے خلاف شر پھیلانے اور اس طرح اسلام کی ایک انوکھی ''خدمت'' کرنے کی کھلی چھٹی مل گئی۔ یعنی ''اسلام کے یہ خدمتگار'' احمدیہ مساجد میں جا جا کر ان کے ماتھوں اور در و دیوار پر سے کلمہ طیبہ مٹانے لگے۔ وہ چونے یا تارکول سے بھری بالٹیاں لاتے اور جہاں جہاں کلمہ طیبہ یا آیات قرآنیہ لکھی ہوتیں، ان پر چونا یا سیاہی پھیرتے چلے جاتے۔ جہاں پتھر یا سیمنٹ سے لکھا ہوتا، وہاں ہتھوڑوں اور تیشوں سے مدد لی جاتی۔ اگر کسی مقام پر احمدی مزاحمت کرتے تو پولیس پہنچ جاتی اور پھر یہ کام خود پولیس کی نگرانی میں سرانجام پاتا۔ ''خدمت اسلام'' کا دوسرا ''کارنامہ'' انہوں نے یہ سرانجام دیا یہ تھا کہ احمدیہ مساجد کو ہی گرانا شروع کر دیا۔ جب اس سے بھی انکے جذبۂ شیطنت کی تسکین نہ ہوئی تو احمدیوں کو ہی شہید کرنا شروع کر دیا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

جنرل ضیاء الحق کا وہ حکم نامہ کیا تھا اور وہ کس طرح کراچی ائر پورٹ کے حفاظتی عملہ کے لئے عقدۂ لانیحل بنا رہا، اس کی پوری کیفیت کا ادراک کرنے کیلئے اس کے پس منظر میں جانا ضروری ہے۔

جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے، جنرل ضیاء الحق ایک جمہوری حکومت کا تختہ الٹ کر برسر اقتدار آیا تھا۔ یہ دستورِ پاکستان کے رو سے ایک جرم تھا۔ اس جرم سے عوام کی توجہ ہٹانے کیلئے جہاں اس نے اور بہت سے جتن کئے، وہاں ایک ایسا قدم بھی اٹھایا، جو دنیا کے ڈکٹیٹروں کا مرغوب اور آزمودہ طریقۂ کار ہے۔ اور وہ وہی ہے، جس کی پچھلے صفحہ کے حاشیہ میں تفصیل بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کا ایک یورپی سوانح نگار، مسٹر آئن ایڈم سن، جنرل ضیاء الحق کے اس مذموم اقدام پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنی کتاب ''ایک مردِ خدا'' (A Man of God) میں لکھتا ہے:

''ایسے مطلق العنان آمروں کا جانا پہچانا طریقۂ واردات یہ بھی ہوا کرتا ہے کہ وہ عوام کی توجہ ان کے حقیقی مسائل سے ہٹانے کیلئے کسی مذہبی یا نسلی اقلیت کو چن لیتے ہیں اور تعصب کی چنگاریوں کو ہوا دے کر ان اقلیتوں کے خلاف مخالفت کی آگ بھڑکا دیتے ہیں۔ یہی کچھ ضیاء نے کیا۔ اس کے لئے اس کی نظر انتخاب جماعت احمدیہ پر پڑی، اور ایک سوچی سمجھی سکیم کے ماتحت جماعت پر ایذا رسانیوں کے دروازے کھول دئے گئے اور ظلم وستم کی انتہا کر دی گئی۔ احمدیوں کی دوکانیں لوٹی اور جلائی جانے لگیں۔ مشتعل ہجوم انکی مساجد کے تقدس کو پامال کرتے ہوئے ان پر حملہ آور ہونے اور انکی توڑ پھوڑ کرنے لگے۔ اسی طرح مسٹر بھٹو نے سرکاری محکموں میں احمدی ملازمین کے خلاف امتیازی پالیسی کی جو مہم شروع کی تھی، اس میں بھی شدت پیدا کر دی گئی۔ چنانچہ بے گناہ احمدیوں کو جن کا واحد قصور یہ تھا کہ

....

(بقیہ حاشیہ) ان شہداء میں ڈاکٹر، وکلاء اور جماعتوں کے صدران اور امراء بھی تھے۔ اس طرح پر ملک بھر میں ابتک درجنوں مسجدیں گرائی جا چکی ہیں اور بیسیوں احمدی شرفاء کو شہید کیا جا چکا ہے۔ غرض ظلم اور بربریت کی یہ رو، جس کی ابتدا بھٹو کے دور اقتدار میں ہوئی تھی، ضیاء الحق کے دورِ اقتدار میں اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔ بلکہ اب احمدیوں کی گرفتاریاں شروع ہو گئیں۔ چنانچہ اِس وقت بھی سینکڑوں احمدی کلمہ پڑھنے، کلمہ لکھنے یا اذان دینے کے ''جرم'' میں جیلوں میں قید ہیں۔ ایک کثیر تعداد ایسے احمدیوں کی بھی ہے، جن میں سے ہر ایک کے پر بیسیوں مقدمات بنے ہوئے ہیں اور جو مقررہ تاریخوں پر عدالتوں میں حاضر ہونے کے اذیت ناک سلسلے سے دوچار ہیں۔

وہ احمدی تھے، نہ کہ کسی قانونی یا اخلاقی کوتاہی یا جرم کے مرتکب ہوئے تھے، بپھرے ہوئے ہجوم اور کرائے کے غنڈوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا گیا۔ ان کو سر عام زدوکوب کیا جانے لگا۔ بہت سے قتل بھی ہو گئے۔ اور اس سارے عمل کو پولیس خاموش تماشائی بن کر دیکھتی رہی۔ نہ ہی اس جرم کا ارتکاب کرنے والوں پر کوئی قدغن لگائی گئی''

(بحوالہ A Man of God از مسٹر آئن ایڈم سن)

آگے یہ بتاتے ہوئے کہ جنرل ضیاء الحق نے اپنے ان ناپاک اور خدا کے غضب کو بھڑکانے والے عزائم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کیلئے کس طرح جماعت کی فعّالی قوت کے سر چشمہ پر ہاتھ ڈالنے کی مذموم کوشش کی، مسٹر ایڈمسن لکھتا ہے:

''جنرل ضیاء اپنے زعم میں جماعت احمدیہ کو تباہ کرنے پر ادھار کھائے بیٹھا تھا۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ اسکے نزدیک (حضرت) امام جماعت احمدیہ ہی اسکے سب سے بڑے اور خطرناک دشمن تھے۔ وہ انہیں اپنی اوّلین فرصت میں موت کے گھاٹ اتارنا چاہتا تھا''

اس مقصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی خاطر اسنے کیا منصوبہ تیار کیا، اس بارے میں آپ کا یہی سوانح نگار (مسٹر ایڈمسن) ایک معروف احمدی تجزیہ نگار کے حوالے سے لکھتا ہے:

''جنرل ضیاء کا منصوبہ یہ تھا کہ سب سے پہلے ایک صدارتی فرمان کے ذریعے احمدیوں کا یہ حق چھین لیا جائیگا کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہہ سکیں۔ ان کی اذانیں بند کر دی جائینگی۔ وہ مسجد کو مسجد نہیں کہہ سکیں گے۔ نہ اعلانیہ عبادت بجا لاسکیں گے۔ نہ السلام علیکم کہہ سکیں گے حتیٰ کہ ان کا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنا اور پڑھنا بھی قانوناً قابل دست اندازیٔ پولیس جرم سمجھا جائیگا......(اس دوران) حضرت) خلیفہ (رابع) کو گرفتار کر لیا جائیگا۔ اور ......رسمی عدالتی کاروائی کے بعد ان پر فرد جرم عائد کر دی جائیگی۔ اور......دو، ایک سال بعد جب بین الاقوامی رائے کی توجہ ہٹ چکی ہوگی، تو جنرل ضیاء الحق ایک صبح اچانک حکم صادر کر دیگا کہ آپ کو پھانسی دے دی جائے''

(بحوالہ A Man of God از مسٹر آئن ایڈم سن)

اس کا ثبوت اس امر سے بھی ملتا ہے کہ آرڈیننس کے اجراء کے فوراً بعد اس نے نہ صرف حضرت امام

جماعت احمدیہ کی نقل و حرکت پر کڑی نگرانی شروع کر دی[ا] بلکہ اس نے ایک ایسا خفیہ حکم بھی جاری کر دیا جس کے مطابق آپ کے لئے پاکستان سے باہر جانے کے تمام بری، بحری اور ہوائی راستے بند کر دیئے گئے ۔ یہ وہی حکم نامہ تھا، جو اُس وقت جبکہ آپ اپریل ۱۹۸۴ء میں ملک کو چھوڑ کر باہر جا رہے تھے، کراچی ائر پورٹ کے حفاظتی عملہ کیلئے ایک عقدۂ لاینحل بن گیا۔ اب یہ تو ظاہر ہے کہ عام حالات میں ایسے صدارتی حکم کی موجودگی میں آپکا ملک چھوڑ سکنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا، مگر خدائے قادر وقدوس نے اس وقت اپنی قدرت کا ایک ایسا جلوہ دکھایا، جس سے اس ظالم حکمران کا وہ منصوبہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔ بات یہ ہوئی کہ جنرل ضیاء الحق سے وہ حکم نامہ لکھتے وقت ایک بہت بڑی فروگذاشت ہوگئی ۔ اسنے اسکے اوپر 'مرزا طاہر احمد' لکھنے کی بجائے، 'مرزا ناصر احمد' کے الفاظ لکھ دیئے ۔ چنانچہ حکم نامہ کی عبارت جو لکھی گئی، وہ یہ تھی:

''مرزا ناصر احمد کو جو اپنے آپ کو جماعت احمدیہ کا خلیفہ کہتے
ہیں، پاکستان چھوڑنے کی ہرگز اجازت نہیں''

اب یہ ہر کوئی جانتا ہے کہ 'مرزا ناصر احمد' جماعت احمدیہ کے تیسرے خلیفہ کا نام تھا، جو دو سال قبل وفات پا چکے تھے۔ موجودہ خلیفہ کا نام 'مرزا طاہر احمد' تھا۔ کراچی ائر پورٹ پر متعین عملہ اس الجھن میں پڑ گیا اور اس پر کافی لے دے ہوتی رہی کہ آیا وہ اس حکم نامہ کے رو سے حضرت مرزا طاہر احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الرابع) کو روک سکتے ہیں یا نہیں۔ اس الجھن کے حل کے لئے بالآخر انہوں نے رات اسلام آباد فون بھی کیا کہ تا جنرل ضیاء الحق سے اس کی وضاحت کروائی جائے۔ مگر وہاں سے جواب ملا کہ جنرل صاحب اس وقت محو استراحت ہیں اور ان سے رابطہ نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ اس حکم نامے کو کسی پرانے اور زائد المیعاد حکم پر محمول کرتے ہوئے ہوائی جہاز کو پرواز کی اجازت دے دی گئی۔ کراچی ائر پورٹ پر ہوائی جہاز کی پرواز میں تاخیر کی یہی وجہ تھی۔

یہ وہ خاص تقدیر الٰہی تھی جو حضرت امام جماعت احمدیہ کے حق میں اس وقت ظاہر ہوئی، جب عام حالات میں آپ کا ملک سے باہر جانا قطعی طور پر ناممکن ہو چکا تھا۔ اس طرح پر اللہ تعالیٰ کی خاص مشیئت

ا مسٹر ایڈم سن کے مطابق حکومت کی پانچ خفیہ ٹیمیں ربوہ (پاکستان میں جماعت احمدیہ کا عالمی مرکز اور خلیفہ کی جائے مسند) کے ارد گرد اندر جانے اور باہر نکلنے کے راستوں پر متعین کر دی گئیں جو ایک ایک منٹ کی رپورٹ اوپر بھجوا رہی تھیں۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حکومت، احمدیہ جماعت کے سربراہ کے بارے میں کتنے خطرناک عزائم رکھتی تھی۔

نے پاکستان کے اس ظالم اور عامر مطلق کا تیار کردہ ناپاک منصوبہ خاک میں ملا دیا۔اس دلچسپ حقیقت پر جس عمدہ انداز میں مسٹر اے۔ایڈم سن نے تبصرہ کیا ہے، وہ اس قابل ہے کہ اسے ناظرین کے سامنے رکھا جائے۔وہ لکھتا ہے:

''یہ خدا ہی کی منصوبہ بندی تھی، جس کے مقابلے میں سارے انسانی منصوبے خاک میں مل گئے۔خدا نے اپنے دست قدرت سے (حضرت) خلیفہ رابع کی حفاظت فرمائی، کیا یہ الٰہی تصرف نہیں تھا کہ ضیاء الحق اپنے قلم سے عین اُس وقت اتنی فاش غلطی کرتا ہے کہ جب آپ (یعنی حضورؒ) ہوائی جہاز پر سوار ہونے لگتے ہیں، تو اس کا سارا منصوبہ دھرے کا دھرا رہ جاتا ہے۔کسے معلوم نہیں تھا کہ خلیفہ رابع کا کیا نام ہے۔آپکا پاسپورٹ پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ آپ (حضرت) مرزا طاہر احمد ہیں۔لیکن عین وقت پر ضیاء الحق کی آنکھوں پر پردہ پڑ جاتا ہے اور وہ بقائمی ہوش و حواس اپنے ہاتھ سے اور اپنے ہی قلم سے اپنے حکم نامہ پر بجائے (حضرت) مرزا طاہر احمد کے (حضرت) مرزا ناصر احمد نام لکھ دیتا ہے۔اور پھر اس کی اسی غلطی کی بدولت (حضرت) مرزا طاہر احمد ایدہ اللہ تعالیٰ قانون کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے آرام اور سکون کے ساتھ ملک چھوڑنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں'' [۱]

اب جنرل ضیاء الحق کی سنیں کہ اس کا کیا حال ہوا۔جب اسے علم ہوا کہ اس کا 'شکار' اس کے ہاتھ سے نکل چکا ہے، تو وہ غصے سے باؤلا ہو گیا۔مزید تفصیل مسٹر ایڈم سن کی زبانی ملاحظہ ہو۔وہ لکھتا ہے:

''جنرل ضیاء الحق یہ خبر سن کر باؤلا ہو گیا۔وہ پہلے تو کراچی کے امیگریشن حکام پر برسا اور گرجا اور انہیں یک قلم معطل کر دیا۔'اس میں ضرور کوئی سازش ہوئی ہے'، اس نے کہا۔'اس کی پوری چھان بین کی جائے'، اسنے حکم صادر کیا۔اور یہ کہ 'جن جن کا بھی اس میں ہاتھ ہوا، میں ان سب کو ناکوں چنے چبوا دونگا'، اس نے چیختے ہوئے اپنا جملہ مکمل کیا''

[۱] یہ امر قابل ذکر ہے کہ جیسا کہ خاکسار کو حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے قافلہ کے ایک اہم رکن نے حال ہی میں بتایا ہے، کراچی ائرپورٹ پر متعین حفاظتی عملہ بالآخر کسی نہ کسی طرح جنرل ضیاء الحق سے رابطہ کرنے اور یہ وضاحت کروانے میں کامیاب ہو گیا کہ ''مرزا ناصر احمد'' سے مراد ''مرزا طاہر احمد'' ہی ہیں اور یہ کہ انہیں ہرگز ملک سے باہر نہ جانے دیا جائے۔مگر جنرل صاحب کے اس نئے حکم کے پہنچنے سے صرف پانچ منٹ قبل حضور کا جہاز take off کر چکا تھا۔

دوسرے نمبر پر سپرنٹنڈنٹ پولیس، ضلع جھنگ، کی جو شامت آئی، تو اس کا حال بھی سننے سے تعلق رکھتا ہے۔ چنانچہ مسٹر ایڈم سن، ایس۔ پی جھنگ، کی جنرل ضیاء الحق کے ساتھ ٹیلیفون پر ہونے والی گفتگو کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''اس کا ایک دوست، جو اس وقت اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اس کا کہنا ہے کہ اُن کے دفتر کے ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ جب انہیں بتایا گیا کہ اسلام آباد سے کال ہے اور جنرل ضیاء الحق صدر پاکستان ان سے بات کرنا چاہتے ہیں، تو انکے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ انہوں نے ریسیور اٹھایا ہی تھا کہ انہیں ایک گرجدار آواز آئی: 'مرزا طاہر احمد کہاں ہے؟ اسے فوراً اسی وقت حاضر کرو!' ۔ضیاء الحق کی آواز دفتر میں بیٹھے ہوئے دوست کو بھی صاف سنائی دے رہی تھی۔ اِدھر وہ پولیس افسر اعلیٰ تھا کہ تھر تھر کانپتے ہوئے صرف اتنا ہی کہہ پایا کہ، جناب! مجھے تو کچھ علم نہیں، وہ کہاں ہیں'۔ جنرل ضیاء الحق کا یہ سننا تھا کہ وہ غصے سے آگ بگولا ہو گیا اور چنگھاڑتے ہوئے بولا: 'تمہارا مطلب کیا ہے، وہ تمہارے ضلع میں رہتا ہے، تم ہی اس کے ذمہ وار ہو اور تم کہہ رہے ہو کہ تمہیں کوئی علم نہیں؟ تمہارے سامنے وہ غائب ہو گیا اور تمہیں کانوں کان خبر نہیں ہو سکی، میں تمہیں پکڑوں گا' ''

اسکے جواب میں ضلعی افسر اعلیٰ بیچارہ اپنی سراسیمگی پر قابو پاتے ہوئے انتہائی لجاجت کے عالم میں بس صرف اتنا ہی کہہ سکا:

'جناب فکر نہ کریں، میں ابھی اس کی تحقیق کرواتا ہوں، مرزا طاہر احمد جہاں کہیں بھی ہوا، اسے ڈھونڈ کر لے آؤں گا'۔ اِدھر ضیاء الحق تھا کہ اس کے منہ سے دھمکیوں اور گالیوں کا ایک نہ ختم ہونے والا لاوا کئی منٹوں تک بدستور ابلتا اور بہتا رہا''

بہر حال اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ حضرت امام جماعت احمدیہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں پاکستان سے باہر آ چکے تھے اور اس طرح پر ایک ظالم اور سفاک ڈکٹیٹر کی دست برد سے آزاد ہو چکے تھے۔ اس کے جلد بعد ہی خدائے غیور کے غضب کی لاٹھی خود اس (ظالم ڈکٹیٹر) کے اُوپر چل گئی اور وہ اپنے بیس جرنیلوں کو بھی ساتھ لیتا ہوا اس حاکم ازلی کی عدالت میں حاضر ہو گیا، جسکے آگے بڑے بڑے خودسروں اور فرعونوں کی گردنیں جھک جاتی ہیں۔

یہ مضمون ختم کرنے سے پیشتر خدائے قادر وتوانا کے قادرانہ تصرف کے جلوہ کی ایک اَور دلچسپ جھلکی کا بیان بھی ازدیادِ ایمان کا باعث ہوگا۔ وہ یہ کہ حضور (حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ) کے پاکستان کی سرزمین چھوڑنے کے بارہ گھنٹے بعد (مگر آپ کے انگلستان پہنچنے کی خبر نشر ہونے سے پہلے) ربوہ میں گورنر صاحب پنجاب کا ایک ٹیلیفونی پیغام موصول ہوا، جو یہ تھا کہ

'خلیفہ صاحب گورنر صاحب موصوف کو فوری طور پر لاہور آ کر ملیں'

اس حکم کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہ تھا کہ گورنر پنجاب، جسے جنرل ضیاء الحق کی طرف سے کچھ مخفی ہدایات مل چکی تھیں، حضرت امام جماعت احمدیہ کے گورنر ہاؤس میں حاضر ہوتے ہی آپ کو حراست میں لے لیتا۔ اس کے بعد کیا ہوتا، یہ ہر وہ شخص سمجھ سکتا ہے جس نے گزشتہ صفحات میں بیان شدہ حالات کا بنظر غائر مطالعہ کر لیا ہو۔ یعنی وہی ہوتا جس کا ذکر احمدیہ تجزیہ نگار کے حوالے سے مسٹر ایڈم سن اوپر کر چکے ہیں۔

اس ساری صورتِ حال پر حضورؒ نے اپنا عارفانہ تبصرہ یوں فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کے کام بھی نرالے ہیں''

☆ ☆ ☆

.....باب ششم.....

الہامی بشارت:

”آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے“

کے پورا ہونے کے پُر لطف نظارے

غلامانِ احمد کے حوالے سے

☆

کلام الامام

........☆........

''مجھے بھی خدا نے ابراہیم کہا ہے۔اگر لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آگ کس طرح ٹھنڈی ہوئی،تو وہ مجھے آگ میں ڈال کر دیکھ لیں کہ آیا میں اس آگ میں سے سلامتی کے ساتھ نکل آتا ہوں یا نہیں''

........☆........

(آپؑ نے یہ کلمات اُس وقت فرمائے تھے،جب حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحبؓ ایک مرتد دھرم پال نامی کے اِس اعتراض کا جواب دے رہے تھے کہ' اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آگ ٹھنڈی ہوئی تھی،تو دوسروں کے لئے کیوں ٹھنڈی نہیں ہوتی')

(بحوالہ ''حیات نور''،صفحہ ۲۷۶)

☆

غلامانِ احمد کے آگ سے محفوظ رہنے کے

اعجازی واقعات

مقدمۃ الکتاب میں قرآن کریم کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ جب دشمنوں نے خدا تعالیٰ کے پیغمبر، حضرت ابراہیم علیہ السلام، کو آگ میں ڈالا تو آگ کو خدا کی طرف سے حکم ہوا کہ 'اے آگ! تو ٹھنڈی ہو جا اور میرا بندہ ابراہیم سلامت رہے'۔ چنانچہ آگ جس کی فطرت میں جلانا لکھا ہے، اپنے خدا کے حکم سے اسی وقت ٹھنڈی ہو گئی اور حضرت ابراہیمؑ کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے الہامات میں حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کو بھی اس زمانے کا ابراہیم قرار دیا ہے، جیسا کہ اس نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

سَلامٌ عَلَیکَ یَا اِبرَاھِیم

یعنی

'اے ابراہیم! تیرے پر سلام، تو فتحیاب ہو گیا'

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن، جلد ۲۲ ص: ۳۱۳)

نہ صرف یہ بلکہ آگ سے سلامت رہنے کا ایک واضح الہام آپؑ کو اردو زبان میں بھی ہوا، جس کے الفاظ یہ تھے:

''مجھے آگ سے مت ڈراؤ، آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے''

فرمایا، یہ فقرہ بطور حکایت میری طرف سے خدا تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے

(اربعین، روحانی خزائن، جلد ۳ ، ص ۳۸)

گویا آگ سے حفاظت کا آسمانی وعدہ آپ کو نہ صرف اپنی ذات کے بارے میں دیا گیا، بلکہ آپ کے غلاموں یعنی سلسلہ کے مخلصین کے حق میں بھی دیا گیا۔ چنانچہ اگلے صفحات کے اندر متعدد ایسی مثالیں پیش کی جا رہی ہیں، جو بتاتی ہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کے اس پاک کلام کی صداقت آپکے غلاموں کے حق میں ظاہر ہو کر اسکے قادرانہ تصرف کا نشان بنتی رہی۔

☆

نشان (۱)

''میں اس مامور کا غلام ہوں، جس کے ساتھ خدائی وعدہ ہے کہ
'آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے' ''

خدائی حفاظت کا نشان دیکھ کر افسر نے بیعت کر لی

اس سلسلے کا پہلا واقعہ حضرت بانئ سلسلہ علیہ السلام کے ایک رفیق، حضرت سید محمد شاہ صاحبؓ، کا بیان کردہ ہے۔آپ بیان فرماتے ہیں کہ

''میں فوج میں ملازم تھا۔ یہ ۱۹۱۱ء کی بات ہے۔میرے خیمہ کے سامنے ایک توپ کا گولہ گرا، جس سے میرے کئی ساتھی ہلاک اور کئی زخمی ہو گئے۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر محفوظ رکھا۔ اس پر میرے فوجی ساتھی مجھے بڑی حیرت اور استعجاب سے دیکھنے لگ گئے۔میں نے ان کی حیرانی کو دیکھ کر انہیں بتایا کہ میں اُس مامور کا غلام ہوں، جن کو خود بذریعہ الہام، اللہ تعالیٰ نے یہ خوشخبری دی ہوئی ہے کہ

'آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے''

(بحوالہ روزنامہ الفضل، ربوہ۔۱۲ جون ۱۹۹۶ء)

ظاہر ہے کہ اس سے آپکی مراد حضرت بانئ سلسلہ علیہ السلام کا وہی الہام تھا، جس کی طرف اشارہ اس باب کے تمہیدی بیان میں کیا گیا ہے[۱]۔ چنانچہ جب یہ واقعہ ایسے غیر معمولی رنگ میں ظہور میں آیا، جیسا

---

[۱] یہ الہامی بشارت دراصل آپ کو ان ایام میں ملی، جب آپ کی پیشگوئی کے مطابق ہندوستان بھر میں طاعون پھوٹ کر گھروں کے گھر اور خاندانوں کے خاندان اجاڑتی جارہی تھی، مگر بدقسمت مخالف پھر بھی اس قسم کے اِدّعا کر رہے تھے کہ یہ طاعون مرزا صاحب کو ہی ہلاک کرنے کیلئے آئی ہے۔ چنانچہ آپ کو خدا تعالیٰ نے اس الہام کے ذریعے بشارت بہم پہنچائی کہ یہ طاعون نہ صرف خود آپکی غلام بن کر آئی ہے، بلکہ آپ کے غلاموں کی بھی غلام ہے۔جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ

''جو خدا کا بندہ ہوگا، اسے طاعون نہ ہوگی اور جو شخص ضرر اٹھاوے گا، اپنے نفس سے اٹھاوے گا''

(اخبار بدر، مورخہ ۲۸ نومبر ۱۹۰۲ء)

بعد میں یہ الہام تھوڑے بہت لفظی تغیر کے ساتھ آپ کو کئی بار ہوا، جن میں سے ایک دوسری قرأت یوں آئی ہے:

''آگ سے ہمیں مت ڈرا، آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے''

کہ اُوپر بیان کیا گیا ہے، اور سب لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ہوا، یعنی آپکے ساتھی تو اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے یا شدید زخمی ہو گئے اور آپ کا بال تک بیکا نہ ہوا، تو آپ کے ساتھیوں کا حیرت میں ڈوب جانا لازمی امر تھا۔ یہ واقعہ اس قدر غیر معمولی تھا کہ آپ کے جواب کو سن کر آپ کا ایک افسر متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ جیسا کہ آپ فرماتے ہیں:

’’میری یہ بات سن کر میرے ایک غیر احمدی افسر اتنے متاثر ہوئے کہ وہ احمدیت میں دلچسپی لینے لگ گئے اور پھر جلد بعد ہی انہوں نے احمدیت قبول کر لی‘‘

..........☆..........

تعارف: حضرت سید محمد شاہ صاحبؓ نے ۱۸۹۷ء اور ۱۹۰۰ء کے درمیانی عرصہ میں احمدیت قبول کی۔ آپ فتح پور کے رہنے والے تھے اور اپنے خسر، حضرت سید محمود شاہ صاحبؓ، جو فتح پور کے سب سے پہلے احمدی تھے، کی وفات کے بعد ایک لمبے عرصہ تک مقامی جماعت کے صدر اور امام الصلوٰۃ رہے۔ (آپ کے ہاں حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ کی دعا سے نرینہ اولاد ہونے کے نشان کا ذکر اسی سلسلہ کتب ’’درویشان احمدیت‘‘ کی جلد ششم بعنوان ’’قبولیت دعا کے ایمان افروز واقعات‘‘ میں بیان کیا گیا ہے)۔ آپ نے ۲۵ ستمبر ۱۹۵۹ء کو ۸۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔

☆ ☆ ☆

نشان (۲)

”مَیں ’رَبِّ کُلُّ شَيءٍ خَادِمُکَ ....‘ کی دعا پڑھتا رہا“

بم کے گولے سے معجزانہ بچاؤ کا ایک اَور واقعہ

مذکورہ بالا واقعہ کے مماثل ایک اَور واقعہ مکرم خواجہ گل محمد صاحب نے بھی بیان فرمایا ہے۔ یہ واقعہ بھی، جو جنگ عظیم دوم کے دوران حضرت مامور من اللہ کے غلاموں میں سے ایک غلام کے حق میں ظاہر ہوا، بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح حضرت بانی سلسلہ علیہ السلام کو دی گئی اس بشارت کو کہ 'آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے'، آپ کے ایک اَور غلام کے حق میں پورا کر کے اپنی ہستی کا ثبوت بہم پہنچایا۔ چنانچہ آپ اس چشم دید واقعہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”دوسری جنگ عظیم کے دوران جب جرمنی کے حلیف جاپان نے برما کے دارالخلافہ رنگون پر پہلا ہوائی حملہ کیا۔ یہ دسمبر ۱۹۴۲ء کی ۲۳ تاریخ تھی، تو راقم الحروف اُس وقت مع فیملی کاروبار کے سلسلے میں رنگون میں مقیم تھا۔ اس ہوائی حملہ میں جاپانی طیاروں نے نیچی پرواز کر کے شہر کے مختلف حصوں پر مشین گنوں کے ذریعہ ایسی تباہی خیز گولہ باری اور بمباری کی کہ آن کی آن میں قریباً سات ہزار افراد لقمۂ اجل بن گئے۔ سب سے زیادہ بمباری ایک پارک کے اوپر کی گئی، جہاں اُس وقت ہزار ہا کی تعداد میں لوگ جمع ہو کر سیر و تفریح میں مصروف تھے۔ اس پارک کا نام بوٹا ٹانگ ہے۔“

آگے فرماتے ہیں:

”جب ہوائی حملہ ختم ہوا، اور آل کلیئر (All Clear) کا سائرن بجا، تو مَیں اپنے احمدی احباب کی خیریت معلوم کرنے باہر نکلا۔ اس دوران مجھے ایک احمدی بھائی دین محمد یا محمد دین نامی متوطن ہوشیار پور بوٹا ٹانگ پارک کی طرف سے آتے ہوئے نظر آئے۔ وہ کچھ ہراساں اور کچھ مسرور نظر آ رہے تھے۔ میں نے ان کا حال پوچھا، تو انہوں نے بتایا کہ ہوائی حملہ کے وقت مَیں بوٹا ٹانگ پارک میں موجود تھا۔ اچانک ایک بم میرے بہت قریب آ کر گرا، جس سے زوردار دھماکہ ہوا اور اس کے ساتھ ہی بالکل اندھیرا چھا گیا۔ جب مٹی اور

گرد و غبار بیٹھا، تو مَیں نے اپنے ارد گرد دیکھا کہ چاروں طرف لاشیں ہی لاشیں پڑی ہیں اور خون ہی خون بکھرا پڑا ہے۔ خود میرے کپڑوں پر بھی خون کے دھبے پڑے ہوئے تھے۔ پہلے تو میں سمجھا کہ میں بھی زخمی ہو چکا ہوں۔ لیکن جب میں نے اپنے بدن کا جائزہ لیا، تو میں یہ دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالایا کہ میں بالکل صحیح سلامت تھا''

مضمون نگار بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ یہ بتاتے ہوئے اُن کا چہرہ خوشی سے تمتمارہا تھا۔ اس پر میں نے حیران ہوکر پوچھا کہ یہ بتاؤ کہ تم کس طرح بچے؟۔ انہوں نے بڑے اعتماد سے جواب دیا کہ بھائی صاحب! مَیں رَبِّ کُلُّ شَيءٍ خَادِمُکَ رَبِّ فَاحفَظنِي وَانصُرنِي وَارحَمنِي کی دعا پڑھ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی دعا کی برکت سے اپنے فضل سے مجھے اپنی حفاظت میں رکھا''

(ملخص از روزنامہ الفضل، ربوہ، مورخہ ۲۲ راکتوبر ۲۰۰۳ء)

☆ ☆ ☆

نشان (۳)

''یہ آگ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی''

ایک داعی الی اللہ کی خدائی حفاظت کا نشان

پچھلے ہر دو واقعات میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح اپنی قدرت کے مخفی در مخفی اسباب کو بروئے کار لاتے ہوئے حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کے دو غلاموں کو ہلاکت سے بچالیا، جبکہ ان کے سامنے دوسرے لوگ موت کے گولوں کا شکار ہوکر ہلاک یا زخمی ہو گئے۔ اب اللہ تعالیٰ کی اسی معجزانہ قدرت کے ایک نشان کا ذکر دیارِ غیر میں کام کرنے والے ایک مجاہد اسلام کے بارے میں بھی کیا جاتا ہے۔ سماٹرا (انڈونیشیا) کے شہر پاڈانگ میں اشاعت دین میں مصروف العمل یہ مجاہد اسلام، جن کا اسم گرامی حضرت مولانا رحمت علی صاحبؓ ہے، وہ پہلے مبلغ تھے، جن کو اس دُور افتادہ ملک میں احمدیت کا پیغام پہنچانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ آپ کے متعلق آتا ہے کہ آپ پاڈانگ میں محلہ یاسر مسکین میں ایک مقامی مخلص احمدی دوست، برادرم داؤد صاحب، کے مکان کے ایک حصہ میں رہتے تھے۔ اچانک وہاں ایک مکان کو آگ لگ گئی۔ چونکہ اکثر مکانات لکڑی کے اور بالکل ساتھ بنے ہوئے تھے، اس

لئے آگ جلد جلد پھیلتی ہوئی اور دوسرے مکانات کو راکھ کا ڈھیر بناتی ہوئی آپ کے مکان کی طرف بڑھنے لگی، یہاں تک کہ اس کے شعلے آپ کے مکان کے چھجے کو چھونے لگے۔ مگر خدا تعالیٰ کا یہ مجاہد بندہ زیرلب دعا میں مصروف مکان کے اندر ہی بیٹھا رہا۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ

''یہ صورتِ حال دیکھ کر محلّہ کے تمام احمدی اور غیر احمدی احباب آپکو باصرار کہنے لگے کہ آپ فوری طور پر مع سامان مکان سے باہر نکل آئیں۔ مگر آپ نے ایک نہ سنی اور برابر دعا میں مصروف رہے۔ جب دوستوں نے اصرار کیا تو آپ نے بڑے اطمینان سے فرمایا کہ ُیہ مکان اِس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک غلام اور ادنیٰ مجاہد فی سبیل اللہ کی رہائش گاہ ہے اور حضورؑ سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ

'آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے'

لہٰذا یہ آگ میرا کچھ بگاڑ نہ سکے گی' ''

راوی کا کہنا ہے کہ حضرت مولانا موصوف ابھی یہ فرما ہی رہے تھے کہ اچانک ایک طرف سے بادل اُمڈ آئے اور دیکھتے ہی دیکھتے موسلا دھار بارش برسنے لگی۔ جس سے آناً فاناً آگ جہاں تک پہنچی تھی، وہیں رک کر رہ گئی اور آگے بڑھنے نہ پائی۔ اس واقعہ کے راوی، حضرت مولانا محمد صادق صاحب (سماٹری) ہیں، جنہیں خود بھی انڈونیشیا اور ملائیشیا میں تبلیغ اسلام کی خدمت نصیب ہوئی اور جنکا اِس دوران جاپانیوں کے ظلم وستم سے معجزانہ طور پر محفوظ رہنے کا ایک واقعہ اسی جلد کے باب پنجم میں زیرعنوان ''نوشتۂ دیوار'' پیچھے گزر چکا ہے۔ آپ بیان فرماتے ہیں کہ مَیں نے وہ مکان خود بھی دیکھا ہے، اور اس کے چھجہ پر اب بھی شعلوں کے سیاہ نشانات موجود ہیں اور جب کبھی احمدی احباب یہاں جمع ہوتے ہیں، تو اس خارق عادت واقعہ کو یاد کر کے اپنے ایمانوں کو تازہ کرتے ہیں۔

(نوٹ: آپ کی یہ روایت آپکی زندگی میں ہی روزنامہ الفضل مورخہ ۹ دسمبر ۱۹۳۸ء میں شائع ہوگئی تھی)

(بحوالہ روح پرور یادیں۔ ص ۵۶ تا ۵۷)

........☆........

حضرت مولانا رحمت علی صاحبؓ کا تعارف:

حضرت مولانا رحمت علی صاحبؓ، ۱۸۹۳ء میں اوجلہ ضلع گورداسپور میں پیدا ہوئے۔ اوجلہ قادیان سے ۷ میل کے فاصلہ پر جانب مشرق ایک قصبہ ہے۔ آپ پیدائشی احمدی تھے۔ آپ کے والد بابا حسن محمد صاحبؓ، احمدی ہو جانے کے بعد نقل مکانی کر کے قادیان میں ہی آ گئے تھے (انکے بذریعہ رؤیا صالحہ احمدیت قبول کرنے کا دلچسپ اور ایمان افروز واقعہ ''درویشانِ احمدیت'' کی جلد اوّل میں بیان ہو چکا ہے)۔ مولانا رحمت علی صاحب مولوی فاضل پاس کرنے کے بعد مبلغین کلاس میں داخل ہو گئے ۱۹۲۵ء میں آپ کو اعلاءِ کلمۃ اللہ کیلئے انڈونیشیا (جو اُس وقت جزائر شرق الہند کہلاتا تھا) بھجوایا گیا۔ آپ وہاں جس پہلے شہر میں وارد ہوئے، اسکا نام ''تاپاتوان'' تھا، جس کے معنی 'مبارک قدم' کے ہیں۔ اس نام سے نیک فال لیتے ہوئے آپ نے اپنا اس ملک میں آنا بہت ہی مبارک سمجھا۔ جلد بعد آپ نے سماٹرا کے شہر پاڈانگ کو اپنا مرکز بنا کر باقاعدہ تبلیغ شروع کر دی، جس کے نتیجے میں وہاں ایک چھوٹی سی جماعت پیدا ہوگئی۔ یہی وہ شہر ہے جہاں مذکورہ بالا آگ بجھنے کا معجزانہ واقعہ رونما ہوا۔ ۱۹۳۰ء میں آپ واپس قادیان تشریف لے گئے۔ اسی سال جب آپ دوبارہ سماٹرا میں تشریف لے گئے، تو مردوں، عورتوں اور بچوں پر مشتمل ایک جم غفیر آپ کے استقبال کیلئے وہاں موجود تھا۔ چھ سال بعد آپ کی دوسری بار وطن واپسی ہوئی۔ ۱۹۳۷ء میں آپ سہ بارہ انڈونیشیا میں تشریف لیگئے اور جاوا، سماٹرا اور بورنیو میں مضبوط جماعتیں قائم کرنے کی توفیق پائی۔ آپ نہایت سادہ طبیعت کے مالک اور سادہ لباس زیب تن رکھتے تھے۔ جب آپ ۱۹۵۰ء میں آخری بار ربوہ تشریف لائے، تو اس عاجز کو بھی آپ سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ آپ انگریزی نہیں جانتے تھے مگر مقامی زبان میں آپ نے ایسی مہارت پیدا کی کہ ایک ملکی اخبار نے ایکبار لکھا کہ ''مولوی رحمت علی مباحثہ میں اس طرح بولتے ہیں، جس طرح آسمان سے گرج کی آواز آتی ہے۔ ان کے مقابلے میں بیس بیس، تیس تیس عالم بھی تھراتے اور کانپتے ہیں''۔ آپ کو انڈونیشیا کا سب سے پہلا مبلغ ہونے اور برصغیر سے باہر دوسری بڑی جماعت قائم کرنے کا فخر حاصل ہے۔

☆ ☆ ☆

نشان (۴)

''آگ خود بخود بجھ گئی''

'یا نارُ کُونی برداً وّ سلاماً' کا ایک اَور کرشمہ

حضرت بانئ سلسلہ علیہ السلام کے الہام ''آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے'' کی صداقت کا ایک چمکتا ہوا نشان سلسلہ کے مجاہد، حضرت شیخ عبدالواحد صاحب، مبلغ جزائر فجی، نے بھی اپنے دیار غیر میں فریضہ تبلیغِ دین ادا کرنے کے دوران کا بیان فرمایا ہے۔آپ بیان کرتے ہیں:

''جب ۱۹۶۸ء میں ہم نے فجی کے مشہور شہر ''با'' (Ba) میں احمدیہ تبلیغی سنٹر کھولنے کا فیصلہ کیا اور اس کے لئے ایک مناسب حال مکان بھی خرید لیا، تو وہاں کے لوگوں نے شدید مخالفت کرنی شروع کر دی اور کوشش کرنے لگے کہ تبلیغ اسلام کا یہ مرکز کسی طور بھی کامیاب نہ ہونے پائے اور ہمارے قدم وہاں جمنے نہ پائیں۔ یہاں تک کہ مخالفین کے سرغنہ، جس کا نام ابوبکر کویا تھا، نے اعلان کر دیا کہ اگر احمدیوں نے یہاں اپنا مرکز کھولا، تو ہم اسے جلا کر راکھ بنا دیں گے'

اب احمدیہ مرکز کی عمارت تو مخالفت کے باوجود بننی شروع ہو گئی اور ممکنہ حفاظتی اقدامات بھی کر لئے گئے، تاہم ایک رات کسی طرح مخالفین کا داؤ چل ہی گیا اور انہوں نے زیر تعمیر عمارت کے ایک حصہ پر تیل چھڑک کر آگ لگا دی اور پھر یہ خیال کر کے کہ اب آگ ہر طرف پھیل جائے گی، وہ وہاں سے غائب ہو گئے۔لیکن یہ عجیب تصرف الٰہی ہے کہ آگ کوئی خاص نقصان پہنچائے بغیر خود بخود بجھ گئی۔لیکن اس کا خمیازہ دشمنوں کے اس سرغنہ، ابوبکر کویا، کو کیسے بھگتنا پڑا، یہ ایک عبرت انگیز حقیقت ہے، جس کے بارے میں مکرم شیخ صاحب موصوف فرماتے ہیں:

''اس کا علم ہمیں اگلے روز ہوا۔ہم نے دیکھا کہ آگ وہاں لگائی گئی تھی، جہاں کا اکثر حصہ لکڑی کا تھا۔ چنانچہ چند لکڑی کے تختے جلے ہوئے بھی پائے گئے۔ یہ صورت حال دیکھ کر مکرم مولانا نورالحق صاحب انورؔ، جو ہمارے مبلغ انچارج تھے، انہیں اتنا دکھ ہوا کہ انہوں نے اس جلے ہوئے کمرے کے اوپر کھڑے ہو کر بڑے درد بھرے الفاظ میں دعا کی کہ 'جس نے اللہ تعالیٰ کے دین اسلام کی اشاعت کے اس مرکز کو جلانے کی کوشش کی ہے، خدا اسکے

اپنے گھر کو آگ لگا کر راکھ کر دے ‘‘

خدا کے اُس مجاہد بندے کے دل سے یہ دعائیہ کلمات کچھ اس درد سے نکلے کہ مکرم شیخ عبد الواحد صاحب فرماتے ہیں:

’’اشاعت اسلام کے مرکز کو تو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص تصرف سے نقصان سے بچالیا، لیکن دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی گرفت نے یہ کرشمہ دکھایا کہ اس واقعہ کے چند دن بعد ہی احمدیہ مشن کو آگ لگانے والے مخالف، ابوبکر کویا، کے اپنے مکان کو آگ لگ گئی۔ یہ آگ ایسی اچانک اور شدید تھی کہ آگ بجھانے کی ہزار کوشش کے باوجود اس معاند احمدیت کا وہ رہائشی مکان سارے کا سارا اس کی آنکھوں کے سامنے جل کر راکھ کا ڈھیر بن گیا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار!‘‘

(بحوالہ ’’روح پرور یادیں‘‘ ص:۹۴۔۹۵)

..........☆..........

مکرم مولانا شیخ عبدالواحد صاحب کا تعارف:

مکرم مولانا شیخ عبدالواحد صاحب فاضل اکتوبر ۱۹۶۰ء میں جزائر فجی میں نیا احمدیہ مشن کھولنے کی غرض سے مرکز کی طرف سے بھجوائے گئے۔ آپ نے سب سے پہلے ناندی (Nandi) شہر میں پہنچ کر کام شروع کیا اور تھوڑے ہی عرصہ کے اندر اندر ناندی اور لٹوکا (فجی کا ایک اور اہم شہر) میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعتیں قائم ہو گئیں۔ اس کے بعد آپ نے فجی کے دارالحکومت ’’سووا‘‘ کا رخ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے وہاں بھی آپکی کوششوں کو نوازا اور ایک ہی دن میں بارہ افراد بیعت کر کے جماعت میں شامل ہو گئے۔ ابھی جب آپ مرکز (پاکستان) میں ہی تھے، تو آپ کو فجی کے بارے میں ایک خواب آئی۔ یہ خواب آپ کے فجی پہنچنے کے بعد کس طرح حرف بحرف پوری ہوئی ،اس کا ذکر خاکسار کی زیر تالیف کتاب ’’درویشان احمدیت‘‘ کی جلد بعنوان ’’آسمانی اخبار‘‘ میں کیا گیا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہاں ہمارا ایک مضبوط مشن قائم ہو چکا ہے اور جماعت کی تعداد کئی ہزار افراد تک پہنچ چکی ہے۔

☆ ☆ ☆

نشان (۵)

''ہمارے اپنے مکان میں دھوئیں کا نام ونشان تک نہ تھا''

جرمنی کے ملک میں صداقت مسیح موعود کا نشان

مذکورہ بالا جملہ واقعات اس حقیقت کو آشکار کر رہے ہیں کہ جس طرح دنیا کی ہر شے اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے اور اس کے حکم کے بغیر کوئی حرکت نہیں کر سکتی، اسی طرح آگ بھی اس کی غلام اور اس کے حکم کے طابع ہے۔ اور یہ کہ حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کا الہام کہ'' آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے''، اللہ تعالیٰ کے اسی قادرانہ تصرف کا واقعاتی ترجمان ہے۔ اب اسی الہام کی برکت کا حضرت مسیح پاک کے ایک اَور غلام کے حق میں ظاہر ہونے والا ایک نمونہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

اس واقعہ کے راوی مکرم شیخ عبدالمجید صاحب ہیں۔ آپ پاکستان سے ہجرت کر کے آج سے چند سال قبل جرمنی کے شہر Steinbach (فرانکفورٹ کا ایک مضافاتی قصبہ) میں آباد ہو گئے تھے۔ خود آپ کے وجود میں ظاہر ہونے والے نشان ...۲۰۰۶ء میں رونما ہوا۔ چنانچہ اس کی روئداد بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ ایک رات گیارہ منزلہ بلڈنگ کی چوتھی منزل پر رہنے والی ترک فیملی کے مکان کے کچن میں آگ بھڑک اٹھنے کی وجہ سے اس منزل کے سارے مکانات، جن میں خود آپ کا اپنا مکان بھی تھا، شعلوں کی لپیٹ میں آ گئے۔ آگ اور دھوئیں نے ان سب کو اس حد تک متاثر کیا کہ ان کے مکین انہیں چھوڑ کر کہیں اَور رات بسر کرنے پر مجبور ہو گئے۔ مگر خدا کی قدرت ہے کہ آپ کا مکان آگ اور دھوئیں کے اثرات سے کلیۃً محفوظ رہا۔ اس کی تفصیل آپ یوں بیان فرماتے ہیں

''جس بری طرح دھوئیں کے بادل چاروں طرف چھا چکے تھے، اس سے آگ کی شدت کا اندازہ ہو رہا تھا۔ چنانچہ جلد ہی آگ نے چوتھی منزل کے سارے گھروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اور اس منزل کے مکین اپنے گھروں سے نکل کر نیچے کھلے میدان میں آ گئے۔ اسی چوتھی منزل پر پانچواں مکان ہمارا تھا۔ نیچے سے ہم دیکھ رہے تھے کہ کس طرح یہ ساری کی ساری منزل اندر اور باہر سے دھوئیں کی لپیٹ میں آ کر سارے مکانوں کو متاثر کر رہی ہے۔ ترک فیملی کا مکان براہ راست آگ کی لپیٹ میں تھا۔ اس سے ملحقہ مکان ہمارا تھا، جو بالکل ساتھ ہونے کی وجہ سے بظاہر آگ کی زد میں نظر آتا تھا۔ میری بیوی نے کھلے میدان

میں پہنچنے کے بعد جب اپنے گھر کے ڈرائنگ روم اور کچن میں سے دھوئیں کے بادل نکلتے دیکھے، تو دعا میں مشغول ہوگئی کہ اُے خدا! مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ تو نے بتایا ہے کہ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے۔ اب تو ہی اپنے غلاموں کے غلام کو اس آگ سے بچالے''

آپ فرماتے ہیں کہ اس دعا کی قبولیت کا اثر ہم نے اُس وقت دیکھ لیا اور دل یقین اور ایمان سے بھر گیا۔ کیونکہ جب تین گھنٹوں کے بعد ہم آگ بجھانے والے عملہ کے ہمراہ چوتھی منزل میں داخل ہوئے، تو ہم یہ دیکھ کر حیران رہ گئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے کہ ہمارے مکان کے اندر آگ یا دھوئیں کا نام و نشان تک نہیں۔ جبکہ ساتھ والا ترک فیملی کا مکان جل کر خاکستر ہو چکا تھا۔ اور اس منزل کے باقی تینوں مکانوں کے اندرونی حصے بھی یعنی ان کے درو دیوار دھوئیں کے اثرات سے سیاہی مائل ہو گئے تھے۔ اسی وجہ سے اس رات یہ سارے مکین ہوٹلوں وغیرہ میں جا کر سوئے اور ہم جن کا مکان براہِ راست آگ اور دھوئیں کی لپیٹ میں نظر آتا تھا، آرام سے اپنے مکان میں سوئے۔ ہم حضرت مسیح پاک کی صداقت کے اس نشان کے چشم دید گواہ ہیں۔

(مکتوب نمبر ۹۳ مورخہ ۲۰۰۱-۷-۱۰)

..........☆..........

مکرم شیخ عبدالمجید صاحب کا تعارف

مکرم برادرم شیخ عبدالمجید صاحب ایک لمبا عرصہ پاکستان میں نجی کمپنیوں میں ملازمت کرنے کے بعد ۱۹۹۳ء سے مستقل طور پر جرمنی میں آباد ہو چکے ہیں۔ آپ نے یہ سارا واقعہ خاکسار راقم الحروف کو زبانی سنایا اور پھر خاکسار کی درخواست پر اسے تحریری صورت میں رقم کر کے خاکسار کو دیا۔ تعارف کے لحاظ سے آپ مکرم شیخ عبدالرّب صاحب (نومسلم۔ سابق نام شورام داس ولد لالہ چانن داس۔ آبائی وطن حویلی بہادر شاہ ضلع جھنگ) جو خلافت اولیٰ کے زمانہ میں ۱۷/۱۸ سال کی عمر میں ہندو مت چھوڑ کر اور ورثہ کی ایک بہت بڑی جائداد کو خیر باد کہہ کر مسلمان ہوئے تھے، کے دوسرے فرزند ہیں۔ شیخ عبدالقادر صاحب مرحوم، جنہوں نے عیسائیت پر علمی تحقیق کے نتیجے میں جماعت کے اندر ''محقق عیسائیت'' کا لقب پایا، آپ کے ہی برادر اکبر تھے۔

☆ ☆ ☆

نشان(۶)

''اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف بلانے والا کا گھر آگ سے محفوظ رہا''

ایک اور مجاہد اسلام کی آگ کے حادثہ سے معجزانہ حفاظت

آگ کے حادثہ سے معجزانہ حفاظت کا ایک واقعہ سلسلہ کے ایک اَور مبلغ، مکرم مولانا محمد صدیق صاحب امرتسری فاضل (مرحوم)، نے بھی اپنے منروویا (لائبیریا) میں قیام کے دوران کا بیان فرمایا ہے۔ آپ اُس وقت وہاں مع اہل وعیال احمدیہ دارالتبلیغ کی وسیع دومنزلہ عمارت میں رہ رہے تھے کہ فرماتے ہیں:

''ایک رات میرے بچے میرے علم کے بغیر اپنے کمرے میں اپنی سکول کی یونیفارم رات گئے تک استری کرتے رہے۔ چھوٹا لڑکا تو استری کر کے سو گیا، مگر بڑا لڑکا بعمر ۱۴ سال ابھی استری کر ہی رہا تھا کہ استری کرتے کرتے اس کی بھی آنکھ لگ گئی اور وہ فرش کے اوپر ہی لیٹ گیا۔ اب شاید اس کے پاؤں کی ٹھوکر لگی یا کیا ہوا کہ استری فرش کے اوپر گر پڑی، جس سے پہلے فرش پر بچھی ہوئی دری کا متعلقہ حصہ جلا، پھر لائنو اور پھر فرش کا موٹا تختہ بھی جل کر آگ نیچے کے شہتیر تک پہنچ گئی''

آگے یہ بتاتے ہوئے کہ آگ کہاں تک پہنچ چکی تھی اور کس طرح عین وقت پر خدا نے اپنا معجزانہ کرشمہ دکھاتے ہوئے آپ کو بیدار کر دیا، فرماتے ہیں:

''اس کمرے کے نیچے آتشبازی کی اچھی خاصی بڑی دوکان تھی، جس کا سامان سخت آتش گیر تھا۔ لائبیریا میں قومی تہواروں اور بیاہ شادی کے مواقع پر آتشبازی کا بہت رواج ہے اور یہ آتش گیر سامان امریکہ سے منگوایا جاتا ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے ایسا خاص فضل فرمایا کہ آگ سلگتی تو رہی، مگر نہ روشن ہوئی اور نہ ادھر ادھر پھیلی۔ ظاہر ہے کہ اس دوکان کو آگ لگنے کی صورت میں ساری عمارت کے جل جانے کے علاوہ اس کے نیچے اور اوپر مقیم بیس پچیس افراد کا بچنا بھی مشکل تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے کمال رحم وکرم سے یوں اپنی معجزہ نمائی اور قدرت کا جلوہ دکھایا کہ ایک طرف آگ کو چھت کے نچلے حصہ تک جانے سے روکے رکھا اور دوسری طرف کوئی ڈیڑھ بجے یعنی آگ شروع ہونے سے اڑھائی گھنٹہ بعد اپنے اس عاصی اور خطا کار بندے کو جو ایک دوسرے کمرے میں سو رہا تھا، اچانک جگا کر یہ احساس دلایا کہ

کہیں کوئی کپڑا یا چیز جل رہی ہے“

آگ سے پیدا شدہ نازک صورت حال کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”چنانچہ خاکسار جلدی سے اٹھ کر پہلے اپنی بیوی کے کمرے میں گیا۔انہیں چھوٹے بچوں کے ساتھ محوِخواب پا کر بڑے بچوں کے کمرے کی طرف گیا۔دروازہ کھولا ہی تھا کہ دیکھا کہ کمرے کا بلب جل رہا ہے، الیکٹرک آئرن کے چاروں طرف آگ کی سرخی نظر آرہی ہے اور میرا بڑا لڑکا پاس ہی گہری نیند سو رہا ہے۔ میں نے فوراً پہلے سوئچ کو ’آف‘ کیا۔ پھر چھت کے اندر دھنسی ہوئی الیکٹرک آئرن کو سیدھا کیا۔کیا دیکھتا ہوں کہ اس کا نچلا حصہ بدستور سرخ ہے اور جہاں پر وہ گری ہوئی تھی، وہاں پر اسی سائز کا ڈیڑھ انچ گہرا گڑھا پڑ گیا ہے جس میں ہر طرف آگ سلگ رہی تھی۔ میں نے اسی وقت نہایت احتیاط سے آگ ختم کی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل سے کوئی چنگاری نیچے گرنے نہ پائی۔ پھر میں نے اپنی بیوی اور بچوں کو جگا کر بتایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا خاص غیبی ہاتھ کارفرما نہ ہوتا، تو آج معلوم نہیں کیا سے کیا ہو جانا تھا“

(”روح پرور یادیں“، ص ۳۔۵۳۲)

.........☆.........

(نوٹ: مکرم مولانا محمد صدیق صاحب فاضل امرتسری مرحوم کے تعارف کے بارے میں ایک مفصل نوٹ آگے صفحہ ۳۹۹ پر دیا گیا ہے۔ آپ نے ۱۹۸۴ء میں پاکستان میں وفات پائی۔ آپ کی اہلیہ محترمہ امۃ القیوم صاحبہ، آپ کی پانچ صاحبزادیاں اور آپ کا بیٹا عزیزم طاہر احمد اس وقت جرمنی میں آباد ہیں۔ جبکہ آپ کی ایک صاحبزادی، عزیزہ امۃ القدوس صاحبہ، سوئٹزرلینڈ میں ہوتی ہیں)

☆ ☆ ☆

نشان (۷)

’’آگ ایک مقتدر ہستی کے حکم سے رکتی چلی گئی‘‘

ڈاکٹر عبد العزیز اخوند صاحب کا آگ سے معجزانہ بچاؤ

مذکورہ بالا واقعہ سے مشابہ لیکن اس سے بہت زیادہ حیرت انگیز اور حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کے الہام: ’آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے‘ کا مصداق ایک واقعہ ڈاکٹر عبد العزیز اخوند صاحب نے بھی بیان فرمایا ہے۔ آپکی ذات کے ساتھ بیتا جانے والا اور حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے ایک ادنیٰ غلام کے وجود میں ابراہیمی معجزہ کی یاد دلانے والا یہ واقعہ اُس وقت کا ہے، جب آپ ابھی نئے نئے احمدی ہوئے تھے اور اپنی ملازمت کے سلسلے میں ڈہرکی (ضلع سکھر، صوبہ سندھ) میں ملازم تھے۔ آپ اپنی طالب علمی کے زمانہ سے ہی سگرٹ پینے کے عادی تھے۔ اگرچہ احمدی ہونے کے بعد آپ نے یہ عادت بہت کم کر دی، تاہم ابھی کلیۃً ترک بھی نہیں کی تھی کہ فرماتے ہیں:

’’ایک دفعہ میرے سگریٹ سے میرے بستر کو آگ لگ گئی۔ رات کوئی گیارہ بجے کا وقت تھا۔ میں لیٹے لیٹے سگریٹ کے کش لگا رہا تھا کہ مجھے نیند آنے لگی۔ مینے بچا ہوا سگریٹ کا حصّہ پائنتی کی طرف پھینکا اور چونکہ کچھ سردی تھی، ہم باہر صحن میں رضائیاں اوڑھ کر سوتے تھے، رضائی اوپر ڈال کر سو گیا‘‘

آگے فرماتے ہیں کہ شاید سگریٹ کا وہ ٹکڑا بجائے نیچے گرنے کے بستر کے اوپر ہی گر پڑا، جس سے بستر کو آگ لگ گئی اور ایسی لگی کہ سارا بستر جل گیا، حتیٰ کہ چارپائی کا بان تک جل گیا اور آپ گہری نیند سوئے رہے۔ یہاں تک کہ آپنے محسوس کیا کہ کوئی آپ کو ٹھڈے مار رہا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

’’میں نے یکدم آنکھیں کھولیں اور سامنے دیکھا کہ میرا تکیہ اور رضائی کا سامنے والا حصّہ اور بستر کی چادر جل رہی ہے۔ میں ایک دم رضائی ہٹا کر اٹھ کھڑا ہوا، تو اس کے ساتھ ہی سارا بستر جلے ہوئے بان سمیت زمین پر گر گیا اور آگ بھڑک اٹھی۔ اس پر چارپائی کے خالی فریم کو، جس پر جلے ہوئے بان کے نشان واضح طور پر نظر آ رہے تھے، میں نے آگ سے کھینچ لیا اور پرے ہٹا دیا‘‘

اب اگرچہ آپ کا یوں بیدار ہو جانا بھی ایک معجزہ سے کم نہ تھا، لیکن بیدار ہو جانے کے بعد آپ نے جو

آگ کی شدت اور اس کے پھیلاؤ کی کیفیت دیکھی، تو آپ حیران و ششدر ہو کر رہ گئے کیونکہ جیسا کہ آپ فرماتے ہیں:

''بستر تو سارا ہی جل گیا تھا، اس کا کوئی حصّہ نہیں بچا تھا اور چار پائی کی لکڑی کو بھی آگ لگ چکی تھی، مگر ہم نے پانی ڈال کر لکڑی بچالی۔ اللہ تعالیٰ شاہد ہے کہ میں سچ اور بالکل سچ لکھ رہا ہوں کہ اس آگ کے اندر سے جو میرے چاروں طرف، اوپر، نیچے اور دائیں، بائیں جل رہی تھی، مَیں خارق عادت طور پر بالکل صحیح سلامت نکل آیا''

آپ نے جس رنگ میں حالات کا تجزیہ کیا اور اس طرح پر اپنے خارق عادت طور پر بچنے کو اللہ تعالیٰ کی معجزانہ قدرت کا نشان قرار دیتے ہوئے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، وہ اس قابل ہے کہ قارئین کے سامنے پیش کیا جائے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

۱) میں نے اچھی طرح دیکھا اور میری بیوی نے بھی اچھی طرح دیکھا اور وہ بھی قسم کھا کر کہہ سکتی ہے کہ رضائی کے اوپر کا حصّہ سارا اور میرے دائیں اور بائیں رضائی اوپر نیچے ہر دو طرف سے جل چکی تھی، صرف نیچے والا وہ حصّہ، جو میرے جسم کے ساتھ لگا ہوا تھا، بچا رہا اور محفوظ تھا۔

۲) میرا تکیہ نیچے سے اوپر کی طرف اور دائیں، بائیں نصف سے زیادہ جل گیا تھا۔ صرف حیرت انگیز طور پر وہ حصّہ، جس پر میرا سر دھرا تھا، محفوظ تھا۔

۳) چار پائی کا بان سارے کا سارا جل چکا تھا۔ خدا نے صرف اتنی طاقت اس میں بچا رکھی تھی کہ جب تک میں سویا ہوا تھا، اس نے مجھے اٹھائے رکھا۔

۴) فراسی (فراسی سندھی میں دری کو کہتے ہیں) ساری کی ساری جل گئی تھی۔

۵) توشک چادر سمیت میرے دائیں اور بائیں جل چکی تھی، صرف اس کے اوپر کی تہ کا وہ حصّہ، جس پر میرا جسم ٹکا ہو تھا، بچا ہوا تھا۔

آگے نشان کی عظمت پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

'جس صورت میں کہ میرے سر کے بال اور میری پوشاک بالکل سلامت تھے، اس کے ایک انچ بلکہ ایک نقطے جتنے حصّہ پر بھی آگ کے دھوئیں کی سیاہی تک نہ تھی۔ (پھر)

میرا سارا جسم بھی از سرتاپا بالکل سلامت تھا، ایک انچ بلکہ ایک نقطے جتنا حصّہ بھی جلا نہ تھا، بلکہ آگ کی گرمی سے سرخ بھی نہ ہوا تھا.....(اور) جب کہ میرے بستر سے باہر کود جانے کے ساتھ ہی مکمل طور پر جلا ہوا بستر چار پائی کے بان کے ساتھ ہی دھڑام سے نیچے آرہا اور آگ بھڑک اٹھی۔ پھر جس حیرت انگیز طور پر میرے جسم کے ایک انچ کے ۱/۱۰۰ حصہ پر بھی آگ کا کوئی اثر نہ تھا بلکہ آگ کی گرمی سے سرخی تک پیدا نہ ہوئی تھی۔ پھر اسی طرح میری شلوار اور بنیان اور قمیص کے ایک انچ کے ۱/۱۰۰ حصہ پر بھی آگ کا کوئی نشان نہ تھا بلکہ آگ کے دھوئیں سے سیاہی تک پیدا نہ ہوئی تھی۔ پھر میرے تین چار انچ لمبے بالوں میں سے ایک بال بھی نہ جلا تھا‘

تو فرماتے ہیں:

”اس حقیقت کے باور کرنے کی کافی وجوہات ہیں کہ آگ ہر طرف سے میرے جسم تک پہنچ کر کسی مقتدر ہستی کے حکم سے رک گئی تھی اور اسے اجازت نہ تھی کہ آگے بڑھے‘

اور آخر پر یہ سب نظارہ دیکھنے اور اس بات کا اطمینان کرنے کے بعد کہ آگ اوپر، نیچے اور دائیں بائیں آپکے بستر کو جلاتی ایک قادر الکل اور مقتدر ہستی کے حکم کے تحت عین اُس اُس جگہ رکتی چلی گئی، جہاں سے آگے آپکا جسم شروع ہوتا تھا، اس معجزانہ بچاؤ پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اتنا بڑا اس کا اپنے اوپر فضل دیکھ کر میں کھڑا نہ رہ سکا اور بیٹھ گیا۔ اور اپنے سر کو ہاتھوں میں تھما کر میرا شکر گذار دل اس کے حضور سجدے میں گر گیا۔ تب اچانک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ الہام چمکا کہ

”آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے“

(ملخص از نشان کبیر، صفحہ ۹۶-۱۰۲)

☆ ☆ ☆

نشان (۸)

’’وہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے چلتی چلی گئیں‘‘

آگ اور خون کے سمندر میں سے سلامت گذرنے والی

ایک جوانمرد احمدی خاتون

اب مردانہ ہمت اور شاہانہ عزم کی مالک ایک ایسی عالی حوصلہ احمدی خاتون کے اپنے آقا کی سکھائی ہوئی اسی الہامی دعا (رَبِّ کُلُّ شَیءٍ خَادِمُک ....) کی بدولت آگ اور خون کے سمندر میں سے سلامتی کے ساتھ گذر جانے کی داستان بیان کی جاتی ہے، جو احمدیت کے ایک شدید مخالف سید خاندان میں سے نکل کر آئیں، مگر اپنے احمدی شوہر کی دعاؤں اور نیک تمناؤں کے نتیجہ میں احمدیت قبول کرنے کے بعد اس پر ایسے پختہ رنگ میں گامزن ہو گئیں کہ اپنا سب کچھ اس کے لئے فدا کر دیا۔ اور پھر خدا نے انہیں اس کا اجر بھی وہ دیا کہ جب ان کے شوہر کی عین جوانی کے عالم میں وفات ہوئی، تو خود اپنے پاک کلام کے ساتھ ان کی ڈھارس بندھائی۔ اور پھر سنبھالا بھی ایسا دیا کہ سات بچوں کی ماں ہونے کے باوجود انہیں کبھی بیوگی کا احساس نہ ہونے دیا۔ یہ بچے انہی کی نیک تربیت کے زیر سایہ رہتے ہوئے کس طرح پروان چڑھے اور دنیا کے ستارے بن گئے، اس کا ذکر بھی ان کی سوانح نگار بیٹی نے ’’سوانح بیگم شفیع‘‘ میں کیا ہے۔ اب اسی کتاب میں سے پہلے ایک مختصر اقتباس پیش کیا جاتا ہے، جس سے پتہ لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے میاں کی وفات کے وقت کن الفاظ میں ان کی ڈھارس بندھائی۔ مسز نسیم سعید صاحبہ فرماتی ہیں:

’’۳۰ر اکتوبر ۱۹۴۱ء کی رات دو بجے ابا جی پر دل کا حملہ ہوا، تو اماں کو وصیت کی کہ

’احمدیت ایک نہایت قیمتی خزانہ ہے، اس کی حفاظت کرنا۔ خلافت سے تم اور میری اولاد چمٹے رہنا۔ ساری برکتیں اسی کے ساتھ ہیں‘

اماں کہتی ہیں، ایک دم میرا سر چکرایا اور میں نے کہا۔ ’یا اللہ! یہ تو ہمیں چھوڑے جا رہے ہیں۔ اب ہمارا کیا بنے گا‘۔ اسی لمحہ ایک جلالی آواز میرے کانوں میں آئی:

’تیرا خدا تو نہیں مرا۔ وہ تو ہمیشہ زندہ رہے گا‘

اور میں گرتے گرتے ایک دم سنبھل گئی۔ اور وہ چھ ماہ سے اکیس سال تک کے چار بیٹے اور تین بیٹیاں چھوڑ کر تقریباً ۵۳ سال کی عمر میں خدا کو پیارے ہو گئے‘‘

یہ تھے سید محمد شفیع صاحب محقق دہلویؒ اور یہ تھیں سیدہ قریشہ سلطانہ صاحبہ المعروف بیگم شفیع، جنکی سوانح نگار بیٹی، مکرمہ سیدہ نسیم سعید صاحبہ، ایم۔اے، اپنی قابل صد افتخار والدہ کی سیرت لکھتے ہوئے انہیں اپنے شوہر کی وفات کے وقت ملنے والی آسمانی تسلی کا نقشہ کھینچ رہی ہیں۔ اپنے میاں کی وفات کے بعد بیگم شفیع صاحبہ نے اپنے سات چھوٹے چھوٹے بچوں کی کیسے پرورش کی اور پھر بہت معمولی تعلیم کے ہوتے ہوئے اپنے شوہر مرحوم کے رسالہ ''دستکاری'' کی ادارت کا کیسے حق ادا کیا، اور پھر اسکے نتیجہ میں بطور ''صحافیہ'' ان کی شہرت کو کیسے چار چاند لگے، اس کا پتہ بھی ''سوانح بیگم شفیع'' کے پڑھنے سے ہی چل سکتا ہے۔ تاہم یہاں مضمون زیر بحث کی مناسبت سے بیگم شفیع صاحبہ کے اُس کارنامے کا ذکر کیا جاتا ہے، جو انہوں نے سات پردوں کے اندر رہتے ہوئے ایسے حالات میں سرانجام دیا کہ ان کا تصور کر کے بھی بڑے بڑے کلیجے والے مردوں کے دل دہل جاتے اور حوصلے پست ہو جاتے ہیں۔ وہ کونسے حالات تھے، جن میں انہیں یہ جان جوکھوں کا کام سرانجام دینا پڑا، کتنا زبردست خطرہ انہوں نے مول لیا اور پھر وہ زندہ خدا جس نے انہیں کہا تھا کہ ''تیرا خدا تو نہیں مرا''، اس نے کس غیر معمولی رنگ میں انکی حفاظت فرمائی، روحوں کو گرما دینے والی یہ روئداد اسی کتاب ''سوانح بیگم شفیع'' میں سے قارئین کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔

یہ وہ وقت تھا، جب ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے نتیجے میں پھوٹ پڑنے والے فسادات سارے ملک میں پورے زوروں پر تھے۔ ہندو اکثریت والے علاقوں میں ہندو بلوائی مسلمانوں کو چن چن کر مار رہے تھے۔ بڑے شہروں میں بشمول دلّی مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ کوئی ان کا پرسانِ حال نہ تھا۔ وہ اپنی جانیں بچانے کیلئے اپنے گھروں سے نکل کر اِدھر اُدھر چھپ رہے تھے۔ اِدھر پنجاب کا سارا علاقہ میدانِ کارزار بن چکا تھا۔ قادیان اور اس کے گردونواح میں کشت وخون اور قتل وغارت کا جو بازار گرم تھا، اس کی بازگشت عالمی سطح پر خاصی شدت کے ساتھ سنائی دے رہی تھی۔ مگر پنڈت نہرو (پنڈت جواہر لال نہرو۔ بھارت کے نام سے معرض وجود میں آنیوالی نوزائدہ آزاد مملکت کے پہلے وزیر اعظم) پریس کانفرنسوں میں اخبار نویسوں کو گلہ پھاڑ پھاڑ کر یہ یقین دلا رہے تھے کہ حالات پُرسکون ہیں اور فوج اور حکومت مسلمانوں کے جان واموال کے تحفظ کیلئے پوری طرح کوشاں ہے۔ ایک ایسی ہی پریس کانفرنس میں بیگم شفیع صاحبہ نے پنڈت نہرو سے جو جرأت مندانہ سوال کیا، اس کا بیان اس وقت کے حالات کی سنگینی سمجھنے کیلئے ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ چنانچہ آپ کی سوانح نگار بیٹی تحریر فرماتی ہیں:

''اماں نے پوچھا کہ آپ نے مسلمانوں کے مقدس مقامات کی حفاظت کا کیا انتظام کیا ہے؟

پنڈت نہرو نے جواب دیا کہ ان کی حفاظت کے لئے میں خاص ہدایات دے چکا ہوں اور جہاں جہاں ضروری سمجھا گیا، وہاں فوج بھجوا دی گئی ہے۔ اماں نے جب خاص طور پر قادیان کا پوچھا، تو پنڈت نہرو کہنے لگے، وہاں پوری طرح امن وامان ہے۔ گھر آ کر اماں نے پہلا کام یہ کیا کہ قادیان فون کر کے حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ (اس وقت کے امام جماعت احمدیہ اور حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے دوسرے جانشین) سے بات کی اور بتایا کہ پنڈت نہرو قادیان کے بارے میں یہ کہہ رہے ہیں۔ حضور نے سن کر فرمایا:

''نہرو سے کہو، جیسا امن قادیان میں ہے، ویسا امن تمہارے گھر میں ہو''

اب خدا کی اس مومنہ بندی نے اس پر جس قسم کے ردعمل کا اظہار کیا، اور اپنے آقا کا پیغام جس قسم کے خاک وخون کے سمندر میں سے گذرتے ہوئے عظیم جرأت اور دلیری کے ساتھ پنڈت نہرو کو پہنچایا، یہ جذبۂ ایمانی سے سرشار ایک احمدی خاتون کی بلند حوصلگی کی ایک ایسی داستان ہے، جسے کلیجہ تھام کر سننے کی ضرورت ہے۔ اس بارہ میں ان کی سوانح نگار بیٹی رقمطراز ہیں:

''والدہ بڑے جوش ایمانی کے جذبہ کے ساتھ نہرو سے لڑنے چلیں کہ کیوں جھوٹ بولا...... اماں، لجنہ اماء اللہ، دہلی کی نائب صدر ہونے کے علاوہ شعبۂ خواتین مسلم لیگ دہلی کے ایک بڑے حصہ کی نائب صدر بھی تھیں اور مسلم لیگ کے نشان کے طور پر کالے لمبے برقع کے کوٹ کے اوپر نقاب والا سبز رومال (یعنی برقع کا اوپر کا حصہ) لیتی تھیں۔ (ادھر) دہلی میں فسادات کا یہ عالم تھا کہ پرانی اور نئی دہلی میں قتل و غارت، لوٹ مار اور آتش زدگی کا بازار گرم تھا۔ ان قیامت خیز حالات کے باوجود اماں کا جوش ایمانی اور غیرت دینی دیکھئے کہ جونہی ۴۸ گھنٹے کے کرفیو کے بعد دو گھنٹے کیلئے کرفیو کھلا، تو فوراً نہرو سے لڑنے اور اسے اپنے آقا کا پیغام دینے کیلئے نکل کھڑی ہوئیں۔ گھر میں سب نے منع کیا، لیکن اماں نے کہا 'میرا اثر ورسوخ اور اخبار کس کام کا، اگر میں قادیان کیلئے کچھ نہ کرسکوں۔ موت نے ایک ہی دفعہ آنا ہے، اچھا ہے اگر دین کی خدمت کرتے ہوئے مروں'۔ اماں نتائج کی پرواہ کئے بغیر بھائی سید مبشرات احمد کو لے کر سبز برقع پہنے گھر سے نکل پڑیں''

اب یہ عام حالات تو تھے نہیں کہ سواری کے لئے بسیں، تانگے وافر تعداد میں موجود تھے۔ پھر صورت حال یہ تھی کہ ہر شخص کو اپنی جان کی پڑی ہوئی تھی۔ اِن پُر از خطر حالات میں ایک عورت کا محض ایک مقدس فریضہ کی ادائیگی کیلئے گھر سے نکلنا قابل صد ستائش ہے۔ ملاحظہ ہو یہ سب کچھ انہوں نے کیسے کیا:

''ان دنوں ٹیکسی تو ویسے ہی بہت کم تھی۔ نقل وحمل کا ذریعہ بس، تانگہ یا رکشا ہوا کرتا تھا، مگر ان حالات میں تو وہ بھی نظر نہیں آتے تھے۔ بمشکل ایک تانگہ ملا۔ مگر پہلے تو وہ سبز برقع کے ساتھ بٹھانے کو تیار نہ تھا۔ پھر بہت کہنے سننے پر ۵۰ روپے میں راضی ہوا۔ لیکن برابر کہتا رہا: 'ماتا جی، برقع اتار دو، ورنہ جن سنگھی غنڈے آپ کو بھی مار دیں گے اور مجھے بھی'۔ اماں نے کہا، تم ایشور کو مانتے ہو، پراتھنا کرتے رہو، میں اپنے ایشور سے پراتھنا کرتی جاؤنگی۔ دیکھ لینا، نہ تم کو کچھ ہوگا، نہ ہم کو''

آگے، کیسے کیسے دلخراش مناظر کا انہوں نے سامنا کیا، مگر کس شاہانہ عزم کیساتھ وہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے آگے بڑھتی چلی گئیں، یہ انہی کی زبانی سننے کے لائق ہے۔ فرماتی ہیں:

''میں سورۃ فاتحہ، تینوں قُل شریف (مراد آخری تین سورتیں قرآن کریم کی۔ ناقل)، آیۃ الکرسی، درود شریف، اور دعا، ربِّ کُلُّ شَیءٍ خَادِمُک... [ا] پڑھتی، گریہ وزاری سے دعائیں کرتی، مردانہ وار چلتی چلی گئی اور مجھے ذرا بھی ڈر نہیں لگا۔ خدا تعالیٰ نے 'نُصِرتَ بالرُّعب' کا جو وعدہ اپنے پیارے مسیح موعود علیہ السلام کیلئے کیا تھا[ا] تو میں بھی اسی مسیح کی ایک ادنیٰ کنیز تھی۔ مجھے بھی اس میں سے حصہ دیا گیا۔ حالانکہ جگہ جگہ خون پھیلا ہوا تھا، انسانی اعضاء بکھرے پڑے تھے، زخمی مسلمان دم توڑ رہے تھے، ننگی تلواریں لہرا رہی تھیں۔ آگے چلی، تو چاروں طرف آگیں بھڑکتی نظر آئیں اور میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام کہ 'آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے'، کی برکت سے حصہ لینے کی دعائیں کرتی چلی جا رہی تھی''

[ا] یہ الہام ''نُصِرتَ بالرُّعب''، بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کئی بار ہوا۔ اس کا مطلب ہے: ''تجھے دشمنوں پر رعب کے ساتھ مدد دی گئی''، یعنی تجھے ایسا رعب عطا کیا گیا ہے کہ دشمنوں کے چھکے چھوٹنے لگتے ہیں۔

آگے فرماتی ہیں:

"حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جگہ جگہ غنڈے تانگہ روکتے، مارنے کے لئے نہیں بلکہ یہ کہنے کیلئے کہ 'ماتاجی! برقع اتاردو، ورنہ ماری جاؤ گی'، اور معجزانہ بات یہ ہے کہ تانگے والا اوراس کا گھوڑا تک جیسے مذکورہ الہامات کے حصار میں آگئے ہوں"

اب خدا خدا کر کے آپ پنڈت نہرو کی کوٹھی پر تو پہنچ گئیں۔ آگے اندر جانا، اور (پہلے سے لئے گئے وقت کے بغیر) آپ کا ملک کے وزیراعظم سے ملنا اور بات کرنا بھی تو کوئی خالہ جی کا گھر نہ تھا۔ یہ مشکل خدا نے کیسے حل کر دی، اس بارے میں آپ فرماتی ہیں:

"آخر مَیں پنڈت نہرو کی کوٹھی پر پہنچی۔ پیغام بھیجا کہ بیگم شفیع آئی ہیں اور ملنا چاہتی ہیں۔ ڈیوٹی افسر نے پس وپیش کی۔ جب ذرا دیر لگائی، تو میں نے گرجدار آواز میں کہا کہ 'اطلاع کرتے ہو یا میں دروازہ کھول کر خود اندر جاؤں'۔ پنڈت نہرو جو اتفاق سے وہاں سے گذر کر دوسرے کمرے میں جا رہے تھے، نے سن لیا اور کہا، بیگم صاحبہ کو اندر آنے دو۔ میں نے چھوٹتے ہی پنڈت نہرو سے کہا، 'آگ اور خون کا دریا چاروں طرف سے مسلمانوں کو ختم کر رہا ہے، قادیان خطرات سے گھرا ہوا ہے، فسادی بلوائی قادیان میں گھومتے پھر رہے ہیں اور آپ کہتے ہیں، قادیان میں بالکل امن ہے۔ ہمارے خلیفہ نے آپ کیلئے پیغام بھیجا ہے کہ جیسا امن آپ کو قادیان میں نظر آتا ہے، ایسا آپ کے یہاں ہو'۔ پنڈت نہرو نے کہا، 'آپ سے میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں فوراً حفاظت کے لئے فوج بھیجتا ہوں'۔ اور بات کو ٹالنے کیلئے کہا کہ 'اگر آپ کے گھر اور عزیزوں کو خطرہ ہے تو آپ لوگوں کیلئے نئی دہلی میں انتظام کرا دیتا ہوں"

آپ نے کہا، میرے عزیز تمام مسلمان ہیں، اور آپ یہ کہتی باہر نکل آئیں کہ

'آپ کی فوج قادیان کی کیا حفاظت کریگی، خدا تعالیٰ خود اس کی حفاظت کرے گا'

اور یہ کہنے کے بعد جس صاحب مقدرت خدا کی حفاظت میں آپ وہاں پہنچی تھیں، اسی خدا کی حفاظت کے سایہ میں واپس آگئیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

(ملخص از سوانح بیگم شفیع، از صفحہ ۷۷ تا ۸۰)

قادیان کے حالات پر خاکسار راقم الحروف کا
ایک وضاحتی نوٹ:

خاکسار راقم الحروف ان حالات کا چشم دید گواہ ہے کہ جب قادیان کے گردونواح میں مسلمانوں پر قیامتیں ٹوٹ رہی تھیں اور وہ اپنی جانیں بچانے کے لئے اپنے صدیوں سے بسائے ہوئے گھروں اور مکانوں کو خیر باد کہہ کر قادیان میں پناہ لے رہے تھے۔ خاکسار اُس وقت قادیان میں ہی تھا۔ کچھ دنوں بعد سننے میں آیا کہ قادیان میں فوج آ گئی ہے، لیکن وہ قادیان کی حفاظت کے لئے نہیں بلکہ ان حملہ آوروں کی پشت پناہی کے لئے آئی تھی، جو قادیان پر حملہ کرنے سے خوف کھاتے تھے، کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ قادیان والوں کے پاس بہت اسلحہ ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ جس جس کے پاس بھی اسلحہ تھا، وہ ان سے پہلے ہی لے لیا گیا تھا۔ آخر ایک دن قادیان پر حملہ ہو ہی گیا۔ آگے آگے سکھ بلوائی اور پیچھے پیچھے انڈین فوج تھی۔ چنانچہ قادیان کے سارے مکین اپنے گھروں کو چھوڑ کر پہلے مخصوص پناہ گاہوں میں جمع ہو گئے۔ ان میں خود یہ خاکسار بھی تھا۔ کئی دنوں تک متواتر وہاں رہنے اور گندم ابال ابال کر کھاتے رہنے کے بعد جماعتی انتظام کے تحت پہلے احمدی عورتیں اور پھر مرد، بوڑھے اور بچے مسلمان آرمی کی کنوائے کی حفاظت میں پاکستان کی طرف ہجرت کرنے لگے۔ جلد ہی قادیان خالی ہو گیا اور یہی حکومت کی پالیسی تھی۔ یوں پنڈت نہرو کے مسلمانوں کے مقدس مقامات کی حفاظت کے کھوکھلے دعووں کی حقیقت طشت از بام ہو گئی۔ بعد میں خصوصی وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے قادیان میں چند سو رضا کار رکھنے کی اجازت حاصل کی گئی۔ یہی وہ رضا کار ہیں جو سلسلہ کے اندر ''درویش'' کا اعزازی لقب پا کر اُس وقت سے لے کر اب تک قادیان کے مقدس مقامات کی حفاظت کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اگرچہ اب صورت حال کافی بدل چکی ہے

........☆........

بیگم شفیع صاحبہ کا تعارف:

سیدہ قریشہ سلطانہ (المعروف بیگم شفیع صاحبہ) پارٹیشن کے بعد اپنے بچوں کو لے کر پاکستان آ گئیں۔ البتہ آپکے سب سے بڑے صاحبزادے، ڈاکٹر سید برکات احمد صاحب، نے چونکہ 'فائینل انڈین' لکھوایا ہوا تھا، وہ ہندوستان میں ہی رہے۔ ہمہ گیر شخصیت کے مالک آپ کے یہ ہونہار بیٹے بیروت کی امریکن یونیورسٹی سے پی، ایچ، ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد ایک مصنف، مؤرخ اور ماہر علوم شرقیہ کے طور پر دنیا کے علمی حلقوں میں متعارف ہوئے۔ اسکے ساتھ ہی آپ ربع صدی تک انڈین فارن سروس سے منسلک ہو کر کئی ممالک میں بطور سفیر خدمات سرانجام دینے اور کئی قسم کی ادبی و دینی خدمات ادا کرنے کے بعد ۱۹۸۸ء میں فوت ہوئے۔ بیگم شفیع صاحبہ

نے پاکستان آنے کے بعد نہ صرف اخبار 'دستکاری' کو بڑی کامیابی سے چلایا، بلکہ نوزائدہ مملکت پاکستان میں پہلی صحافی خاتون کے طور پر نام پیدا کیا۔اسی طرح آپ نے مہاجر خواتین کی بحالی، بازیابی اور حقوق نسواں جیسے نازک مسائل میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔آپ کی وفات ۱۹۷۰ء میں ہوئی۔آپ کے تین بیٹے، سید حسنات احمد صاحب ،سید مبشرات احمد صاحب اور سید حمید احمد صاحب، پاکستان میں مختلف نوعیت کی سرکاری و نیم سرکاری خدمات بجا لانے کے بعد اس وقت کینیڈا میں مقیم ہیں۔

☆ ☆ ☆

نشان (۹)

''بچے کو خراش تک نہ آئی''

ایک واقفِ زندگی بچے کی معجزانہ حفاظت

پچھلے صفحات کے اندر بیان شدہ دو واقعات میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح بم کا گولہ گرنے سے جہاں کئی دوسرے لوگ اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے، وہاں حضرت مسیح پاک علیہ السلام کے غلاموں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص تصرف سے بال بال محفوظ رکھا۔اب اسی قسم کی غیبی حفاظت کا ایک اَور واقعہ حال ہی میں مکرم ڈاکٹر فیاض محمود بھٹائی صاحب (کالونی کورنگی کراسنگ، کراچی، پاکستان) نے اپنے ''وقفِ نَو'' تحریک میں شامل بچے کے ساتھ گزرا ہوا بیان فرمایا ہے۔آپ تحریر فرماتے ہیں کہ میرے اس بچے، عزیزم ایاز محمود، نے امسال میٹرک کا امتحان دینے کے بعد جامعہ احمدیہ (مرکز سلسلہ، ربوہ، میں دینی تعلیم حاصل کرنے کا مخصوص ادارہ)، میں داخلہ کے لئے درخواست دے دی۔اسی مقصد کی خاطر بچے نے انگلش اور عربی میں زیادہ مہارت حاصل کرنے کی غرض سے پرائیویٹ طور پر انگلش اور عربی کلاسوں میں داخلہ لے لیا۔آپ تحریر فرماتے ہیں کہ

''ایک دن (اور یہ ۲۶ مئی ۲۰۰۴ء کی تاریخ اور پانچ بجے شام کا وقت تھا) جب بچہ امریکن سنٹر سے انگلش کی کلاس کے بعد باہر نکلا اور سڑک پر کھڑے ہو کر اپنے ایک دوست کا انتظار کر رہا تھا، تو صرف تین چار فٹ دُور اچانک ایک زوردار بم کا دھماکہ ہوا۔دھماکہ اتنا شدید تھا کہ بچہ اپنی جگہ سے دُور جا پڑا۔جب اس نے ہوش سنبھالا، تو ہر طرف بھگدڑ مچی ہوئی

تھی۔کئی لوگ بری طرح زخمی ہو چکے تھے اور کراہ رہے تھے۔لیکن خدا تعالیٰ نے معجزانہ طور پر بچے کو بالکل محفوظ رکھا۔اسے ادنیٰ سی خراش تک نہ آئی تھی، جبکہ اسکے ساتھ کھڑے ہوئے ساتھی کو بھی کافی چوٹیں آئی تھیں''

فرماتے ہیں، یہ خدا تعالیٰ کا خاص فضل تھا کہ اس نے بچے کو اپنی حفظ وامان میں رکھا، گویا اسے ایک نئی زندگی عطا فرمائی۔یہ سب حضرت مسیح موعودؑ کی دعائیں اور احمدیت کی برکتیں ہیں اور ہم نے آپؑ کا یہ فرمان بڑی شان سے پورا ہوتے دیکھا کہ

'آگ ہے پر آگ سے وہ سب بچائے جائیں گے
جو کہ رکھتے ہیں خدائے ذوالعجائب سے پیار'

(بحوالہ روزنامہ الفضل، ربوہ، ۳۰ جون ۲۰۰۴ء)

.........☆.........

''تحریک وقفِ نَو''

۔ایک تعارفی نوٹ۔

سلسلہ احمدیہ کے چوتھے امام اور خلیفہ، حضرت مرزا طاہر احمد رحمہ اللہ تعالیٰ، نے اپنے دورِ خلافت میں جماعت کے اندر ایک تحریک فرمائی تھی کہ اسلام کی تبلیغ اور اشاعت کے سلسلے میں آئندہ جماعت کو ایک کثیر تعداد میں واقفین مردوں اور عورتوں کی ضرورت پیش آنے والی ہے۔اس غرض کیلئے والدین اپنے ان بچوں کو جو آئندہ دو سال کے اندر پیدا ہونگے، انکی پیدائش سے پہلے ہی وقف کر دیں۔یہ کہ پیدائش کے بعد جماعتی انتظام کے ماتحت ایک خاص رنگ میں ان کی تربیت اور تعلیم کی جائے گی۔پھر حسب ضرورت ان کو سلسلہ کی خدمت پر مامور کیا جائے گا۔یہ تحریک جو''وقفِ نَو'' کے نام سے جاری ہوئی، اس میں اب تک ہزاروں احمدی بچے (اور بچیاں) شامل ہو کر جماعتی انتظام کے تحت تعلیمی اور تربیتی پروگراموں میں حصہ لے رہے ہیں۔متن میں جس بچے کا ذکر ہے، وہ اسی تحریک میں شامل ہے۔ایسے بچے کو''واقفِ نَو'' کے اعزازی نام سے پکارا جاتا ہے۔

☆ ☆ ☆

نشان (۱۰)

”دوکان معجزانہ طور پر آگ سے محفوظ رہی“

ایک اور غلام مسیح محمدی کا بیان کردہ ایمان افروز واقعہ

حضرت بانئ سلسلہ علیہ السلام کو ملنے والی آسمانی بشارت کہ

”آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے“

آپ کے غلاموں کے حق میں کیا کیا معجزے دکھا رہی ہے، اس کے عملی ثبوت کے طور پر بیان شدہ مذکورہ بالا جملہ واقعات کے تسلسل میں حال ہی میں ظاہر ہونے والے ایک اور واقعہ کا بیان بھی ناظرین کی دلچسپی اور ازدیادِ ایمان کا باعث ہوگا۔ اپنے ساتھ بیتا ہوا یہ ایمان افروز واقعہ مورو، سندھ، پاکستان، کے مکرم محمد صدیق صاحب میمن، نے تحریر فرمایا ہے، آپ فرماتے ہیں:

”خاکسار کراچی میں ایک جماعتی میٹنگ کے لئے گیا ہوا تھا کہ ۲۲ / اپریل ۲۰۰۴ء بروز جمعرات اچانک رات دس بجے مورو بازار میں شدید قسم کی آگ بھڑک اٹھی۔ یہ تو معلوم نہیں ہو سکا کہ آگ لگنے کا کیا سبب ہوا تھا، مگر وہ اتنی شدت سے بھڑکی کہ اردگرد کے مکانات اور دوکانات کو جلا کر راکھ بناتی ہوئی آگے بڑھنے لگی اور آن کی آن میں ایک وسیع علاقہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اُس وقت خاکسار کا ایک چھوٹا بچہ اور خاکسار کے بڑے بھائی، مکرم ڈاکٹر محمد ارشد صاحب (امیر ضلع، مورو، سندھ) گھر پر موجود تھے“

خاکسار عرض کرتا ہے کہ ہمارے ملک پاکستان میں آگ بجھانے کا حکومتی انتظام بڑے بڑے شہروں مثلاً کراچی، حیدر آباد، وغیرہ میں تو موجود ہے۔ مگر چھوٹے قصبوں اور شہروں میں ایسا کوئی انتظام نہیں۔ ادھر راوی بیان کرتے ہیں کہ آگ بڑی تیزی سے آگے بڑھتی جا رہی تھی اور لوگوں کی آگ بجھانے کی ہر ممکن کوشش کے باوجود وہ کسی طور بھی بجھنے میں نہیں آ رہی تھی۔ اس صورت حال میں جبکہ ہر شخص بے بس نظر آ رہا تھا، آپ کے بھائی صاحب نے کیا کِیا اور کس طرح خدا تعالیٰ کی رحمت کو کھینچا، اس بارے میں آپ فرماتے ہیں:

”بھائی صاحب اس موقع پر وہی کر رہے تھے، جو خدا کے بندے ایسے حالات میں کِیا کرتے ہیں۔ یعنی آپکے ہاتھ اپنے خدا کے حضور اٹھے ہوئے تھے اور آپ صرف اور صرف

دعائیں کررہے تھے۔ان حالات میں خدا تعالیٰ نے ہماری دوکان کو کیسے معجزانہ طور پر محفوظ رکھا، یہ خدا تعالیٰ کی قدرت کا ایک نشان اَور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس الہام کی برکت ہے کہ ’’آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے‘‘

(روزنامہ الفضل، ربوہ، ۳۰ جون ۲۰۰۴)

☆ ☆ ☆

نشان (۱۱)

’’میں نے زندہ خدا کی ہستی کا نشان دیکھا‘‘

بم کا گولہ۔اور۔ایک انگریز

اب ایک ایسے یورپی شخص کے ہلاکت سے محفوظ رہنے کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے، جس کے لئے مقدر ہو چکا تھا کہ وہ حضرت محمد ﷺ کی غلامی میں آکر آسمان کے درخشندہ ستاروں میں شامل ہو جائے۔میری مراد برٹش آرمی کے ایک سابق فوجی افسر، مسٹر بشیر احمد آرچرڈ (مرحوم)، سے ہے۔وہ یہ بتاتے ہوئے کہ دوسری عالمگیر جنگ میں اپنی فوجی سروس کے دوران انہوں نے کیونکر اپنی آنکھوں کے سامنے موت برستی دیکھی اور کیونکر ایسا ہوا کہ اگر چند سیکنڈ پہلے وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹ چکے ہوتے ،تو انکا ہلاک ہو جانا یقینی امر تھا، اپنے قبول اسلام کی خودنوشت داستان میں تحریر فرماتے ہیں کہ

’’جنگ عظیم کے دوران جب میں آسام اور برما کے محاذ پر سیکنڈ لیفٹننٹ تھا،تو ایک دن مجھے اپنے افسر نے بلایا۔جونہی میں اپنی خندق سے باہر نکلا،تو دشمن کا ایک گولا خندق کے اوپر گرا اور میرے تمام ساتھی میرے سامنے لقمہ اجل بن گئے‘‘ [۱]

پھر یہ بیان کرتے ہوئے کہ انہیں اسلام کی نعمت کیسے نصیب ہوئی، وہ لکھتے ہیں:

[۱] مذکورہ واقعہ ۱۹۴۲ء کے دوران کا ہے، جب آپ برصغیر ہند میں آسام اور برما کے محاذ پر متعین تھے اور آپ کا فوجی یونٹ مکمل طور پر جاپانیوں کے محاصرہ میں آ چکا تھا اور ہر طرف سے بمباری ہو رہی تھی۔آپ کا اُس وقت موت سے بچنا ایک معجزہ سے کم نہ تھا۔اسی سے آپکے اندر خدا کی ہستی پر ایمان پیدا ہوا، جو بعد میں آپ کے قبول اسلام کا پیش خیمہ بنا۔

''میرا اس ہلاکت سے اعجازی رنگ میں بچنا میری زندگی میں ایک عظیم انقلاب پیدا کرنے کا موجب بن گیا اور میں اس گہرے یقین سے پُر ہو گیا کہ کوئی ایسی بالا ہستی ضرور موجود ہے، جو انسانی زندگی کی بقا و فنا پر قدرت رکھتی اور اسے اپنے منشاء کے مطابق تشکیل دیتی ہے۔ اسی دوران مجھے ایک احمدی حوالدار کلرک (محترم عبدالرحمن صاحب دہلوی، حال کینڈا) کے ذریعہ اسلام کا پیغام پہنچا۔ میری مذہب سے دلچسپی کو دیکھ کر انہوں نے حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی معرکۃ الآرا تصنیف ''اسلامی اصول کی فلاسفی''، کا انگریزی ترجمہ مرکز سلسلہ قادیان سے منگوا کر مجھے مطالعہ کے لئے دیا اور مزید مطالعہ کے لئے مجھے قادیان جانے کا مشورہ دیا۔ میرا قادیان کا یہی سفر بالآخر میرے اسلام قبول کرنے کا پیش خیمہ بنا''

آگے اپنے قادیان پہنچنے کی روئداد بتاتے ہوئے اور یہ کہ انہوں نے وہاں کیا دیکھا اور محسوس کیا، مسٹر بشیر احمد آرچرڈ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''مجھے دو ہفتوں کی چھٹیاں تھیں اور مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ میں یہ دن کہاں گذاروں۔ اس پر میرے دوست، عبدالرحمن صاحب (دہلوی)، نے تجویز پیش کی کہ ان کے کچھ دوست قادیان میں رہتے ہیں، میں وہاں چلا جاؤں اور یہ تعطیلات کے دن وہاں گذاروں۔ قادیان وہاں سے قریباً ایک ہزار میل دور ہے۔ علاوہ ازیں یہ جگہ میرے لئے اجنبی بھی تھی۔ چنانچہ چند دن بعد میں نے انہیں بتلایا کہ میں وہاں نہیں جا رہا۔ یہ سنتے ہی ان کا چہرہ اتر گیا۔ مجھے محسوس ہوا کہ انہیں میرے اس جواب سے بہت صدمہ ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنا ارادہ بدل لیا اور چند دن قادیان میں گذارنے کا پروگرام بنا لیا''

پھر اہل قادیان کے بارے میں آپ نے اپنے تاثرات کا یوں اظہار کیا ہے۔

''قادیان کا ہر باشندہ مجھ سے نہایت خندہ پیشانی سے پیش آیا۔ سب سے بڑی چیز جو مجھے اسلام کی طرف خاص طور پر راغب کرنے کا موجب بنی، وہ ان لوگوں کا حسن سلوک تھا۔ اگرچہ اُس وقت اسلام کے بارے میں میرا علم صفر کے برابر تھا، لیکن میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ جس درخت کے پھل ایسے میٹھے ہوں، وہ درخت کتنا عمدہ ہو گا''[1]

اسلام کی یہ چنگاری جو قادیان میں ان کے مختصر قیام کے دوران انکے اندر پیدا ہوئی، ان کے قادیان سے واپس جانے کے بعد سلگتی چلی گئی، یہاں تک کہ ان کے اپنے فوجی یونٹ میں واپس پہنچنے تک ایک نہ بجھنے والی آگ میں تبدیل ہو چکی تھی۔ چنانچہ ۱۹۴۵ء میں انہوں نے فوج سے فراغت پانے اور انگلستان واپس جانے کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ امام مسجد لندن، مولانا جلال الدین صاحب شمس، کے پاس پہنچ کر اپنی زندگی خدمت اسلام کے لئے وقف کر دی۔ یہ وہ زبردست موڑ تھا، جس نے ان کی کایا پلٹ کر رکھ دی اور جو بالآخر ان کے پہلے یورپی مبلغ اسلام بن جانے پر منتج ہوا۔

(خلاصہ از ''عظیم زندگی''۔ انگریزی سے ترجمہ)

ذیل میں حضرت المصلح الموعودؓ خلیفۃ المسیح الثانی، کے ان کے نام لکھے ہوئے اس خط کا ایک اقتباس درج کیا جاتا ہے، جو حضورؓ نے ان کے وقف کی منظوری کے جواب میں انہیں تحریر فرمایا:

''بیشک آج تمہیں کوئی نہیں جانتا اور کسی نے تمہارا نام نہیں سنا۔ لیکن یاد رکھو، ایک زمانہ آئے گا کہ قومیں تم پر فخر کریں گی اور تمہاری تعریف کے گیت گائیں گی۔ اس لئے تم اپنے کردار اور گفتار پر نظر رکھو۔ یہ مت خیال کرو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو، تمہارا ذاتی فعل ہے، بلکہ وہ تمام برطانوی قوم کی طرف منسوب ہوگا۔ آئندہ آنے والی نسلیں تمہاری پیروی کریں گی۔ اگر تمہاری حرکات اور تمہارا کردار اسلامی تعلیم کے مطابق ہوگا اور تمہارے افعال عظیم ہوں گے تو ان کو دیکھ کر تمہاری قوم کی اخلاقی حالت سدھر جائے گی۔ لیکن اگر تمہارے افعال اس معیار پر پورے نہ اترے اور اسلامی تعلیم کے مطابق نہ ہوئے، تو تمہاری قوم کو نقصان ہوگا۔ اس لئے کوشش کرو کہ آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے اعلیٰ نمونہ قائم کرو، ورنہ خدا تعالیٰ اپنے کسی اور

---

[1] مسٹر بشیر آرچرڈ صاحب پہلی بار ۱۹۴۴ء میں قادیان تشریف لائے۔ یہ جنگ عظیم دوم کا زمانہ تھا۔ خاکسار راقم الحروف اس وقت قادیان میں ہی تھا اور اسی سال کھلنے والے تعلیم الاسلام کالج کا فرسٹ ائر کا طالب علم تھا۔ آپ مسجد مبارک میں باقاعدہ آیا کرتے تھے۔ ہم انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوتے کہ یہ ایک انگریز مسلمان ہیں اور واقعی آپ اس کے جلد بعد مسلمان ہو گئے، اور اپنی زندگی خدمت اسلام کیلئے وقف کر دی۔ آپ کا مکمل تعارف، نیز آپ کی خدمات بطور ایک مبلغ اسلام کا ذکر اس مضمون کے آخر پر آ رہا ہے۔

بندے کا انتخاب کرے گا جو یہ کام کر سکے...... جب احمدیت کا دنیا میں غلبہ ہو جائے گا۔ اور انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا، تو دنیا کی کوئی طاقت ایسی نہیں جو اس غلبہ کو روک سکے۔ تب لوگوں کے دلوں میں تمہاری عظمت ہوگی، اس عظمت سے بھی زیادہ جوان کے دلوں میں اپنے وزیر اعظم کے لئے ہے"

(بحوالہ "ریویو آف ریلیجنز"، جون ۱۹۴۷ء)

..........☆..........

برادرم مکرم بشیر احمد آرچرڈ صاحب کا تعارف:

آپ ۱۹۲۰ء میں انگلستان میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان اگرچہ مذہبی خیالات رکھتا تھا مگر خود آپ کو مذہب سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ ۱۹۴۱ء میں آپ فوج میں بھرتی ہو گئے۔ جنگ عظیم دوم کے خاتمے کے بعد آپ نے واپس انگلستان پہنچ کر اپنی زندگی اسلام کیلئے وقف کر دی۔ اور پھر ساری عمر تبلیغ اسلام کی توفیق پائی۔ پہلے کچھ عرصہ انگلستان میں رہے۔ پھر ۱۴ سال ٹرینیڈاڈ میں دعوت الی اللہ کا فریضہ ادا کرنے کے بعد دوبارہ انگلستان میں تشریف لے آئے اور ۱۹۶۶ء تا ۱۹۸۷ء مختلف مقامات پر متعین رہ کر دعوت حق پہنچاتے رہے۔ آپ نے ۸ جولائی ۱۹۸۷ء کو ۸۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔

☆ ☆ ☆

..... باب ہفتم .....

حفاظت سماویہ

بذریعہ

منذر اخبار سماویہ

☆

کلام الامام

☆

"دعا، صدقات اور خیرات سے عذاب کا ٹلنا ایسی ثابت شدہ صداقت ہے جس پر ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی کا اتفاق ہے اور کروڑہا صلحاء اور اتقیاء اور اولیاء اللہ کے ذاتی تجربے اس پر گواہ ہیں"

(ملفوظات جلد ۱، صفحہ ۱۵۸)

☆

منذر اخبار سماویہ

۔حفاظت سماویہ کا ایک مسنون روحانی طریق۔

اب حفاظت سماوی کے سلسلے میں کچھ ایسے واقعات پیش کئے جاتے ہیں، جن میں خدا تعالیٰ نے پہلے اپنی انذاری وحی کے ذریعے اپنے بندوں کو آنے والے حادثات اور خطرات سے آگاہ فرمایا اور پھر اس کی اِس سنت کے مطابق کہ دعا، صدقہ اور خیرات سے بلائیں ٹل جاتی ہیں، ان بندوں کی دعاؤں اور صدقات کو قبول فرماتے ہوئے ان کو ان حادثات سے بچالیا، یا ان خطرات کو ٹال دیا۔ حفاظت سماوی کا یہ نظام ایسا ہی ہے، جیسے کوئی حکومت یا اس کا موسمیاتی ادارہ اپنے عوام کو کسی آنیوالے ارضی یا سماوی خطرہ سے قبل از وقت بذریعہ الارم یا اخباری نشریہ آگاہ کر دیتا ہے تا کہ وہ حفاظتی اقدامات کو بروئے کار لے آئیں۔ اسی طرح منذر خواب، کشف یا الہام بھی دراصل خطرے کا روحانی الارم ہوتا ہے، جو ایک مومن بندے کو کسی آنے والے خطرہ سے آگاہ کر دیتا ہے۔ اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ وہ انہیں تمثیلی رنگ میں ان پر وارد ہونے والی کسی بلا سے قبل از وقت اطلاع بخش دیتا ہے، تا کہ وہ روحانی حفاظتی تدابیر کو بروئے کار لا کر اپنے آپ کو ان سے بچانے کا انتظام کر لیں۔ ذیل میں حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کے متبعین کے حوالے سے بعض مثالیں پیش کی جائیں گی، تا کہ معلوم ہو کہ حفاظت سماوی کا یہ معروف سلسلہ ماموز زمانہ، حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام، کی ذات اور جماعت کے اندر کس رنگ میں اور کس شان سے ظاہر ہو کر خدائے پاک کی قدرت اور عظمت کا اظہار کر رہا ہے۔ یاد رہے کہ جیسا کہ آنحضرت محمد ﷺ کی حدیث اَلْمُؤْمِنُ یَرٰی وَ یُرٰی لَہٗ بتاتی ہے، کبھی مومن اپنے بارے میں خود خواب دیکھتا ہے اور کبھی اس کے بارے میں کسی اَور مومن بندے کو خواب دکھائی جاتی ہے۔ اسی طرح منذر خواب یا منذر رؤیاء بھی کبھی وہ اپنے بارے میں دیکھتا ہے اور کبھی اس کے بارے میں کسی اَور کو دکھائی جاتی ہے۔ چنانچہ یہاں بھی یہ دونوں قسم کی مثالیں پیش کی جائینگی۔

وما توفیقی الا باللہ۔

☆ ☆ ☆

پہلی انذاری خبر

''بجلی گری ہے۔ پر۔کوئی نقصان نہیں ہوا''

اپنے بیٹے کے بارے میں ایک والدہ کا منذر خواب

اس سلسلے میں سب سے پہلے حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کی ایک صحابیہ کی اپنے جلیل القدر بیٹے کے بارے میں دیکھی گئی ایک منذر رؤیا کا ذکر کیا جاتا ہے۔ پھر آپکی دعاؤں اور صدقات کے طفیل اللہ تعالیٰ نے ایک سفر کے دوران آپکے اس بیٹے کو پیش آنے والے حادثہ میں اسکی جان کیسے معجزانہ رنگ میں سلامت رکھی، اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے حضرت چودھری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ تحریر فرماتے ہیں:

''۳۱، ۳۲ء میں میری رہائش زیادہ تر دہلی میں رہی۔ کیونکہ ان دنوں، مَیں سازش دہلی کے مقدمہ میں سرکار کی طرف سے پیروی کر رہا تھا[۱]۔ بڑے دن کی تعطیلات میں جلسہ پر حاضر ہوا۔ جلسہ کے بعد لاہور چلا گیا۔ والدہ صاحبہ ان دنوں زیادہ تر لاہور قیام رکھا کرتی تھیں۔ ۳۱ر دسمبر ۱۹۳۱ء کی سہ پہر کو میں نے دیکھا کہ بہت افسردہ نظر آرہی ہیں اور بار بار آنکھیں پُرنم ہو جاتی ہیں۔ میں نے دریافت کیا، تو فرمایا، کوئی خاص وجہ نہیں۔ کل دہلی واپس جا رہے ہو، اس لئے طبیعت افسردہ ہے۔ میں نے کہا، آپ بھی ساتھ چلیں۔ تو جواب دیا، نہیں، میں چند دن بعد آجاؤنگی''

آگے حادثہ کی تفصیلات بتاتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

''یکم جنوری ۱۹۳۲ء کو خاکسار قریب گیارہ بجے قبل دوپہر موٹر میں لاہور سے دہلی کی جانب روانہ ہوا۔ دو بجنے میں بیس منٹ پر کرتار پور اور جالندھر کے درمیان موٹر کی ٹکر ایک چھکڑے کے ساتھ ہوگئی اور خاکسار کو چہرہ پر شدید چوٹیں آئیں۔ اسی حالت میں خاکسار کو جالندھر شہر کے ہسپتال میں لیجایا گیا۔ شام کے وقت ٹیلیفون پر لاہور اطلاع کی گئی اور والدہ صاحبہ اسی وقت روانہ ہو کر ۱۱ بجے رات کے قریب جالندھر پہنچ گئیں''

---

[۱] دہلی سازش کیس حکومت ہند کی طرف سے چند (غیر مسلم) نوجوانوں پر اس الزام میں بنایا گیا کہ وہ ایک ایسی سازش میں شریک ہوئے ہیں، جس کا مقصد ہندوستان میں برطانوی حکومت کو بزور ختم کرنا تھا۔ اس کے لئے مکرم چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کو حکومت کی طرف سے کراؤن کونسل مقرر کیا گیا تھا۔ پریس اور پبلک نے اس میں بہت دلچسپی لی۔

فرماتے ہیں، والدہ صاحبہ نے حادثہ کی تفصیلات اور میری خیریت معلوم کرنے کے بعد فرمایا:

’’کل جو میں اس قدر افسردہ تھی، اسکی وجہ یہ تھی کہ میں نے پرسوں رات ایک خواب دیکھا تھا، جس کا میری طبیعت پر اثر تھا۔ وہ خواب یہ تھا کہ سیاہ بادل اٹھا ہے جس سے بالکل اندھیرا ہو گیا ہے۔ پھر بجلی گری ہے اور ساتھ ہی مطلع صاف ہو گیا ہے۔ لوگ کہتے ہیں، خیر گذری ہے، کوئی نقصان نہیں ہوا۔ البتہ ساتھ کے مکان والوں کا نقصان ہوا ہے۔ میں نے دیکھا کہ تمہارے کمرہ کے باہر کی دیوار پر ایک سیاہ لکیر سی رہ گئی ہے، جہاں بجلی گری تھی۔ اور کوئی نقصان نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اسنے تمہاری جان بخشی کی‘‘

یہ حادثہ اتنا شدید تھا کہ آپکا اس سے جانبر ہونا ایک معجزہ سے کم نہ تھا۔ جیسا کہ آپنے اپنی خودنوشت سوانح ’’تحدیث نعمت‘‘ میں تحریر فرمایا ہے، اس چھکڑے یعنی بیل گاڑی کا درمیانی تیر موٹر کار کے شیشہ کو توڑتے ہوئے آپکے بائیں رخسار پر لگا، جس سے آپنے یوں محسوس کیا کہ آپکی زندگی کا چراغ گل ہو گیا ہے۔ آپکے اوپر اور نیچے کے سامنے کے دانت ٹوٹ گئے، اوپر کا ہونٹ درمیان سے کٹ گیا اور بائیں آنکھ کے گرد کی ہڈی بھی ٹوٹ گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں آپ کا جانبر ہونا محض آپکی بزرگ والدہ کی قبل از حادثہ کی دعاؤں اور صدقات کا ثمرہ تھا۔

آپ دو دن جالندھر ہسپتال میں رہنے کے بعد تیسرے دن لاہور آگئے اور پھر دس دن مزید لاہور ہسپتال میں علاج معالجہ مکمل ہونے پر اپنے مکان واقع ماڈل ٹاؤن میں تشریف لے گئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے محض آپکی بزرگ والدہ کی دعاؤں کی برکت اور صدقات کے طفیل آپ کی جان کو سلامت رکھا۔ آپ مزید فرماتے ہیں کہ آپ کی والدہ صاحبہ کو اس کے بعد جب بھی جالندھر سے گذرنے کا اتفاق ہوتا، تو دو نفل شکرانہ کے ضرور پڑھتیں کہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے میرے بیٹے کو دوبارہ زندگی بخشی تھی۔

(ملخص از ’’میری والدہ‘‘ ص: ۷۰-۶۹)

........☆.........

حضرت چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ اور آپ کی والدہ ماجدہ، حضرت حسین بی بی صاحبہؓ، کا تعارف:

۱) حضرت چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کی والدہ ماجدہ، حضرت حسین بی بی صاحبہؓ، یکے از صحابیات ہونیکے علاوہ ایک صالحہ، پابند صوم وصلوٰۃ اور صاحبہ رُؤیا وکشوف بزرگ خاتون تھیں۔ آپکا اللہ تعالیٰ پر توکل قبول احمدیت سے قبل ہی قابل رشک حد تک پہنچا ہوا تھا، جسکی متعدد مثالیں حضرت چودھری صاحب موصوف نے اپنی کتاب ''میری والدہ'' میں بیان فرمائی ہیں۔ احمدیت میں داخل ہونیکے بعد آپ پر تقویٰ اور فدائیت کا ایک اَور ہی رنگ چڑھا۔ چنانچہ چودھری صاحب موصوف فرماتے ہیں:

''بیعت کے بعد جو دن ان پر چڑھا بلکہ ہر لحظہ جو ان پر گذرا، وہ ان کے ایمان اور اخلاص کی ترقی پر شاہد ہوا۔ ان کا ایمان شروع سے ہی عشق کی جھلک اپنے اندر رکھتا تھا، اور رفتہ رفتہ اس عشق نے اس حد تک ترقی کی کہ انہیں ہر بات میں ہی اللہ تعالیٰ کا جلال اور قدرت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اور مسیح موعودؑ کی صداقت نظر آتی تھی''

۲) چودھری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب، خود بھی حضرت حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کے صحابی تھے۔ علاوہ ازیں آپ کو پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ ہونے، جنرل اسمبلی کا پہلا مسلمان صدر ہونے اور عالمی عدالت انصاف کا پہلا مسلمان چیف جسٹس ہونے کا بھی شرف حاصل ہے۔ آپ کا مکمل تعارف ایک اگلے واقعہ کی ذیل میں صفحہ ۳۵۷ پر آرہا ہے۔

☆ ☆ ☆

دوسری انذاری خبر

''خنجر دونوں گھٹنوں کے درمیان گڑا ہوا تھا''

اسی بزرگ والدہ کا ایک اَور منذر رؤیا

اپنے دوسرے بیٹے کے بارے میں

والدہ ماجدہ چودھری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ، مکرمہ حضرت حسین بی بی صاحبہؓ، نے ایک بار اپنے ایک دوسرے بیٹے، یعنی حضرت چودھری صاحب موصوفؓ کے سب سے چھوٹے بھائی، چودھری محمد اسد اللہ خان صاحب، کے بارے میں بھی ایک منذر رؤیا دیکھی۔ اس بارے میں مکرم چودھری صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''۱۹۳۶ء کی جنوری کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ والدہ صاحبہ کو خاکسار نے بہت افسردہ دیکھا تو

سبب دریافت کرنے پر انہوں نے فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ کوئی شخص کہتا ہے کہ اسداللہ خان قتل ہوگیا ہے۔اور اسنے وصیت کی ہے کہ میرے بڑے بھائی، میرے بچوں کی پرورش کریں۔ میں نے والدہ صاحبہ کو تسلی دینے کی کوشش کی کہ خواب تعبیر طلب ہوتے ہیں اور بہرصورت دفع بلا کیلئے صدقہ دینا چاہئے۔اور دعائیں کرنی چاہئیں۔والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ صدقہ کا تو میں نے صبح ہی انتظام کروادیا تھااور دعا کررہی ہوں اور کرتی رہونگی۔اللہ تعالیٰ رحم فرمائے''

انذار کے اندر بتائی جانے والی یہ آسمانی خبر کیونکر پوری ہوئی اور پھر دعاؤں اور صدقات کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس کی صورت کو بدل کر اسے اپنے فضل سے سلامتی کا جامہ کیسے پہنایا، یہ ایک حیرت انگیز معجزہ ہے، جو بتاتا ہے کہ اس قادر مطلق ہستی کے اذن کے بغیر کوئی کسی کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔قدرتِ خداوندی کے اس نشان کی تفصیل بتاتے ہوئے مکرم چودھری صاحب موصوف فرماتے ہیں:

''(اس رؤیا کے) دو یا تین دن کے بعد عزیز اسداللہ خان ہمیں ملنے کیلئے دہلی آیا۔اور بیان کیا کہ رستہ میں رات کے وقت ریل میں کسی شخص نے ایک لمبا خنجر اس کے بستر میں اُس جگہ پر گھونپ دیا، جہاں اسکا سینہ ہوتا، اگر حملہ سے پیشتر اس نے اپنا بستر بدل کر اپنے پاؤں اس جگہ نہ کر لئے ہوتے۔ چنانچہ خنجر جو بہت زور سے گھونپا گیا تھا، لحاف سے گذر کر توشک سے گذرتا ہوا چمڑے کے گدے میں اسداللہ خان کے دونوں گھٹنوں کے درمیان گڑ گیا۔اور اسی حالت میں گڑا ہوا پایا گیا''

(بحوالہ''میری والدہ''ص:۹۸)

☆ ☆ ☆

تیسری انذاری خبر

’’گاڑی کو آگ لگ گئی‘‘

حضرت امام جماعت احمدیہ کی ایک منذر رؤیاء

۲۱ جنوری ۱۹۵۴ء کو لاہور سے کراچی جانے والی ایکسپریس گاڑی کو بمقام جھمپیر (سندھ) ایک خوفناک حادثہ پیش آیا۔ اس کا پس منظر کیا تھا اور اس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب کو، جو اُس وقت پاکستان کے وزیر خارجہ تھے اور سرکاری دورے پر تھے، کس طرح بال بال محفوظ رکھا ،اس کی روئداد جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ (یعنی جماعت احمدیہ کے دوسرے امام اور خلیفہ) کی ایک منذر رؤیاء کے حوالے سے چودھری صاحب موصوف نے بیان کی ہے، درج جاتی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس واقعہ سے کوئی دو ماہ قبل جب چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ، حکومت پاکستان کی طرف سے ابھی ریاستہائے متحدہ امریکہ میں تھے، تو اُس وقت کے امام جماعت احمدیہ، حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد، خلیفۃ المسیح الثانیؓ، نے آپ کے بارے میں ایک منذر رؤیا دیکھی، جس کی تفصیل پر سے آپ نے مندرجہ ذیل الفاظ میں پردہ اٹھایا ہے:

’’۱۹۵۳ء کے آخر میں، مَیں ابھی نیویارک میں ہی تھا کہ مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا تار ملا، جس میں ارشاد تھا کہ فوراً کچھ صدقہ دے دو، اور جب واپسی کے سفر پر روانہ ہونے لگو، تو اسوقت بھی صدقہ دیدینا۔ میں نے اسی وقت تعمیل کر دی۔ مجھے اندازہ ہوا کہ حضور نے کوئی منذر خواب دیکھا ہے۔ چند دن کے بعد حضور کا والا نامہ ملا، جس میں حضور نے اپنی ایک خواب کا ذکر فرمایا۔ حضور نے دیکھا کہ خاکسار کا عریضہ حضور کی خدمت میں موصول ہوا ہے، جس میں لکھا ہے کہ جس ہوائی جہاز میں خاکسار سفر کر رہا تھا، اسے آگ لگ گئی اور جہاز ایک جزیرے پر گرا۔ حضور نے تحریر فرمایا، خواب میں مجھے حیرانی بھی ہوئی کہ یہ حادثہ بھی ہوا اور خود یہ تفصیل بھی لکھ رہا ہے، جس کے یہ معنی ہیں کہ اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بچالیا ہے۔ نیز یہ فرمایا کہ دو تفاصیل ذہن میں رہ گئی ہیں۔ ایک یہ کہ جس وقت حادثہ ہوا، اس وقت پرواز کا رخ مشرق سے مغرب کی طرف تھا۔ دوسرے یہ کہ پائلٹ کے نام میں ’’محمد‘‘ شامل تھا یا کوئی ایسا نام تھا اور وہ بھی بچ گیا۔ تمہارا واپسی کا سفر مغرب سے

مشرق ہوگا۔لیکن خواب تعبیر طلب ہوتے ہیں۔اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے"

یہ رؤیاء، جو تصویری زبان میں کسی ممکنہ المناک حادثے کی نشاندہی کر رہی تھی، کس طرح اور کس شکل میں پوری ہوئی، اور دعاؤں اور صدقات سے اس کا منذر حصہ کس طرح آپ کے لئے ایک کم ضرر رساں صورت میں تبدیل ہوگیا، اس کے متعلق چودھری صاحب موصوف رقم فرماتے ہیں:

"۱۹۵۳ء کے اواخر کے سفر دمشق، طہران، اردن کے خاتمے پر میں کراچی واپس آ گیا۔ چند دن بعد جنوری ۱۹۵۴ء میں مجھے لاہور جانا پڑا۔لاہور سے ۲۰ جنوری کی شام کو کراچی کیلئے روانہ ہوا۔ میری 'سیلون' گاڑی ۲، ڈاؤن میل کے پشاور سے آنے پر ریل کے عقب میں لگا دی گئی تھی۔ جب میں پلیٹ فارم پر پہنچا، تو اسسٹنٹ سٹیشن ماسٹر صاحب نے فرمایا کہ سیلون، ٹرین کے آخر میں ہونے کے سبب آپ ریل کی زیادہ حرکت محسوس کریں گے، جس سے آپ بے آرام ہونگے۔ اگر آپ پسند کریں تو آپکی گاڑی ٹرین کے درمیان میں لگا دی جائے۔ اکثر وزراء صاحبان اپنے سیلون کا درمیان میں ہونا پسند کرتے ہیں۔ میں نے کہا، آپکی توجہ کا ممنون ہوں، لیکن اس ردّوبدل میں کچھ وقت ضرور صرف ہوگا، جس سے ممکن ہے ٹرین کی روانگی میں کچھ تاخیر ہو جائے۔ میں اپنے آرام کی خاطر دوسرے مسافروں کیلئے باعث تصدیعہ نہیں بننا چاہتا۔ سیلون جہاں ہے، وہاں ٹھیک ہے"

اب گاڑی لاہور سے کراچی کیلئے روانہ ہو پڑی۔ سفر کا یہ رخ (یعنی مشرق سے مغرب کو) حضورؓ کی خواب میں بیان شدہ ایک علامت کے مطابق تھا۔ گویا خواب کی تعبیر ظاہر ہونی شروع ہوگئی۔ خواب کا بقیہ حصہ کیونکر پورا ہوا، اس پر سے پردہ اٹھاتے ہوئے مکرم چودھری صاحب رقمطراز ہیں:

"گاڑی روانہ ہونے پر زور کا جھٹکا محسوس ہوا، جس سے مجھے کچھ پریشانی ہوئی........اسکے بعد میں اپنے وقت پر سو گیا۔ جب میں فجر کی نماز کیلئے کھڑا ہوا، تو گاڑی پوری رفتار سے چل رہی تھی۔ مجھے خیال آیا کہ ممکن ہے نماز کے دوران گاڑی کے رکتے وقت یا چلتے وقت دھکا لگے اور میں گر جاؤں۔ اسلئے بہتر ہے کہ میں نماز بیٹھ کر ادا کروں۔ چنانچہ میں نے بیٹھ کر نماز شروع کردی۔ میں عام طور پر فجر کی سنتوں میں دوسری رکعت میں 'الحمد شریف' کے بعد سورۃ اخلاص پڑھتا ہوں۔ ابھی میں نے بسم اللہ کے بعد 'قُــل' کہا تھا کہ ایسے زور کا جھٹکا لگا کہ

اوسان خطا ہوگئے اور میں بائیں طرف گر گیا اور کہنی پر چوٹ آئی۔ ریل گاڑی کھڑی ہوگئی''

گاڑی رُک جانے پر آپ سنبھل کر قعدہ میں بیٹھ گئے اور ''قل'' کے بعد ھو اللہ احد...... الخ پڑھتے ہوئے نماز جاری رکھی۔ مگر جونہی آپ نے نماز ختم کی، آپ نے ایک ایسا منظر دیکھا، جسے آپ کی آنکھیں تسلیم کرنے کیلئے تیار نہ تھیں۔ اس کی روئداد بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

''نماز سے فارغ ہونے پر کچھ شور سنائی دیا۔ میں بستر پر لیٹ گیا۔ لیٹا ہی تھا کہ ملازم نے آکر زور سے دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا کہ گاڑی کو آگ لگ گئی ہے، جلدی باہر آئیے۔ میں نے دریافت کیا، ہمارے سیلون کو آگ لگی ہے یا ساری گاڑی کو۔ اس نے کہا ساری ریل جل رہی ہے۔ اتنے میں باہر سے آواز سنائی دی، انہیں کہو جلدی باہر آجائیں۔ میں نے جلدی میں کپڑے پہنے اور باہر نکلا تو دیکھا کہ ایک محشر بپا ہے۔ مسافر انتہائی سراسیمگی کی حالت میں حیران کھڑے ہیں۔ ہوا تیز چل رہی ہے۔ شعلے آسمان کی طرف لپک رہے ہیں''

آگے یہ کہ وہ حادثہ کیا تھا اور کیونکر رونما ہوا، اس کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

''اس حادثے کا سبب جیسا کہ انجن ڈرائیور نے بیان کیا، یہ ہوا تھا کہ جب گاڑی اپنی پوری رفتار پر چلتے ہوئے ایک موڑ کاٹنے لگی، تو ڈرائیور کو نیم اندھیرے میں پٹڑی کے اوپر ایک طومار گرا ہوا دکھائی دیا۔ ڈرائیور نے فوراً بریکیں لگا دیں، لیکن پھر بھی انجن کی اس سے ٹکر ہو گئی۔ وہ طومار کیا تھا، صرف چند منٹ پہلے کراچی سے حیدر آباد جانے والی ایک پٹرول گاڑی کا آخری ڈبہ تھا جسکا آہنی پٹا کھل کر نیچے لٹک گیا تھا اور موڑ کاٹتے ہوئے جس کا سرا پٹڑی کی لائن میں الجھ گیا تھا، جس سے ڈبہ لڑھک کر اس پٹڑی پر جا گرا، جس پر پشاور میل گذر رہی تھی''

اب اگر چہ ڈرائیور نے کمال بیدار مغزی سے کام لیتے ہوئے انجن کو روک دیا تھا، تاہم فرماتے ہیں کہ رکتے رکتے بھی تصادم ہوگیا، جسکے نتیجے میں وہ قیامت صغریٰ بپا ہوئی کہ الامان والحفیظ! اس کی دردناک تفصیل چودھری صاحب موصوف ہی کے الفاظ میں حسب ذیل ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

''تصادم کے نتیجے میں (گاڑی کا) انجن تو پٹڑی چھوڑ کر لڑھکتا ہوا ڈھلوان سے نیچا جا گرا...... لیکن پٹرول والا ڈبہ ٹوٹ گیا اور پٹرول کو آگ لگ گئی۔ شومیٔ قسمت سے ہوا تیز

تھی اور پٹرول کے ڈبے کی سمت سے ڈاک گاڑی کی سمت چل رہی تھی۔ اِدھر آگ کی تمازت سے تمام بہتا ہوا پٹرول بھڑک اُٹھا اور لمحہ بھر میں ایک ڈبے کے بعد دوسرا مشتعل ہوتا گیا۔ پٹرول ڈبوں سے نکل کر پٹڑی کے ساتھ بہنے لگا اور آگ کے شعلوں نے تیزی سے بڑھ کر ڈاک گاڑی کے اکثر حصّے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ انّا للہ و انّا الیہ راجعون''

آگے فرماتے ہیں:

''انجن کے گر جانے پر انجن کا فائر مین تو موقع پر ہی ہلاک ہو گیا، مگر انجن کا ڈرائیور معجزانہ طور پر بچ گیا۔ اس کا نام جیسا کہ اخبارات میں شائع ہوا، غلام محمد تھا'' [۱]

گویا حضرت امام جماعت احمدیہ رضی اللہ عنہ کو اپنے ایک معتمد رفیق اور مخلص مرید کے بارے میں دی جانے والی منذر خبر دراصل تمثیلی زبان میں خطرے کا ایک الارم تھی، جس کی شکل دعاؤں اور صدقات کی برکت سے بدل گئی۔ چنانچہ آپ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ یہ حادثہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خواب کے مطابق پیش آیا اور اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و رحم اور ذرّہ نوازی سے میری جان بخشی فرمائی اور مجھے محفوظ رکھا۔ خواب میں بیشک ہوائی جہاز کے کسی جزیرے پر گرنے کا ذکر تھا، لیکن ہر خواب کسی حد تک تعبیر کا محتاج ہوتا ہے۔ خواب کے دیگر سب قرائن صفائی سے پورے ہوئے۔ سواری گوریل کی تھی، لیکن خطرہ آگ ہی کی صورت میں پیدا ہوا''

خود حضورؓ نے بھی اس پر بصیرت افروز تبصرہ فرمایا، جس کا آخری جملہ معرفت کا ایک ایسا نکتہ ہے، جو اس سارے واقعہ کا نچوڑ اور خلاصہ ہے۔ وہ معرفت کا نکتہ، جیسا کہ حضورؓ نے فرمایا، یہ تھا:

---

[۱] اس حادثہ کا ذکر کرتے ہوئے پاکستان کا مشہور ادیب، نقاد اور مؤرخ، رئیس احمد جعفری، مکرم چودھری صاحب موصوف کے بارے میں ایک بڑا دلچسپ جملہ لکھتا ہے، جو ہمارے ان مخالفین کیلئے، جو دن رات ہمیں کافر قرار دیتے تھکتے نہیں، ایک تازیانہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ جملہ حسب ذیل ہے: ''آپ اُس فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں، جسے عام طور پر کافر بلکہ گمراہ کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ گمراہ اور کافر شخص بغیر شرمائے ڈاڑھی رکھتا ہے۔ اور اقوام متحدہ کے جلسوں میں علی الاعلان نماز پڑھتا ہے۔ جھمپیر کا قیامت خیز ریلوے حادثہ جب رونما ہوا، تو یہ شخص اپنے سیلون میں فجر کی نماز پڑھ رہا تھا۔

(بحوالہ الفضل انٹرنیشنل، لندن، یکم اکتوبر ۲۰۰۴ء صفحہ ۱۴)

''یہاں صرف رؤیا کا سوال نہیں کہ وہ پوری ہوئی بلکہ ایک تقدیر مبرم تھی، جو دعاؤں سے بدل گئی''

آخر پر اس رؤیا کے ایک اَور دلچسپ پہلو کا ذکر کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ پاکستان ریڈیو پر جب یہ خبر نشر ہوئی تو اس میں اس حادثہ کیلئے crashed کا لفظ استعمال کیا گیا۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ رؤیا میں بھی یہی لفظ صاحب رؤیا کو دکھایا گیا تھا۔ اسی طرح ڈرائیور کا نام جیسا کہ اخباروں میں چھپا، غلام محمد تھا۔ رؤیا میں بھی پائلٹ یا ڈرائیور کے نام کے ساتھ 'محمد' کا لفظ آتا تھا۔ اس اعتبار سے وہ رؤیا عظیم الشان طریق سے پوری ہو کر عالم الغیب خدا کی ہستی پر ایک زندہ گواہ بن گئی۔

(ملخص از ''تحدیث نعمت'' ص:۵۹۸ تا ۶۰۰)

........☆........

(نوٹ: حضرت خلیفہ ثانیؓ کی وہ رؤیا، جس کی بنا پر آپؓ نے حضرت چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب کو دعا اور صدقہ کرنے کے لئے تحریر فرمایا تھا، ۱۸ نومبر ۱۹۵۷ء کی ہے۔ اس میں وہ عبارت جس میں 'کریش' کا لفظ آتا ہے، وہ حضور کے ہی الفاظ میں حسب ذیل ہے:

''میں نے رؤیا میں دیکھا کہ میں ایک جگہ پر ہوں..... کسی شخص نے مجھے ایک لفافہ دیا اور کہا کہ یہ چودھری ظفر اللہ خان صاحب کا ہے۔ میں نے اس لفافہ کو کھولے بغیر یہ محسوس کیا کہ اس میں کسی عظیم الشان حادثے کی خبر ہے، جو چودھری صاحب کی موت کی شکل میں پیش آیا ہے یا کوئی اور بڑا حادثہ ہے...... لفافہ میں سے ایک اَور شفاف کاغذ نکلا...... اس کاغذ پر ایک لکیر کھینچی ہوئی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک ہوائی جہاز ہے، جو مشرق سے مغرب کی طرف جا رہا ہے...... اور معاً بعد 'Crashed' کا لفظ میرے سامنے آجاتا ہے''

اور رؤیا کا وہ حصہ، جس میں ڈرائیور کا نام بھی بتایا گیا، اس کی عبارت یوں ہے:

''لفافہ کھولنے پر اس میں سے بہت سے کاغذ نکلتے ہیں...... ان میں سے ایک کاغذ کو میں نے باہر کھینچا، تو وہ ایک فہرست تھی...... اس فہرست میں ایک نام سے پہلے ملک لکھا تھا اور آخر میں محمد لکھا تھا'')

(رؤیا و کشوف سیدنا محمود، ص:۵۲۰ تا ۵۲۱)

........☆........

حضرت چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کا تعارف

حضرت چودھری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ، حضرت بانی سلسلہؑ کے رفیق، حضرت چودھری نصر اللہ خان صاحبؓ کے صاحبزادے اور خود بھی رفقاء حضرت بانی سلسلہؑ میں شامل تھے۔ آپ ۱۹۱۱ء میں بیرسٹری کی تعلیم کیلئے انگلستان تشریف لے گئے۔ واپس تشریف لانے کے بعد آپ نے بطور وکیل اور مدبر ایسا نام پیدا کیا کہ ۳۱۔۱۹۳۰ء کے دوران آپ کو تین بار مسلمان نمائندہ کی حیثیت سے گول میز کانفرنس لندن میں شمولیت کا اعزاز حاصل ہوا۔ ۱۹۳۵ء تا ۱۹۴۵ء آپ دہلی میں وائسرائے کی کونسل کے ممبر (وزیر مملکت) رہے۔ تقسیم ہند کے وقت آپ فیڈرل کورٹ آف انڈیا کے جج تھے۔ نیز آپ کو پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ پھر ۱۹۵۴ء میں پہلی بار اور ۱۹۶۴ء میں دوسری بار آپ عالمی عدالت انصاف کے جج منتخب ہوئے۔ اس دوران آپ کو ۱۹۷۰ء تا ۱۹۷۳ء اسی عالمی عدالت انصاف کا صدر رہنے کا بھی اعزاز حاصل ہوا۔

☆ ☆ ☆

چوتھی انذاری خبر

”آپ لوگ کچھ صدقہ کر دیں“

حضرت المصلح الموعودؓ کی ایک اور منذر رؤیا

یہ منذر رؤیا بھی جو جماعت کے دوسرے امام یعنی حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد، خلیفۃ المسیح الثانیؓ، کی ہے اور آپ نے جماعت کے ایک اَور مخلص دوست کے بارے میں دیکھی، ایک زبردست قدرتوں والے عالم الغیب خدا کی زندہ ہستی کا پتہ دیتی ہے۔ دوسرے، یہ بتاتی ہے کہ خلافت کا وجود جماعت کیلئے کتنی بڑی رحمت ہے کہ اس کے زیر سایہ رہتے ہوئے انسان اپنے آپ کو عافیت کے ایسے قلعہ میں محفوظ پاتا ہے، جس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اس ایمان افروز داستان کی تفصیل، جیسا کہ انہی ایام میں وہ اخبار الفضل میں شائع ہوگئی تھی، حسب ذیل ہے:

’1951ء کے جلسہ سالانہ، منعقدہ ربوہ، کی بات ہے کہ حضرت امام جماعت احمدیہ، حضرت المصلح الموعود، خلیفۃ المسیح الثانیؓ، جب جلسہ پر آئے ہوئے احمدی مہمانوں کو شرف ملاقات بخش رہے تھے، تو جونہی ضلع سرگودھا کی جماعت کے ایک معزز دوست، چودھری ہدایت اللہ صاحب ساکن چک ۳۵ جنوبی، آپ کے سامنے سے گذرے اور مصافحہ کیا، تو آپ نے سرگودھا کے ضلعی امیر، مکرم مرزا عبدالحق صاحب سے، جو دوستوں کا ساتھ ساتھ تعارف بھی کراتے جارہے تھے، دریافت فرمایا: ’آپ نے ان کا نام کیا بتایا ہے؟ کیا چودھری ہدایت اللہ بتایا ہے‘؟ جب مکرم مرزا صاحب نے اثبات میں جواب دیا تو فرمایا:

> **”میں نے ان کے فلاں بھائی کے متعلق ایک رؤیا دیکھی ہے کہ اس کے ساتھ اس کا ایک بیٹا یا کوئی چھوٹا بھائی بھی کھڑا ہے۔ وہ نظارہ تو مجھے بھول گیا ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ وہ رؤیا ان دونوں کے متعلق مُنذر ہے۔ اس لئے آپ ان کو کہہ دیں کہ وہ کچھ صدقہ کر دیں۔ شاید اس طرح وہ ابتلاء ٹل جائے“**

جس بھائی کا آپ نے نام لیا کہ آپ نے اسے خواب میں دیکھا، وہ چودھری عنایت اللہ صاحب تھے اور وہ لائلپور (حال فیصل آباد) میں گورنمنٹ کے زرعی فارم میں مینجر تھے اور وہیں پر مقیم تھے۔ چنانچہ مرزا صاحب موصوف نے حضور کے اس ارشاد کی تعمیل میں فوراً ہی مکرم چودھری ہدایت اللہ صاحب کو بلوا کر

انہیں حضور کا یہ پیغام پہنچا دیا۔ انہوں نے بھی آگے فوراً ہی آدمی بھیج کر اپنے بھائی چودھری عنایت اللہ صاحب کو حضورؓ کا پیغام پہنچا کر صدقہ کرنے کی تاکید کر دی۔

پھر یہ انذاری خبر کیونکر اچانک حقیقت بنی، اس بارے میں حضورؓ ہی کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس میں آپ فرماتے ہیں:

''دوسرے دن شام کے قریب سیالکوٹ کی جماعت کی ملاقات ہو رہی تھی، تو چودھری غلام احمد صاحب پوہلہ، امیر جماعت حلقہ، نے مجھ سے پوچھا کہ آپ نے کل کوئی خواب مرزا عبدالحق صاحب کو سنائی تھی۔ میں نے کہا، ہاں۔ انہوں نے کہا، وہ پوری ہوگئی ہے۔ اور آج ہی ایک واقعہ چودھری ہدایت اللہ صاحب کے بھائی اور بھتیجا سے ایسا پیش آیا ہے، جس سے وہ سخت ابتلاء میں پڑ گیا ہے''

(روزنامہ الفضل، ربوہ، مورخہ ۲۷ جنوری ۱۹۵۲ء،
بحوالہ ''رؤیا و کشوف حضرت المصلح الموعودؓ''، صفحہ ۴۸۲ تا ۴۸۴)

بات یوں ہوئی کہ جس دن چودھری عنایت اللہ صاحب کو حضور کا وہ پیغام ملا، اس کے چند گھنٹوں کے اندر اندر ان کے ساتھ ایک ایسا حادثہ پیش آ گیا، جس کے نتیجے میں وہ دونوں باپ بیٹا ایک سنگین مقدمہ قتل میں ماخوذ ہو گئے۔ یہ مقدمہ جیسا کہ خاکسار راقم الحروف سے مکرم چودھری ہدایت اللہ صاحب نے ۱۹۹۹ء میں خاکسار کے ربوہ جانے اور ان سے ملاقات کرنے پر بیان کیا، اسی فارم پر کام کرنے والے ایک بد کردار شخص کے ان کے بھائی کے ہاتھوں قتل ہو جانے کے باعث ان پر بنا، اور کافی سنگین صورت اختیار کر گیا۔ آخر دونوں باپ بیٹے کو پانچ پانچ سال قید کی سزا ہوگئی۔ تاہم صدقات، انکی اپنی دعاؤں، اور خلیفۂ وقت کی دعاؤں نے اپنا اثر دکھایا۔ چنانچہ ابھی چند ماہ ہی گذرے تھے کہ ہائی کورٹ کی عدالت سے ان کی بریت کا حکم صادر ہو گیا۔ اور اس طرح وہ زیادہ سے زیادہ ۵ یا ۶ ماہ قید میں رہ کر باہر آ گئے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ چودھری عنایت اللہ صاحب کو جونہی اپنے برادر اکبر، چودھری ہدایت اللہ صاحب، کے ذریعے اپنے آقا کا پیغام ملا، انہوں نے فوراً ہی ایک بکرا صدقہ کر دیا، حالانکہ ابھی نہ کوئی واردات ہوئی تھی اور نہ کسی قسم کے مقدمہ کی داغ بیل پڑی تھی۔ لیکن پھر جلد ہی وہ تقریب پیدا ہوگئی، جسکے نتیجے میں دونوں باپ بیٹے پر وہ ابتلاء آ گیا، جسکا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ یہ سب کچھ اس امر کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ سلسلۂ حقہ احمدیہ، جہاں افراد جماعت کی روحانی تربیت گاہ کا مقام رکھتا ہے، وہاں انکی جسمانی بقاء اور سلامتی کا بھی

ایک ایسا مضبوط قلعہ ہے، جسکے اندر آ کر وہ آلام و مصائب کی آندھیوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔اسی حقیقت کی طرف حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کا معرفت سے بھرا ہوا یہ شعر اشارہ کر رہا ہے:

صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے
ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار

☆ ☆ ☆

پانچویں انذاری خبر

''میں جھولے سے نیچے آ گرا''

ایک نوعمر داعی الی اللہ کو ملنے والی انذاری خبر

حضرت شیخ عبدالقادر صاحب (سابق سوداگرمل) مربی سلسلہ احمدیہ بیان کرتے ہیں کہ

''جب میں نے ۱۹۳۹ء میں میٹرک کا امتحان پاس کر لیا اور ۱۹۴۱ء میں ایف۔اے انگلش کے امتحان کی تیاری کرنے لگا، تو میرے ایک نہایت عزیز دوست، جو ۱۹۴۰ء میں امتحان دینے کا ارادہ رکھتے تھے، مجھے مجبور کرنے لگے کہ میں بھی انکے ساتھ ہی انگلش کا امتحان دے دوں۔اُس وقت غالباً اس سال یعنی ۱۹۴۰ء کا نصف جنوری گذر چکا تھا۔تاہم انکے مجبور کرنے پر مَیں نے بھی کتابیں خرید لیں اور تیاری شروع کر دی۔مگر امتحان شروع ہونے تک بمشکل نظموں (یعنی پوئٹری) کی کتاب پڑھ سکا۔پھر اس سال اتفاق سے امتحان کے پرچے بھی اِس قدر مشکل آئے کہ میں ایک پرچہ کے اکثر سوالات کو بھی سمجھ نہ سکا۔خود کالجوں میں باقاعدہ تعلیم پانے والے طلبہ بھی صدائے احتجاج بلند کرنے لگے۔پروفیسر صاحبان بھی کہہ اٹھے کہ پرچہ اتنا مشکل ہے کہ بی۔اے کے طلبہ بھی حل نہیں کر سکتے''

آگے فرماتے ہیں:

''جب امتحان ختم ہوا، تو اس کے چند روز بعد میں نے ایک خواب دیکھا۔کیا دیکھتا ہوں کہ میں کراچی میں ہوں۔وہاں ایک نہایت صاف شفاف سڑک پر ایک جھولا نصب کیا گیا ہے اور میں نے اور میرے اس عزیز دوست نے اس جھولے پر دو دو چکر کاٹنے ہیں۔جھولے کا

چکر نیچے سے اُوپر کی طرف چلتا ہے۔میں نے پہلا چکر تو بصد مشکل لگالیا،لیکن دوسرے چکر میں ابھی میرے پاؤں زمین سے ایک ہی فٹ اونچے ہوئے ہونگے کہ میرے ہاتھ چھوٹ گئے اور میں نیچے آ گرا۔مگر مجھے چوٹ وغیرہ کوئی نہیں آئی تھی۔لیکن میرا ساتھی پہلے ہی چکر میں جب اُوپر کی بلندی پر پہنچا،تو اس کے ہاتھ چھوٹ گئے اور وہ اس قدر زور سے گرا کہ اپنے تن من کی ہوش نہ رہی۔آگے خواب کے اندر ہی دیکھتا ہوں کہ اسکے یوں گرتے ہی فوراً لوگ اکٹھے ہوگئے ہیں۔ایک انگریز ڈاکٹر کو بلایا گیا ہے،لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ ڈاکٹر اپنی ملازمت کے لحاظ سے سول سرجن کے عہدہ پر پہنچ تو گیا ہے،مگر ذہین نہیں ہے۔اسلئے میرے دوست کا علاج کامیابی سے نہیں کرسکیگا''

آگے فرماتے ہیں:

''اس خواب سے میں نے اپنے بارے میں تو یہ نتیجہ نکالا کہ میں دوسرے پرچہ میں فیل ہو جاؤنگا،اور اپنے دوست کی نسبت یہ تعبیر کی کہ وہ فیل بھی ہوجائے گا اور ممکن ہے،فوت بھی ہوجائے۔میں چونکہ اس سنّتِ الٰہی سے خوب واقف تھا کہ قبل از نزول بلا جو انذاری باتیں خواب میں بتائی جاتی ہیں،وہ صدقات وغیرہ سے ٹل جاتی ہیں،میں نے خوب دعائیں کیں،استغفار کیا اور صدقہ اور خیرات سے تقدیر الٰہی کو ٹالنے کی کوشش کی۔اللہ تعالیٰ کا ایسا فضل ہوا کہ میں تو امتحان میں کامیاب ہوگیا،لیکن میرا دوست فیل بھی ہوگیا اور بعد میں فوت بھی ہوگیا۔انّا للّٰہ و انّا الیہ راجعُون''

(ملخص از تابعین اصحاب احمد جلد اول،ص:۵۱۔۵۰)

☆

شیخ عبدالقادر صاحب فاضل کا تعارف:

مکرم مولانا شیخ عبدالقادر صاحب فاضل،چھوٹی عمر میں ہی مسلمان ہوکر قادیان پہنچ گئے تھے،جہاں ان کی دینی تربیت اور تعلیم ایسے رنگ میں ہوئی کہ اسلام ان کے رگ و ریشہ میں سما گیا۔آپ ۱۵؍اگست ۱۹۱۹ء کو سرگودھا کے ایک ہندو گھرانے میں پیدا ہوئے۔لالیاں (حال ضلع جھنگ) سے مڈل کا امتحان پاس کرنے کے بعد آپ اپنے ننھال کے پاس بیرانوالہ (ضلع حافظ آباد) میں چلے گئے۔وہاں آپ ایک احمدی دوست،حضرت میاں محمد مراد صاحب،کی دوکان پر بیٹھا کرتے تھے کہ آپکو جماعتی رسائل و اخبارات دیکھنے اور پڑھنے کا موقع ملا اور پھر انہی کے

ساتھ قادیان گئے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ حضور خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے آپ کا نام عبد القادر رکھا۔ پھر وہیں آپ مدرسہ احمدیہ میں داخل ہو گئے اور ۱۹۳۱ء میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کرنے کے بعد ساری عمر آپ پاک و ہند میں بطور مبلغ سلسلہ خدمات سرانجام دیتے رہے۔ آپ کی تین تصانیف: 'سیرۃ سید الانبیاء'، 'حیات طیبہ' اور 'حیات نور'، سلسلہ کی اہم تصانیف میں شمار ہوتی ہیں۔ آپکے کم سنی میں ہی (قریباً ۱۵ سال کی عمر میں) مسلمان ہو جانے پر والدین نے آپ کی بہت مخالفت کی، جس کا تفصیلی تذکرہ آپکی سوانح عمری۔ تابعین اصحاب احمد، جلد اوّل میں بیان ہوا ہے۔

☆ ☆ ☆

چھٹی انذاری خبر

''سعدیہ کو لے لو''

ریل کا حادثہ۔ اور۔ ایک احمدی بچی کا معجزانہ بچاؤ

آسمان سے کسی انذاری خبر کا ملنا اور دعاؤں، صدقات اور خیرات سے اس بلا کا ٹل جانا ایک ایسی اٹل اور دلآویز حقیقت ہے کہ جن خوش نصیبوں کو اس کا تجربہ ہوا ہے، وہی اس کی روحانی لذت صحیح طور پر جانتے اور محسوس کرتے ہیں۔ ذیل میں ایسا ہی ایک اَور واقعہ بیان کیا جاتا ہے، جو بتاتا ہے کہ کس طرح ایک نیک بخت احمدی خاتون کو اپنی بچی کے بارے میں ایک انذاری خبر ملی۔ پھر کس طرح انہوں نے دعا، صدقہ اور خیرات کے ساتھ آنے والے امکانی ضرر سے بچنے کیلئے اللہ تعالیٰ کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے روحانی نسخے پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ اور پھر اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کی بچی کے لئے اپنی رحمت کا کیا کرشمہ دکھایا، یہ دلچسپ اور روح پرور روئداد جیسے ہماری بہن، مسز رابعہ مفتی، نے تفصیل سے اپنے خط میں بیان کی ہے، درج ذیل کی جاتی ہے۔ وہ اس عاجز راقم الحروف کے نام اپنے خط میں تحریر فرماتی ہیں:

''۱۹۷۲ء میں میری لڑکی محمودہ کراچی سے آئی ہوئی تھی۔ اسے اگست میں واپس جانا تھا۔ چونکہ وہ اکیلی تھی اور ساتھ دو سال کی بچی سعدیہ بھی تھی، مجھے بہت فکر تھا۔ چنانچہ میں نے اسکی روانگی سے دو تین ہفتہ قبل استخارہ کرنا شروع کر دیا۔ اس دوران مَیں نے خواب میں دیکھا کہ مَیں محمودہ سے کہہ رہی ہوں، 'اپنے شوہر کی کمائی سے صدقہ دے دو، خواہ چھ پیسے ہی

ہوں‘۔ بعد میں چھ کی نسبت سے میں نے چھ روپے صدقہ اس سے دلوایا‘‘

آگے اسی استخارہ کی برکت سے انہیں اپنی بچی کے متعلق ایک اَور آسمانی اطلاع ملی۔ فرماتی ہیں:

’’چند دن بعد ایک اَور خواب دیکھی۔ کیا دیکھتی ہوں کہ ویران سی جگہ ہے، محمودہ بیٹھی ہوئی ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے، جیسے ریل کی پٹڑی کے کنارے کسی قدر اونچائی پر بیٹھی ہو، اسکی آنکھیں بند ہو رہی ہیں، جیسے ابھی بیہوش ہو جائیگی۔ اتنے میں کوئی شخص اسے آواز دیتا ہے۔ اس نے ہاتھوں میں سعدیہ کو پکڑا ہوا ہے اور کہتا ہے، ’لو! اس کو لے لو‘۔ اُس وقت مَیں دل میں خیال کرتی ہوں کہ یہ آدمی بچی اسے اسلئے دکھا رہا ہے کہ کہیں یہ بیہوش نہ ہو جائے‘‘

یہ نظارہ پہلے والی رؤیاء کے مقابلے میں زیادہ تفصیلی اور واضح طور پر کسی انذار پر مشتمل تھا، جس سے بظاہر تو کچھ پتہ نہ لگتا تھا کہ اس کی کیا تعبیر ہو سکتی ہے۔ تاہم ریل گاڑی کی پٹڑی کا دیکھنا بتا رہا تھا کہ کوئی ایسی منذر خبر ہے، جس کا تعلق ریل گاڑی سے ہو گا۔ دیگر تفصیلات اس خواب کی ایک معمہ سے کم نہ تھیں۔ لیکن جس طریق پر چند دن بعد ہی اس میں نظر آنیوالے جملہ تصویری مناظر ایک ایک کر کے حقیقت بن کر آنکھوں کے سامنے آ گئے، انہیں دیکھ کر انسان کا دل اس یقین سے بھر جاتا ہے کہ ہمارا خدا عالم الغیب بھی ہے اور بڑی قدرتوں اور رحمتوں والا بھی ہے۔ وہ جس کو بچانا چاہتا ہے، اسے موت کی کچھار سے بھی زندہ نکال لیتا ہے۔ اب دیکھئے، کہ ہماری اس بہن کی بیٹی پر اس سفر کے دوران کیا حادثہ گذرا اور پھر کس طرح اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ان دونوں ماں بیٹی کو بال بال بچا لیا، بلکہ ان کے وجود کی برکت سے بہت سے دیگر مسافروں کی جانیں بھی محفوظ رہیں۔ چنانچہ وہ بیان فرماتی ہیں:

’’محمودہ یہاں سے لاہور گئی اور وہاں سے ۵/اگست کو ’تیز رو‘ پر سوار ہو کر کراچی کیلئے روانہ ہو گئی۔ چھ اگست کی صبح کو لیاقت پور سٹیشن کے قریب اس کی گاڑی کا سامنے سے آنیوالی مال گاڑی سے ٹکراؤ ہو گیا۔ یہ حادثہ اتنا شدید اور زبردست تھا کہ بیشتر بوگیاں ایک دوسری سے ٹکرا کر چکنا چور ہو گئیں۔ سینکڑوں مسافر یا تو جان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور یا ایسی بری طرح زخمی ہو گئے کہ بمشکل ہی ان سے کوئی بچا ہو گا۔ عام زخمی ہونے والوں کا تو کوئی شمار ہی نہ تھا۔ سب سے زیادہ تباہی انجن کے پیچھے والے چار ڈبوں کی ہوئی، جو آپس میں ایسے ٹکرائے کہ ایک دوسرے کے اندر دھنس گئے اور ان میں موجود جملہ مسافر بھی بری طرح

کچلے گئے‘‘

اب اس بچی محمودہ اور اس کی کم سن بیٹی سعدیہ کی سنیں کہ ارحم الراحمین خدا نے انہیں اور ان کے طفیل اس ڈبے کے سارے مسافروں کو کیسے عجیب وغریب رنگ میں اور معجزانہ طور پر محفوظ رکھا۔ اس کے متعلق بہن رابعہ مفتی تحریر کرتی ہیں:

’’محمودہ والا ڈبہ انجن کے بالکل پیچھے تھا۔ ظاہر ہے کہ سب سے زیادہ نقصان اسی ڈبے کو پہنچنے کا احتمال تھا۔ لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ٹکراؤ کے نتیجے میں گاڑی کا انجن، مال گاڑی کے اوپر چڑھ گیا اور محمودہ والا ڈبہ انجن کے اوپر چڑھ گیا اور اس طرح کچلے جانے سے کلیۃً محفوظ رہا۔ حادثہ کے وقت محمودہ اور اسکی بچی اوپر کی سیٹ پر سو رہی تھیں۔ جب حادثہ ہوا، تو ماں بیٹی سیٹ سے نیچے گر پڑیں۔ جب محمودہ کے حواس درست ہوئے، تو اس نے اپنی بیٹی کو سنبھالا۔ مگر گھبراہٹ اور اندھیرے کی وجہ سے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ وہ چیخ رہی تھی، میری بچی کہاں گئی۔ اتنے میں ایک اَور مسافر لڑکی، سعدیہ کو ہاتھوں میں اٹھائے آگے بڑھی اور کہا ’دیکھو، باجی! یہ آپکی بچی ہے؟‘ اور خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ ماں اور بچی دونوں میں سے کسی کو کوئی چوٹ تک نہ آئی تھی۔ پھر ایک سپیشل ٹرین کے ذریعے بچنے والے مسافروں کو کراچی پہنچایا گیا‘‘

آخر پر ہماری یہ بہن اپنی بچی اور نواسی کے اتنے بڑے حادثہ سے یوں معجزانہ طور پر محفوظ رہنے کو خدا تعالیٰ کی قدرت اور رحمت کا ایک نشان قرار دیتے اور اس پر خدا کا شکر بجالاتے ہوئے تحریر کرتی ہیں:

’’جب اخبار میں حادثہ کی خبر پڑھی اور یہ بھی کہ اگلے ڈبوں میں سے کوئی مسافر بھی نہیں بچا، تو جب تک کراچی سے اطلاع نہیں آئی تھی، یہ ۲۰ گھنٹے کا عرصہ جس کرب اور اضطراب میں گذرا، اسکی کیفیت بیان سے باہر ہے۔ تسلی تھی، تو صرف یہ کہ دونوں بچیوں کو خواب میں زندہ سلامت دیکھا تھا۔ سو اللہ تعالیٰ کے فضل سے محمودہ والا سارا ڈبہ معجزانہ طور پر محفوظ رہا۔ کسی مسافر کو خراش تک نہ آئی تھی۔ فالحمد للہ رب العالمین‘‘

(مکتوب نمبر ۳۶، مورخہ ۷۹/۴/۴)

.........☆.........

مکرمہ رابعہ مفتی صاحبہ کا تعارف

بہن رابعہ مفتی صاحبہ بنت چودھری محمد شریف صاحب (مرحوم) انجینئر، محلّہ دارالبرکات، ربوہ، میں کئی سال تک خاکسار کی ہمسائیگی میں رہیں۔ ان کی بچی محمودہ اور ان کے بیٹے محمود کو راقم الحروف نے جبکہ وہ پرائمری کلاسوں میں تھے، ٹیوشن پر پڑھایا بھی ہے۔ یہ ۱۹۵۲ء تا ۱۹۵۶ء کی بات ہے۔ مسز رابعہ مفتی صاحبہ نے اپنے محولہ بالا خط میں اپنی اَور بھی بہت سی پوری ہونے والی خوابوں کا بھی ذکر کیا ہے، جو انشاءاللہ اپنے اپنے عناوین کے تحت ''درویشان احمدیت'' کی دیگر جلدوں میں درج کی جارہی ہیں۔

☆

استخارہ کے بارہ میں بعض ضروری تصریحات

۔از افادات حضرت امام الزمان علیہ السلام۔

اوپر مسز رابعہ مفتی صاحبہ نے لکھا ہے کہ انہوں نے اپنی بچی کے کراچی روانہ ہونے سے پہلے استخارہ کیا، جس کے نتیجے میں انہیں وہ منذر خواب آئی، جس کے پیش نظر انہوں نے خود بھی صدقہ دیا اور اپنی بچی کو بھی صدقہ اور دعائیں کرنے کے لئے کہا۔ ذیل میں استخارہ کے بارے میں حضرت بانی سلسلہ علیہ السلام کے بعض ارشادات افادۂ عام کے لئے درج کئے جاتے ہیں:

☆

''سفر سے پہلے استخارہ''

حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کے متعلق آتا ہے کہ آپ اکثر سفر سے پہلے استخارہ کر لینے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ ایک بار ایک شخص نے آپؑ سے اپنے کسی سفر کے متعلق رائے لینا چاہی، تو آپ نے فرمایا:

''آپ استخارہ کرلیں''

☆

''استخارہ سے عقل سلیم عطا ہوتی ہے''

اسی طرح فرماتے ہیں:

''آجکل اکثر مسلمانوں نے استخارہ کی سنت کو ترک کر دیا ہے۔حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیش آمدہ امر میں استخارہ فرما لیا کرتے تھے۔سلف صالحین کا بھی یہی طریقہ تھا ....اصل میں یہ استخارہ ان بد رسومات کے عوض میں رائج کیا گیا تھا، جو مشرک لوگ کسی کام کی ابتدا سے پہلے کیا کرتے تھے۔لیکن اب مسلمان اسے بھول گئے ۔حالانکہ استخارہ سے ایک عقل سلیم عطا ہوتی ہے،جس کے مطابق کام کرنے سے کامیابی حاصل ہوتی ہے''

☆

''استخارہ کا طریق''

فرمایا:''اس کا طریق یہ ہے کہ انسان دو نفل پڑھے۔اول رکعت میں سورۃ: قل یا ایھا الکافرون پڑھ لےاور دوسری میں :قل ھو اللہ ۔التحیات میں یہ دعا کرے''

(آگے جو دعا آپ نے بتائی ،وہ دعائے استخارہ ہی کا اردو ترجمہ ہے۔یعنی فرمایا کہ اگر عربی میں دعا آتی ہو تو عربی میں،ورنہ اسی دعا کا اردو میں ترجمہ یاد کر لے اور پھر اسے التحیات کے اندر یعنی سلام پھیرنے سے پہلے پڑھ لے)

(ملخص از ملفوظات ،جلد۴،ص:۳۰۷ و ملفوظات ،جلد۹،ص:۲۹۹)

☆

''دعائے استخارہ''

اَللّٰھُمَّ اِنّی اَستَخِیرُکَ بِعِلمِکَ وَاستَقدِرُکَ بِقُدرَتِکَ وَ اَسئَلُکَ مِن فَضلِکَ العَظِیمِ • فَاِنَّکَ تَقدِرُ وَ لَا اَقدِرُ وَ تعلَمُ وَلَا اعلَمُ وَ انتَ عَلَّامُ الغُیُوب • اَللّٰھُمَّ اِن کُنتَ تعلَمُ اَنَّ ھٰذَاالامر خیرٌ لِّی فِی دِینِی وَ مَعَاشِی وَ عَاقِبَةِ اَمرِی فَاقدِرہُ لِی وَ یَسِّرہُ لِی ثُمَّ بَارِک لِی فِیہِ • وَ اِن کُنتَ تعلَمُ اَنَّ ھٰذَاالامر

شَرٌّ لِّی فِی دِینِی وَ مَعَاشِی وَ عَاقِبَةِ اَمرِی فَاصرِفهُ عَنِّی وَاصرِفنِی عَنهُ وَاقدِر لِیَ الخَیرَ حَیثُ کَان ثُمَّ اَرضِنِی بِہٖ

ترجمہ

''یاالٰہی، میں تیرے علم کے ذریعہ سے خیر طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت سے قدرت مانگتا ہوں کیونکہ تجھی کوسب قدرت ہے، مجھے کوئی قدرت نہیں۔اور تجھے ہی سب علم ہے، مجھے کوئی علم نہیں۔اور تو ہی چھپی ہوئی باتوں کا جاننے والا ہے۔الٰہی، اگر تو جانتا ہے کہ یہ امر میرے حق میں بہتر ہے، بلحاظ دین اور دنیا کے، تو تُو اسے میرے لئے مقدر کر دے اور آسان کر دے اور اس میں برکت دے۔اور اگر تُو جانتا ہے کہ یہ امر میرے لئے دین اور دنیا میں شرّ ہے، تو تُو مجھ کو اس سے باز رکھ''

(یہ ترجمہ وہی ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ملفوظات جلد ۴ صفحہ ۳۰۷ پر درج ہے)

☆ ☆ ☆

ساتویں انذاری خبر

''جہاز مٹی میں دھنس گیا''

ایک اَور احمدی بچی کی خواب

اس سلسلے کا ایک اَور دلچسپ واقعہ ہماری ایک اَور احمدی بہن، عزیزہ آنسہ نصیرہ ملک صاحبہ، بنت ملک سعید احمد صاحب اعجاز (گلشن اقبال، کراچی) کا ارسال کردہ پیش کیا جاتا ہے۔یہ واقعہ بھی خدائے علیم و قدیر کی قدرتوں کا ایک عظیم شاہکار ہے، کیونکہ اس میں بھی اس کی قدرت اور رحمت کا چمکتا ہوا صاف جلوہ نظر آتا ہے۔چنانچہ اس کی تفصیل بتاتے ہوئے آپ تحریر فرماتی ہیں:

''میری بڑی ہمشیرہ نے اپنے شوہر کے پاس واپس انگلستان جانا تھا۔یہ ۱۹۷۴ء کی بات ہے۔اسکی روانگی سے ایک روز قبل میں نے خواب میں دیکھا کہ عجیب سا چٹیل میدان ہے، جس میں چند ایک مٹی کے ڈھیلے بھی پڑے ہیں۔میں دیکھتی ہوں کہ وہاں جگہ جگہ بہت سے لوگ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں کھڑے ہیں۔کچھ زمین پر بیٹھے ہوئے ہیں۔اچانک میری نگاہ جو سامنے پڑی، تو میں دیکھتی ہوں کہ میری بہن ایک بچے کی انگلی پکڑے چل رہی ہے

اور چلتے چلتے اچانک سامنے والے ایک مٹی کے ٹیلے میں دھنس گئی ہے۔ میں چونک کر بھاگتی ہوں اور ہاتھوں سے اس مٹی کے ٹیلے کو کھودنے لگتی ہوں اور ساتھ چلّا چلّا کر لوگوں کو بھی پکارتی ہوں۔ اتنے میں ہاتھوں سے مٹی ہٹا کر میں اس بچے کو باہر نکال لیتی ہوں۔ اندر سے میری بہن کی آواز آتی ہے: 'بچاؤ، بچاؤ'۔ اسی حالت میں میری آنکھ کھل جاتی ہے اور ساتھ یہ اطمینان بھی ہو جاتا ہے کہ میری بہن کو بچا لیا گیا ہے''

یہ منذر نظارہ بھی اتنا غیر واضح تھا کہ اس سے کوئی نتیجہ اخذ کرنا مشکل تھا۔ تاہم ہماری اس بہن نے اسے خدائی انذار پر محمول کرتے ہوئے کچھ صدقہ کر دیا۔ پھر یہ انذاری خبر کیونکر پوری ہوئی اور صدقہ کی بدولت خدا نے ہماری اس بہن کیلئے اپنی معجزانہ قدرت کا کیا نشان دکھایا، ایک دلچسپ حقیقت ہے۔ چنانچہ وہ تحریر فرماتی ہیں:

''یہ خواب آنے پر میں نے اپنی ایک سہیلی کے مشورہ پر قریب میں گاڑیاں دھونے والے ایک غریب لڑکے کو بلا کر ایک مرغی ذبح کر کے دیدی۔ اگلے روز میری بہن انگلینڈ کیلئے روانہ ہوگئی۔ وہاں سے پندرہ بیس روز بعد اس کا خط آیا، جس میں لکھا تھا کہ ہوائی سفر کے دوران ایک عجیب حادثہ ہو گیا۔ ہوا یہ کہ جب جہاز کراچی سے روانہ ہو کر دمشق کے ہوائی اڈے پر اتر رہا تھا، تو 'رن۔ وے' کے اوپر دوڑتے ہوئے وہ اچانک کچی زمین پر چلا گیا اور وہاں ایک مٹی کے ٹیلے میں دھنس گیا۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ تمام مسافر معجزانہ طور پر سلامت رہے، نہ ہی کوئی آگ وغیرہ لگی، جو عموماً ایسے حادثات میں لگ جایا کرتی ہے۔ نہ کوئی اَور جانی نقصان ہوا۔ اس پر جہاز کے کپتان کو تو فوراً کراچی واپس بلا لیا گیا۔ اِدھر مسافر جہاز کے عملے سے ملکر جہاز کو مٹی کے ٹیلے میں سے نکالنے میں مصروف ہوگئے''

غرض اس طرح سے نہ صرف یہ کہ وہ آسمانی خبر جو ایک منذر نظارہ کی صورت میں ہماری ایک احمدی بہن کو دکھائی گئی تھی، ہو بہو پوری ہوگئی، بلکہ صدقہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس کی اور اس کے طفیل جہاز کے سارے مسافروں کی جانیں بھی سلامت رکھیں۔

(مکتوب نمبر ۸۹، مورخہ مارچ ۱۹۷۸ء)

☆ ☆ ☆

آٹھویں انذاری خبر

’’آپ کا مالی نقصان ہو گیا ہے‘‘

ایک درویش باپ کو اپنے بیٹے کے بارے میں ملنے والی ایک منذر خبر

یہ واقعہ جو حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کے ایک رفیق، حضرت مولوی قدرت اللہ صاحب سنوریؓ کا بیان فرمودہ ہے، ان دنوں کا ہے جب ۱۹۵۳ء میں پاکستان کے اندر احمدیت کی شدید مخالف پارٹیوں کی ملی بھگت سے منظّم فسادات اٹھ کھڑے ہوئے، جن پر قابو پانے کے لئے مرکزی حکومت کو ’مارشل لا‘ لگانا پڑا۔ یہ وہ پہلا مارشل لاء تھا، جس کے نتیجہ میں مرکزی حکومت میں بعض اہم تبدیلیاں عمل میں لائی گئیں۔ وہ فسادات کتنے خطرناک تھے اور مخالفین احمدیت نے احمدیوں کو ختم کرنے کا کتنا خطرناک منصوبہ تیار کیا تھا، اس کا کسی قدر اندازہ واقعہ میں بیان کردہ تفاصیل سے لگایا جاسکتا ہے۔ اب اصل مضمون کی طرف آتے ہوئے حضرت مولوی قدرت اللہ صاحب سنوریؓ کا بیان کردہ وہ واقعہ درج کیا جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

’’۱۹۵۲ء میں جب مَیں حضور (مراد سیدنا حضرت خلیفۃ المصلح الموعودؓ۔ ناقل) کی زمینوں کی نگرانی کے سلسلہ میں ناصر آباد اسٹیٹ (صوبہ سندھ۔ ناقل) میں تھا، تو وہاں مَیں نے ایک رؤیا دیکھا کہ برخوردار مسعود احمد خورشید (آپکے صاحبزادوں میں سے ایک، جو بعد میں کراچی میں آکر سکونت پذیر ہو گئے۔ ناقل) نہایت غمگین صورت بنائے ہوئے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ’ہم آج پناہ گزین ہو گئے ہیں‘، جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ ان کا بہت بڑا مالی نقصان ہو گیا ہے اور وہ مجھے بتا رہے ہیں کہ ہمارے پاس اب کچھ مال نہیں رہا‘‘

آگے فرماتے ہیں:

’’میں نے سوچا کہ رؤیاء میں مال کا نقصان لڑکی کا پیدا ہونا ہوتا ہے۔ چنانچہ میں نے خورشید صاحب کو خط لکھا کہ کیا آپ کے گھر میں کوئی امیدواری ہے؟ اسنے جواب دیا کہ امیدواری تو کوئی نہیں۔ اس پر میں نے انکو لکھا کہ میں نے خواب دیکھا ہے اور اس میں ایک مالی نقصان دیکھا ہے، آپ دعا کریں اور صدقہ دے دیں کہ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے‘‘

آگے یہ کہ وہ انذاری خبر کس طرح حقیقت بنی، اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

''یہ کشف اس طرح پورا ہوا کہ ۱۹۵۳ء میں برخوردار مسعود احمد خورشید صاحب آسٹریلیا بلڈنگ ،لاہور، میں خواجہ امیر بخش صاحب کے مکان پر کرایہ میں رہتے تھے۔اور دوکان اکبری منڈی میں تھی ۔ جب فسادات شروع ہوئے ،تو مَیں نے ان کو سندھ بلانا چاہا۔لیکن انہوں نے جواب دیا کہ راستے خراب ہو گئے ہیں،اس لئے میں نہیں آسکتا۔خطرے کے حالات بڑھتے دیکھ کر خدا تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ تدبیر ڈال دی کہ دوکان سے اصل روزنامچہ بہی کھاتہ وغیرہ مکان میں لے آئیں۔اس کے بعد مفسدوں نے دوکان توڑ کر کچھ کاغذات جلا دئے ۔ یہ خود آسٹریلیا بلڈنگ میں محصور تھے۔دوتین دن سے شہر میں فسادات ہورہے تھے۔مسعود احمد صاحب نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ آپ خواجہ امیر بخش کی بیوی سے مل کر کہیں کہ وہ مہربانی فرما کر ہمیں اپنی موٹر کے ذریعہ کہیں باہر کے علاقہ میں بھجوادیں، کیونکہ آپ کو بھی خطرہ ہے اور آپ کہتے ہیں کہ ہمارا مکان خالی کر کے کہیں چلے جائیں''

آپ فرماتے ہیں،ان کی (خواجہ صاحب کی) بیوی نے جب اپنے خاوند سے بات کی، تو ان کا جواب یہ تھا کہ ان لوگوں کے بچنے کی تو کوئی امید نہیں، ہم اپنی موٹر کو فسادیوں سے خواہ مخواہ کیوں تڑوا لیں۔اور یہ بھی کہا کہ مخالفوں نے آپ لوگوں کو بالکل ختم کردینا ہے۔

یہی واقعہ ایک اَور مقام پر بیان کرتے ہوئے حضرت مولوی سنوری صاحبؓ فرماتے ہیں کہ جب مسعود احمد صاحب خورشید نے اپنی اہلیہ کے ذریعے انہیں یہ کہلا بھیجا کہ مکان کے اندر ہمارا ستّر ہزار کا مال پڑا ہے، ہم وہ آپ کے سپرد کرتے ہیں، آپ ہمیں صرف اپنی موٹر میں پولیس لائن تک پہنچادیں، توان کا جواب یہ تھا کہ آپ لوگوں کے لئے تو قتل کی ایک تاریخ مقرر جا چکی ہے، میں اپنی بیس ہزار کی موٹر کیوں خراب کروالوں۔

آگے فرماتے ہیں کہ اسی روز دوپہر کو مارشل لا کا نفاذ ہوگیا،اور فوج نے سارے شہر پر قبضہ کرلیا۔اسی شام قریشی محمد اقبال صاحب ٹرک لے کر آگئے اور خورشید صاحب اپنا مکان اور گودام مقفل کر کے اور صرف چند جوڑے کپڑوں کے لیکر چھاؤنی میں انکے گھر چلے گئے اور مجھے لکھا کہ

'آج ہم پناہ گزین ہو گئے ہیں'

آگے فرماتے ہیں:

''یہ وہاں دو تین دن ہی ٹھہرے، کیونکہ اس عرصہ میں شہر میں بالکل امن و امان ہو گیا اور فسادی اپنے کیفر کردار کو پہنچ گئے۔ جب یہ لوگ اپنے مکان پر پہنچے، تو ان کا سب سامان محفوظ پڑا تھا۔ اور دوکان پر جو کاغذات جلا دئے گئے تھے، انکے سوا انکا کوئی اَور مالی نقصان نہ ہوا، بلکہ ان بہی کھاتوں کی مدد سے جو وہ وقت پر اپنے گھر لے آئے تھے، انہوں نے قرض داروں سے اپنے قرض کی رقوم بھی وصول کر لیں''

(ملخص از ''برہان ہدایت''، ص ۲۸۶ تا ۲۸۸)

.........☆.........

تعارف: ۱) حضرت مولوی قدرت اللہ صاحب سنوریؓ، یکے از غلامان احمد، اندازاً ۱۸۸۲ء میں قصبہ سنور (ریاست پٹیالہ) میں پیدا ہوئے۔ حضرت مولوی عبداللہ سنوریؓ، جنہیں حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی ابتدائی ایام سے ہی رفاقت حاصل تھی، آپ کے سگے چچا تھے۔ پیشہ کے لحاظ سے آپ نقشہ نویس تھے۔ چنانچہ ایک لمبا عرصہ سرکاری ملازمت پر رہے۔ پھر قادیان اور بعد میں سندھ میں خاندان حضرت مسیح موعودؑ کی زمینوں پر بطور مینیجر کام کرنے کا موقع ملا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے سات بیٹوں اور چھ بیٹیوں سے نوازا۔ ان میں سے بعض کم عمری میں فوت ہو گئے۔ باقی سب کے سب لمبی عمر پانے والے اور دین کے خادم ثابت ہوئے۔

☆ ☆ ☆

نویں انذاری خبر

''.....اور پھر مجھے ہتھکڑی لگ گئی''

ایک خادم احمدیت کا عجیب و غریب منذر خواب

منذر خوابوں کے ضمن میں اب ایک ایسی رؤیاء کا ذکر کیا جاتا ہے، جس میں دکھائی دینے والے جملہ تصویری مناظر اپنی تمام تر تفصیلات کے ساتھ ایسی خوبصورتی سے حقیقت بنتے چلے گئے کہ اس کا کوئی پہلو بھی تشنۂ تکمیل نہ رہا۔ تاہم اس کا وہ حصہ، جو انذاری پہلو اپنے اندر لئے ہوئے تھا، دعاؤں اور صدقات کی برکت سے ٹل گیا۔ اس خواب کے راوی، ٹھیکیدار غلام رسول صاحب، ایک ایسے صاحب رؤیا و کشوف بزرگ ہیں، جنہیں ولی اللہ کہنا بجا ہوگا، کیونکہ ان کے بیان کردہ اکثر واقعات کرامات کا رنگ رکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے بہت سے اولیاء اللہ اپنی اس پاک جماعت کو عطا فرمائے ہیں۔ بلکہ

اس عاجز کے زیرِ تصنیف اس سلسلۂ کتب کی تو غرض ہی یہ ہے کہ ایسے تمام بزرگانِ سلسلہ، جو کسی نہ کسی رنگ میں اللہ تعالیٰ کے خاص فضلوں کے مورد ہوئے، یعنی نصرت و تائیداتِ الٰہیہ سے نوازے گئے یا خارق عادت طور پر ان کی دعائیں قبول ہوئیں، انکے ایمان افروز واقعات مرتب کئے جائیں۔ تا معلوم ہو کہ فی زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیہ آپ کے روحانی فرزند اور اس کی قائم کردہ جماعت کے اندر کس علوّ شان سے ظاہر ہوئی اور ہو رہی ہے۔ چنانچہ زیر تالیف سلسلہ کتب ''درویشان احمدیت'' کی مختلف جلدوں میں آنے والے واقعات اکثر اس قسم کے ہیں کہ جن میں غلامانِ احمد کو سچی خوابوں، کشوف اور الہامات کے ذریعہ آسمانی رہنمائی کا شرف حاصل ہوا۔ چنانچہ ان میں سے بعض وہ ہیں جن میں انہیں اولاد کے بارے میں بشارات ملیں۔ بعض میں مقدمات اور دیگر مصائب و مشکلات کیوقت آسمان سے خوشخبریاں ملیں، اور بعض آئندہ ہونے والے واقعات پر مشتمل محض اخبارِ غیبیہ کے طور پر تھیں۔ اس طرح پر انہیں ملنے والی ہر آسمانی خبر جہاں ان کے اپنے مقام ولایت کا پتہ دیتی ہے، وہاں وہ اسلام کی صداقت، قرآن کریم کی حقانیت اور ایک عالم الغیب خدا کی زندہ ہستی کا جلی عنوان بن کر مخلوق خدا کو ایک ایسے عالم سے روشناس کرا رہی ہے، جو موجود تو ہے، مگر جس کی کنہ اور ادراک کا حصول ہر ایک کے بس کی بات نہیں، سوائے اسکے کہ عالم الغیب خدا خود انہیں اس سے روشناس کرائے، اور اسی کا نام ولایت ہے۔

اب موضوع زیر بحث کی طرف لوٹتے ہوئے اس رؤیاء کا ذکر کیا جاتا ہے، جو اپنی متعدد جزئیات کے ساتھ صاحبِ رؤیاء کے قلب صافی پر ابھری اور پھر چند دنوں بعد ہی اس میں دکھائے جانے والے نقوش اسی ترتیب کے ساتھ عالم مجازی میں مادی رنگ پکڑتے چلے گئے، یہاں تک کہ وہ ساری کی ساری خواب حقیقت کا روپ دھار کر سامنے آگئی۔ اب وہ رؤیاء اپنی اسی تفصیل کے ساتھ، جیسا کہ صاحب رؤیاء نے بیان کی ہے، ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''میں ضلع ہوشیار پور میں ایک جگہ ٹانڈہ ہے، وہاں اللہ یار ٹھیکیدار کے ساتھ سویا ہوا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھے قادیان سے ایک پوسٹ کارڈ آیا ہے، جس میں صرف دو تین سطریں لکھی ہوئی ہیں۔ اس کارڈ کو لیکر میں ریل گاڑی پر سوار ہو گیا اور ایک ریلوے سٹیشن پر اتر کر ایک شہر میں گیا۔ وہاں ایک مکان میں ٹھہرا۔ وہاں سے اونٹ پر سوار ہو کر ایک جنگل بیابان کا سفر طے کرتا ہوا ایک ایسے شہر میں پہنچا کہ جہاں بہت پرانا ایک شاہی قلعہ تھا اور اس کے ساتھ جو شہر تھا، وہ بالکل ریت کے ٹیلوں میں دبا ہوا تھا اور صرف چند گھر

اس میں آباد تھے۔میں نے اس قلعہ کو گرا کرایک بلڈنگ بنائی ہے۔جب وہ مکمل ہوگئی تو اس قدر بارش ہوئی ہے کہ وہ تمام بلڈنگ گرگئی ہے۔اس کے بعد مجھے ہتھکڑی لگ گئی‘‘

آپ صبح اٹھ کراسی خوف کی حالت میں قادیان جہاں آپکی جائے سکونت تھی، کے لئے روانہ ہو گئے۔ قادیان پہنچے،تو آپکے خسر، بابو فضل الدین صاحب اوورسیئر، کی طرف سے ایک پوسٹ کارڈ آپ کو ملا، جو بالکل اسی طرح کا تھا، جیسے آپ نے خواب میں دیکھا تھا،یعنی اس میں چندسطروں میں صرف یہ لکھا تھا کہ آپ فوری طور پر ان کے پاس پہنچیں۔چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

’’میں وہ کارڈ لیکر گاڑی پر سوار ہوااور کامو والی ریلوے سٹیشن پر جا کر اترا۔وہ سٹیشن بالکل ویسا ہی تھا،جیسا میں نے خواب میں دیکھا تھا۔وہاں سے میں شہر گیا تو جس مکان میں میرے خسر رہتے تھے،وہ بھی ویسا ہی تھا جیسا میں نے خواب میں دیکھا تھا۔وہاں سے میں ملازم ہوکراور اونٹ پر سوار ہوکر’’موج گڑھ‘‘، ریاست بہاولپور، میں گیا۔موج گڑھ کو دیکھا تو اسے بھی ویسا ہی پایا،جیسا کہ خواب میں نظر آیا تھااور کوئی فرق نہ تھا۔وہاں پہنچ کر میں نے ایک تھانے کی تعمیر کا کام شروع کر دیا۔اس کے لئے اینٹیں (وہاں پر موجود) ایک پرانے قلعہ کی دیواروں کو اکھیڑ کرلاتے رہے۔جب وہ عمارت مکمل ہوگئی اور چھتیں پڑنے والی تھیں تو اس قدر شدت کی بارش ہوئی کہ وہ بنی بنائی عمارت گر پڑی‘‘

آپ فرماتے ہیں کہ جب وہ سارے واقعات، جوخواب میں دیکھے گئے تھے، پورے ہو گئے،تو میں اس خیال سے کہ آخری بات ہتھکڑی والی بھی ضرور پوری ہوگی، وہاں سے بھاگ کر قادیان آ گیا اور یہ تمام واقعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ (حضرت امام جماعت احمدیہ اور حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے دوسرے جانشینؓ) کی خدمت میں جا کر عرض کیا۔حضور نے فرمایا کہ آپ کچھ صدقہ کر دیں، اللہ تعالیٰ یہ بلا ٹال دے گا۔اس پر میں نے صدقہ کر دیااور تین ماہ کے بعد پھر بہاول پور چلا گیا۔جب ان افسروں سے ملا، جنہوں نے پہلے کام دیا تھا،تو انہوں نے مجھے دوبارہ اسی تھانہ کی تعمیر کے لئے بھیج دیا۔اور مَیں سال ڈیڑھ سال کے عرصہ میں اسے مکمل کر کے واپس آ گیا۔آخر پر فرماتے ہیں:

(مکتوب نمبر ۷۷)

☆ ☆ ☆

دسویں انذاری خبر
’’وحشت سے میری آنکھ کھل گئی‘‘
ایک شفیق استاد کو اپنے ہونہار طالب علم کے بارے میں ہونیوالی منذر رؤیا

اب اس سلسلے کے آخری واقعہ کے طور پر ایک ایسی وحشتناک خواب اور اسکی عملی تعبیر کا ذکر کیا جاتا ہے، جس کا اپنی اس شکل میں کہ جس میں وہ دیکھی گئی تھی، پورا ہونا بعید از قیاس تھا۔ مگر جس حیرت انگیز رنگ اور غیر متوقع صورت میں اچانک اس نے حقیقت کا روپ دھارا، اسے دیکھتے ہوئے اس کے ذوالعرش خدا کے چشمۂ غیبی سے نکلے ہوئے ہونے میں کسی ادنیٰ شک وشبہ کی بھی گنجائش نہیں رہتی۔ پھر چونکہ خواب کے دیکھے جانے سے لیکر اس کے عملاً ظہور میں آنے تک کے جملہ مراحل اپنے ساتھ استغفار، صدقہ اور دعاؤں کا پہلو لئے ہوئے تھے، اس لئے اسکا منذر اور وحشتناک پہلو یکسر رحمت و نصرتِ الٰہی میں تبدیل ہو کر ایک خوشگوار حادثہ اور شکرِ خداوندی کے لائق ایک حسین سانحہ کی صورت اختیار کر گیا۔ اب ذیل میں اس پُر اسرار خواب کی تفصیل اور اس کی خوش آئند تعبیر ملاحظہ ہو:

تعلیم الاسلام کالج لاہور کے ایک پروفیسر، صوفی بشارت الرحمٰن صاحب، ایم۔اے (عربی) جو بیک وقت کالج کے پروفیسر اور ہوسٹل (فضل عمر ہوسٹل) کے نگران بھی تھے، کو ہوسٹل کے ایک طالب علم، برادرم چودھری الطاف حسین صاحب، کے بارے میں خواب آئی (یہ اسوقت کی بات ہے جب تقسیم برصغیر کے بعد تعلیم الاسلام کالج، قادیان سے منتقل ہو کر پنجاب کے صدر مقام لاہور میں ڈی۔اے۔وی کالج کی متروکہ عمارت میں آچکا تھا)۔ خواب کیا تھی، اس بارے میں مکرم صوفی صاحب اپنے خاکسار کے نام مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

’’اغلباً ۵۱، ۵۲ء کا یا شاید ۵۳ء کا ذکر ہے، جب مکرم چودھری الطاف حسین صاحب حالی فورتھ ایئر کے طالب علم تھے۔ تو میں نے خواب میں دیکھا کہ الطاف صاحب کھڑے ہیں، پاس ہی چودھری محمد علی صاحب، سپرنٹنڈنٹ ہوسٹل، بھی کھڑے ہیں۔ میں سامنے ہوں۔ میں چودھری محمد علی صاحب کو اشارہ کرتا ہوں، تو وہ الطاف صاحب کو لٹا کر چھری سے ذبح کر دیتے ہیں، بالکل اسی طرح جس طرح جانور کو ذبح

کیا جاتا ہے۔اس خواب سے اور سرخ خون کے دیکھنے سے مجھ پر اس قدر وحشت طاری ہوئی کہ میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے اسے اضغاث احلام سمجھا، استغفار کیا اور تین دفعہ لاحول..... پڑھ کر سو گیا"

اب یہ خواب ایسی تھی کہ نہ اسے کسی قسم کے دماغی خیالات کا نتیجہ سمجھا جا سکتا تھا اور نہ کالج کے دو شفیق اور طلبہ کی دینی وروحانی تربیت واصلاح پر مامور احمدی اساتذہ کے متعلق یہ تصور کیا جا سکتا تھا کہ وہ ایک ہونہار اور ہر لحاظ سے فرمانبردار طالب علم کا بلا وجہ خون بہائیں۔ مگر خدائے علیم وخبیر نے اس منذر نظارہ کو جس طرح عملی جامہ پہنا کر اسے انجام کار ایک اطمینان بخش صورت میں بدل دیا، اسے دیکھ کر انسان ورطۂ حیرت میں ڈوب جاتا ہے۔اب جس طرح یہ منذر نظارہ اپنی مادی شکل میں ظاہر ہو کر ایک خوشگوار حقیقت میں تبدیل ہو گیا، اس کی تفصیل مکرم صوفی صاحب کی زبانی ملاحظہ ہو۔ آپ بیان فرماتے ہیں:

"صبح ہوئی۔ میں کالج گیا۔ کلاسز میں تدریس کی۔اس دوران وہ خواب بالکل میرے ذہن سے اتر گئی تھی اور کسی سے اسکا تذکرہ نہ کیا۔عصر کے بعد یکدم یہ ہوا کہ ہوسٹل کے لڑکے دوڑتے ہوئے میرے پاس آئے کہ جناب فوراً آیئے، الطاف حسین حالی صاحب کی حالت غیر ہو رہی ہے"

مکرم صوفی صاحب یہ اطلاع پا کر کیسے بے چین ہوئے اور پھر خواب والے وحشتناک منظر نے ان کی آنکھوں کے سامنے آکر ان کے اندر کیا کیفیت پیدا کی، اس بارے میں آپ فرماتے ہیں:

"میں دوڑ کر ان کے کمرے میں گیا، تو کیا دیکھتا ہوں کہ انہیں Appendecitis کا دورہ ہے۔ میں نے سمجھا کہ یا اپنڈے سائٹس ہے یا قولنج۔ادھر انکا رنگ نیلا پیلا ہو رہا تھا اور وہ درد کی شدت سے کراہ رہے تھے"

آپ فرماتے ہیں، عام حالات میں، مَیں خود فون کر کے ایسی صورت میں میو ہسپتال سے ایمبولینس منگا کر طلبہ کو جا کر ہسپتال میں داخل کرایا کرتا تھا۔مگر اس دن اغلباً آپ کو کچھ فلو کی شکایت تھی، اور طبیعت بھی علیل تھی۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"میں نے چودھری محمد علی صاحب کو بلایا اور کہا کہ آپ انہیں فوراً ہسپتال لے جائیں، میں بیمار ہوں وگرنہ خود جاتا۔ چودھری صاحب الطاف صاحب کو فوراً ہسپتال لیکر گئے۔ اتفاقاً

وہاں ہمارے احمدی سرجن ڈاکٹر قاضی مسعود احمد صاحب 'آن ڈیوٹی' تھے۔ انہوں نے دیکھتے ہی کہا کہ فوراً اپریشن ہوگا، ورنہ ڈر ہے کہ Appendecitis اندر ہی پھٹ جائے۔ اگر ایسا ہوگیا تو جانبری بڑی مشکل ہوگی''

فرماتے ہیں، اس پر چودھری محمد علی صاحب نے الطاف حسین صاحب کو تو ہسپتال میں داخل کرادیا۔ دوسری طرف مجھے پیغام بھیجا کہ مَیں رتن باغ[۱] میں آدمی بھیج کر مکرم پرنسپل صاحب (یعنی حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب۔ ایم۔اے، آکسن، بعدہٗ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ) سے بغرض دعا اور مشورہ فوری طور پر رابطہ کروں۔ جب مکرم پرنسپل صاحب کو صورت حال بتائی گئی، تو آپ نے ڈاکٹری ہدایت پر فوری عمل کرنے اور ایک جانور صدقہ کرنے کی ہدایت فرمائی، جسکی فوری تعمیل کردی گئی۔ اسکے ساتھ ہی حضرت پرنسپل صاحب نے حضرت المصلح الموعودؓ (خلیفۃ المسیح الثانیؓ) کی خدمت میں دعائیہ تار دینے کی بھی تاکید فرمائی۔ اس کی بھی تعمیل کردی گئی۔ ان ساری مادی اور روحانی مساعی جمیلہ اور اللہ تعالیٰ کے فضل کے نتیجہ میں الطاف صاحب چھ سات روز بعد تندرست ہوکر ہوسٹل میں واپس آگئے۔

مکرم پروفیسر صوفی بشارت الرحمٰن صاحب مرحوم نے اپنی خواب پر اور مذکورہ بالاشکل میں جو اس کی تعبیر ظاہر ہوئی، اس پر جو لطیف اور معنی خیز تبصرہ فرمایا ہے، وہ بھی اس قابل ہے کہ اسے یہاں درج کردیا جائے۔ آپ فرماتے ہیں:

''یہ خواب بعینہٖ پوری ہوئی۔ خواب میں دیکھا تھا کہ الطاف صاحب کو ذبح کیا گیا ہے، ایک ہمدرد اور شفیق استاد کے ہاتھوں۔ یہ صریح طور پر اپریشن کی طرف اشارہ کررہا تھا، جسمیں چاقو سے پیٹ کی چیر پھاڑ ہوئی۔ پھر خاکسار نے دیکھا تھا کہ میں نے ذبح نہیں کیا، بلکہ میرے اشارے پر چودھری محمد علی صاحب نے ذبح کیا ہے۔ سو یہ امر بھی پورا ہوا۔ میں علالت طبع کے باعث خود نہ جاسکا اور مکرم چودھری محمد علی صاحب کو بلاکر انہیں ساتھ جانے کو کہا اور پھر انہی کی زیرنگرانی وہ اپریشن ہوا''

(مکتوب نمبر ۸۷۔ مورخہ ۱۹۷۹۔۳۔۱۴)

........☆.........

ایک ضروری وضاحت:

مکرم چودھری الطاف حسین صاحب خاکسار کے کالج کے زمانہ کے دوست اور ہم کلاس ہیں۔اوپر متن میں جو انہیں ''حالی'' کے لقب سے پکارا گیا ہے،تو ان کے نام کے ساتھ یہ لاحقہ انہوں نے خود نہیں لگایا تھا، بلکہ اردو کے صوفی شاعر،مولانا الطاف حسین حالیؔ، کے ساتھ انکے نام کی مناسبت سے ہوسٹل کے طلبہ میں وہ 'حالی' کے نام سے مشہور ہو گئے اور پھر یہی نام انکی شخصیت کی پہچان بن گیا۔

.........☆.........

پروفیسر صوفی بشارت الرحمٰن صاحب
اور چودھری الطاف حسین صاحب کا تعارف

پروفیسر صوفی بشارت الرحمٰن صاحب،ایم۔اے(مرحوم) نے اپنی خواب بیان کرتے ہوئے برادرم چودھری الطاف حسین صاحب کا تعارف یوں کرایا ہے:

''ہمارے کالج کے اولڈ بوائے اور فضل الٰہی صاحب انوری (یعنی خاکسار راقم الحروف) کی طرح کالج کے پہلے بیچ کے طالب علم''

دراصل جب تعلیم الاسلام کالج ۱۹۴۴ء میں قادیان میں جاری ہوا،تو خاکسار اور چودھری الطاف حسین صاحب کالج کی سب سے پہلی کلاس (فرسٹ ایئر) کے طلبہ میں سے تھے۔اور اتفاق سے فضل عمر ہوسٹل میں بھی ہم ایک ساتھ رہے۔اُس وقت چودھری محمد علی صاحب (طال اللہ عمرہٗ) ہوسٹل کے سپرنٹنڈنٹ اور مکرم صوفی بشارت الرحمٰن صاحب (مرحوم) نگران ہوسٹل مقرر ہوئے۔تقسیم برصغیر ہند کے بعد جب کالج ،لاہور (پاکستان) میں منتقل ہوا،تو چودھری صاحب موصوف بدستور سپرنٹنڈنٹ ہوسٹل اور صوفی صاحب مرحوم بدستور نگران ہوسٹل رہے۔اسی وجہ سے مؤخر الذکر نے ہم دونوں کو کالج کے''اولڈ بوائے'' کے خطاب سے نوازا ہے۔کالج سے فارغ ہونے کے بعد ہم دونوں کی زندگیوں کے دھارے بدل گئے۔خاکسار بطور مبلغ ٹریننگ حاصل کر کے میدان تبلیغ میں آ گیا، جبکہ چودھری الطاف حسین صاحب محکمہ اکاؤنٹنٹ جنرل لاہور میں بطور اکاؤنٹنٹ ملازم ہو گئے،اور پھر اسی ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔اِس وقت آپ اپنے گاؤں موضع بھوپال والہ (تحصیل ڈسکہ ،ضلع سیالکوٹ۔ پاکستان) میں مقیم ہیں۔حال ہی میں آپ نے خاکسار کو اپنی بیٹی،عزیزہ ساجدہ نعیم صاحبہ (مقیم اوبرٹس ہاؤزن، جرمنی) کی معرفت پرانی یادوں پر مشتمل ایک بہت ہی پیارا خط لکھا ہے اور بتایا ہے کہ مَیں وہی ہوں، جسے آپ لوگ ''حالی'' کے نام سے پکارا کرتے تھے۔

.....باب ہشتم.....

غلامانِ احمد پر آنے والے آڑے اوقات

اور

نشاناتِ الٰہیہ کا ظہور

☆

کلام الامام

’’اگرچہ ملائکہ جسمانی آفات سے بھی بچاتے ہیں۔ لیکن ان کا بچانا روحانی طور پر ہی ہے۔ مثلاً ایک شخص ایک گرنے والی دیوار کے نیچے کھڑا ہے۔ تو یہ تو نہیں کہ فرشتہ اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر اس کو دُور لے جائے۔ بلکہ اگر اس شخص کا اس دیوار سے بچنا مقدر ہے، تو فرشتہ اس کے دل میں الہام کر دے گا کہ یہاں سے جلد کھسک جانا چاہئے‘‘

(’’آئینہ کمالات اسلام‘‘، روحانی خزائن، جلد ۵، صفحہ ۹۹۔ حاشیہ)

☆

غلامانِ احمد اور نشانات الٰہیہ کا ظہور

اگلے صفحات میں غلامانِ احمد کے حوالے سے بعض ایسے واقعات درج کئے جا رہے ہیں، جو قرونِ اولیٰ میں امت محمدیہ کے صلحاء اور اولیاء کو حاصل ہونے والی کرامات کی بے پناہ دولت کی یاد دلاتے اور بتاتے ہیں کہ وہی دولت فی زمانہ کتنی وافر مقدار میں آپ ﷺ کے بروز کی غلامی میں آنے والوں کو ملی اور مل رہی ہے۔ اس حقیقت کو حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام نے اپنے ایک معرفت میں ڈوبے ہوئے شعر کے اندر یوں بیان فرمایا ہے:

کرامت گرچہ بے نام ونشاں است ☆ بیا بنگر ز غلمانِ محمد

یہ کرامات جن کا ظہور اولیاء اللہ کے وجودوں میں پہلے بھی ہوا اور اب بھی ہو رہا ہے، اگرچہ دنیا میں جاری وساری قانون مادیہ وعقلیہ سے ہٹتی ہوئی نظر آتی ہیں، مگر جیسا کہ حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام فرماتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قوانین قدرت کے خلاف نہیں۔ کیونکہ اسکے بیشمار ایسے قوانین بھی ہیں، جن کا انسان نے ابھی تک احاطہ نہیں کیا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی زمانہ میں فضا میں کسی بھاری چیز کا اڑنا، تصویر کا بولنا یا متحرک ہونا بعید از عقل خیال کیا جاتا تھا۔ مگر آج کل کی سائنس نے ان سب چیزوں کو ممکن بنا دیا ہے، تاہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ امور خلاف قانون قدرت ہیں۔ بلکہ صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ اُس وقت اِن قوانینِ مادیہ کا انسان کو علم نہ تھا۔ اسی طرح کرامات کے ظہور میں بھی اللہ تعالیٰ کے بعض ایسے قوانین کارفرما ہیں، جن کا انسان کو علم نہیں، کیونکہ انسان کا علم بہر حال محدود ہے۔

یہاں حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی ایک اَور تصریح کا بیان بھی مفید ہوگا، جو بتاتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو آفات ارضیہ وسماویہ سے بچانے کا یہ طریق بھی اس کے اُن فیوض اور برکات کا ایک حسین جلوہ ہے، جن کا ظہور اس کے محبوب بندوں کے وجود میں ہمیشہ ہی حسب حالات وضرورت ہوتا رہا، جیسا کہ حضورؑ کے کلام الامام کے تحت لائے جانے والے اقتباس سے ظاہر ہے کہ جس میں حضورؑ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کا ایک گرنے والی دیوار سے بچنا مقدر ہے، تو فرشتے اس کے دل میں الہام کردیں گے کہ یہاں سے کھسک جاؤ۔

پہلا نشان الٰہی

’’چھت میں سے ٹک ٹک کی آواز آنے لگی‘‘

حضرت بانیٔ سلسلہؑ کو ملنے والا خطرے کا آسمانی الارم

اس سلسلہ کا سب سے پہلا واقعہ جو پیش کیا جا رہا ہے، وہ خود حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کے وجود میں ظاہر ہوا۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب ابھی حضور نے دعویٔ ماموریت نہیں فرمایا تھا اور آپؑ ان دنوں اپنے والد صاحب کے حکم کی تعمیل میں سیالکوٹ میں ایک ملازمت کے سلسلے میں قیام فرماتے۔ آپؑ بیان فرماتے ہیں:

’’ایک دفعہ رات مَیں ایک مکان کی دوسری منزل پر سویا ہوا تھا اور اسی کمرہ میں میرے ساتھ پندرہ سولہ آدمی اَور بھی تھے۔ رات کے وقت شہتیر میں ٹک ٹک کی آواز آئی۔ مَیں نے آدمیوں کو جگایا کہ شہتیر خوفناک معلوم ہوتا ہے، یہاں سے نکل جانا چاہئے۔ انہوں نے کہا، کوئی چوہا ہوگا، خوف کی بات نہیں اور یہ کہہ کر سو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر وہی آواز آئی۔ تب مَیں نے ان کو دوبارہ جگایا۔ مگر پھر بھی انہوں نے کچھ پرواہ نہ کی۔ پھر تیسری بار شہتیر سے آواز آئی۔ تب مَیں نے ان کو سختی سے اٹھایا اور سب کو مکان سے باہر نکالا۔ اور جب سب نکل گئے تو خود بھی وہاں سے نکلا۔ ابھی دوسرے زینے پر تھا کہ وہ چھت نیچے گر پڑی اور وہ دوسری چھت کو ساتھ لے کر نیچے جا پڑی اور سب بچ گئے‘‘

(سیرۃ المہدی، حصہ اوّل، ص:۲۳۶)

☆

اسی واقعہ کو اللہ تعالیٰ کی صفت ’’حفیظ‘‘ کی تشریح میں بطور مثال بیان کرتے ہوئے حضرت مرزا طاہر احمد، خلیفۃ المسیح الرابعؒ، نے اپنے ایک خطبہ جمعہ میں اس پر جو بصیرت افروز تبصرہ فرمایا، وہ بھی قارئین کی روحانی حلاوت اور ان کے ازدیادِ علم کی خاطر یہاں درج کیا جاتا ہے۔ حضور فرماتے ہیں:

’’اب یہ واقعہ حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی میں کئی مرتبہ ایسا ہوا۔ سیالکوٹ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک ایسی چھت پر تھے، کچھ دوسرے خدام بھی تھے۔ اور بظاہر اس چھت میں کوئی کمزوری دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ بالکل مضبوطی سے قائم تھی۔ لیکن حضرت مسیح

موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل پر فرشتوں نے الہام کیا کہ یہ خطرناک جگہ ہے، فوراً یہاں سے نکل جاؤ۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسوۂ حسنہ دیکھو۔ آپ نے یہ نہیں کیا کہ خود پہلے نکل جائیں۔ جس طرح رواج ہے جہازوں کے کپتانوں کا کہ جب تک جہاز ڈوبتا نہیں، وہ لوگوں کو اتارتے رہتے ہیں۔ سب سے آخری انسان جو اترتا ہے، وہ جہاز کا کپتان ہوتا ہے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کا امام بنایا تھا۔ آپ کا یہی اسوہ حسنہ تھا۔ آپ نے اپنے صحابہ سے کہا: جلدی کرو اور نکلو۔ جب وہ نیچے اتر گئے، تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی پیچھے پیچھے اترے اور نیچے زمین پر قدم رکھا تھا کہ وہ چھت دھڑام سے نیچے آرہی''

فرمایا:

''بس یہ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کی وحی ہوتی ہے، جو دلوں پر نازل کرتے ہیں۔ اور خود اٹھا کے نہیں اس میں پھینک دیتے۔ بلکہ دل میں الہام کر دیتے ہیں کہ یہ خطرہ کی جگہ ہے، یہاں سے نکل جاؤ''

(بحوالہ الفضل انٹرنیشنل، مورخہ مورخہ ۱۹/ اکتوبر ۲۰۰۱ء)

☆ ☆ ☆

دوسرا نشان الٰہی

''یہاں سے بھی نکل چلو''

حفاظت سماوی کی ایک اَور دلچسپ روئداد

اب اسی قسم کا ایک اَور واقعہ حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کے ایک رفیق، حضرت مولانا غلام رسول راجیکی صاحبؓ، کو بھی پیش آیا۔ چنانچہ آپ بیان فرماتے ہیں:

''سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کی بات ہے کہ ایک دفعہ مَیں، حضرت حافظ روشن علی صاحب، مولوی غوث محمد صاحب اور حکیم علی احمد صاحب رضی اللہ عنہم ضلع گجرات کا تبلیغی دورہ کرتے ہوئے حضرت حافظ صاحبؓ کے گاؤں رَمّل، تحصیل پھالیہ، گئے۔ برسات کا موسم تھا اور آپ کا گاؤں بالکل دریائے چناب کے پاس میل ڈیڑھ پر واقع تھا۔ رات جب ہم آپ کی بیٹھک میں سوئے، تو مجھے خواب میں دکھایا گیا کہ آسمان پر سورج کے گرداگرد ایک ہالہ سا پڑ گیا ہے۔ اور سورج بالکل گرنے کے قریب ہے۔ جب میں اس خواب کی دہشت سے بیدار ہوا، تو کیا دیکھتا ہوں کہ موسلا دھار بارش ہو رہی ہے اور بیٹھک کو چاروں طرف سے پانی نے گھیرا ہوا ہے۔ اسی وقت میں نے سب دوستوں کو جگایا اور باہر نکالا''

ظاہر ہے کہ یہ فرشتوں کی ایک تحریک تھی جس کا مقصد آپ کو اور آپ کے رفقاء کو تکلیف سے بچانا تھا، کیونکہ فرماتے ہیں:

''خدا کی حکمت ہے کہ جب ہم سب باہر آ گئے اور کچھ سامان بھی نکال لیا تو وہ بیٹھک دھڑام سے گر گئی''

اب اگر صرف ایک بار ہی ایسا ہوتا، تو اسے اتفاق کہا جا سکتا تھا، مگر خدا کی قدرت کہ ایسا معاملہ اُس رات آپ کے ساتھ بار بار ہوا۔ اور ہر بار کوئی غیبی آواز آپ کو بیدار کرتی رہی اور یوں خداتعالیٰ کے فضل سے آپ اور آپ کے ساتھی کسی امکانی حادثہ کا شکار ہونے سے محفوظ رہے۔ ملاحظہ ہو، آپ کا اپنا بیان:

''اس کے بعد ہم کوچہ سے ہو کر پاس ہی ایک ماچھی (سقہ) کے مکان میں آ گئے۔ اتفاق کی بات ہے کہ یہاں پہنچتے ہی مجھے پھر غنودگی محسوس ہوئی اور ایک غیبی آواز آئی کہ یہاں سے

بھی جلدی نکلو۔ چنانچہ جب ہم اس گھر سے نکلے، تو وہ بھی سیلاب کی نظر ہو گیا۔ اس کے بعد ہم نے مسجد میں پناہ لی، تو وہاں جاتے ہی مجھے پھر نیند آ گئی، تو خدا تعالیٰ کی طرف سے پھر حکم ملا کہ یہاں سے بھی جلدی نکلو۔ چنانچہ وہاں سے بھی ہم نکلے، تو اس مسجد کی ایک دیوار گر گئی اور سیلاب کا پانی اس کے اندر امڈ آیا۔ ادھر حضرت حافظ صاحبؓ نے جو اپنے گھر میں سوئے ہوئے تھے جب سیلاب کا زور اور بارش کا طوفان دیکھا، تو لالٹین لے کر ہماری تلاش میں نکل پڑے اور ہمیں ڈھونڈ کر اپنے گھر لے گئے۔ آخر خدا خدا کر کے یہ رات گذری اور ہم تبلیغی لیکچر دے کر اپنے گاؤں واپس آ گئے''

آپ کا چونکہ یہ سفر خالص تبلیغی اور حضرت امام الزمان کا زندگی بخش پیغام پہنچانے کی غرض سے تھا، آپ ان جملہ اعجازی تحریکات کو حضرت بانی سلسلہؑ کی قوت قدسیہ پر محمول کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس موقع پر حضرت اقدس سیدنا المسیح الموعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اعجازی برکات اور معجزانہ حفاظت اور بار بار کی الہامی تحریک اور ملائکہ کی تائید کے ذریعے ہمیں خدا تعالیٰ نے محفوظ رکھنے کا عجیب نشان دکھایا''

(''حیات قدسی''، حصہ دوم صفحہ ۴۶۔۴۷)

☆ ☆ ☆

تیسرا نشان الٰہی

''تمہارے بھائی ہرگز غرق نہیں ہوئے''

خدائی حفاظت کا ایک زبردست نشان

تیسرے نمبر پر حضرت بانی سلسلہ علیہ السلام کے دو ابتدائی رفقاء حضرت حافظ حامد علی صاحبؓ اور ان کے برادر اکبر حضرت زین العابدین صاحبؓ، کے ایک ایسے بحری جہاز سے زندہ بچ نکلنے کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے، جس کے لئے ہلاکت مقدر ہو چکی تھی۔ خدا تعالیٰ نے اپنے مامور کی غلامی کی برکت سے اس بحری سفر کے دوران ان دونوں بھائیوں کے بچاؤ کے کیسے سامان پیدا فرمائے، یہ خدائی حفاظت کا ایک زندہ

نشان اور اس کی قدرتوں کا عجیب وغریب کرشمہ ہے۔اس کی دلچسپ روئداد خود ان بھائیوں میں سے ایک، یعنی حضرت زین العابدینؓ کی زبانی سنئے۔آپ اپنے سادہ اور بے تکلفانہ انداز میں حضورؑ کے ساتھ اپنی گفتگو کا سارا حال یوں بیان فرماتے ہیں:

''ایک دفعہ ہمیں کنواں لگوانے کے لئے ۱۰۰ روپیہ کی ضرورت تھی، چنانچہ میں ایک جمعہ کو قادیان آیا کہ حافظ حامد علی صاحب سے کنواں لگوانے کے لئے مطلوب ایک صد روپیہ کے بارے میں مشورہ کروں۔حضرت صاحب گول کمرہ میں ٹہل رہے تھے۔میں نے مصافحہ کیا اور ساتھ ہی ٹہلنے لگا۔فرمایا: میاں زین العابدین! کس کام آئے ہو؟ عرض کیا، حضور صرف زیارت کرنے اور جمعہ پڑھنے آیا ہوں......فرمایا: زمینداروں کو فرصت کم ہوتی ہے، جب وہ آتے ہیں تو کئی کام ان کے مدنظر ہوتے ہیں کہ جمعہ پڑھ لیں گے، مل لیں گے اور فلاں کام بھی کریں گے، سو آپ اپنا کام بتائیں۔عرض کی کہ ایک کام ہے لیکن آپ کو بتانے والا نہیں۔پھر آپ نے اصرار کیا، لیکن میں چھپاتا تھا کیونکہ سود پر روپیہ حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا اور ذکر کرنے پر حضور فرمائیں گے کہ یہ گناہ ہے۔فرمایا، میں تو ضرور دریافت کروں گا، پھر کھانا کھائیں گے۔حضور جانتے تھے کہ یہ روٹی بہت کھاتا ہے۔اس کو بھوک لگ گئی، تو یہ خود بخود بتا دے گا''

آگے اسی بے تکلفی کے ساتھ کی گئی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جب میں آیا کرتا تھا، تو حضور حافظ صاحب کو فرمایا کرتے تھے کہ حافظ صاحب! زمیندار آئے ہیں، بہت سا روٹی اور سالن لے آنا۔آپ نے بہت اصرار کیا، تو میں نے عرض کی کہ حضور نے کام کرنا ہے، تو بتاتا ہوں، ورنہ نہیں۔حضور نے فرمایا کہ میں انشاءاللہ آپ کا کام ضرور کروں گا۔میرے ہاتھ میں رومال تھا۔میں نے وہ پیش کیا اور عرض کیا کہ سَو روپیہ کی ضرورت ہے......فرمایا کہ مَیں میاں حامد علی کو افریقہ بھیج رہا ہوں۔حدیث میں آتا ہے کہ دوسرے ملک میں جانے کیلئے اگر دو بھائی مل کر سفر کریں، تو سفر مبارک ہوتا ہے۔.....گو افریقہ کا ملک سخت ہے، مگر آپ کے لئے مبارک ہے۔آپ دونوں بھائی زندہ آئیں گے اور فائدہ حاصل کر کے آئیں گے''

آپ نے حضور کی یہ تجویز قبول کر لی اور عرض کیا کہ حضور لاہور کے لئے رقعہ لکھ دیں، مَیں بھرتی ہونے کیلئے گاؤں سے ہی لاہور چلا جاؤں گا۔ چنانچہ حضور نے ایک چٹھی لاہور کے بابو تاج الدین صاحب کی طرف تحریر کر دی کہ دونوں بھائیوں کو میں بھیجتا ہوں، آپ انہیں افریقہ بھجوا دیں۔ آگے یہ کہ اس طویل سفر کے دوران ان دونوں بھائیوں پر کیا گذری، اور پھر کس طرح پر آپ خدا کی حفاظت میں مشرقی افریقہ پہنچ گئے، اس کی تفصیلات بتاتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

''ہم براستہ کراچی بمبئی پہنچے۔ جہاز پر ہم روانہ ہوئے، اس پر ایک ہزار افراد سفر کر رہے تھے جو ملازمت کے لئے بھرتی ہوئے تھے۔ افریقہ پہنچنے میں ابھی چار روز باقی تھے کہ کپتان نے آدھی رات کو اعلان کر دیا کہ جہاز طوفان میں گھر گیا ہے اور خراب ہو گیا ہے۔ اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں، لوگ دعا کریں........ میں نے کہا کہ جہاز غرق نہیں ہو سکتا۔ اس پر مسیح کے دو حواری بیٹھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے مامور نے مجھے خوشخبری دی تھی کہ تم دونوں بھائی افریقہ جاؤ۔ وہاں سے صحیح سلامت اور فائدہ حاصل کر کے آؤ گے۔ بھائی حامد علی نے کہا کہ کیا پتہ حضور کے الفاظ تعبیر طلب ہوں۔ میں نے کہا، ہرگز نہیں۔ میرا ایمان اور یقین ہے کہ میں نے حضور کے مونہہ سے جو سنا ہے، وہی ہو گا۔ چنانچہ اس وقت دعا میں شامل ہو گئے۔ قریباً ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد کپتان نے اعلان کیا کہ اب امن ہو گیا ہے۔ اور جہاز خطرہ سے باہر ہو چکا ہے۔ قریباً چوتھے روز ہم مشرقی افریقہ پہنچے اور جہاز آٹھ دن وہیں کھڑا رہا، پھر وہ زنجبار کو روانہ ہوا۔ اور وہ راستہ میں ایک دن کے بعد غرق ہو گیا''

اب دیکھئے، خدا تعالیٰ نے اپنی خاص الخاص قدرت سے اور اپنے فضل کے ساتھ حضرت بانئ سلسلہؑ کے ان دونوں غلاموں کو تو بچا لیا۔ لیکن ادھر جب جہاز کے غرق ہو جانے کی خبر ہندوستان میں پہنچی اور اس کا علم ان کے گھر والوں کو ہوا، تو ان پر کیا گذری اور پھر مامور من اللہ نے انہیں کیسے تسلی دی، اس بارے میں آپ (حضرت شیخ زین العابدین صاحبؓ) فرماتے ہیں:

''ہندوستان میں میرے چچا شہاب الدین صاحب نے بٹالہ (قادیان سے بارہ میل کے فاصلے پر ایک قصبہ۔ ناقل) میں ایک اخبار میں یہ خبر پڑھی۔ وہ وہاں منیاری کا سامان لینے گئے تھے۔ انہوں نے گھر آکر بھائی فقیر علی صاحب کو بتایا اور کہا کہ گھر میں عورتوں کو نہ بتانا،

لیکن حضرت صاحب کی خدمت میں خبر پہنچانا ضروری ہے۔ چنانچہ دونوں قادیان آئے اور حضرت صاحب سے مل کر رونے لگ پڑے۔ حضور نے اس کی وجہ پوچھی، تو انہوں نے یہ خبر بیان کی اور کہا کہ وہ دونوں غرق ہو گئے ہوں گے۔ فرمایا: ، ہرگز نہیں، وہ زندہ ہیں۔ جاؤ اور جا کر دیکھو، تمہارے گھر میں جو ڈاک آئے گی، اس میں ضرور تمہارے بھائیوں کا خط ہوگا اور میری طرف بھی خط آرہا ہے۔ اگر پہلے مجھے پہنچا، تو میں آپ کو پہنچا دوں گا اور اگر آپ کو پہلے مل گیا، تو مجھے پہنچا دینا۔ چنانچہ دونوں گاؤں پہنچے، تو ہمارا خط انہیں مل گیا۔ وہاں ہماری تنخواہ بھی بڑھ گئی اور ہم نے وہاں سے کافی روپیہ بھیجا اور ہمارا کنوآں لگ گیا''

(ملخص روایات صحابہ رجسٹر نمبر ۱۱، نیز اصحاب احمد، جلد ۱۳)

..........☆..........

تعارف: حضرت حافظ حامد علی صاحبؓ قادیان سے چھ میل دور واقع موضع تھہ غلام نبی کے رہنے والے تھے۔ حضرت کے دعویٰ سے بہت پہلے آپ اپنے علاج کے لئے قادیان آئے۔ پھر چند سال افریقہ میں گذارنے کے بعد ہمیشہ کے لئے قادیان کے ہو کر رہ گئے۔ آپ کا نام حضور کے خادم خاص کے طور پر بار بار آپ کی تحریرات میں آیا ہے۔ حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ (درویشان قادیان کے پہلے امیر مقامی اور ناظر اعلیٰ) آپ کے سگے ماموں تھے۔ نیز آپ کو ان کی دامادی کا شرف بھی حاصل تھا۔، تاہم ان (حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحبؓ) کی موجودہ اولاد، یعنی مکرم سعادت احمد صاحب جاوید، مکرم ارادت احمد صاحب اور مکرم بشارت احمد صاحب، ان کی دوسری بیگم سے ہیں۔

☆ ☆ ☆

چوتھا نشان الٰہی

’’میں نے نفل پڑھنے شروع کر دئے‘‘

اپنے ایک مجاہد بندے کو خدا نے کیسے بچایا

یہ واقعہ بھی حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کے ایک ایسے رفیق کا ہے، جن کی ساری زندگی خدا کی راہ میں جہاد کرتے گذری۔ ان کا نام حضرت مولوی محمد حسین صاحب تھا۔ آپ روزگار کی تلاش میں ۱۹۱۸ء میں جب بھرتی ہو کر بصرہ میں بھجوائے گئے، تو وہاں آپ فارغ اوقات میں اپنے فٹر ساتھیوں اور دوسرے مقامی عرب لوگوں کو تبلیغ کرتے رہتے اور اس طرح آپ نے اپنے گرد احمدیوں کی ایک چھوٹی سی جماعت پیدا کر لی۔ آپ کو کس طرح ایکبار اللہ تعالیٰ نے یقینی موت سے بچالیا، اس بارے میں آپ اپنی خودنوشت داستان میں تحریر فرماتے ہیں:

’’ایک روز ہم جہاز میں کام کر رہے تھے کہ حکم آیا کہ جہاز سب کارکنوں کے ساتھ بغداد بھیجا جا رہا ہے۔ اس لئے سب کارکن اپنا سامان جہاز میں لے آئیں۔ اُس وقت سخت جنگ ہو رہی تھی۔ چنانچہ میرے ساتھیوں نے رونا شروع کر دیا۔ مگر میں نے نفل پڑھنے شروع کر دئے۔ جہاز کی روانگی کا دو مرتبہ وسل ہو چکا تھا۔ روانگی میں دو منٹ باقی تھے کہ جنرل صاحب کا حکم آ گیا کہ انکے معائنہ کے بغیر جہاز روانہ نہ کیا جائے۔ وہ وہاں پہنچے اور معائنہ کے بعد جہاز کی روانگی کی منظوری دے دی۔ پھر اچانک ان کی نظر ہم کارکنوں پر پڑی، تو پوچھا کہ یہ فٹر کنارے کے ہیں یا پانی کے۔ کپتان نے بتایا کہ کنارے کے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ صرف پانی کے فٹر جہاز کے ساتھ جائیں گے۔ چنانچہ ہم جہاز سے اتر آئے اور جہاز روانہ ہو گیا۔ رات دو بجے اطلاع آئی کہ دشمن نے جہاز غرق کر دیا ہے۔ اور ایک آدمی بھی زندہ نہیں بچ سکا‘‘

(بحوالہ روزنامہ الفضل، ربوہ۔ یکم جون ۲۰۰۳ء)

.........☆.........

تعارف: حضرت مولوی محمد حسین صاحبؓ، حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے ایک ابتدائی رفیق، حضرت میاں محمد بخش صاحبؓ بٹالوی، کے صاحبزادے تھے۔ حضرت میاں محمد بخش صاحبؓ وہی ہیں، جن کے بارے میں یہ روایت آتی

ہے کہ انہوں نے رئیس المخالفین، مولوی محمد حسین بٹالوی، کے نیچے سے اپنی چادر یہ کہہ کر کھینچ لی کہ میں عیسائیوں کی حمایت میں ایک بزرگ مسلمان کے خلاف جھوٹی گواہی دینے والے سے اپنی چادر پلید نہیں کروانا چاہتا، حالانکہ یہ اس وقت ان کے مداحوں میں سے تھے۔ اس کے جلد بعد آپ حضور کے سلسلۂ بیعت سے منسلک ہو کر ہمیشہ کے لئے آپ کے غلاموں میں شامل ہو گئے۔ آپ کے یہ صاحبزادے، حضرت مولوی محمد حسین صاحب، جو اپنے سر پر ہمیشہ سبز پگڑی باندھے رکھنے کی وجہ سے جماعت کے اندر ''سبز پگڑی والے مولوی صاحب'' کے نام سے معروف اور مشہور ہوئے، ایک لمبا عرصہ سلسلہ کی خدمت میں گذارنے کے بعد ۱۹ر جون ۱۹۹۴ء کو فوت ہوئے۔

☆ ☆ ☆

پانچواں نشان الٰہی

''یہ جہاز سلامت پہنچے گا''

ایک داعی الی اللہ کو حفاظت سماوی کا آسمانی پیغام ملا

حفاظت الٰہیہ کے سلسلے میں اب ایک ایسے مجاہد اسلام کا حال بیان کیا جاتا ہے، جو سلسلہ کے حکم پر دیارِ مغرب میں توحید کی آواز بلند کرنے کی غرض سے اپنے گھر سے نکلے اور دوران سفر دعوت الی اللہ کا مقدس فریضہ ادا کرتے ہوئے ایک ایسے مقام پر پہنچ گئے، جہاں موت ان کے چاروں طرف گھوم رہی تھی، مگر کیا مجال کہ وہ خدا کے اس بندے کے قریب بھی پھٹکتی۔ یہ داعی الی اللہ، حضرت مفتی محمد صادق ہیں، جنہیں امریکہ کا پہلا مبلغ اسلام بننے کی سعادت نصیب ہوئی۔ البتہ اُس وقت آپ عازم انگلستان ہو رہے تھے کہ ایک سمندری سفر کے دوران آپکو یہ واقعہ پیش آیا، جس نے نہ صرف آپکے لئے بلکہ آپ کے دیگر رفقاءِ سفر کے لئے خدا تعالیٰ کی ہستی اور اس کی قدرتوں پر ایک زندہ ثبوت مہیا کیا۔ حفاظت الٰہی کی یہ دلچسپ اور ایمان افروز روئداد بیان کرتے ہوئے آپ کے سوانح نگار، مکرم عطاء الوحید صاحب، تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت مفتی صادق صاحبؓ کو ۱۹۱۷ء میں حضرت مصلح موعودؓ (جماعت احمدیہ کے دوسرے امام اور خلیفہ، حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد، جنہیں ۱۹۱۴ء سے لیکر ۱۹۶۵ تک کا ۵۲ سالہ لمبا عرصہ خلافت احمدیہ کی مسند پر متمکن رہنے کی توفیق ملی۔ ناقل) نے جب یہ حکم دیا کہ آپ 'دعوت الی اللہ' کیلئے انگلستان جائیں، تو اُس وقت جنگ عظیم کی وجہ سے سمندری سفر بہت خطرناک تھا...... حضرت مفتی صاحبؓ بمبئی سے سمندری سفر پر روانہ ہو گئے۔ اور

جہاز کے روانہ ہوتے ہی آپ نے دعوت الی اللہ کا آغاز کر دیا۔ تین دن کے اندر اندر ایک انگریز نے احمدیت قبول کر لی۔ پھر یہ سلسلہ چلتا رہا اور متعدد افراد احمدی ہوئے۔ جب جہاز بحیرۂ روم میں داخل ہوا، تو کپتان نے تمام مسافروں کو ڈیک پر بلا کر کہا کہ یہ سمندر جرمن جہازوں سے بھرا پڑا ہے اور معلوم نہیں کب ہمارا جہاز ان کا نشانہ لگنے سے ڈوب جائے۔ پھر اس نے ایک سیٹی بجائی کہ جب یہ سیٹی بجائی جائے، تو فوراً جہاز کے اطراف میں لگی ہوئی کشتیوں میں بیٹھ کر سمندر میں اتر جائیں۔ پھر یہ کشتیاں جہاں آپ کو لے جائیں، وہ آپ کی قسمت''

سوانح نگار لکھتے ہیں کہ کپتان کے اس لیکچر کے بعد جہاز کے مسافر سخت پریشان ہو گئے۔ مگر خدا کی راہ میں نکلنے والا یہ مجاہد ذرہ بھر پریشان نہ ہوا۔ بلکہ اس نے وہی کیا، جو خدا کے بندے ایسے حالات میں کیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ ان کے سوانح نگار تحریر فرماتے ہیں:

''آپ اپنے کمرے میں آئے اور گڑ گڑا کر دعا کی۔ رات آپ نے خواب میں ایک فرشتے کو یہ کہتے سنا: 'صادق، یقین کرو۔ یہ جہاز سلامت پہنچے گا۔' چنانچہ آپ نے یہ خوشخبری جملہ مسافروں کو بھی سنا دی۔ اب جبکہ کئی جہاز دائیں بائیں تباہ ہوئے، اور ان کی لکڑیاں سمندر میں تیرتی ہوئی دیکھی گئیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کا جہاز بحفاظت پہنچا دیا''

(بحوالہ روزنامہ الفضل۔ ربوہ۔ یکم جنوری ۲۰۰۳ء)

.........☆.........

تعارف: حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ، حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کے ابتدائی صحابہ اور قریبی رفقاء میں سے تھے۔ آپ بھیرہ (ضلع شاہ پور) کے رہنے والے اور وہاں کے ایک مفتی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا سن بیعت ۳۱ر جنوری ۱۸۹۱ء ہے۔ قادیان آنے سے قبل آپ اسلامیہ ہائی سکول شیرانوالہ گیٹ لاہور میں مدرس تھے۔ آپ نے اکاؤنٹنٹ جنرل لاہور کے دفتر میں بھی ملازمت کی۔ تاہم ۱۹۰۰ء میں آپ ہجرت کر کے مستقل طور پر قادیان میں آ گئے۔ آپ کو امریکہ کا پہلا مبلغ اسلام ہونے کا شرف حاصل ہے۔ آپ کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت طیبہ پر کی گئی تقریروں کا مجموعہ ''ذکر حبیب'' کے نام سے شائع ہو کر احمدیت کی آنے والی نئی نسلوں کے لئے ایک نایاب تحفہ ہے۔

چھٹا نشان الٰہی

ایک آسمانی آواز: ''تم اور تمہارا خاندان محفوظ رہے گا''

برما کے ایک دوست آسمانی حفاظت میں

برؔما میں جنگ عظیم دوم کے دوران ایک احمدی دوست اور اس کے خاندان کی حفاظت کے اللہ تعالیٰ کیا کیا عجیب سامان پیدا فرماتا رہا، یہ ایمان افروز داستان اسی دوست کے اپنے فرزند، برادرم محمود مانگ کو، کی زبانی سننے کے لائق ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''میرے والد مکرم اے، ابراہیم کو صاحب (کالی کٹ۔ مالابار سے) ۱۹۰۶ء میں ۱۹ سال کی عمر میں برؔما آ گئے تھے۔ چونکہ وہ اپنے بزرگوں کی زبانی کسوف وخسوف کا واقعہ سن چکے تھے، انہوں نے برصغیر سے روانہ ہوتے وقت اپنے ایک دوست سے کہا کہ اگر اسے مہدیؑ کی آمد کی خبر ملے، تو وہ انہیں بھی اطلاع دے دے۔ چنانچہ جب انہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کی خبر ملی، تو انہوں نے برؔما سے ہی بذریعہ تار بیعت کی درخواست بھجوا دی۔ اُس وقت آپ کی عمر ۳۳ سال تھی اور آپ برؔما کے شمال میں انگریزوں کے ماتحت ملازم تھے''

مضمون نگار کے بیان کے مطابق تین سال بعد والد صاحب کو کھٹؔا میں تبدیل کر دیا گیا، جہاں ہم چار بہن بھائی پیدا ہوئے۔ آگے والد صاحب کے حوالے سے فرماتے ہیں:

''۱۹۳۹ء میں جب جنگ عظیم دوم شروع ہوئی، تو اس کے دو سال بعد ہی برؔما بھی جنگ میں کود پڑا۔ آپ اُس وقت برما فوج میں ملازم تھے اور رنگون میں تھے کہ جاپان نے بمباری کر کے ایک ہزار افراد کو ہلاک کر دیا۔ والد صاحب کو بڑی تشویش ہوئی، تو فرماتے ہیں، عشاء کی نماز کے دوران انہیں آواز آئی:

'تم اور تمہارا خاندان جنگ کے دوران محفوظ رہے گا'

چنانچہ انہوں نے ایک خط کے ذریعے مجھے اس خوشخبری پر مشتمل یہ خبر بہم پہنچائی اور بے فکر ہو جانے کے تلقین کی''

آگے جنگ کا حال بتاتے ہوئے والد صاحب کے حوالے سے ہی فرماتے ہیں کہ کس طرح جاپانی طیاروں کی بمباری کے دوران انہیں بستروں سے نکل کر محفوظ ٹھکانوں کی طرف بھاگنا پڑتا۔ پھر ۲۲ فروری ۱۹۴۲ء کو جب تمام فوج کو رنگون خالی کرنے کا حکم ملا، تو کس طرح وہ بمباری سے بچنے کیلئے جلد جلد مختلف مقامات کی طرف منتقل ہوتے رہے، بمباریاں بھی ہوتی رہیں، اور آپ کے ساتھی فوجی ہلاک بھی ہوتے رہے، مگر اللہ تعالیٰ ہر بار آپ کو معجزانہ طور پر محفوظ رکھتا رہا۔ فرماتے تھے، کبھی ہمارے ایک جگہ کو چھوڑنے کے بعد وہاں بمباری ہو جاتی اور کبھی دوسری جگہ پہنچنے سے پہلے وہاں بمباری ہو چکتی۔ فرماتے تھے:

''ایک بار ہمیں اڑھائی سو میل کی پسپائی ہوئی اور وہاں پہنچ کر ہماری یونٹ توڑ دی گئی۔ مَیں پہاڑیوں اور وادیوں میں سے ہوتا ہوا چند روز کا سفر کر کے جب کھٹا پہنچا، تو معلوم ہوا کہ یہ قصبہ بھی بمباری کے باعث خالی ہو چکا ہے اور میری فیملی وہاں سے چھ میل دور ایک عارضی ٹھکانہ میں رہائش پذیر ہو گئی ہے اور وہ بالکل محفوظ تھی''

ایک آخری واقعہ بیان کرتے ہوئے والد صاحب نے بتایا کہ

''۱۹۴۵ء میں میری ہمشیرہ ایک غیر احمدی سے بیاہ دی گئیں۔ وہ اپنے میاں کے ساتھ ہمارے گھر کے قریب ہی رہائش پذیر تھیں۔ ایک روز جب خطرے کا الارم بج چکا تھا، تو میرے بہنوئی نے ہماری ہمشیرہ کو ہمارے گھر سے کچھ نقدی لانے کیلئے کہا۔ ہمشیرہ نے کہا کہ خطرہ گذر جائے، تو چلی جاؤنگی۔ اس پر بہنوئی ناراض ہونے لگے۔ اور پھر زبردستی بھیج دیا۔ وہ ہمارے گھر پہنچی ہی تھیں کہ بمباری شروع ہو گئی اور ایک بم اس خندق پر پڑا، جس میں ہمارے بہنوئی اپنے سات عزیزوں کے ساتھ پناہ لئے ہوئے تھے۔ وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے اور میری بہن محفوظ رہیں'' [۱]

(بحوالہ الفضل انٹرنیشنل، لندن، ۱۸ جنوری ۲۰۰۲ء)

☆ ☆ ☆

[۱] یہ مضمون جنوبی افریقہ سے شائع ہونے والے سلسلہ کے انگریزی ماہنامہ ''العصر'' کی مارچ / اپریل ۱۹۹۴ء کی اشاعت میں شائع ہوا تھا۔ اس کا اردو ترجمہ مکرم سید میر قمر سلمان احمد صاحب (مرکزی ادارہ ''وقفِ نَو'' کے انچارج) کے قلم سے پہلے روزنامہ الفضل، ربوہ، ۲۰ دسمبر ۲۰۰۰ء میں چھپا، پھر وہاں سے الفضل انٹرنیشنل، لندن، میں شائع ہوا۔

ساتواں نشان الٰہی

''گرتا ہوا جہاز خود بخود سنبھل گیا''

حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے ایک غلام کی دعا کا اعجازی کرشمہ

پچھلے ہر سہ واقعات میں الٰہی تصرف سے بحری جہازوں کے تباہ ہونے سے بچنے اور غلامانِ احمد کے معجزانہ طور پر محفوظ رہنے کا تذکرہ کیا گیا ہے۔اب مامور من اللہ کے ایک غلام کی دعا کی برکت سے ہوا میں اُڑنے والے ایک جہاز کے ہلاکت سے محفوظ رہنے کا ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔اس کے راوی خواجہ گل محمد صاحب ہیں، جن کا بیان کردہ ایک واقعہ باب ششم کے اندر بھی گذر چکا ہے، جہاں بتایا گیا ہے کہ کس طرح مامورِ خدا کی ایک الہامی دعا کی برکت سے آپؑ کے ایک غلام کی جان محفوظ رہی، جبکہ باقی تمام لوگ ان کی آنکھوں کے سامنے ہلاکت کا شکار ہو گئے۔اب اسی دعا کی اعجازی تاثیر سے متعلق یہ واقعہ اسکی نوعیت کی مناسبت سے یہاں درج کیا جا رہا ہے۔راوی موصوف رقمطراز ہیں کہ

''ایک دفعہ میرے سمدھی، میاں عبدالقیوم صاحب، ایم۔اے، مع فیملی کوئٹہ سے جلسہ سالانہ میں شمولیت کے لئے ربوہ آئے۔جلسہ سالانہ کے اجتماع کی برکات سے مستفیض ہو کر وہ چند روز اپنی بیٹی کے پاس کھاریاں کینٹ میں تشریف لے گئے۔پھر ۱۷؍جنوری ۱۹۷۸ء کو لاہور سے بذریعہ ہوائی جہاز کوئٹہ کے لئے روانہ ہوئے''

آگے اس ہوائی سفر کی روئداد، جیسا کہ اہلیہ میاں عبدالقیوم صاحبہ نے اپنی بیٹی (یعنی راوی کی بہو) کو تحریر فرمائی، وہ ملاحظہ ہو۔وہ تحریر فرماتی ہیں:

''ہوائی جہاز نے ٹھیک وقت پر پرواز کی۔مگر ابھی وہ لاہور سے ۴۰/۴۵ میل دُور ہی پہنچا تھا کہ تھرتھرانے لگ گیا۔ساتھ ہی سخت قسم کے جھٹکے محسوس ہونے لگے۔یہاں تک کہ شیلفوں پر رکھا ہوا سامان بھی نیچے گرنے لگا۔مسافر اُس وقت چائے وغیرہ پی رہے تھے۔چنانچہ ٹرالیوں پر رکھی ہوئی چائے دانیاں اور کھانے کی دیگر اشیاء مع ٹرالیوں کے لڑھک کر نیچے آ پڑیں۔اب سب مسافروں نے بیلٹیں باندھ لیں۔اِدھر جہاز تھا کہ اس کے جھٹکے اَور بھی تیز اور زوردار ہو گئے۔جہاز کی ہوسٹسیں اور دیگر عملہ غائب ہو گیا۔اور جہاز کی دُم اوپر کو اُٹھ گئی، یعنی وہ ناک کے بل زمین کی طرف گرنا شروع ہو گیا۔نتیجہ یہ ہوا کہ سب مسافروں

نے بدحواس ہو کر چیخنا چلّانا شروع کر دیا۔بعض کی حالت تو نیم پاگلوں جیسی ہوگئی۔خود میرا گلہ بھی چیختے چیختے بیٹھ گیا۔چھوٹی بچی بیہوش ہو چکی تھی۔لیکن اگر کوئی شخص اپنے ہوش وحواس میں تھا،تو وہ تمہارے ابو تھے۔انہوں نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا کر اپنی آنکھوں پر رکھے ہی تھے کہ جہاز سیدھا ہو گیا اور آسمان کی طرف پرواز کرنے لگا۔تھوڑی دیر بعد پائلٹ نے بھی لاؤڈ سپیکر پر اعلان کیا کہ جہاز ائر پاکٹ میں پھنس گیا تھا،جہاز میں کوئی خرابی نہیں تھی،اب وہ ائر پاکٹ سے نکل آیا ہے،آپ سب لوگ مطمئن رہیں۔اس کے بعد ہوسٹسیں اور دیگر عملہ بھی ڈیوٹی پر آ گیا اور کھانے پینے کی چیزیں مسافروں کے سامنے رکھنے لگا،مگر کسی نے کچھ نہیں کھایا‘‘

راوی مذکور تحریر فرماتے ہیں کہ محترمہ مسز عبدالقیوم صاحبہ کی اس تحریر سے یہ معلوم نہ ہوسکا کہ میاں صاحب موصوف نے اُس وقت کونسی دعا مانگی تھی۔لہٰذا میں نے اِس غرض سے ان کے ساتھ خط وکتابت کی۔پہلے خط میں تو انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی بعض دعاؤں اور اپنی ایک مبشر خواب کا ذکر کیا،مگر جب میں نے اُس خاص دعا کے بارے میں،جو انہوں نے جہاز کے زمین کے رخ پلٹ جانے کے دوران پڑھی تھی،باصرار اُن سے دریافت کیا،تو انہوں نے بتایا کہ میں رَبِّ کُلُّ شَیءٍ خَادِمُک رَبِّ فَاحفَظنَا وَانصُرنَا وَارحَمنَا [ا] پڑھتا رہا تھا۔

(الفضل انٹرنیشنل،لندن،۱۸جنوری۲۰۰۲ء،
بحوالہ روزنامہ الفضل،مورخہ ۲۲راکتوبر۲۰۰۳ء)

☆ ☆ ☆

[ا] یہ وہی دعا ہے جس کے بارے میں پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہاماً سکھلائی گئی اور آپ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اسے پڑھے گا،اللہ تعالیٰ اسے ہر بلا سے بچائے گا۔

آٹھواں نشان الٰہی

''اضطراری دعاؤں کا کرشمہ''

جزائرفجی میں ایک داعی الی اللہ کی حفاظت غیبی کا سامان

اِضطراری دعا کے نتیجے میں ظہور پذیر ہونے والا حفاظت الٰہی کا اسی قسم کا ایک اور واقعہ ممالک غیر میں کام کرنے والے سلسلہ کے ایک مبلغ ،مولوی سجاد احمد صاحب خالد، نے بھی بیان فرمایا ہے۔آپ کی ذات کے ساتھ بیتا ہوا یہ واقعہ اُس وقت کا ہے، جب آپ دعوت الی اللہ کے سلسلہ میں اپنے وطن سے بہت دور جزائرفجی میں فریضۂ تبلیغ بجالا رہے تھے۔یہ واقعہ بھی بتاتا ہے کہ کس طرح ایک آڑے وقت میں ان کے دل سے نکلی ہوئی دعا اللہ تعالیٰ کی نُصرت کو کھینچ لائی اور کس طرح اس کے غیبی ہاتھ نے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو ایک یقینی موت کا شکار ہونے سے محفوظ رکھا، جبکہ ظاہری نگاہ سے آپ کے بچ نکلنے کے کوئی آثار نظر نہ آتے تھے۔آپ بتاتے ہیں کہ ایکبار آپ اپنے ملک کے ایک جزیرہ ممباسہ میں واقع قصبہ نصروانگا میں گئے،تو وہاں ایک قریبی قصبہ میں پورے کے پورے خاندان [۱] کو احمدیت کی نعمت سے متمتع کرنے

---

[۱] اس خاندان کے قبول احمدیت کی دلچسپ اور ایمان افروز داستان مولوی سجاد صاحب یوں بیان فرماتے ہیں کہ جب ہم نصروانگا پہنچے،تو وہاں کے ایک مخلص احمدی دوست نور شاہ صاحب کہنے لگے کہ یہاں سے چالیس میل دور ایک قصبہ میں ان کے خسر عبد الغفور صاحب رہتے ہیں، جنہوں نے تاحال بیعت نہیں کی، انہیں جا کر تبلیغ کی جائے۔ چنانچہ نور شاہ صاحب سمیت ہمارا چار افراد پر مشتمل ایک وفد اس قصبہ میں پہنچ گیا۔ خاکسار کی تقریباً ایک گھنٹہ کی تبلیغ کے بعد عبد الغفور صاحب نے بیعت کرلی۔مگر جونہی ان کی بیگم کو پتہ چلا کہ ان کے خاوند احمدی ہوگئے ہیں،تو وہ بہت سیخ پا ہوئیں۔ کہنے لگیں ،آپ لوگوں نے ہمارے گھر میں فتنہ ڈال دیا ہے۔ پہلے میری بیٹی اور داماد کو گمراہ کیا۔اب میرے خاوند کو بھی گمراہ کرلیا ہے ۔آپ ابھی فوراً یہاں سے چلے جائیں۔اس پر خاکسار نے بڑی عاجزی اور نرمی سے انہیں کہا کہ ہم نے کوئی برا کام تو نہیں کیا، اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ خلیفہ اور امام وقت کی بیعت ہی تو کرائی ہے اور اس الٰہی جماعت میں شامل ہوکر خود ان کے اسلام کو چار چاند لگ گئے ہیں۔اس کا کچھ ایسا اثر اس نیک خاتون پر ہوا کہ وہ سنجیدہ ہوکر سوالات کرنے لگ گئیں۔اور پھر جلد ہی ایک ایسا پیارا اور خوشگوار منظر پیدا ہوگیا کہ وہ کہنے لگیں، اگر بیعت کرنا اور امام وقت کی جماعت میں شامل ہونا نیکی کا کام ہے،تو پھر ہمارے بیٹے محمد تقی کو بھی ضرور شامل کریں۔ وہ بھی وہیں بیٹھے تھے۔چنانچہ تھوڑی سی تبلیغ کے بعد انہوں نے بھی احمدیت قبول کرلی۔اس طرح پر اللہ تعالیٰ کا ایسا فضل ہوا کہ کجا یہ کہ وہ خاتون ہمیں گھر سے نکال رہی تھی ،اور کجا یہ خوشگوار صورت پیدا ہوگئی کہ اس کا سارا گھر احمدیت کی آغوش میں آگیا۔

کے بعد جب واپس نصرو انگا آ رہے تھے،تو قریباً ۹ بجے شب ایک عجیب حادثہ پیش آ گیا۔فرماتے ہیں:

’’ویگن خاکسار خود چلا رہا تھا۔اس کی ہینڈ بریک خراب تھی،اور راستہ کچا تھا۔دس پندرہ میل طے کرنے کے بعد جب ایک اڑھائی تین سوفٹ اونچی پہاڑی پر چڑھ رہے تھے،تو مجھے گاڑی رُکتی ہوتی نظر آئی۔میں نے فوراً تیسرا گیئر لگایا،لیکن ویگن آگے نہ چلی۔جب دوسرا گیئر لگایا،تو گاڑی بجائے آگے چلنے کے بالکل ہی رُک گئی۔ساتھ لائٹیں بجھ گئیں۔ادھر ہینڈ بریک جو پہلے ہی خراب تھی،اس نے بالکل ہی کام کرنا چھوڑ دیا۔نتیجہ یہ ہوا کہ ویگن پیچھے کی طرف لڑھکنی شروع ہوگئی۔اب ہمارے پیچھے تقریباً دو فرلانگ کی اُترائی تھی اور سڑک کے دونوں طرف ڈیڑھ،دو،دوفٹ گہرے گڑھے اور جھاڑیاں تھیں‘‘

فرماتے ہیں،ادھر ویگن تھی کہ پیچھے ڈھلوان پر لڑھکتے ہوئے اس میں تیزی آتی جارہی تھی،اور خطرہ تھا کہ کسی لمحے دائیں یا بائیں لڑھک کر وہ ہمیں موت سے ہمکنار کر دے گی۔یہ صورت حال دیکھ کر پیچھے بیٹھے ہوئے ہمارے تینوں ساتھیوں نے زمین پر چھلانگ لگا دی۔اب مومن کا آخری سہارا دعا ہی ہوتا ہے۔چنانچہ مولانا صاحب موصوف فرماتے ہیں:

’’میں نے آخری حربہ کے طور پر اللہ تعالیٰ کے حضور اضطراری التجائیں کرنا،نیز ربّ کُلُّ شَیءٍ خَادِمُک رَبِّ فَاحفَظنَا وَانصُرنَا وَارحَمنَا اونچی آواز سے پڑھنا شروع کر دیا۔بھائی حامد حسین صاحب آگے میرے ساتھ بیٹھے تھے۔انہوں نے اس گھبراہٹ کے عالم میں یکدم تیزی سے فرمایا،مولانا!دائیں طرف جھاڑیاں ہیں،ویگن فوراً دائیں طرف گھمائیں۔شاید جھاڑیوں سے ٹکرا کر ویگن رُک جائے‘‘

اب خدا تعالیٰ کی تقدیر دیکھئے۔دراصل وہاں نہ کوئی جھاڑی تھی نہ ہموار زمین۔بلکہ چھ سات فٹ گہرا گڑھا تھا،جس سے رات کے اندھیرے میں جھاڑیوں کا گمان ہو رہا تھا۔مولانا موصوف فرماتے ہیں:

’’جونہی میں نے تیزی سے ویگن کو گھمایا،تو ہم ایک دھماکے کے ساتھ اس گڑھے میں جا گرے۔پھر ویگن وہاں سے جو اُچھلی تو آگے ایک چھوٹے سے درخت سے ٹکرا کر رک گئی۔اب نیچے کی طرف رول ہونے سے تو بچ گئی،مگر اس حادثہ کی دہشت اور صدمہ اس قدر تھا کہ ہم سمجھے کہ اگر مر نہیں گئے،تو بھی ویگن کے اندر سخت زخمی حالت میں پڑے ہونگے......

مگر خدا تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ ہم بالکل محفوظ رہے۔صرف معمولی زخم اور خراشیں آئی تھیں۔گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہماری اضطراری دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا اور ہمیں بچالیا، ورنہ اتنے بڑے حادثہ سے بچ نکلنا ناممکنات میں سے تھا۔اس اثنا میں ہمارے وہ تینوں ساتھی، جنہوں نے چلتی گاڑی پر سے چھلانگیں لگائی تھیں، وہ بھی دوڑتے ہوئے ہمارے پاس پہنچ گئے اور ہمیں ویگن سے باہر نکالا''

فرماتے ہیں، اُس وقت رات کے دو بج چکے تھے۔جب اس کے بعد ہم نے اپنی گاڑی کو باہر نکال کر سٹارٹ کِیا تو اتنے بڑے حادثے کے باوجود وہ سٹارٹ ہوگئی اور ہم اسی میں سوار ہو کر بخیریت واپس نصرؔوانگا پہنچ گئے اور یوں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارا یہ تبلیغی دورہ ہر لحاظ سے کامیاب و کامران رہا۔

(خلاصہ ''روح پرور یادیں'' ص۱۳۴تا۱۳۹)

☆ ☆ ☆

نواں نشان الٰہی

''جب گاڑی کی بریکیں فیل ہوگئیں''

سیرالیون کے جنگلوں میں حفاظت سماوی کا زندہ نشان

حفاظت غیبی کا اسی قسم کا ایک اَور نرالا اور اضطراری دعاؤں کی قبولیت کے نشان کے طور پر ظاہر ہونے والا واقعہ سلسلہ کے داعی الی اللہ، مکرم مولانا محمد صدیق صاحب فاضل امرتسری (مرحوم)، نے بھی اپنی ''روح پرور یادوں'' کی زینت بنایا ہے۔یہ اُس وقت کا ہے جب آپ سیرالیون (مغربی افریقہ) میں فریضہ تبلیغ سرانجام دے رہے تھے۔آپ وہاں جماعت کے مرکزی دارالتبلیغ ''بو'' (Bo) میں مقیم تھے کہ سیرالیون کے شہر ''مگبورکا'' میں اسرائیلی ریاست کے قیام کے خلاف جماعت کا ایک احتجاجی جلسہ ہونا قرار پایا (یہ ۱۹۴۸ء کا واقعہ ہے)۔''مگبورکا'' شہر وہاں سے ساٹھ ستر میل کے فاصلے پر شمال میں واقع ہے اور وہاں جماعت کا دوسرا بڑا مرکز ہے۔آپ فرماتے ہیں:

''اس پروگرام میں شمولیت کے لئے خاکسار اور جماعت کے سرکردہ احباب نیز احمدیہ سکول کے سٹاف ممبران اور بڑی کلاسوں کے طلبہ، دو لاریوں میں بوقت صبح نعرہ ہائے تکبیر بلند

کرتے اور اللہ تعالیٰ کی حمد کے ترانے گاتے ہوئے 'بوْ سے 'مگبورکا' کیلئے روانہ ہوئے''

فرماتے ہیں، راستے میں دو اہم دریا پڑتے تھے، جن کو فیری (Ferry) کے ذریعے عبور کرنا پڑتا تھا۔ یہ فیری لکڑی کے ایک بڑے تختے سے عبارت ہوتی تھی، جس پر بمشکل دو لاریاں سما سکتیں اور پھر آٹھ دس آدمی لوہے کی زنجیروں سے اسے کھینچا کرتے۔ یہ سارا مرحلہ اس اعتبار سے بڑا خطرناک تھا کہ یہاں سڑک نہایت تنگ ہو کر پہاڑی کی چوٹی سے نیچے فیری تک جاتی ہے اور خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں لاری یا گاڑی پھسل کر دریا میں نہ گر جائے۔ ایسے کئی حادثات ہو بھی چکے تھے۔ مولانا موصوف فرماتے ہیں:

''جب ہماری لاری، جس میں خاکسار کے علاوہ احمدیہ سکول 'بوْ' کے سٹاف ممبران، طلبہ اور دیگر ممبران جماعت سوار تھے، اس ڈھلوانی حصے پر پہنچی، جہاں سے آگے فیری نما تختے کے ذریعے دریا عبور کرنا تھا، تو ہر چند کہ ہماری یہ لاری اچھی بھلی تھی، مگر اتفاق ایسا ہوا کہ عین اُس وقت، جب ہم پہاڑی کی چوٹی سے نیچے کی سمت کو جارہے تھے، میں نے دیکھا کہ لاری تیز رفتاری سے نیچے کی طرف جارہی ہے اور ڈرائیور پریشان ہے۔ میں نے ڈرائیور کی طرف دیکھا، تو وہ نہایت سہمی ہوئی آواز میں بولا:

Master, Brake done fail

کہ جناب، بریکیں فیل ہوگئی ہیں۔ اسکے ساتھ ہی میں نے دیکھا کہ ڈرائیور سٹیئرنگ خالی چھوڑ کر باہر چھلانگ لگانے کے لئے اپنے دائیں طرف جھک گیا ہے''

فرماتے ہیں، یہ صورت حال دیکھ کر لاری میں موجود تمام مسافروں کو اپنے سامنے موت منہ کھولے نظر آنے لگی۔ بچوں نے تو زور زور سے چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ مگر مومن کا آخری سہارا خدا ہوتا ہے۔ چنانچہ مولانا محمد صدیق صاحب نے بھی ایسی نازک حالت میں اپنے رب کو پکارا، جیسا کہ آپ کا بیان ہے کہ:

''(اس) حواس باختگی کے عالم میں، جس طرح انسان جان بچانے کے لئے آخری تیر بھی اپنے ترکش سے نکال کر چلا دیتا ہے، خاکسار نے بھی اُس وقت کانپتے ہوئے ہونٹوں سے اپنے خدا سے نہایت درد، گھبراہٹ اور ناقابل بیان کرب کی حالت میں یوں التماس کی:

'اے بحر و بر کے مالک خدا! یہ خاکسار اپنے جملہ گناہوں اور کمزوریوں کے باوجود اس دور دراز ملک میں تیرے پیارے مسیح کی نمائندگی میں تیرے اتنے بندوں کو ایک

نیک کام کے لئے دریا کے اس پار لے جا رہا ہے۔ اس وقت تیری رحمت کے خاص ہاتھ کے سوا ہمارے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں۔ تو ہی رحم کر اور اپنے فضل سے ہمیں بچالے!''

آپ فرماتے ہیں، معلوم نہیں، مَیں یہ اضطراری دعا مکمل بھی کر پایا تھا یا نہیں، اور وہ لمبا چوڑا دریا صرف چند گز دُور رہ گیا تھا کہ بے لگام نیچے کو بھاگتی ہوئی گاڑی کو، جس کا سٹیئرنگ ڈرائیور کے باہر کود جانے کے باعث اب خالی پڑا تھا، اچانک خدا کے فرشتوں نے عین اُس مقام پر بائیں طرف موڑ دیا، جہاں پہاڑ کے اندر ایک چھوٹا سا دس پندرہ فٹ چوڑا درّہ بنا ہوا تھا اور اس سے آگے اتنا ہی چوڑا کچا سا راستہ جنگل کی طرف نکل رہا تھا۔ اس کے بعد کیا ہوا، اس بارے میں آپ فرماتے ہیں:

''گاڑی جب مُڑی تو اس کا دایاں حصہ کچھ اس طرح اس درے کے پہلو سے ٹکرایا کہ اس کا رخ خود بخود مزید بدل کر اس راستے پر ہو گیا جو جنگل کو جا رہا تھا اور پھر گاڑی ایک طرف کو الٹتی ہوئی جھاڑیوں میں سے گذرتی آگے ایک گہری دلدل میں پھنس گئی۔ اس کا اگلا شیشہ اور باڈی کا کچھ حصہ بھی ٹوٹ چکا تھا، مگر خدا کے فضل سے ہم میں سے کسی کو سوائے معمولی زخموں کے کوئی چوٹ نہ آئی۔ اور اس طرح ہمارے حافظ و ناصر خدا نے ہمیں معجزانہ طور پر محفوظ رکھ کر اپنے مقدس نوشتہ کی صداقت ظاہر فرمائی:

اَمَّن یُّجِیبُ الْمُضطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکْشِفُ السُّوْءَ

آپ فرماتے ہیں، اس کے بعد ہم 'مکبورکا' خیریت سے پہنچ گئے اور جلسہ میں شمولیت کے بعد اسی شام واپس آ گئے۔

(ملخص از ''روح پرور یادیں'' ص ۳۸۹ تا ۳۹۱)

☆

مولوی محمد صدیق صاحب فاضل امرتسری کا تعارف:

الحاج مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری، مولوی فاضل پاس کرنیکے بعد پہلی بار ۱۹۴۳ء میں فلسطین تشریف لے گئے، جہاں آپ نے کچھ عرصہ بطور انچارج احمدیہ سکول کبابیر (حیفہ) کام کیا۔ پھر حالات خراب ہو جانے کے باعث قاہرہ، بیروت، بغداد اور دمشق میں قیام کرتے ہوئے آپ مرکز کے حکم سے انگلستان تشریف لے گئے۔

وہاں قریباً دو سال تک بطور نائب امام مسجد لندن خدمات بجالانے کے بعد آپ کو ۱۹۴۰ء میں سیرالیون بھجوادیا گیا، جہاں آٹھ سال تک فریضہ تبلیغ ادا کرنے کے بعد آپ ۱۹۴۹ء میں واپس پاکستان تشریف لے آئے۔ اس وقت بر صغیر کی تقسیم ہو چکی تھی۔ چنانچہ بیرونی ممالک سے مرکز سلسلہ ''ربوہ'' واپس آنے والے آپ پہلے مبلغ تھے۔

سیرالیون کے لئے دوسری بار آپ کی روانگی ۱۹۵۰ء میں عمل میں آئی۔ مگر خرابی صحت کے باعث ڈیڑھ سال بعد ہی آپ کو واپس آنا پڑا۔ اکتوبر ۱۹۵۳ء میں آپ کو تیسری بار سیرالیون بھجوایا گیا، جہاں آپ نے چھ سال تک کام کیا۔ بعدۂ آپ کو لائبیریا تبدیل کر دیا گیا، جہاں دو سال مزید کام کرنے کے بعد آپ ۱۹۶۰ء میں واپس ہوئے۔ ۱۹۶۲ء میں آپ کو ملائیشیا اور ۱۹۷۰ء میں جزائر فجی بھجوایا گیا۔ ۱۹۷۶ء میں آپ ریٹائر ہوئے۔

''روح پرور یادیں''، جس میں آپکے علاوہ دیگر بہت سے مبلغین سلسلہ کے ایمان افروز واقعات درج ہیں، آپ ہی کے رشحات قلم کی مرہون منت ہے۔

☆ ☆ ☆

سیرالیون کی خانہ جنگی کے دوران
نشانات الٰہیہ کا ظہور

دہریت کے اس تاریک دور میں مامور من اللہ کا تیار کردہ روحانی حصار عافیت سارے عالم میں کیا کیا معجزے دکھا رہا ہے، یہ واقعات جیسا کہ اسی مامور من اللہ کے چوتھے جانشین، حضرت مرزا طاہر احمدؒ، نے جلسہ سالانہ انگلستان منعقدہ ۱۹۹۹ء و ۲۰۰۰ء، کے مواقع پر بیان فرمائے، ان بیشمار نشانات میں سے چند ہیں، جو غلامان احمد کے وجودوں میں عالمگیر پیمانے پر دنیا کے ہر ملک اور ہر خطۂ زمین میں خارق عادت طور ظاہر ہو کر اللہ تعالیٰ کے جلال کو ظاہر کر رہے اور جماعت کی ترقی کا موجب بن رہے ہیں۔ چنانچہ سیرالیون کی گذشتہ خانہ جنگی کے دوران جبکہ باغی اور حکومت کے فوجی اپنے ہی ملک کے لوگوں کو بلا تمیز مذہب وملت چن چن کر ہلاک کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے وہاں افریقی احمدیوں کے لئے ایسے ایسے نشان دکھائے اور ایسے حیرت انگیز رنگ میں ان کی جانوں اور اموال کو محفوظ رکھا کہ انہیں دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ان میں سے چند واقعات بطور نمونہ درج ذیل کئے جاتے ہیں

دسواں نشان الٰہی

''گولہ عین تکیے کے اوپر آن گرا''

ایک مقامی معلم ہارون جالوہ کا معجزانہ بچاؤ

اس سلسلے میں حضورؒ نے ایک مقامی داعی الی اللہ، مکرمی ہارون جالوہ، کا واقعہ پیش کرتے ہوئے بتایا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے گویا اپنا ہاتھ رکھ کر انہیں ایک یقینی ہلاکت سے بال بال بچالیا۔ حضورؒ نے فرمایا:

''جب سیرالیون میں مکینی پر قبضہ کرنے کے لئے باغیوں اور حکومت کے درمیان جنگ جاری تھی، تو ایک رات وہ تہجد کی نماز کے لئے اٹھے اور وضو کر کے نماز شروع کر دی۔ ابھی انہیں مصلے پر کھڑے ہوئے بیس پچیس منٹ ہی گذرنے پائے تھے کہ انکے بستر پر ان کے تکیے کے قریب عین اس جگہ پر جہاں انہوں نے سر رکھا ہوا تھا، گولی آن کر لگی۔ اس طرح خدا تعالیٰ نے تہجد کی برکت سے اس داعی الی اللہ کی جان بچالی۔ فالحمد للہ علی ذٰلک!''

(بحوالہ الفضل انٹرنیشنل، لندن، یکم اکتوبر ۱۹۹۹ء)

.........☆.........

تعارف: مکرمی ہارون جالوہ صاحب ایک کامیاب مبلغ سلسلہ کے طور پر زندگی گزارنے کے بعد حال ہی میں وفات پا گئے ہیں۔ چنانچہ بتاریخ ۲۲ رستمبر ۲۰۰۶ء، بروز جمعہ، بعد نماز جمعہ، حضرت امیرالمؤمنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے بیت الفتوح لندن میں ان کی نماز جنازہ غیب پڑھائی۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین!

☆ ☆ ☆

گیارہواں نشان الٰہی
''اکتالیسواں نمبر''
احمدی معلم کی برکت سے جانیں محفوظ رہیں

اسی جلسہ سالانہ انگلستان کے موقع پر سیرالیون کے ایک اَور مقامی مبلغ، عبدالکریم بنگورا، کی حفاظت سماوی کا واقعہ بھی احمدیت کی اعجازی برکات کے زندہ نشان کے طور پر بیان کرتے ہوئے حضور نے فرمایا:

''عبدالکریم صاحب بنگورا، لوکل مبلغ سیرالیون، کو باغیوں نے پکڑ لیا اور کثیر تعداد میں لوگوں سے سامان اٹھوا کر پیدل مشاکا تک لے گئے، جو فری ٹاؤن سے چالیس میل دور ہے۔ وہاں جا کر انہوں نے کہا کہ لائن بنانی شروع کرو، تمہیں اجرت ادا کرنی ہے۔ اور پہلے چالیس آدمیوں کو کہا کہ آگے آؤ۔ اور پھر ان سب کو گولیاں مار کر ہلاک کر دیا''

اِدھر باغیوں نے چالیس میل دُور تک لوگوں سے سامان اٹھوا کر لانے اور اس قدر مشقت میں ڈالنے کے بعد انہیں اس خدمت کا یہ صلہ یہ دیا کہ انہیں ایک لائن میں کھڑا کر کے گولیوں سے اڑانا دیا۔ اُدھر حضرت مہدی علیہ السلام کے غلام کی خوش بختی دیکھیئے کہ جونہی ان کی باری آئی، خدا کے ملائکہ نے ظالموں کا ہاتھ روک دیا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ اعجازی تقدیر کیسے نازل ہوئی، اس کے متعلق حضور نے فرمایا:

''ہمارے معلم کا نمبر ۴۱واں تھا۔ اُس وقت باغیوں کے لیڈر نے پوچھا کہ تم میں سے کون ہے، جو کل ہمیں جمعہ پڑھائے گا۔ ہمارے معلم نے، جن کا نمبر ۴۱واں تھا کہا، میں جماعت احمدیہ کا ممبر ہوں، میں جمعہ پڑھاؤں گا۔ اس پر ان کو اور دوسروں کو سب کو چھوڑ دیا گیا۔ اس طرح ان کی برکت سے جو پیچھے تھے، وہ بھی سارے کے سارے بچ گئے''

آگے یہ کہ اس احمدی معلم کا باغیوں کو جمعہ پڑھانا کس طرح اس کی مالی منفعت اور بالآخر اس کے ان کے چنگل سے چھٹکارا پانے کا موجب بن گیا، حضور فرماتے ہیں:

''دوسرے دن ہمارے معلم نے اپنے خطبہ جمعہ میں اخوت اور بھائی چارے کے عنوان پر خطبہ دیا، جس کا باغیوں کے سردار پر بہت گہرا اثر ہوا۔ اس نے خوش ہو کر ہمارے مبلغ کو بیس ہزار لیون دیئے۔ اس کے بعد موقع پا کر ہمارے یہ معلم وہاں سے نکل آئے اور پھر نو دن پیدل چل کر فری ٹاؤن پہنچ گئے''

بارھواں نشان الٰہی

''ہاتھ مت کاٹو''

سیرالیون میں قدرت خداوندی کا دوسرا نشان

اسی طرح سیرالیون کے ایک اورنوجوان احمدی طالب علم کے حق میں نازل ہونے والی تائید خداوندی کا ذکر کرتے ہوئے حضور رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے اور اسکے وجود کی برکت سے اس کے دوسرے ساتھیوں کوظلم کا نشانہ بننے سے بچالیا۔حضور نے فرمایا:

''سیرالیون یونیورسٹی کے ایک طالب علم محمود کوکا صاحب کو باغیوں نے پکڑ لیا اور بعض دوسرے سولین کے ساتھ ایک قطار میں کھڑا کر دیا اور باری باری ہاتھ کاٹنے شروع کر دیئے۔وہ ہر آدمی سے پوچھتے جاتے کہ کہاں سے ہاتھ کٹوانا ہے۔آگے وہ بیچارہ جس جگہ سے کہتا،اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا۔اس طرح آٹھ آدمیوں کے ہاتھ کاٹ دیئے گئے۔احمدی طالبعلم کا نواں نمبر تھا۔جب ان کی باری آئی،تو یکدم باغیوں کے ساتھی نے آواز دی کہ کمانڈر کہتا ہے،ہاتھ مت کاٹو،تمہیں ہاتھ کاٹنے کا کس نے کہا۔چنانچہ کمانڈر کے حکم پر باقی لوگوں کے ہاتھ نہ کاٹے گئے۔اس طرح پر محمود کوکا صاحب اور انکے پیچھے جتنے لوگ تھے، ان سب کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بچالیا''

(بحوالہ الفضل انٹرنیشنل،لندن،یکم اکتوبر ۱۹۹۹ء)

☆ ☆ ☆

تیرھواں نشان الٰہی

”مَیں احمدیہ جماعت کا مبلغ ہوں“

صرف رسید دکھانے سے جان بچ گئی

جب اللہ تعالیٰ بچانے پر آتا ہے، تو اپنی رحمت سے کوئی نہ کوئی وسیلہ پیدا کر دیتا ہے۔ ذیل میں آسمانی حفاظت کا اسی نوعیت کا ایک ایسا واقعہ پیش کیا جاتا ہے، جس میں سیرالیون کے ایک اَور لوکل احمدی معلم کی جان صرف اس لئے بچ گئی کہ وہ مامور من اللہ کا ایک ادنی غلام تھا۔ یاد رہے، سیرالیون کی گذشتہ شدید خانہ جنگی، جس میں دونوں اطراف کے فوجی اپنے ہی ملک کے لوگوں کو بلا دریغ قتل کر رہے تھے، اس میں کسی کے احمدی یا غیر احمدی ہونے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا، کیونکہ دونوں متحارب پارٹیوں کا مقصد خوف وہراس پیدا کرنا اور اپنی طاقت کا سکہ جمانا تھا۔ مگر جیسا کہ گذشتہ امثلہ میں بتایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے مامور کے نام کی عزت کی خاطر نشان پر نشان دکھاتا چلا جا رہا تھا۔ چنانچہ ذیل کا واقعہ بھی، جو حضورؒ نے ایک نشان کے طور پر بیان فرمایا، احمدیت کی اسی امتیازی شان کو ظاہر کر رہا ہے، حضور نے فرمایا:

”سیرالیون کے ایک لوکل معلم، الفا کروما صاحب، مشا کا میں متعین ہیں۔ ان کا پورا قصبہ جلا دیا گیا تھا۔ وہ بتاتے ہیں کہ زندگی کا کوئی امکان نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے صرف احمدیت کے صدقے حفاظت فرمائی۔ باغیوں سے بچ نکلے تو سی۔ ڈی۔ ایف (حکومت کا دفاعی دستہ) نے پکڑ لیا کہ تم باغی ہو۔ میں نے بتایا کہ میں احمدیہ جماعت کا مبلغ ہوں۔ انہوں نے ثبوت مانگا، جو نہیں تھا۔ اس پر مجھے مار دینے کی دھمکی دی۔ میں نے کہا کہ صرف رسید بک (وہ ننھی سی رسیدوں والی کاپی، جس پر مقامی ممبران جماعت سے چندے وصول کر کے رسید کاٹ کر دیجاتی ہے۔ ناقل) ثبوت کے طور پر ہے، وہ پیش کر سکتا ہوں۔ وہ رسید بک جو دکھائی تو اس پر انہوں نے مجھے چھوڑ دیا“

(بحوالہ الفضل انٹرنیشنل، لندن، یکم اکتوبر ۱۹۹۹ء)

☆ ☆ ☆

چودھواں نشان الٰہی

''یہاں تو السلام علیکم کے سوا اور کچھ نہیں''

احمدیت کی برکت کا ایک اَور نشان

سیرالیون میں افریقی احمدیوں کے حق میں ظاہر ہونے والا ایک اَور حیرت انگیز نشان وہاں کی احمدیہ جماعت کے امیر، مولانا طارق محمود جاوید صاحب، نے بھی بیان فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں

''جب ۶ جنوری ۱۹۹۹ء کو باغی شہر فری ٹاؤن میں داخل ہوئے، تو انہوں نے ہر طرف تباہی مچادی۔ جو بھی سامنے آتا، اسے گولی مار دیتے۔ اس کے ساتھ وہ مکانوں کو بھی جلاتے چلے جارہے تھے۔ اس دوران وہ مار دھاڑ کرتے ہوئے احمدیہ مسجد گوری اسٹریٹ بھی پہنچ گئے۔ وہاں پر کافی احمدی پناہ لئے ہوئے تھے''

اب باغیوں کے لئے تو برابر تھا کہ سامنے آنیوالا کس مذہب وملت سے تعلق رکھتا ہے۔ ان کا مقصد تو خوف و ہراس پیدا کرنا اور اپنی طاقت کا سکہ جمانا تھا۔ اور اس کیلئے یہ ایک عمدہ موقع تھا، مگر خدا تعالیٰ نے اپنے مامور کے غلاموں کو یہاں بھی بچانے کے لئے اپنے قادرانہ تصرف کا ایک عجیب نشان دکھایا۔ اس بارے میں مکرم مولانا موصوف رقمطراز ہیں:

''جیسے ہی وہ لوگ مسجد میں داخل ہوئے، احمدی احباب آگے بڑھے اور انہوں نے بلند آواز سے السلام علیکم ورحمة الله و برکاته کہہ کران کا استقبال کیا۔ باغی یہ سن کر جہاں تھے، وہیں کھڑے ہو گئے اور پھر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے: 'چلو، واپس چلو، یہاں تو صرف السلام علیکم ہی ہے، اسکے سوا کچھ نہیں'۔ اور اس طرح آنحضور ﷺ کے ارشاد کہ 'آپس میں سلام کہو، اس سے محبت بڑھتی ہے'، کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مسجد میں پناہ لینے والے تمام احمدیوں کو محفوظ رکھا، بلکہ ان کی برکت سے مسجد سے ملحقہ مکانات کو بھی جلنے سے بچالیا''

(بحوالہ انٹرنیشنل الفضل، مورخہ ۱۸؍فروری ۲۰۰۰ء)

☆ ☆ ☆

پندرھواں نشان الٰہی

''میں احمدی ہوں''

احمدیت کی برکت سے جان و مال محفوظ رہا

اس سلسلے کا آخری وقعہ سیرالیون کے ایک معزز افریقن احمدی دوست، پا سلیمان مانسرے، سے تعلق رکھتا ہے، جو بتاتا ہے کہ صرف احمدیت کی برکت سے ان کی جان بھی سلامت رہی اور مال بھی محفوظ رہا، ورنہ باغی ان تک پہنچ چکے تھے اور آن کی آن میں ان کا کام تمام کرنے والے تھے۔ اسکی تفصیل بتاتے ہوئے پا سلیمان صاحب، جو اس وقت فری ٹاؤن کی جماعت کے صدر تھے، بیان کرتے ہیں کہ:

''٦ جنوری ۱۹۹۹ء کو جب باغی شہر فری ٹاؤن (Freetown) میں داخل ہوئے تو انہوں نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے دروازے کی جھری سے دیکھا تو انکے ہاتھوں میں چھریاں اور ٹوکے تھے۔ اتنی دیر میں وہ دروازہ توڑ کر اندر آ گئے۔ میں نے انہیں بتلایا کہ میں یہاں جماعت احمدیہ کا صدر ہوں۔ دیوار پر سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفاء کی تصاویر تھیں۔ میں نے انہیں بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں امن قائم کرنے آئے تھے اور اب یہ کام ان (یعنی حضرت مسیح موعودؑ) کے ذریعے سرانجام پا رہا ہے۔ اگر لوگ سیدنا امام مہدیؑ کو مان لیں، تو امن قائم ہوسکتا ہے۔ اور یہ سارا فساد ان کے انکار کی وجہ سے دنیا میں ہو رہا ہے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ تمہارے پاس کتنی رقم ہے۔ میں نے کہا، پچیس ہزار لیون میرے پاس ہیں۔ ایک نے کہا، اس سے رقم لے لو۔ دوسرے نے کہا، نہیں رہنے دو۔ اس طرح وہ لوگ کسی قسم کا نقصان پہنچائے بغیر واپس چلے گئے۔ فالحمدللہ''

(بحوالہ الفضل انٹرنیشنل، لندن، مورخہ ۸ ستمبر ۲۰۰۰ء)

اس واقعہ سے بھی یہ ایمان افروز حقیقت سامنے آتی ہے کہ احمدیت کی برکات بارش کی طرح سارے عالم پر نازل ہو رہی ہیں اور اسے قبول کرنے والا ایک ایسے روحانی قلعے میں داخل ہو جاتا ہے، جہاں اسے اپنے جان و اموال کی حفاظت کی ضمانت مل جاتی ہے۔ یہ واقعہ بھی انہی ایام کا ہے، جب فری ٹاؤن میں ایک خونریز خانہ جنگی کا سلسلہ جاری تھا اور باغی ہر شخص کو بلا تفریق مذہب و ملت قتل کر رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

سولھواں نشان الٰہی

''خدا نے انہیں ہماری مدد کے لئے بھیجا ہے''

غانا میں خدائی حفاظت و نصرت کا نشان

سلسلہ کے ایک فدائی مبلغ اور بستانِ احمد کے ایک تابندہ پھول، حضرت مولانا عبدالمالک خان صاحب، نے بھی اپنے غانا (مغربی افریقہ) کے قیام کے دوران پیش آنے والا حفاظتِ سماوی کا ایک نرالا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ آپ کماسی شہر (Kumasi) میں بطور مبلغ متعین تھے کہ ایک تبلیغی سفر سے واپسی کے دوران آپ کو یہ واقعہ پیش آیا۔ اسکی تفصیل پر سے پردہ اٹھاتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

''غانا میں ایک بار مَیں اپنے تبلیغی سفر کے بعد رات کو اپنے ایک مقامی دوست کے ہمراہ کماسی واپس آرہا تھا کہ کار کا ٹائر پھٹ گیا۔ ٹائر بدل کر ہم دوبارہ سفر پر روانہ ہوئے۔ بیس پچیس میل چلے ہوں گے کہ دوسرا ٹائر بھی پھٹ گیا، جس کا مطلب یہ تھا کہ اب آگے جانے کی کوئی صورت نہ تھی۔ ابھی ہم اسی سوچ میں ہی تھے کہ کیا کِیا جائے کہ اچانک جنگل میں سے دو آدمی نکل کر ہماری طرف بڑھنے لگے۔ ان کے ہاتھوں میں خنجر تھے اور ان کا تعلق خونخوار قبائل سے معلوم ہوتا تھا۔ ان کے چہروں سے وحشت ٹپک رہی تھی اور ان کے خنجر بھی چاندنی رات میں خوب چمک رہے تھے۔ اس خوفناک صورت حال میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے ہوش و حواس قائم رکھنے کی توفیق دی''

پھر آپ کی اُن خونخوار ڈاکوؤں سے جو گفتگو ہوئی اور اس کے نتیجے میں جس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں آپ کے لئے موجبِ رحمت بنا دیا، اس کا حال بتاتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

''اب اللہ تعالیٰ کی تائید کا کرشمہ دیکھئے کہ جو دشمن خنجر اٹھائے ہمارا خون بہانے اور ہمیں لوٹنے کے ارادہ سے آیا تھا، اللہ تعالیٰ نے اسی کے دل کو موم کر کے ہمارے لئے اس میں محبت اور ہمدردی پیدا کر دی۔ وہ دونوں باپ بیٹا تھے۔ مَیں نے اپنے ساتھی، مکرم عبدالواحد صاحب، ریٹائرڈ پولیس آفیسر، کی مدد سے انہیں بتایا کہ ہم جماعت احمدیہ کے مبلغ ہیں، ہزاروں میل دُور سے آپ کو اسلام کا محبت بھرا صلح کا پیغام پہنچانے کیلئے آئے ہیں۔ اس وقت بھی ہم ایک تبلیغی سفر پر گئے ہوئے تھے کہ یہ مصیبت پیش آگئی ہے۔ اور پوچھا، کیا

آپ اس میں ہماری کچھ مدد کر سکتے ہیں؟ اس پر باپ کی مکرم عبدالواحد صاحب کے ساتھ مقامی زبان میں جو گفتگو ہوئی، اس کا خلاصہ عبدالواحد صاحب نے یہ بتایا کہ ایک تو وہ مجھ سے آپکی بات کی تصدیق کرنی چاہتا تھا۔ دوسرے اس نے آپ کو خوش آمدید کہا ہے۔ ہماری باتیں سننے کے بعد اس نے اپنے بیٹے کو کہا کہ ابھی دونوں ٹائر کندھے پر اٹھاؤ اور قریبی گاؤں سے مرمت کروا کے لاؤ''

فرماتے ہیں، مَیں نے لڑکے کے ہاتھ پر پانچ پونڈ رکھ دیئے۔ مکرم عبدالواحد صاحب کہنے لگے، آپ نے جلدی کی ہے۔ ممکن ہے، یہ آدمی ہمیں دھوکہ دے جائیں۔ مَیں نے کہا، ابھی آپ بتا رہے تھے کہ یہ خطرناک معلوم ہوتے ہیں، مگر انہوں نے ہمیں خوش آمدید کہا ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں، خدا نے انہیں ہماری مدد کیلئے بھیجا ہے، ورنہ رات کے وقت ہم کہاں جاتے۔ اور عملاً بھی یہی ہوا کہ جب تک بیٹا واپس نہیں آیا، باپ ہماری مہمان نوازی کرتا رہا۔ اس نے اپنی جھولی سے ایک بڑا سا اناناس نکالا اور اسی خنجر سے جس سے وہ مارنے کی نیت رکھتا تھا، اسے کاٹ کاٹ کر کے خود بھی کھایا اور ہم دونوں کو بھی کھلایا۔ رات ساڑھے تین بجے وہ نوجوان دونوں ٹائر مرمت کروا کر لے آیا۔ مَیں نے پھر انہیں دو پونڈ دیئے اور شکریہ ادا کرنے کے بعد انہیں اپنے مشن کماسی میں آنے کی دعوت دی۔ آگے فرماتے ہیں:

''جس محبت سے اس نے ہماری مہمان نوازی کی، وہ ناقابل فراموش ہے۔ اس واقعہ نے میری طبیعت پر ہی نہیں، عبدالواحد صاحب کی طبیعت پر بھی بڑا گہرا اثر کیا اور وہ کہنے لگے، واقعی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی غیر معمولی رنگ میں مدد کرتا ہے''

(خلاصہ بیان از ''روح پرور یادیں'' ص ۸۶۔۸۸)

☆

تعارف: مولوی عبدالمالک خان صاحب مرحوم، حضرت بانی سلسلہ علیہ السلام کے ایک صحابی، حضرت مولانا ذوالفقار علی خان صاحبؓ کے صاحبزادے تھے۔ ۱۹۱۱ء میں پیدا ہوئے۔ مولوی فاضل پاس کرنے کے بعد آپ نے اپنی زندگی وقف کر دی اور لکھنؤ، آگرہ اور حیدرآباد دکن، وغیرہ میں بطور مربی سلسلہ کام کرتے رہے۔ تقسیم ملک کے بعد آپکو کراچی میں متعین کیا گیا۔ اکتوبر ۱۹۶۰ء سے اپریل ۱۹۶۴ء تک آپ نے غانا میں رہ کر تبلیغ اسلام کی سعادت حاصل کی۔ مذکورہ واقعہ اسی دوران کا ہے۔ ۱۹۶۹ء میں آپ مرکز سلسلہ ربوہ میں ناظر اصلاح وارشاد مقرر ہوئے اور تاحیات اس عہدہ جلیلہ پر فائز رہے۔

سترھواں نشان الٰہی
''موت جنگل میں دھکیل دی گئی''

ایک اور مربی سلسلہ حفاظت سماوی کے سائے میں

مذکورہ بالا ہر دو واقعات کے مماثل مگر اپنی ذات میں بالکل انوکھا اور نرالا واقعہ سلسلہ کے مربی، مکرم برادرم مولوی عبدالوہاب احمد صاحب شاہد، نے بھی بیان فرمایا ہے۔ عظیم قدرتوں والے خدا کی بے انداز قدرتوں اور طاقتوں کا مظہر یہ واقعہ، جو افریقہ کے جنگلات میں سفر کرتے ہوئے ان کے ذاتی مشاہدہ میں آیا، ان ایام کا ہے، جب آپ تنزانیا (مشرقی افریقہ) میں اعلاء کلمۃ اللہ کا مقدس فریضہ ادا کر رہے تھے۔ آپ فرماتے ہیں:

''مَیں تنزانیا (ایسٹ افریقہ) میں نیا نیا پہنچا تھا کہ ایک دفعہ رات تین بجے مجھے مجبوراً ایک سفر پر جانا پڑا۔ مجھے میڈا (Mmeda) سے کیٹنگاری (Kitangari) تک کا تقریباً آٹھ دس میل کا سفر پیدل کرنا تھا اور پھر بس میسر آنی تھی۔ میں جنگل میں رواں دواں تھا کہ یکدم دو ڈاکو تلواریں لہراتے اور للکارتے ہوئے نمودار ہوئے۔ میں نے جلدی سے کلمہ طیبہ اور سورۃ یٰسین کی آیات پڑھ کر درود شریف کا ورد کرنا شروع کر دیا۔ اس کیساتھ ہی دعا: رَبِّ کُلُّ شَیۡءٍ خَادِمُکَ، رَبِّ فَاحۡفَظۡنِی وَانۡصُرۡنِی وَارۡحَمۡنِی [ا] پڑھنے اور دنیا کو الوداعی نظروں سے دیکھنے لگا۔ کیونکہ ڈاکوؤں کا مقصد لُوٹنے سے زیادہ ایک غیر ملکی کو قتل کرنا ہوتا ہے۔ اس اثنا میں وہ ڈاکو پیچھے سے میرے قریب آ چکے تھے۔ انہوں نے آتے ہی مجھ پر تلواریں سونت لیں۔ ان کی تلوار مجھ پر پڑنا ہی چاہتی تھی کہ میرے منہ سے ایک چیخ نکلی کہ اے پیارے مولیٰ! مجھے اپنی گود میں لے لے۔ اسی لمحہ یعنی جونہی میری زبان سے یہ الفاظ نکلے، میری آنکھوں کے سامنے قدرتِ خداوندی کا ایک عجیب منظر پیدا ہوا۔ میں نے دیکھا کہ کسی غیر مرئی طاقت نے ان ڈاکوؤں کو اٹھا کر آگے کی طرف پھینک دیا ہے۔ اور

[ا] یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک الہامی دعا ہے جسکے بارے میں حضورؑ فرماتے ہیں:
''یہ دعا ایک حرز اور تعویز ہے..... میرے دل میں ڈالا گیا کہ یہ اسم اعظم ہے۔ اور یہ وہ کلمات ہیں کہ جو اسے پڑھیگا، ہر ایک آفت سے اسے نجات ہوگی''

جب وہ آگے سے حملہ آور ہوئے، تو اسی غیر مرعی چیز نے انہیں اٹھا کر دوبارہ میرے پیچھے کی طرف پھینک دیا۔ اور جب وہ دوسری بار پیچھے سے حملہ کرنے لگے، تو پھر آگے کی طرف پھینک دئے گئے۔ یہ سلسلہ اسی طرح کوئی پندرہ بیس منٹ تک جاری رہا۔ یہاں تک کہ وہ غیر مرئی چیز انہیں دھکے دے دے کر جنگل کی طرف لے کر چلی گئی، اور اس طرح وہ دونوں ڈاکو میری نظروں سے بالکل غائب ہو گئے''

مکرم مولانا عبدالوہاب صاحب آگے یہ بتاتے ہوئے کہ وہ غیر مرعی چیز کیا تھی، فرماتے ہیں:

''یقیناً وہ اللہ کی ذات بابرکات کے سوا کچھ نہ تھی، جس نے اس جنگل بیابان میں ایک خاک پائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیح پاک اور مہدیؑ کے ایک ادنیٰ غلام کے لئے لق و دق جنگل میں ابھرنے والی موت کو سلامتی میں بدل دیا۔ اپنے قادر و محی خدا کی قدرت کا یہ نشان دیکھ کر مجھے مسیح پاک علیہ السلام کا یہ شعر یاد آ گیا کہ

قدرت سے اپنی ذات کا دیتا ہے حق ثبوت
اس بے نشاں کی چہرہ نمائی یہی تو ہے

(بحوالہ الفضل انٹرنیشنل، لندن، ۱۳ جون ۲۰۰۳ء)

.......☆.......

نوٹ: مکرم برادرم مولانا عبدالوہاب احمد صاحب کا تعارف پانچویں باب کے اندر آپ ہی کے بیان کردہ ایک واقعہ ''تیرھواں نشان'' کے تحت کروایا جا چکا ہے۔ آپ نے یہ واقعہ خاکسار راقم الحروف کو زبانی بھی سناتے ہوئے اس بارے میں مزید یہ بتایا کہ تنزانیا کے مبلغ انچارج صاحب نے جب آپ کو مٹوارہ ریجن میں نیا مشن کھولنے کیلئے بھجوایا، تو آپ نے وہاں پہنچ کر ارد گرد کے احمدی احباب کی ایک میٹنگ بلائی۔ اس سے ایک دن قبل ہی آپکو ایک ضروری کام کے سلسلہ میں قصبہ میڈا میں جانا پڑا۔ چونکہ آپ کا اسی دن واپس آنا ضروری تھا اور فوری طور پر کوئی موٹر وغیرہ بھی میسر نہ تھی، لہٰذا آپ ایک مقامی دوست کو ساتھ لیکر رات کو ہی پیدل چل پڑے کہ یہ واقعہ پیش آ گیا۔

☆ ☆ ☆

اٹھارھواں نشان الٰہی

''تھوڑی دیر کیلئے میرے گھر تشریف لے چلیں''

ایک داعی الی اللہ کی غیبی حفاظت کا سامان کیسے ہوا

حفاظت غیبی کا ذیل کا واقعہ بھی مکرم مولانا عبدالوہاب صاحب نے بیان فرمایا ہے۔آپکی ذات کے ساتھ بیتا ہوا یہ واقعہ اُس وقت کا ہے، جب آپ دس سال تک مشرقی افریقہ میں اعلاء کلمۃ اللہ کا فریضہ ادا کرنے کے بعد واپس پاکستان تشریف لا چکے تھے۔آپ فرماتے ہیں کہ

''۱۹۸۸ء میں جماعت ہائے احمدیہ ضلع اوکاڑہ کے ہونے والے متبادل جلسہ [۱] میں بطور مرکزی نمائندہ شرکت کی سعادت پانے اور جلسہ کے اختتامی اجلاس میں صدارتی فرائض سرانجام دینے کے بعد جب خاکسار مکرمی امیر صاحب ضلع اور دیگر احباب جماعت کی معیت میں بسوں کے اڈہ پر پہنچا، ویگن بھی تیار تھی ،تو ٹکٹ لینے سے پہلے اچانک ایک دوست بول اٹھے کہ تھوڑی دیر کیلئے میرے غریب خانہ پر تشریف لے چلیں اور اگلی وین پر چلے جائیں۔اور زور دے کر کہنے لگے کہ میری اور میرے بچوں کی بھی شدید خواہش ہے کہ خواہ چند منٹ کیلئے ہی سہی ، ہمارے گھر ضرور تشریف لے آئیں''

فرماتے ہیں، دل میں خیال تو گزرا کہ پہلے ہی بہت دیر ہوگئی ہے، مگر اس احمدی بھائی کی شدید خواہش کے احترام کے پیش نظر اس پہلی ویگن کو چھوڑ دیا گیا۔پھر اس دوست کی خواہش کی تعمیل کرنے کے بعد جب آپ دوسری ویگن پر سوار ہو کر سمندری پہنچے،تو فرماتے ہیں:

''سمندری پہنچنے پر معلوم ہوا کہ اس سے پہلی ویگن کو سمندری سے کچھ فاصلہ پر ڈاکوؤں نے لُوٹ لیا تھا۔تب اس احمدی دوست کے اس قدر اصرار کے ساتھ ہمیں روکنے کی حکمت سمجھ میں آئی۔گویا وہ ایک الٰہی تحریک تھی، جو خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے اپنے ایک بندہ کو ڈاکوؤں کی دست برد سے بچانے کیلئے اس احمدی دوست کے دل میں ڈالی تھی۔چنانچہ اس کا علم ہونے پر جسم کا ذرہ ذرہ خدا کی حمد سے لبریز ہو گیا،اور اس کے ترانے گانے لگا، فَالحَمدُ لِلّٰه عَلٰى ذٰلک''

(مکتوب نمبر ۱۱۴، مورخہ ۱۲ر دسمبر ۲۰۰۴ء)

انیسواں نشان الٰہی

''موت کا وار خالی چلا گیا''

ایک داعی الی اللہ خدائی حفاظت میں

اب مغربی افریقہ کے ملک غانا (قدیم نام، گولڈ کوسٹ) میں کام کرنے والے ایک مجاہد اسلام کا اسی طرح کا بیان کردہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے، جو بتاتا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی ایک خونخوار جنگلی آدمی کے ضرر سے معجزانہ رنگ میں محفوظ رکھا۔ واقعہ کے راوی، مکرم مولانا نذیر احمد صاحب مبشر ہیں، جو سالہا سال تک غانا میں امیر و مشنری انچارج کے طور پر کام کرتے رہے۔ آپ اپنے ایک تبلیغی سفر کے دوران اپنے ساتھ بیتا ہوا یہ واقعہ بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''ایک مرتبہ ۱۹۴۱ء میں تبلیغی دورہ کے سلسلہ میں خاکسار کو گھانا کے علاقہ 'گومو واہ' کے ایک گاؤں ''اباؤ کہہ'' جانا پڑا۔ اس گاؤں تک پہنچنے کیلئے ایک دریا عبور کرنا پڑتا تھا۔ جاتے ہوئے تو ہمیں کشتی مل گئی، مگر واپسی پر میری رہنمائی کیلئے جو احمدی نوجوان میرے ساتھ تھا، وہ دریا کے اصل گھاٹ کا راستہ بھول گیا اور ہم جنگل میں گھومتے ہوئے دریا پر ایک ایسی جگہ پہنچ گئے، جہاں گھاٹ نہیں تھا۔ چنانچہ وہ مجھے کہنے لگا، آپ میرا یہاں انتظار کریں، میں گھاٹ کا پتہ چلاتا ہوں۔ اور پھر وہ مجھے اکیلا چھوڑ کر گھاٹ کی تلاش میں چلا گیا''

آگے فرماتے ہیں:

''میں عین دریا کے اوپر اپنا سوٹ کیس اور چھتری سنبھالے ہوئے بیٹھا تھا کہ اتنے میں نائجیریا (Nigeria) کا ایک باشندہ جنگل سے نمودار ہوا۔ اس کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ وہ دریا کے شمالی جانب تھا اور میں اس سے پانچ دس گز کے فاصلے پر دریا کے بہاؤ کی جانب جنوب کی طرف تھا۔ وہ میرے سامنے کھڑا ہاتھ میں خنجر پکڑے میری طرف بغور دیکھ رہا تھا کہ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ہوسکتا ہے، یہ مجھ پر حملہ کرنے کی سوچ میں ہو۔ اس لئے میں ایک دم کھڑا ہو گیا اور اپنی چھتری کو دفاع کے لئے اپنے ہاتھ میں لے لیا، تا کہ اس کے وار کرنے پر کم از کم اس کا پہلا وار تو میں اپنی چھتری کے ذریعہ روک سکوں''

اب افریقہ میں وحشی لوگوں کا یہ حال ہے کہ وہ غیر ملکی سفید فام لوگوں کا قتل ایک پیشہ کے طور پر اور اپنے

وحشی پن کے جذبہ کی تسکین کیلئے کرتے ہیں، نہ کہ صرف انہیں لوٹنے کی غرض سے۔ لہٰذا ان سے جان بچا کر نکلنا عموماً زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ اسی خطرہ کے پیش نظر مکرم مولانا صاحب موصوف فرماتے ہیں:

''اسی اثنا میں اس شخص نے میری طرف پیٹھ پھیر لی۔ پھر چند لمحوں کے بعد جب وہ میری طرف مڑا، تو اس کی آنکھوں میں خون اُترا ہوا تھا، یعنی وہ بالکل سرخ تھیں اور مجھے یقین ہو گیا کہ اب وہ مجھ پر حملہ کرے گا۔ وہ مجھے مخاطب ہو کر انگریزی میں کہنے لگا، کہ تیرے ساتھی کہاں گئے؟ میں نے فوراً اسے انگریزی میں زوردار آواز میں گرج کر جواب دیا کہ وہ یہیں ہیں۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ جونہی میں نے یہ کہا، تو جنگل سے میرے ساتھی نوجوان کے بھاگتے ہوئے آنے کی آواز آئی، جسے سن کر وہ نائجیرین شخص فوراً جنگل میں غائب ہو گیا اور مجھے اللہ تعالیٰ نے اس کے شر سے بچا لیا''

آپ مزید بتاتے ہیں کہ وہ جنگلی نائجیرین بعد میں احمدی ہو گیا۔ یہ تو آپ کو علم نہ ہو سکا کہ وہ احمدی کیونکر ہوا۔ البتہ آپ نے اس بارے میں مندرجہ ذیل دلچسپ کہانی بتائی ہے۔ فرماتے ہیں:

''اسکے کچھ عرصہ بعد اسی علاقہ کے ایک افریقن مبلغ، مسٹر یعقوب، 'سالٹ پانڈ' (غانا کی جماعت کا مرکزی دارالتبلیغ۔ ناقل) میں مجھے ملنے آئے۔ تو میں نے یہ واقعہ اور اس جنگلی آدمی کا حلیہ وغیرہ انکے سامنے بیان کیا۔ جسپر انہوں نے مجھے بتایا کہ اس قسم کے حلیہ اور ڈھانچے کا ایک نائجیرین شخص احمدی ہو گیا ہے۔ ممکن ہے، یہ وہی ہو۔ چنانچہ ایک دوسرے موقع پر جب میں دوبارہ 'اباؤ کہہ' گاؤں گیا، تو واقعی میں نے خطبہ جمعہ میں اس شخص کو اپنی مسجد میں اپنے سامنے ہی خطبہ سنتے ہوئے دیکھا۔ تاہم میں نے اسے وہ واقعہ یاد دلانا یا جتلانا مناسب نہ سمجھا اور وہ بھی شرم کے مارے مجھے نہ ملا''

(ملخص از 'روح پرور یادیں'۔ ص ۸۳ تا ۸۴)

☆

تعارف: الحاج مولانا نذیر احمد صاحب مبشر، پہلی بار ۱۹۳۶ء میں گولڈ کوسٹ (گھانا) تشریف لے گئے اور قریباً سوا گیارہ سال تک فریضہ تبلیغ ادا کرنے کے بعد واپس ہوئے۔ جنوری ۱۹۴۹ میں آپ دوسری بار اور جنوری ۱۹۵۵ میں تیسری بار اسی ملک (غانا) میں تشریف لے گئے۔ ۱۹۶۱ میں مرکز سلسلہ میں واپس ہونے پر آپ تا وفات ناظم دارالقضاء سمیت مختلف انتظامی عہدوں پر فائز رہے۔

بیسواں نشان الٰہی

''اگر تیرا یہ مہدی سچا ہے تو........''

لائبیریا میں احمدیت کی برکت کا ایک نشان

اب مغربی افریقہ کے ملک لائبیریا سے تعلق رکھنے والا احمدیت کی برکت کا ایک نشان پیش کیا جاتا ہے۔ یہ اُس وقت کا ہے، جب چند سال قبل وہاں خانہ جنگی ہو رہی تھی اور مسٹر چارلس ٹیلر کی سربراہی میں اٹھنے والی بغاوت کی بازگشت عالمی سطح پر سنائی دے رہی تھی۔ باغی اتنے طاقتور ہو چکے تھے کہ ملک کے ایک بہت بڑے حصہ پر پھیل کر مار دھاڑ کرتے ہوئے وہ دارالحکومت کی طرف بڑھتے چلے آرہے تھے۔ ان کی درندگی اور وحشیت کا یہ عالم تھا کہ اپنے ہی لوگوں کو، جنہیں وہ حکومت کا طرفدار سمجھتے تھے، چن چن کر قتل کر رہے تھے۔ وہاں کے مقامی مسلمان ان کا خاص نشانہ تھے، کیونکہ ان کا خیال تھا کہ وہ حکومت کے ساتھ ہیں اور انکی مخبری کرتے ہیں۔ واقعہ زیر بحث کے راوی، مکرم سردار رفیق احمد صاحب، جنہیں ایک لمبا عرصہ لائبیریا میں جماعت کے تعلیمی اداروں میں بطور ٹیچر خدمات سرانجام دینا کا موقع ملا، فرماتے ہیں:

''اس خانہ جنگی کے دوران، جب باغی مار دھاڑ کرتے ہوئے منروویا کے بالکل قریب پہنچ چکے تھے اور قریب تھا کہ وہ دارالحکومت پر قبضہ کر لیتے، تو اتفاق سے ہمارے مشن کا ڈرائیور، مسٹر محمد کمارا (Mohammad Kumara)، جو احمدی نہ تھا، چند اَور مقامی لوگوں سمیت انکی گرفت میں آ گیا۔ باغی ان سب کو اپنی گاڑی میں بٹھا کر سمندر کے کنارے لے گئے۔ وہاں انہیں لکڑی کے بنے ہوئے ایک جھونپڑے میں بند کر دیا۔ پھر ایک ایک کو باہر نکال کر اور اسے گولیوں کا نشان بنا کر سمندر میں پھینکنا شروع کر دیا۔ مسٹر کمارا اگرچہ احمدی نہ تھے، مگر ایک لمبا عرصہ بطور ڈرائیور جماعت کی خدمت کرتے چلے آرہے تھے، اور انہیں ہمارے مبلغین سے ملنے اور تبلیغی مجالس میں شریک ہونے کا اکثر موقع ملا۔ یوں وہ سلسلہ اور بانیٔ سلسلہ، حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام، کے نام سے اچھی طرح متعارف تھے، مگر تا حال انہیں احمدیت قبول کرنے کی توفیق نہ ملی تھی۔ ان کا بیان ہے کہ

''جب باغی ایک ایک آدمی کو باہر نکال کر قتل کرنے لگے اور مَیں اکیلا رہ گیا، تو اُس وقت مَیں نے دعا کی کہ اے اللہ! مَیں احمدی تو نہیں، مگر مَیں سنتا آیا ہوں کہ حضرت

مرزا غلام احمد قادیانی ، مسیح موعود اور مہدی ہیں۔ اگر وہ سچے ہیں، تو آج مجھے اِس رسوائی کی موت سے بچالے"

وہ بتاتے ہیں کہ میرا یہ دعا کرنا ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسا تصرف فرمایا کہ باغی مجھے اس جھونپڑے کے اندر اکیلا چھوڑ کر بھاگ گئے ۔ یہ سب کچھ کیسے ہوا، اس بارے میں وہ فرماتے ہیں:

"مَیں یہ دعا کر ہی رہا تھا کہ اچانک باغیوں کو کچھ ایسی آوازیں سنائی دیں ، جن سے انہیں خوف پیدا ہوا کہ حکومت کے فوجی آرہے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی جانیں بچانے کیلئے مجھے اس جھونپڑے کے اندر ہی چھوڑ کر موقع سے فرار ہو گئے۔ مَیں کچھ دیر تک تو انکا انتظار کرتا رہا، مگر جب کافی دیر گذر گئی اور انکے واپس آنے کی کوئی آواز سنائی نہ دی، تو مَیں بھی اس جھونپڑے کی چوبی دیواریں توڑ کر باہر نکل آیا اور قریب کے جنگل میں چھپ گیا۔ پھر تین راتیں بغیر کھائے پئے چھپا رہنے کے بعد جب مجھے ہر طرح تسلی ہو گئی کہ باغی دوبارہ نہیں آئیں گے، تو وہاں سے نکلا اور سیدھا اپنے مشن ہاؤس پہنچ گیا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے مہدی اور نائب الرسولؑ کے نام کی لاج رکھ کر مجھے عین اس وقت جبکہ موت میرے سر پر کھڑی منڈلا رہی تھی ، باغیوں کی گولیوں کا نشانہ بننے سے بچالیا"

مکرم سردار رفیق احمد صاحب فرماتے ہیں کہ مشن ہاؤس پہنچ کر مسٹر محمد کمارا نے پہلا کام یہ کیا کہ بیعت فارم پُر کر کے باقاعدہ احمدیہ جماعت میں شمولیت اختیار کر لی۔ آپ کو یہ واقعہ جماعت لائبیریا کے سیکرٹری مال، مسٹر یارٹر، نے لندن پہنچ کر سنایا، جنہوں نے یہ بھی بتایا کہ مسٹر محمد کماران کے سامنے احمدی ہوئے۔ اور احمدی ہونے کے بعد اچھے خاصے مبلغ بن گئے اور ان کی تبلیغ سے بہت سے دیگر افریقن آدمیوں کو احمدیت قبول کرنے توفیق ملی۔

(مکتوب نمبر ۱۰۹، مورخہ ۲۰۰۵-۸-۲۸)

.......☆.........

تعارف: مکرم عزیزم سردار رفیق احمد صاحب، حضرت سردار عبدالرحمٰنؓ (مہر سنگھ) کے پوتے اور ڈاکٹر سردار نذیر احمد صاحب مرحوم کے بیٹے ہیں۔ آپ کو ۱۹۷۳ء تا ۱۹۸۹ء پندرہ سال بطور پرنسپل، نصرت جہان ہائی سکول، لائبیریا، تعلیمی خدمات سرانجام دینے کی سعادت نصیب ہوئی۔ انگلستان میں آپ بطور ڈسپیچ آفیسر، دفتر پرائیویٹ سیکرٹری، نیز نائب سیکرٹری مال جماعت یو۔ کے خدمات بجالانے کے بعد حال ہی میں آپ نے وفات پائی ہے۔

اکیسواں نشان الٰہی

''وہ مٹکا وہیں پڑا رہا''

حفاظت ربانی کا ایک اَور کرشمہ

خدا کے بندوں کے جان و مال کی اللہ تعالیٰ کس طرح حفاظت فرماتا ہے، اس ضمن میں ایک چھوٹا سا مگر دل کو خاص سرور بخشنے والا واقعہ سلسلہ کے ایک بزرگ دوست، ڈاکٹر لعل محمد صاحب نے بھی حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے ایک قدیمی رفیق، حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ، کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ ایکبار جب آپ قادیان تشریف لے گئے، تو واپسی سفر کے لئے:

''۱۰ جنوری ۱۹۳۰ء کو مَیں قادیان سے لکھنؤ کے لئے روانہ ہوا۔ جب میں ریلوے سٹیشن پر پہنچا تو دیکھا کہ حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ ایک مٹکا ہاتھوں میں اٹھائے ڈبوں میں جھانکتے پھر رہے ہیں۔ اور پوچھ رہے ہیں کہ کوئی لکھنؤ جانے والے صاحب بھی ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ میں جا رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا، اس مٹکے میں سات آٹھ سیر گھی ہے، یہ میرے بیٹے عبدالرحمن کو دے دینا، جو لکھنؤ میں پڑھتا ہے۔ میں نے مٹکا لے لیا، تو مولوی صاحب نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور میرے خیریت سے پہنچنے کے لئے دعا کروائی، جس میں، مَیں بھی شریک ہوا''

اب اس دعا کی برکت سے اور اس فرشتہ سیرت انسان کی دی ہوئی امانت کی حفاظت کی خاطر اللہ تعالیٰ نے کیا معجزہ دکھایا، اس کا ذکر کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

''جب میں امرتسر سٹیشن سے دوسری گاڑی میں سوار ہوا، تو رات بارہ بجے کے قریب ایک زبردست دھماکہ ہوا۔ یوں محسوس ہوا، جیسے گاڑی کسی کنوئیں میں گر رہی ہے۔ میں نے درود شریف پڑھنا شروع کر دیا۔ چند ہی سیکنڈ میں وہ کیفیت دور ہوگئی، مگر گاڑی رک گئی اور بجلی بند ہوگئی۔ گارڈ چیخ چیخ کر مسافروں کو باہر نکلنے کے لئے کہہ رہا تھا۔ میں کھڑکی کے راستہ نیچے اترا، تو معلوم ہوا کہ کسی مال گاڑی کے ساتھ ہماری گاڑی کی ٹکر ہوگئی ہے اور میرے ڈبہ سے اگلے والے ڈبے ایک دوسرے میں پیوست ہو چکے ہیں۔ لوگ پھنسے ہوئے تڑپ رہے تھے۔ کچھ دیر بعد مجھے اپنے سامان اور مٹکے کا خیال آیا۔ دیکھا تو حیرت ہوئی کہ دنیا

الٹ پلٹ ہوگئی، مگر مٹکا وہیں پڑا تھا، جہاں رکھا ہوا تھا''

آپ فرماتے ہیں:

''حضرت مولوی صاحب کی دعاؤں کے طفیل اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی ہر طرح سے بچالیا اور ان کی دی ہوئی امانت بھی بالکل محفوظ رہی۔ چند گھنٹے بعد دوسری گاڑی ملی اور میں نے لکھنؤ پہنچ کر گھی والا مٹکا آپ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن کو پہنچا دیا''

(بحوالہ الفضل انٹرنیشنل مورخہ ۱۸ جولائی ۲۰۰۳ء)

..........☆..........

تعارف:۱) حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ ان کبار صحابہ میں سے تھے جنہیں ایک لمبا عرصہ قادیان میں اور حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی پاک صحبت میں زندگی گذارنے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ دینی اور دنیاوی علوم کے اعتبار سے ایک خاص مرتبہ کے حامل تھے۔ اس کے باوجود آپ کی طبیعت میں بہت سادگی تھی اور درویشانہ زندگی بسر کرنا پسند فرماتے تھے، ان کی انہی صفات جلیلہ کی وجہ سے جماعت کے دوست آپ کو ''فرشتہ'' کہہ کر پکارتے تھے۔ آپ کی نمایاں خدمات میں آپ کا انگریزی میں کیا ہوا ترجمہ قرآن کریم اور انگریزی تفسیر القرآن قابل ذکر ہیں۔

☆ ☆ ☆

بائیسواں نشان الٰہی

''اچانک ارادہ بدل دیا''

سلسلہ کے دو کارکنان کے لئے خدائی حفاظت کا نشان

فرشتوں کی تحریک کے نتیجہ میں آسمانی حفاظت میسر آنے کا ایک اَور نشان حال ہی میں قادیان کے دو درویشان، مکرم چودھری مظفر اقبال صاحب چیمہ اور مکرم سید صباح الدین صاحب، کے حق میں بھی ظاہر ہوا، جس کے بارے میں مکرم سید تنویر احمد صاحب، ناظم وقف جدید قادیان، تحریر فرماتے ہیں:

''دفتر وقف جدید کے دو کارکنان مکرم چودھری مظفر اقبال چیمہ صاحب اور مکرم سید صباح الدین صاحب کو دورے پر بھجوایا گیا۔ واپسی پر ان کی سیٹیں دہلی سے امرتسر آنے کے لئے کنفرم تھیں۔ جب یہ دونوں احباب دہلی سٹیشن پر پہنچے، تو روانگی سے کچھ دیر پہلے اچانک انہوں نے اپنا ارادہ بدل دیا اور پھر اپنی سیٹیں کینسل کروائے بغیر اس دن واپس احمدیہ مشن دہلی، واقع تغلق آباد، میں آگئے۔ اُدھر وہی گاڑی جس پر انہوں نے سوار ہونا تھا، راستے میں ایک اَور مسافر گاڑی سے ٹکرا گئی اور اس حادثہ میں سینکڑوں مسافر ہلاک ہوگئے۔ سرکاری اعلامیہ کے مطابق ہلاک شدگان میں اِن دونوں احمدی احباب کا نام بھی شامل تھا، کیونکہ انہوں نے اپنی ریزرویشن کینسل نہیں کروائی تھی اور وہ بوگی، جس میں ان کی سیٹیں تھیں، مکمل طور پر تباہ ہوگئی تھی اور مسافروں کے بچنے کے امکانات نہیں تھے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے معجزانہ رنگ میں ان دو احمدی خادمانِ سلسلہ کو گاڑی میں سوار ہونے سے روک لیا اور اس طرح ان کی جانیں بچالیں''

(بمطابق ہفت روزہ بدر، قادیان، مورخہ جنوری ۱۹۹۷ء)

خاکسار عرض کرتا ہے کہ جولائی ۲۰۰۰ء میں خاکسار اپنے قادیان میں قیام کے دوران مکرم چوہدری مظفر اقبال صاحب چیمہ سے ملا اور ان سے تمام واقعہ زبانی بھی سنا۔ انہوں نے مذکورہ بالا بیان کی تصدیق کرتے ہوئے مزید بتایا کہ ہم نے دہلی سے واپسی کا دن مقرر کر کے پہلے ہی طے کر لیا تھا کہ فلاں گاڑی (فرنٹیر میل) سے اکٹھے واپسی کے سفر پر روانہ ہوں گے اور سیٹیں بھی پہلے ہی بک کروالی تھیں، مبادا کہ وقت پر مشکل پیش آئے۔ چنانچہ میں اپنا حیدر آباد کا دورہ اور مکرم برادرم سید صباح الدین صاحب اپنا بنگلور کا دورہ مکمل کرنے کے بعد حسب پروگرام دہلی

کے ریلوے سٹیشن پر پہنچ گئے۔ ابھی گاڑی میں بیٹھے ہی تھے کہ برادرم صباح الدین صاحب کہنے لگے کہ میرا آج جانے کو جی نہیں چاہ رہا، آپ اکیلے چلے جائیں۔ میں نے کہا، اگرچہ میں گھر پر اپنی آمد کی اطلاع دے چکا ہوں، تاہم میں آپ کے ساتھ ہی جاؤں گا۔ اگر آپ آج نہیں جا رہے، تو میں بھی نہیں جاؤں گا۔ یہ کہہ کر ہم گاڑی سے نیچے اتر آئے اور یہ بھی خیال نہ کیا کہ کل سیٹیں ملیں یا نہ ملیں۔ چنانچہ ہم اپنا سامان کلاک روم میں جمع کرا کر موٹر رکشا کر کے واپس دہلی کے مشن ہاؤس میں پہنچ گئے۔ اگلے دن جب ہم دوبارہ امرتسر جانے کے لئے ریلوے سٹیشن پر آئے، تو ہر ایک کی زبان پر حادثہ کا ذکر تھا۔ ہم نے پوچھا، کون سا حادثہ۔ کس گاڑی کو اور کب پیش آیا؟ تب لوگوں نے بتایا کہ اسی کل والی گاڑی کو حادثہ پیش آیا ہے اور تین چار ڈبے بالکل کچلے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک وہ تھا، جس میں ہماری سیٹیں بک تھیں۔

برادرم سید صباح الدین صاحب نے بعد میں صرف اس قدر اضافہ کیا کہ جب ہم واپس مشن ہاؤس (دہلی) میں جا رہے تھے، تو مَیں یوں محسوس کر رہا تھا، جیسے کوئی بہت بڑا بوجھ دل سے اتر گیا ہو۔ ادھر قادیان میں حادثہ کی خبر ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی مل چکی تھی اور وہ اپنی جگہ پریشان ہو گئے، بلکہ رونے دھونے والی بات ہو گئی اور دہلی فون کرنے لگے۔ جب انہیں پتہ چلا کہ ہم اس گاڑی میں سوار ہی نہ تھے، تو وہاں بھی اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ الحمدلله علیٰ ذٰلک.

☆ ☆ ☆

تیئیسواں نشان الٰہی

”کیسے میرے یار نے مجھ کو بچایا بار بار“

اللہ تعالیٰ نے میری تکلیف کی خبر میری بیوی کو پہنچا دی

مکرم مولانا بشیر احمد صاحب قمر ایک کامیاب داعی الی اللہ ہیں۔ آپ کو پاکستان کے اندر اور بیرونی ممالک میں ایک لمبا عرصہ دعوت الی اللہ کے میدان میں کام کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ آپ نے بھی اپنے غانا (مغربی افریقہ) میں قیام کے دوران کا حفاظت غیبی کا ایک واقعہ تحریر فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں، خاکسار کو پہلی بار ۱۹۷۵ء میں مغربی افریقہ کے ملک غانا (سابق گولڈ کوسٹ) جانے کا موقع ملا۔ اس دوران کا واقعہ ہے کہ

”ایک دفعہ جب خاکسار شمالی علاقہ کے شہر ٹیچمان میں تھا اور بعض مقامی دوستوں کے ساتھ

تبلیغ کے لئے گیا ہوا تھا کہ دھوپ تیز ہونے کی وجہ سے مجھے سن سٹروک ہو گیا، جس سے ضعف ہو گیا۔ گھر واپس آکر رات تو جیسے تیسے گزاری، مگر صبح تک کافی کمزوری ہو چکی تھی۔ چنانچہ وہاں سے ایک فرلانگ کے فاصلے پر واقع اپنے نصرت جہان کے ہسپتال میں ڈاکٹر صاحب کو دکھانے گیا، مگر انہوں نے کوئی اہمیت نہ دی۔ مَیں واپس آ گیا۔ دوپہر تک حالت اتنی نازک ہوگئی کہ چلنا اور اٹھنا بیٹھنا مشکل ہو گیا۔ ڈاکٹر صاحب کو بار بار پیغام بھجوایا ،مگر غالباً وہ وقت نہ نکال سکے یا کیا ہوا۔ اس دوران ضعف اتنا بڑھا کہ مجھے تشنج ہو گیا۔ ہاتھ پاؤں سکڑنے شروع ہو گئے اور آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا۔ اُس وقت مَیں نے اپنا آخری وقت سمجھتے ہوئے مشن کے حسابات کے بارے میں بڑی مشکل سے چند سطور تحریر کر کے اپنے سرہانے کے نیچے رکھ لیں۔ مقامی احمدی حیران تھے کہ ڈاکٹر صاحب کیوں نہیں آ رہے۔ اتنے میں دیکھا کہ ڈاکٹر صاحب مع اپنی بیگم تشریف لا رہے ہیں۔ ان کی بیگم بھی ڈاکٹر تھیں۔ اس وقت مَیں ہوش میں تھا، مگر بات کرنے کی سکت نہ تھی۔ اس حالت کو دیکھ کر ڈاکٹر صاحب بھی پریشان ہو گئے۔ انہوں نے ڈرپ لگانے کی کوشش کی، مگر ڈرپ بھی نہیں لگ رہی تھی۔ کئی جگہوں پر سوئی لگانے کے بعد آخر کامیابی ہوئی۔ اور پھر جب تک ڈرپ لگی رہی دونوں میاں بیوی میرے پاس بیٹھے رہے۔ ڈرپ ختم ہوئی تو تھوڑی دیر کے لئے میری آنکھ لگ گئی۔ مَیں نے خواب میں اپنی بیوی کو دیکھا کہ انہوں نے سبز لباس پہنا ہوا ہے اور بہت خوبصورت اور خوش لگ رہی ہیں۔ اس خواب سے مَیں نے سمجھ لیا کہ اس بیماری سے میری وفات نہیں ہوگی‘‘

ادھر جب آپ کو صحت ہوگئی اور آپ نے اپنی بیوی کو (جو پاکستان میں تھیں) اپنی یہ حالت بتاتے ہوئے خط لکھا، تو فرماتے ہیں:

’’ان کا جواب آیا کہ بالکل اُس دن، جب آپ پر اس بیماری کا حملہ ہوا تھا، مَیں غیر شعوری طور پر بہت بے چین تھی۔ دل تڑپ رہا تھا اور چیخیں مار مار کر رونے کو جی چاہتا تھا۔ اُس حالت میں مَیں بزرگوں کے پاس دعا کی غرض سے گئی۔ ہر ایک نے دعا بھی کی اور مجھے تسلی دی کہ انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور رحمت سے میری

حالت میری بیوی پر ظاہر فرما کر میرے لئے دعا کرنے اور بزرگوں سے دعا کرانے کا سامان پیدا فرما دیا، فالحمد للہ علیٰ ذٰلک''

☆........☆........

تعارف: مکرم مولانا بشیر احمد صاحب قمر، ایک کامیاب داعی الی اللہ ہونے کے علاوہ انتہائی سادہ طبیعت کے مالک اور متوکل انسان ہیں۔ آپ کی شادی بالکل غیبی اسباب سے آپ کی ہونے والی بیوی کی ایک خواب بنا پر ایک شریف اور معزز احمدی خاندان میں ہوئی، جس کا تفصیلی تذکرہ ''درویشان احمدیت'' کی پانچویں جلد میں کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نیک اولاد سے نوازا۔ آپ کے سب سے بڑے صاحبزادے، عزیزم مولانا نصیر احمد صاحب قمر، واقف زندگی ہیں، جنہوں نے جامعہ احمدیہ ربوہ سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد پہلے کچھ عرصہ لندن میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے پرائیویٹ سیکرٹری کے طور پر خدمات سرانجام دیں، اور اس وقت لندن سے نکلنے والے سلسلہ کے اخبار ''الفضل انٹرنیشنل'' کے چیف ایڈیٹر اور ایڈیشنل وکیل الاشاعت ہیں۔ دوسرے بیٹے ناصر احمد صاحب قمر حافظ القرآن ہیں اور اس وقت جرمنی میں رہ رہے ہیں۔ تیسرے بیٹے، مظفر احمد صاحب قمر، نظارت علیا، صدر احمدیہ پاکستان ربوہ، میں بطور کارکن اور مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ پاکستان میں بطور مہتمم خدمات بجالا رہے ہیں۔ جبکہ آپ کی چاروں بیٹیاں اپنے اپنے گھروں میں آباد ہو چکی ہیں۔

☆ ☆ ☆

چوبیسواں نشان الٰہی

''آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے''

مکرم مولانا بشیر احمد صاحب قمر کا بیان کردہ

حفاظت سماوی کا دوسرا واقعہ

مکرم مولانا بشیر احمد صاحب قمر کا ہی بیان کردہ حفاظت سماوی کا یہ دوسرا واقعہ اُس وقت کا ہے جب آپ کو ۱۹۸۴ء میں تیسری بار غانا بھجوایا گیا۔ چنانچہ آپ اِس کی روئداد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ایک دن ہم وا (Wa) سے ۶۰/۷۰ کلومیٹر دور دورے پر گئے۔ رات کے دس بجے کے قریب واپسی ہوئی۔ کار میں مسٹر یحيٰ ڈرائیور اور عبداللہ بن صالح بطور ترجمان ساتھ تھے۔ ہم ایک سنسان جنگل میں سے گزر رہے تھے کہ سامنے موڑ آنے پر ڈرائیور اندازہ نہ کر

سکا اور کار پوری رفتار سے چلتی ہوئی سیدھی ایک جھاڑی میں جا کر ریت اور گھاس میں پھنس گئی۔ جب مَیں نے پچھلی سیٹ سے باہر نکل کر دیکھا، تو کار کے نیچے گھاس میں آگ بھڑکی ہوئی نظر آئی۔ چنانچہ ڈرائیور اور ترجمان فوراً باہر آکر باہر آکر آگ بجھانے میں لگے گئے۔ خدا خدا کر کے جب آگ بجھی اور ہم نے کار کو دوبارہ سٹارٹ کیا، تو نیچے پھر آگ بھڑک اٹھی۔ ادھر کار کی ٹینکی پٹرول سے بھری ہوئی تھی، جس سے خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں پٹرول کو آگ نہ لگ جائے۔ چنانچہ دوبارہ بڑی کوشش سے آگ بجھائی۔ اب کار کو باہر نکالنا ہمارے بس کی بات نہ تھی۔ ادھر رات لٹیروں کا بھی خدشہ ہوتا ہے۔ ابھی اسی شش و پنج میں تھے کہ کیا جائے کہ ایک ٹرک آتا ہوا دکھائی دیا۔ ہم نے رکنے کا اشارہ کیا، مگر ٹرک سو گز آگے جا کر رکا۔ اتفاق سے ٹرک کا ڈرائیور ہمارے ڈرائیور کا واقف نکلا۔ اس میں اَور آدمی بھی سوار تھے۔ ان سب نے مل کر کار کو جھاڑی میں سے دھکیل کر نکالا۔ جب کار کو باہر نکالا گیا، تو معلوم ہوا کہ کار اور ایک بڑے درخت کے درمیان صرف چار پانچ انچ کا فاصلہ رہ گیا تھا''

فرماتے ہیں، اس پر خدا کا شکر ادا کیا کہ کار اس بڑے درخت کے ساتھ ٹکرانے سے بچ گئی، ورنہ خدا جانے کیا سے کیا ہو جاتا۔ نیز فرماتے ہیں، اس حادثے کا اثر کئی دنوں تک میری طبیعت پر رہا۔ الحمدللہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہمارے وہاں سے بخیریت نکلنے کا سامان پیدا فرما دیا۔ نیز اس کا اپنے مسیح پاک سے کیا ہوا یہ وعدہ پورا ہوا کہ 'آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے' ''

(بحوالہ مکتوب نمبر ۱۱۰، مورخہ ۱۵؍ جولائی ۲۰۰۶ء)

☆ ☆ ☆

پچیسواں نشان الٰہی

''گاڑی اور فرشتے''

ڈاکٹر عبدالعزیز اخوند کی ایک سفری داستان

آخر پر ڈاکٹر عبدالعزیز اخوند صاحب کا بیان کردہ اور آپ ہی کے ساتھ بیتا ہوا ایک واقعہ پیش کیا جاتا

ہے، جس میں آپ نے بتایا ہے کہ کس طرح ایک ریل گاڑی کے سفر کے دوران ملائکہ ان کی حفاظت کرتے رہے، جبکہ گاڑی کے پہیئے ٹیڑھے ہو جانے کے باعث اس کا اپنی ریل کی پٹڑی کے اوپر برقرار رہنا عملاً ناممکن ہو چکا تھا۔ اور عجیب تر یہ کہ کشفی حالت میں ڈاکٹر صاحب موصوف کو وہ فرشتے نظر بھی آتے رہے۔ اس عجیب وغریب مگر خدا کی ہستی پر چار چاند روشن کرنے والے سانحہ کی روئداد جس طرح آپ نے بیان فرمائی ہے، سننے کے قابل ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''ایک دفعہ قادیان سے مَیں ریل گاڑی میں سوار ہوا اور ڈہرکی (سندھ) جا رہا تھا۔ مَیں نے دیکھا کہ ایک لشکر فرشتوں کا ہے، جو اس ڈبہ کے باہر، جس میں مَیں سوار تھا، ٹرین کے ساتھ ساتھ دوڑتا چلا جا رہا ہے۔ یہ بھی دیکھا کہ ان میں سے کچھ ڈبہ کے اندر بھی آجاتے ہیں، وہاں کھڑے رہتے ہیں یا بیٹھ جاتے ہیں اور پھر باہر والے فرشتوں سے جا ملتے ہیں۔ یہ نظارہ مجھے ظاہری آنکھوں سے نہیں بلکہ باطنی آنکھوں سے صاف نظر آ رہا تھا۔ جیسے ہی مَیں آنکھیں بند کرتا، وہ نظارہ مجھے بڑی صفائی سے نظر آنا شروع ہو جاتا۔ چنانچہ مَیں اسے دیکھتا اور اس سے محظوظ ہوتا چلا گیا''

آپ فرماتے ہیں، یہ کیفیت بٹالہ سے لاہور کی طرف سفر کرتے ہوئے کافی عرصہ تک جاری رہی۔ اس کے ساتھ ہمارے انٹر کلاس کے ڈبے میں نیچے سے کچھ عجیب وغریب قسم کی آوازیں اور دھچکے بھی محسوس ہوتے رہے۔ سب مسافر خوف زدہ تھے۔ مگر کسی کو کچھ علم نہ تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ فرماتے ہیں:

''جب اسٹیشن آیا اور گاڑی کھڑی ہوئی، تو گارڈ آ گیا۔ اس کے ساتھ کچھ سٹیشن کا عملہ بھی آ گیا اور آ کر ڈبہ کے پہیوں کا معائنہ کرنے لگا۔ اچانک گارڈ ایک خوفناک چیخ مار کر کہنے لگا کہ یہ ڈبہ تو ریل کی پٹڑی سے پھسل کر گرنے والا تھا۔ پہیئے یوں ٹیڑھے ہو گئے ہیں اور اپنی اصطلاحی زبان میں کسی چیز کا نام لیا کہ وہ ٹوٹ چکی ہے۔ پھر بے اختیار ر بول اٹھا، بھگوان (وہ ہندو تھا۔ ناقل)! تیرا شکر ہے۔ پھر اسی بے اختیاری کی حالت میں کہنے لگا، 'کوئی اللہ والے اس ڈبہ میں ہیں، جس کے طفیل سب مسافر بچ گئے بلکہ ٹرین ہی بچ گئی، ورنہ سخت نقصان ہو جاتا' ''

فرماتے ہیں، پھر سب مسافروں کو اتار کر وہ ڈبہ کاٹ دیا گیا اور ہم دوسرے ڈبوں میں چلے گئے۔ پھر

جب ٹرین چلی ،تو وہی فرشتے ساتھ دیکھے۔لیکن اب کم تھے اور پھر کم ہوتے ہوتے بالکل غائب ہو گئے۔ مَیں نے سمجھا کہ یہ اللہ کی حفاظت تھی اور اسی کا انتظام تھا کہ ہم کسی حادثہ سے محفوظ رہے۔

(نشان کبیر،صفحہ ۱۴۹ تا ۱۵۰)

.......☆.......

تعارف:ڈاکٹر عبدالعزیز اخوند صاحب نے ۱۹۲۵ء میں احمدیت قبول کی۔آپ کا آگ سے معجزانہ رنگ میں محفوظ رہنے کا واقعہ باب ششم میں بیان ہو چکا ہے۔آپ کا مزید تعارف اور آپ کے قبول احمدیت کی دلچسپ اور ایمان افروز داستان ''درویشان احمدیت'' جلد اول میں بیان ہو چکی ہے۔

مذکورہ بالا واقعہ پر راقم الحروف کا تبصرہ

کیا یہ واقعہ قرآن کریم کی اس آیت کریمہ عملی تفسیر نہیں ،جس میں بتایا گیا ہے کہ خدائے پاک پر سچا ایمان رکھنے والوں پر فرشتے نازل ہوتے اور انہیں تسلیاں دیتے اور کہتے ہیں ،کوئی فکر اور غم نہ کرو،ہم تمہارے ساتھ ہیں (سورہ حٰم سجدہ،آیت:۳۱)اور کیا ایک درویش احمدی کا فرشتوں کی حفاظت میں سرانجام پانے والا یہ سفر جماعت احمدیہ کے اولوالعزم خلیفہ،المصلح الموعودؓ کی اس دعا کا حسین ثمرہ نہیں ،جس میں حضورؓ نے اپنی جماعت کے دوستوں کے حق میں اپنی ایک نظم میں مندرجہ ذیل دعائیہ کلمات فرمائے:

''ہر گام پر فرشتوں کا لشکر ہو ساتھ ساتھ
ہر ملک میں تمہاری حفاظت خدا کرے!''

اور ایک سوال!

اور اب خدا را بتائیں ،کہ کیا ہمارے معاندین کو بھی کبھی ایسے فرشتے نظر آئے یا پھر کیا مولوی ابو الاعلیٰ مودودی صاحب ، یا مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب ،وغیرھم معاندین احمدیت میں سے بھی کبھی کسی نے اپنے مریدوں کے حق میں ایسی دردمندانہ دعائیں اور التجائیں کیں؟

...تمت بالخیر...

فہرست مضامین

کتابیات

(سلسلہ احمدیہ کی وہ کتب، اخبارات اور رسائل، جن سے اس مجموعہ کی تیاری میں استفادہ کیا گیا ہے)

تفسیر کبیر: حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد، امام جماعت احمدیہ وخلیفۃ المسیح الثانیؓ، کی وہ تفسیر قرآن جو ادارہ وکالت تصنیف لندن کی طرف سے ۱۹۸۶ء میں دس جلدوں میں شائع ہوئی۔

روحانی خزائن: (حقیقۃ الوحی، ازالہ اوہام وغیرہ) حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کی تالیف کردہ وہ کتب جو ادارہ وکالت تصنیف، لندن، کی طرف سے ۱۹۸۴ء میں ۲۳ جلدوں میں شائع ہوئیں۔

ملفوظات: حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کے ان کلمات کا مجموعہ جو حضرت نے اپنی ماموانہ زندگی کے دوران ارشاد فرمائے، جو آپ کی زندگی میں ہی ضبط تحریر میں لائے گئے اور جو ادارہ وکالت تصنیف، لندن، کی طرف سے ۱۹۸۴ء میں دس جلدوں میں شائع کئے گئے۔

تذکرہ: حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رؤیا، کشوف اور الہامات کا مجموعہ، طبع چہارم، طابع وناشر الشرکۃ الاسلامیہ، ربوہ

رجسٹر روایات صحابہ: صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی روایات کا قلمی مجموعہ، جو خلافت لائبریری، ربوہ، میں مجلد رجسٹروں کی صورت میں محفوظ ہے۔

اخبار الحکم والبدر: حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی میں قادیان سے نکلنے والے دو اخبارات۔

اخبار روزنامہ الفضل: جماعت احمدیہ کا اردو زبان میں نکلنے والا مرکزی روزنامہ، جس کا سلسلۂ اشاعت خلافت ثانیہ سے لے کر اب تک جاری ہے۔

اخبار ''الفضل انٹرنیشنل'': لندن سے نکلنے والا سلسلہ احمدیہ کا ہفتہ روزہ اردو اخبار

تاریخ احمدیت: سلسلہ احمدیہ کی متعدد جلدوں میں شائع ہونے والی مستند تاریخ از مولانا دوست محمد صاحب شاہد

مجموعہ اشتہارات: حضرت بانی سلسلہؑ کے اشتہارات کا تین جلدوں میں شائع ہونے والا مجموعہ

اصحاب احمد: مؤلفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے، (یکے از درویشان قادیان)

حیات قدسی: حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ کے پانچ جلدوں میں خودنوشت حالات زندگی

حیات بقاپوری: حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بقاپوریؓ کے خودنوشت حالات زندگی

حیاۃ الآخرۃ: حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ کی تصنیف لطیف

روح پرور یادیں: مؤلفہ مولانا محمد صدیق فاضل امرتسری (یکے از مبلغین سلسلہ عالیہ احمدیہ)

میری یادیں: حضرت مولوی محمد حسین صاحب (المعروف سبز پگڑی والے) کی خودنوشت داستان حیات

تحدیث نعمت: خودنوشت حالات زندگی چودھری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب ؓ،مطبوعہ ۱۹۸۱ء

سوانح بیگم شفیع: سیدہ قریشہ سلطانہ (المعروف بیگم شفیع) کی سوانح از قلم سیدہ نسیم سعید صاحبہ ایم۔اے۔لاہور

لاہور: ہفت روزہ رسالہ، لاہور، ایڈیٹر ثاقب زیروی

سیرۃ احمدؑ: مجموعہ روایات صحابہ حضرت حضرت مسیح موعود علیہ السلام مؤلفہ حضرت مولوی قدرت اللہ صاحب سنوریؓ

میری والدہ: مختصر حالات زندگی حضرت حسین بی بی صاحبہؓ، والدہ چودھری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ

ایک مرد خدا: حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی سوانح بزبان انگریزی A Man of God از Iyan Adamsons کا اردو ترجمہ از پروفیسر محمد علی

عظیم زندگی: خودنوشت حالات زندگی مؤلفہ مسٹر بشیر احمد آرچرڈ (جماعت احمدیہ کے پہلے انگریز مبلغ اسلام) (ترجمہ از انگریزی منجانب زکریا ورک صاحب، کینیڈا)

نشان کبیر: خودنوشت حالات زندگی ڈاکٹر عبدالعزیز اخوند صاحب


برہان ہدایت: ایماافروز واقعات، مؤلفہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبشر

تذکرۃ المہدی: سیرۃ حضرت مسیح موعودؑ، مؤلفہ پیر سراج الحق نعمانیؓ (یکے از صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

حیات نور: سوانح حضرت حکیم مولانا نورالدین صاحب، خلیفۃ المسیح الاول، مصنفہ شیخ عبدالقادر صاحب (یکے از مبلغین سلسلہ عالیہ احمدیہ)

مکتوبات: احباب جماعت کے اپنی خوابوں پر مشتمل خطوط، جو انہوں نے خاکسار کے ۱۹۷۸/۷۹ء میں اخبار الفضل میں شائع ہونے والے ایک اعلان کے جواب میں خاکسار کو بھجوائے۔

........☆........


فاعلم انه لا اله الا الله محمد رسول الله
Nasr Publications